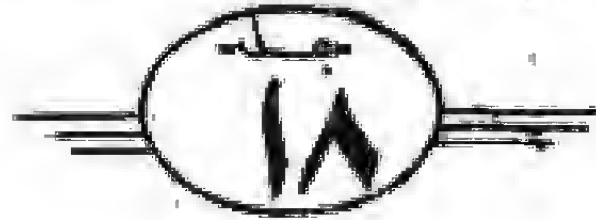


روزانہ درس قرآن

# تفسیر

سورة الواقعة	(مکمل)
سورة الحديد	(مکمل)
سورة المجادلة	(مکمل)
سورة الحشر	(مکمل)
سورة الممتحنة	(مکمل)
سورة الصنف	(مکمل)
سورة الجمعة	(مکمل)
سورة المنفقون	(مکمل)
سورة التغابن	(مکمل)
سورة الطلاق	(مکمل)
سورة التحریم	(مکمل)



افادامت

حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم سواتی دام مجید

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ، پاکستان

## طبع گیارہ

### (جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ واقعہ تا سورہ تحریم) جلد ۱۸
اقتادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج فضل دین - ایم اے (علوم اسلامیہ) مثالا مارٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نقیس الحسنی مدظلہ
کتاہت	محطمان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق منج گوجرانوالہ
قیمت	۱۸۰/- (ایک سو اسی روپے)
تاریخ طبع گیارہ	ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۸ء

## ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق منج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراہ سنٹر اردو بازار لاہور (۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ علمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور (۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈاگامی، لاہور
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور



# فہرست مضامین معالم العرفان فی درس القرآن جلد ۱۸

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۴۱	اصحابِ مدین	۱۷	پیش لفظ از محمد فیاض خان سواتی
۴۲	بانگات میں ٹھکانا	۳۳	سختی کے گھنٹے، الحاحِ نعلین، ایم کے
۴۳	غریبوں و عورتوں کی رفاقت	۲۵	سورۃ الرافعہ (مکمل)
۴۶	درس سوم ۳ (آیت ۴۱ تا ۵۶)	۲۸	درس اول (آیت ۱۱ تا ۱۳)
۴۷	ربط آیات	۲۹	نام اور کوائف
۴۷	اصحابِ شمال کا حال	۲۹	مضامین سورۃ
۴۹	سزا کی وجوہات (۱) آشودہ عالی	۲۹	فضائل سورۃ
۵۰	(۲) گناہ پر اصرار	۳۱	وقوع قیامت کا حال
۵۲	(۳) بعثت بعد الموت کا انکار	۳۲	لوگوں کے تین گروہ
۵۲	اصحابِ شمال کے لیے سزا	۳۲	رائیں اور بائیں ہاتھ والے
۵۴	درس چارم ۴ (آیت ۵۷ تا ۷۷)	۳۳	سابقین کا گروہ
۵۵	ربط آیات	۳۵	مقرب اور ابرار
۵۶	تخلیق انسانی بطور دلیل	۳۶	درس دوم ۲ (آیت ۱۵ تا ۴۰)
۵۷	سموت اور دوبارہ بعثت	۳۷	ربط آیات
۵۸	کھیتی باڑی بطور دلیل قدرت	۳۸	جنت میں سابقین کی کیفیت
۶۰	نزولِ آب بطور دلیل	۳۸	شراب، طہور کے جام
۶۴	درس پنجم ۵ (آیت ۷۵ تا ۸۲)	۴۰	پہل اور گزشت
۶۴	ربط آیات	۴۰	سمہین
۶۵	قرآن کریم کی عظمت	۴۱	نصوات سے چھٹکانا

۹۱	اللہ کی حاکمیت اعلیٰ	۶۶	مفسرین کے مختلف اقوال
۹۳	درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۱۰)	۶۷	قرآن کی حفاظت کا انتظام
۹۴	رابط آیات	۶۸	قرآن پاک کو چھوٹے مسئلہ
۹۴	توحید و رسالت پر ایمان	۶۹	قرآن کی تلاوت کا مسئلہ
۹۵	انفاق فی سبیل اللہ کا حکم	۷۰	نزول قرآن
۹۶	ایمان باللہ سے انکار	۷۱	قرآن کے بارے میں مباحثات
۹۷	قرآن بطور روشنی	۷۲	اللہ تعالیٰ کا شکر
۹۹	مال بطور امانت	۷۳	درس ششم ۶ (آیت ۸۳ تا ۹۶)
۱۰۱	انفاق میں سبقت کی فضیلت	۷۴	رابط آیات
۱۰۳	درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۵)	۷۵	وقت نزع کی حالت
۱۰۴	رابط آیات	۷۶	مقربین کے لیے جزا
۱۰۵	قرض حسنہ کی ترغیب	۷۸	اصحاب مدین کے لیے سلامتی
۱۰۶	اہل ایمان کے لیے نور	۷۹	مکذبین کے لیے سزا
۱۰۷	منافقوں کی درخواست برائے نور	۸۱	تبیین کا حکم
۱۰۸	منافقین کی محرومی	۸۲	سُورَةُ الْحَلِيد (مکمل)
۱۰۸	حصول نور کے ذرائع	۸۳	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۶)
۱۱۱	منافقوں اور مومنوں کا مکالمہ	۸۴	نام اور کوائف
۱۱۲	منافقوں اور کافروں کا انجام	۸۵	مضامین سورۃ
۱۱۴	درس چہارم ۴ (آیت ۱۶ تا ۱۹)	۸۶	اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ
۱۱۵	رابط آیات	۸۷	آسمان و زمین کی بادشاہت
۱۱۵	ذکر الہی سے غفلت	۸۸	اول و آخر، ظاہر و باطن
۱۱۷	اہل کتاب کی سنگدلی	۹۰	آسمان و زمین کی تخلیق
۱۱۸	سنگدلی کا علاج	۹۰	اللہ کا علم محیط
			معیت خداوندی

۱۳۰	بینات اور ہدایت	۱۱۹	مردہ اور زندہ زمین کی مثال
۱۳۱	کتاب اور منیران	۱۱۹	انفاق کی اہمیت
۱۳۲	لوہے کا نزول	۱۲۰	زکوٰۃ فتنہ کا بیجا مصرف
۱۳۳	لوہے کا استعمال	۱۲۱	حکمرانوں کی ناقص کارکردگی
۱۳۴	احادیث نبوی میں آگنی آلات کا ذکر	۱۲۱	صدیق اور شہداء
۱۳۵	مسلمانوں کی پس ماندگی	۱۲۲	اہل ایمان اور کفار کا بدلہ
۱۳۶	نزول آہن کا مقصد	۱۲۴	درس پنجم ۵ (آیت ۲۰ تا ۲۱)
۱۳۸	درس ششم ۸ (آیت ۲۶ تا ۲۷)	۱۲۵	ربط آیات
۱۳۹	ربط آیات	۱۲۵	دنیا کی زندگی کی حقیقت
۱۳۹	حضرت نوح اور ابراہیم کا تذکرہ	۱۲۶	بارش اور کھیتی کی مثال
۱۴۰	اولاد نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی فضیلت	۱۲۷	زندگی کا انجام
۱۴۱	ہدایت یافتہ اور نافرمان لوگ	۱۲۸	جائز اور ناجائز تحصیل کردہ
۱۴۲	مابعد رسول	۱۳۰	منظرت اور جنت للہی
۱۴۳	متبعین علیہ کی خصوصیت	۱۳۰	اللہ تعالیٰ کی قربانی
۱۴۳	رہبانیت کی خدمت	۱۳۲	درس ششم ۶ (آیت ۲۲ تا ۲۳)
۱۴۴	رہبانیت اور عباد	۱۳۲	ربط آیات
۱۴۴	رہبانیت کی تین قسمیں	۱۳۳	اندرونی اور بیرونی مصائب
۱۴۵	بدعت کی تعریف	۱۳۶	حسرت اور تکبر کی ممانعت
۱۴۷	بزرگوں کی قبر کے ساتھ سلوک	۱۳۷	نخل کی خدمت
۱۴۸	شاہ عبدالقادر کا نظریہ	۱۳۸	انفاق کا فائدہ
۱۴۹	درس ہفتم ۹ (آیت ۲۸ تا ۲۹)	۱۳۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۲۵)
۱۴۹	ربط آیات	۱۳۹	ربط آیات
۱۵۰	دوہر ایمان ہو گئے تھے	۱۴۰	مقصود بعثت انبیاء

۱۶۲	مشاورت کی اہمیت	روشنی کی فراہمی
۱۶۳	منافقین کی سرگوشیاں	انعامات الہیہ کی توجہ
۱۶۵	سلام کرنے میں منافقت	یسو و نصاریٰ کی مثال
۱۶۷	صحیح مشورے کا حکم	سُورَةُ الْمَجَادِلَةِ (مکمل)
۱۶۸	شیطان مشورے	درس اول (آیت ۲ تا ۲۱)
۱۶۹	خدا پر بھروسہ	نہم اور کوائف
۱۶۹	درس چہارم ۴ (آیت ۱۱ تا ۱۳)	مضامین سورۃ
۱۶۹	رابطہ آیات	زمانہ جاہلیت کے غلط مسائل
۱۷۰	مجلس میں کشادگی	مذہب کا آغاز
۱۷۱	آداب مجلس	استغاثہ کا جواب
۱۷۲	سرگوشی سے پہلے صدقہ کا حکم	مذہب کی بعض تفصیلات
۱۷۳	اس حکم کی منسوخی	ظہار پر اللہ کی ناپسندیدگی
۱۷۳	نماز اور زکوٰۃ	فروعی مسائل متعلقہ ظہر
۱۷۶	درس پنجم ۵ (آیت ۱۲ تا ۲۱)	درس دوم (آیت ۲ تا ۱۶)
۱۷۷	یسوی اور علی و اعتقادی منافق	رابطہ آیات
۱۷۷	یسو و منافقین کی اسلام دشمنی	کفارہ ظہار (۱) حکام کی آزادی
۱۷۹	منافقوں کی جھوٹی قسمیں	(۲) دو ماہ کے روزے
۱۷۹	شیطان کا غلبہ	(۳) ساتھ مساکین کو کھانا کھانا
۱۸۰	اللہ اور رسول کے مخالفین	ظہار کا دوسرا واقعہ
۱۸۱	درس ششم ۶ (آیت ۲۲)	مخالفین کا انجام
۱۸۳	رابطہ آیات	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۷)
۱۸۶	اہل ایمان کی دوستی	رابطہ آیات
۱۸۶	روح القدس سے تائید	اللہ کا علم محیط

۲۳۸	۲۱۳	صحابہ کرامؓ کا عمل
۲۳۸	۲۱۶	بدعتی سے تعلقات
۲۳۹	۲۱۷	حزب اللہ کی کامیابی
۲۳۹	۲۱۹	سورۃ العنکبوت (مکمل)
۲۴۱	۲۲۰	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۴)
۲۴۲	۲۲۱	نام اور کوائف
۲۴۲	۲۲۲	مضامین سورۃ
۲۴۳	۲۲۲	اللہ تعالیٰ کی تسبیح
۲۴۳	۲۲۳	معادہ مدینہ
۲۴۴	۲۲۵	بنی نضیر کی معادہ شکنی
۲۴۵	۲۲۶	بنی نضیر پر چڑھائی
۲۴۶	۲۲۷	بنی نضیر کی جلا وطنی
۲۴۶	۲۲۸	درس دوم ۲ (آیت ۱ تا ۵)
۲۴۷	۲۲۹	ربط آیات
۲۵۰	۲۳۱	درخت کاٹنے کی اجازت
۲۵۰	۲۳۲	فقہی مسائل
۲۵۱	۲۳۳	مال غنہ کی تعریف
۲۵۲	۲۳۳	مال غنہ کی تقسیم
۲۵۳	۲۳۵	درس سوم ۳ (آیت ۷)
۲۵۴	۲۳۵	ربط آیات
۲۵۵	۲۳۶	مال غنہ کے حصص (۱) اللہ کا حصہ
۲۵۶	۲۳۶	(۲) رسول کا حصہ
۲۵۸	۲۳۷	(۳) آلہ برداروں کا حصہ
	۲۱۴	۶۵ (۶۵) ۱۰
	۲۱۶	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۱۷	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۱۹	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۰	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۱	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۲	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۲	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۳	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۵	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۶	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۷	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۸	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۲۹	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۰	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۱	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۲	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۳	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۵	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۵	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۶	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۶	۱۰ (۱۰) ۱۰
	۲۳۷	۱۰ (۱۰) ۱۰



۲۵۸	۸	ردبط آیات
۲۵۹	۲۵۸	انصار و مجاہدین سے بعد وائے لوگ
۲۶۰	۲۵۹	تاخرین کی تقدیم کے لیے دعائیں
۲۶۱	۲۶۰	حضرت انسؓ کو ہدایت
۲۶۲	۲۶۱	حرف آخر
۲۶۳	۲۶۲	درس ہفتم (آیت ۱۱ تا ۱۷)
۲۶۴	۲۶۳	منافقین کی اسلام دشمنی
۲۶۵	۲۶۴	اہل بیان کے لیے اتالی
۲۶۶	۲۶۵	یہودیوں کا اندرونی خفا
۲۶۷	۲۶۶	منافقوں کی مثال
۲۶۸	۲۶۷	درس ہشتم (آیت ۱۸ تا ۲۰)
۲۶۹	۲۶۸	ردبط آیات
۲۷۰	۲۶۹	آخرت کی فکر
۲۷۱	۲۷۰	تقویٰ کا مفہوم
۲۷۲	۲۷۱	عربی میں لفظ خدا کا استعمال
۲۷۳	۲۷۲	انسانی ہمدردی کا پروردگار
۲۷۴	۲۷۳	صدیق اکبرؓ کا خطبہ
۲۷۵	۲۷۴	اگلے جہان کی تیاری
۲۷۶	۲۷۵	خدا فراموشی کی ممانعت
۲۷۷	۲۷۶	درس نہم ۹ (آیت ۲۱)
۲۷۸	۲۷۷	ردبط آیات
۲۷۹	۲۷۸	قرآن کریم کی عظمت
۲۸۰	۲۷۹	انسان کی سنگدلی
۲۸۱	۲۸۰	
۲۸۲	۲۸۱	
۲۸۳	۲۸۲	
۲۸۴	۲۸۳	
۲۸۵	۲۸۴	
۲۸۶	۲۸۵	
۲۸۷	۲۸۶	
۲۸۸	۲۸۷	
۲۸۹	۲۸۸	
۲۹۰	۲۸۹	
۲۹۱	۲۹۰	
۲۹۲	۲۹۱	
۲۹۳	۲۹۲	
۲۹۴	۲۹۳	
۲۹۵	۲۹۴	
۲۹۶	۲۹۵	
۲۹۷	۲۹۶	
۲۹۸	۲۹۷	
۲۹۹	۲۹۸	
۳۰۰	۲۹۹	
۳۰۱	۳۰۰	
۳۰۲	۳۰۱	
۳۰۳	۳۰۲	
۳۰۴	۳۰۳	
۳۰۵	۳۰۴	
۳۰۶	۳۰۵	
۳۰۷	۳۰۶	
۳۰۸	۳۰۷	
۳۰۹	۳۰۸	
۳۱۰	۳۰۹	
۳۱۱	۳۱۰	
۳۱۲	۳۱۱	
۳۱۳	۳۱۲	
۳۱۴	۳۱۳	
۳۱۵	۳۱۴	
۳۱۶	۳۱۵	
۳۱۷	۳۱۶	
۳۱۸	۳۱۷	
۳۱۹	۳۱۸	
۳۲۰	۳۱۹	
۳۲۱	۳۲۰	
۳۲۲	۳۲۱	
۳۲۳	۳۲۲	
۳۲۴	۳۲۳	
۳۲۵	۳۲۴	
۳۲۶	۳۲۵	
۳۲۷	۳۲۶	
۳۲۸	۳۲۷	
۳۲۹	۳۲۸	
۳۳۰	۳۲۹	
۳۳۱	۳۳۰	
۳۳۲	۳۳۱	
۳۳۳	۳۳۲	
۳۳۴	۳۳۳	
۳۳۵	۳۳۴	
۳۳۶	۳۳۵	
۳۳۷	۳۳۶	
۳۳۸	۳۳۷	
۳۳۹	۳۳۸	
۳۴۰	۳۳۹	
۳۴۱	۳۴۰	
۳۴۲	۳۴۱	
۳۴۳	۳۴۲	
۳۴۴	۳۴۳	
۳۴۵	۳۴۴	
۳۴۶	۳۴۵	
۳۴۷	۳۴۶	
۳۴۸	۳۴۷	
۳۴۹	۳۴۸	
۳۵۰	۳۴۹	
۳۵۱	۳۵۰	
۳۵۲	۳۵۱	
۳۵۳	۳۵۲	
۳۵۴	۳۵۳	
۳۵۵	۳۵۴	
۳۵۶	۳۵۵	
۳۵۷	۳۵۶	
۳۵۸	۳۵۷	
۳۵۹	۳۵۸	
۳۶۰	۳۵۹	
۳۶۱	۳۶۰	
۳۶۲	۳۶۱	
۳۶۳	۳۶۲	
۳۶۴	۳۶۳	
۳۶۵	۳۶۴	
۳۶۶	۳۶۵	
۳۶۷	۳۶۶	
۳۶۸	۳۶۷	
۳۶۹	۳۶۸	
۳۷۰	۳۶۹	
۳۷۱	۳۷۰	
۳۷۲	۳۷۱	
۳۷۳	۳۷۲	
۳۷۴	۳۷۳	
۳۷۵	۳۷۴	
۳۷۶	۳۷۵	
۳۷۷	۳۷۶	
۳۷۸	۳۷۷	
۳۷۹	۳۷۸	
۳۸۰	۳۷۹	
۳۸۱	۳۸۰	
۳۸۲	۳۸۱	
۳۸۳	۳۸۲	
۳۸۴	۳۸۳	
۳۸۵	۳۸۴	
۳۸۶	۳۸۵	
۳۸۷	۳۸۶	
۳۸۸	۳۸۷	
۳۸۹	۳۸۸	
۳۹۰	۳۸۹	
۳۹۱	۳۹۰	
۳۹۲	۳۹۱	
۳۹۳	۳۹۲	
۳۹۴	۳۹۳	
۳۹۵	۳۹۴	
۳۹۶	۳۹۵	
۳۹۷	۳۹۶	
۳۹۸	۳۹۷	
۳۹۹	۳۹۸	
۴۰۰	۳۹۹	

۳۲۴	بیعت کی قسمیں	۳۰۳	آخرت میں کامیابی کا مدار
۳۲۶	سرشد کامل کے اوصاف	۳۰۵	درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۶)
۳۲۸	نامقابل بیعت پیر	۳۰۶	رابط آیات
۳۲۸	عورتوں کی بیعت کے لیے شرائط	۳۰۷	ابراہیم کی توحید پرستی
۳۳۰	عورتوں سے بیعت کا طریقہ	۳۰۸	اسوۃ ابراہیمی
۳۳۰	مغضوب علیہم سے دوستی کی ممانعت	۳۰۹	باپ کے لیے بخشش کی دعا
۳۳۲	سورة الصف (مکمل)	۳۰۹	دعائے ابراہیمی
۳۳۲	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۴)	۳۱۰	مسلمانوں کی زبوں حالی
۳۳۵	نام اور کوائف	۳۱۱	خلاصہ کلام
۳۳۵	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۳۱۲	درس سوم ۳ (آیت ۷ تا ۹)
۳۳۵	توحید کا بیان	۳۱۳	رابط آیات
۳۳۶	خدا تعالیٰ کی تسبیح	۳۱۳	کفار سے دوستی کی اُمید
۳۳۸	شانِ نزول	۳۱۴	ابوسفیان کی درخواست
۳۳۸	قول و فعل کا تضاد	۳۱۵	غیر حربی کفار سے نیک سلوک
۳۴۴	صف بندی کی اہمیت	۳۱۶	حربی کفار سے دوستی کی ممانعت
۳۴۲	درس دوم ۲ (آیت ۵)	۳۱۸	درس چہارم ۴ (آیت ۱۰ تا ۱۱)
۳۴۲	رابط آیات	۳۱۹	رابط آیات
۳۴۲	جہاد کی اہمیت	۳۱۹	مہاجر عورتوں کے متعلق تحقیق
۳۴۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے حالات	۳۲۱	مہر کی ادائیگی
۳۴۴	کسری کا غرور	۳۲۲	عدم ادائیگی کی صورت میں
۳۴۵	قوم موسیٰ کا بگاڑ	۳۲۳	درس پنجم ۵ (آیت ۱۲ تا ۱۳)
۳۴۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کی جانثاری	۳۲۴	رابط آیات
۳۴۷	موسیٰ کا قوم سے شکوہ	۳۲۴	عورتوں کے لیے بیعت



۳۷۳	ربط آیات	۳۷۸	دلوں کی کج روی
۳۷۴	انصار اللہ کا گمروہ	۳۵۰	درس سوم ۲ (آیت ۶)
۳۷۴	عیسیٰ علیہ السلام کے حواری	۳۵۰	ربط آیات
۳۷۶	حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ	۳۵۱	سابقہ کتب کی تصدیق
۳۷۶	عیسائی فرقے	۳۵۲	آخری نبی کی بشارت
۳۷۷	اہل ایمان کی تائید	۳۵۳	وعلیٰ خلیل اور نوید مسیحا
۳۸۱	سُورَةُ الْجُمُعَةِ (مکمل)	۳۵۴	انجیل میں تحریفات
۳۸۲	درس اوّل ۱ (آیت ۱ تا ۴)	۳۵۵	تکذیبِ رسل
۳۸۳	نام اور کوائف	۳۵۷	درس چہارم ۴ (آیت ۷ تا ۹)
۳۸۳	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۳۵۷	ربط آیات
۳۸۴	مثلہ توجہ	۳۵۸	نجاشی کا قبولِ اسلام
۳۸۵	بعض صفات خداوندی	۳۶۰	منکرینِ اسلام کے لیے وعید
۳۸۵	بعثتِ نبی آخر الزمانؐ	۳۶۱	غلبہ دین کی بشارت
۳۸۷	حکمت کی تعریف	۳۶۲	عمومی غلبے کے لیے شرط
۳۸۸	قبل از نبوت	۳۶۳	مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری
۳۸۸	بعد میں آنے والے	۳۶۵	درس پنجم ۵ (آیت ۱۰ تا ۱۳)
۳۹۱	درس دوم ۲ (آیت ۵)	۳۶۶	ربط آیات
۳۹۱	ربط آیات	۳۶۷	اللہ اور رسول پر ایمان
۳۹۱	حاملینِ تورات کی مثال	۳۶۸	جہاد فی سبیل اللہ
۳۹۵	دورانِ خطبہ کلام کی ممانعت	۳۶۹	جہاد کی دو قسمیں
۳۹۵	مولانا رومیؒ اور علم	۳۷۰	مسلمانوں کی ذہنوں کی حالی
۳۹۸	درس سوم ۳ (آیت ۶ تا ۸)	۳۷۱	آخرت میں کامیابی
۳۹۸	ربط آیات	۳۷۳	درس ششم ۶ (آیت ۱۴)

۴۲۵	سُوْرَةُ الْمُنْفِقُوْنَ (مکمل)	۴۹۹	موت کی مٹا
۴۲۶	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۴)	۴۰۰	موت سے بھت
۴۲۷	نام اور کوائف	۴۰۱	موت سے مفر نہیں
۴۲۷	مضامین سورۃ	۴۰۳	موت کے لیے دُعا کا مسئلہ
۴۲۸	بعض اصطلاحات	۴۰۴	مسلمان یہود کے نقش قدم پر
۴۲۸	اعتقادی منافق	۴۰۴	ہندوانہ رسوم مسلمانوں میں
۴۲۸	عملی منافق	۴۰۶	اللہ کے حضور پیشی
۴۲۹	شانِ نزول	۴۰۷	درس چہارم ۴ (آیت ۱ تا ۱۰)
۴۳۰	منافقوں کی کذب بیانی	۴۰۷	جمعہ کی فضیلت
۴۳۱	منافقوں کی اسلام دشمنی	۴۰۹	جمعہ کی اذان
۴۳۲	ہر وقت کھٹکا	۴۰۹	جمعہ کے بعض مسائل
۴۳۳	منافقوں سے بچنے کی ضرورت	۴۱۱	نماز جمعہ کے لیے اہتمام
۴۳۵	درس دوم ۲ (آیت ۵ تا ۸)	۴۱۳	نماز جمعہ کے بعد
۴۳۶	ربطِ آیات	۴۱۴	ذکرِ الہی
۴۳۶	معافی کی درخواست سے اعراض	۴۱۵	درس پنجم ۵ (آیت ۱۱)
۴۳۷	نبی کی دُعا	۴۱۵	ربطِ آیات
۴۳۷	منافقین کے لیے عدم معافی کا اعلان	۴۱۵	شانِ نزول
۴۳۸	خریج کرنے سے اعراض	۴۱۶	خطبہ جمعہ اور تجارت
۴۳۹	منافقین کا مغرور	۴۱۷	روزِ مقرر ہے
۴۴۰	حضرت عبداللہؓ کی حق پرستی	۴۱۹	روزِ اور موت
۴۴۰	عصبیت کے نعرے	۴۲۰	توکل علی اللہ
۴۴۱	عزت کا معیار	۴۲۱	کسبِ رزق کے افضل پیشے
۴۴۲	درس سوم ۳ (آیت ۹ تا ۱۱)	۴۲۱	گانے بجانے کی حرمت

۴۶۹	ربط آیات	۴۴۳	بعث بعد الموت کا انکار
۴۷۰	منافقین کی بعض دیگر اقسام	۴۴۵	اللہ اور رسول پر ایمان
۴۷۱	مال و اولاد ذریعہ غفلت	۴۴۶	قرآن پر ایمان
۴۷۲	مال اور اولاد فتنہ ہیں	۴۴۷	یوم التغابن
۴۷۲	بر وقت اتفاق	۴۴۷	ایمان اور اعمال صالحہ
۴۷۳	خریج کی مدت	۴۴۹	کفر کا انجام
۴۷۴	سورۃ التغابن (مکمل)	۴۵۳	درس سوم ۳ (آیت ۱۱ تا ۱۵)
۴۷۵	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۴)	۴۵۴	مصیبت باذن اللہ
۴۷۶	نام اور کوائف	۴۵۵	دینی اور دنیاوی مصیبت
۴۷۶	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۴۵۵	اللہ اور رسول کی اطاعت
۴۷۷	مضامین سورۃ	۴۵۶	بیوی بچوں کی دشمنی
۴۷۹	توحید باری تعالیٰ	۴۵۷	مال اور اولاد فتنہ ہے۔
۴۸۱	خدا تعالیٰ کی تسبیح	۴۵۸	درس چہارم ۴ (آیت ۱۶ تا ۱۸)
۴۸۱	خدا تعالیٰ کی بادشاہی	۴۵۹	ربط آیات
۴۸۲	خدا تعالیٰ کی صفت خلق	۴۶۰	تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب
۴۸۳	مومن اور کافر	۴۶۱	سماعت، اطاعت اور نفاق
۴۸۴	تخلیق کائنات	۴۶۱	قرض حسن
۴۸۵	خدا تعالیٰ علیم کل ہے	۴۶۲	اتفاق فی الجہاد
۴۸۶	درس دوم ۲ (آیت ۵ تا ۱۰)	۴۶۳	عالم الغیب والشارہ
۴۸۷	ربط آیات	۴۶۵	سورۃ الطلاق (مکمل)
۴۸۸	انکار رسالت پر سزا	۴۶۶	درس اول ۱ (آیت ۱)
۴۸۹	بشریتِ رسل پر اعتراض	۴۶۶	نام اور کوائف
۴۸۹	شان نبوت	۴۶۸	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط



۵۰۸	درس چارم ۴ (آیت ۶ تا ۷)	۴۸۹	نبی یا امت سے خطاب
۵۰۹	ربط آیات	۴۹۰	شانِ نزول
۵۰۹	دورانِ عدت رہائش اور خرچہ کا مسئلہ	۴۹۰	نکاح و طلاق
۵۱۱	رضاعت کا مسئلہ	۴۹۱	دیگر مذاہب کے ساتھ تعادل
۵۱۲	خرچہ بمطابق استطاعت	۴۹۱	طلاق کے لوازمات
۵۱۴	درس پنجم ۵ (آیت ۸ تا ۱۱)	۴۹۲	خلع اور طلاق بالمال
۵۱۵	ربط آیات	۴۹۲	طلاق کا صحیح طریقہ
۵۱۵	نافرمان قوموں کی تباہی	۴۹۳	طلاق بدعت
۵۱۶	شیطان کی اطاعت	۴۹۴	عدت کا شمار
۵۱۷	خوفِ خدا کی تعین	۴۹۴	عدت کے دوران سکونت
۵۱۸	قرآن بطور نصیحت	۴۹۶	درس دوم ۲ (آیت ۲ تا ۳)
۵۱۹	ظلمت سے نور کی طرف	۴۹۷	ربط آیات
۵۱۹	جنت میں داخلہ	۴۹۷	رجوع یا عداۃ بمطابق دستور
۵۲۱	درس ششم ۶ (آیت ۱۲)	۴۹۸	دو عادل گواہوں کی ضرورت
۵۲۱	ربط آیات	۴۹۹	نصیحت کی بات
۵۲۲	اللہ کی صفتِ خلق	۵۰۰	خوفِ خدا ذریعہ نجات ہے
۵۲۳	سات آسمانوں کی تخلیق	۵۰۱	توکل علی اللہ
۵۲۴	سات زمینوں کے متعلق تحقیق	۵۰۳	درس سوم ۳ (آیت ۴ تا ۵)
۵۲۸	حکم کا نزول	۵۰۳	ربط آیات
۵۳۱	سُورَةُ التَّحْلِیْلِ (مکمل)	۵۰۴	پاکستان کے عالمی قوانین
۵۳۲	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۲)	۵۰۵	عمر رسیدہ عورت کی عدت
۵۳۲	نام اور کوائف	۵۰۶	کم سن عورت کی عدت
۵۳۳	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۵۰۷	عالمہ عورت کی عدت

۵۵۴	درس چہارم ۴ (آیت ۸ تا ۹)	۵۲۳	ازواج مطہرات کے لیے تنبیہ
۵۵۵	ربط آیات	۵۲۴	واقعہ کی تفصیل
۵۵۵	خالص توبہ	۵۲۵	ایک دوسرا واقعہ
۵۵۶	حضرت علیؑ کی وضاحت	۵۲۶	مضامین سورۃ
۵۵۷	امام تفتازانیؒ کی وضاحت	۵۲۶	شہد یا نوٹڈی کی حرمت
۵۵۷	ان کے تین دفتر	۵۲۷	قسم اور کفارہ
۵۵۸	بنی اور اہل ایمان کی کامیابی	۵۲۸	درس دوم ۲ (آیت ۲ تا ۵)
۵۵۹	کافروں اور منافقوں سے جہاد	۵۲۹	ربط آیات
۵۶۰	حدت پسندی کی منافقت	۵۲۹	امہات المؤمنینؑ کے لیے بشارت
۵۶۱	درس پنجم ۵ (آیت ۱۰)	۵۳۰	افسائے راز کا واقعہ
۵۶۱	ربط آیات	۵۳۱	توبہ کی تلقین
۵۶۲	نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں	۵۳۲	رافضیوں کی صحابہ دشمنی
۵۶۲	بیویوں کی خیانت	۵۳۳	بنی کے مددگار
۵۶۳	دونوں عورتوں کا انجام	۵۳۴	بہتر ازواج کی پیش کش
۵۶۴	خالی نسبت مضید نہیں	۵۳۵	خاندان دیدہ عورت کی خصوصیات
۵۶۵	درس ششم ۶ (آیت ۱۱)	۵۳۶	درس سوم ۳ (آیت ۶ تا ۷)
۵۶۵	ربط آیات	۵۳۷	دورخ سے بچاؤ
۵۶۶	فرعون کی بیوی کی مثال	۵۳۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل خاندان کو انداز
۵۶۷	حضرت آسیہؑ کے حالات	۵۳۹	عام لوگوں کے لیے انداز
۵۶۸	فرعون کے مظالم	۵۴۰	بچوں کی تربیت
۵۶۸	حضرت آسیہؑ کی دعا	۵۴۱	دورخ کا ایندھن
۵۶۹	ایمان کی حفاظت	۵۴۲	موجودہ معاشرہ کی حالت
۵۷۰	درس ہفتم ۷ (آیت ۱۲)	۵۴۳	کفار کے لیے وعید

۵۷۸	اصلاح کے پانچ درجات	۵۷۴	رابط آیات
۵۷۹	کلمات اور کتب کی تصدیق	۵۷۵	حضرت مریمؑ کے حالات
۵۷۹	حضرت مریمؑ کی اطاعت شعاری	۵۷۵	ناموس کی حفاظت
		۵۷۷	حضرت ابی بنیؑ کی روایت





## پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَالِ الْمُرْسَلِيْنَ  
وَعَلٰى اٰلِهِمْ وَاصْحَابِهِمْ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ ۚ وَكَمَا بَشَّرْتَ بِرَبِّكَ فَحَدِّثْ  
تَجَرَّبْتُ الْعِلْمَ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ  
تَقَاعَصَرْتُ عَنْ اَقْفَامِ الرِّجَالِ

رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ بمطابق اگست ۱۹۸۰ء میں شروع ہونے والا سلسلہ علم القرآن  
فی دروس القرآن پندرہ سال اور پانچ ماہ میں رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ بمطابق جنوری ۱۹۹۶ء  
میں الشرب العزیز کے خصوصی فضل و کرم کے ساتھ بیس جلدوں میں اختتام پذیر ہوا ہے  
۱۹۵۲ء میں جب مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کی بنیاد رکھی گئی۔  
تواہد ائمہ ہی حضرت والدہ محترمہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہفتہ میں چار دن قرآن کریم کا درس  
اور دو دن (بدھ اور جمعرات) کو فجر کی نماز کے بعد حدیث شریفی کوامی درس کا آغاز فرمایا۔ قرآن کریم کا درس  
بمحمد الطہر چیمہ مرتبہ مکمل ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث کی کتب صحاح ستہ مکمل، الترغیب و  
الترویہ، مؤطا امام مالک، مشارق الانوار اور سنن احمد کے کچھ حصے کا درس بھی ایک مرتبہ مکمل  
ہو چکا ہے، چونکہ قرآن کریم اور حدیث شریف کا یہ درس انتہائی علمی تحقیقی اور دلنشین ہوتا تھا  
کہ بعض علم دوست احباب کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اتنا علمی اور قیمتی درس ہے اُسے کیوں  
رکسٹوں میں محفوظ کر لیا جائے، اس پر دیگر ائمہ کو علی بارہ سپنانے کے لیے محترم دوست جناب  
بلال احمد ناگی صاحب انتہائی محنت، لگن اور جانفشانی سے تمام قرآن کریم کے دروس رکسٹوں  
میں محفوظ کیے۔ جو کہ (۴۵) رکسٹوں میں مکمل ہیں۔ پھر رکسٹوں سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے

کا نہایت دشوار گزار کام مع مناسب عزائمات کے محترم بزرگ جناب الحاج لعل دین صاحب ایم اے علوم اسلامیہ نے کسر انجام دیا، اس کے بعد اس کی طباعت و اشاعت کا بارِ عظیم انجمن مجبان اشاعتِ قرآن کے علم دوست اور مخیر ممبران نے برداشت کیا اور اس کا آغاز ۱۹۸۱ء میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کو ایک جلد میں شائع کرنے کے ساتھ ہوا جو تدریج اب سینکس جلدوں میں اختتام کو پہنچا ہے، اس تفسیرِ معالم العرفان کو اللہ رب العزت نے اپنی خصوصی عنایات سے بڑی مقبولیت و شرف سے نوازا ہے۔ یہ تفسیر اپنی تکمیل سے قبل ہی اہل علم علماء، طلباء اور عوام الناس کے ہر طبقے میں یکساں مقبول ہو چکی ہے کیونکہ جہاں ہمیں معمولی اردو خواں حضرات کے لیے نہایت سہل انداز میں قرآن کریم کی تفسیر درج ہے، وہاں اہل علم حضرات کے لیے بھی بڑے بڑے دستیق علمی و تحقیقی نکات کو نہایت شغفہ و شگفتہ طریق پر نقل کیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر اہل علم خطباء و علماء جن کا درس و تدریس کا شغل ہے، انہوں نے بذریعہ خطوط اور بالمشافہ اس بات کا کھلے بندوں اقرار کیا ہے کہ پہلے ہم درس و تدریس کے لیے بیشتر تفاسیر کا مطالعہ کیا کرتے تھے لیکن جب سے یہ معالم العرفان معرض وجود میں آئی ہے، اس نے ہمیں سہولت کیساتھ ساتھ دوسری تفاسیر کے مطالعے سے بے نیاز کر دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مقبولیت کی واضح نشانی ہے وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ۔ قرآن کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نور و حکمت کا غیر متناہی خزانہ ہے۔ فلاح دارین اور انسانیت کے اصلی تقاضوں کو پورا کرنے کا کامل ترین پروگرام ہے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور احادیث صحیحہ، خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؓ، ائمہ دینؓ اور سلف صالحینؓ کے طریق اور ذوق کے مطابق آسان رواں دواں، ہلکی پھلکی سادہ اور عام فہم زبان میں قرآن کریم کے لازوال قوانین کی تشریح، منبع الحکمت، صحیح احادیث اور ثابت شدہ آثارِ صحابہؓ اور ائمہ متبوعینؓ کے معتبر استنباطات اور سلف صالحینؓ کے اعتقادِ حق اور ذوقِ حسن کو ملحوظ رکھتے ہوئے نجات و سعادت اور تقرب الہی کے سب سے بڑے اور عظیم پروگرام کی تفصیل بالخصوص امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علمائے حق علمائے دیوبند کے مسک و مشرب کے مطابق قرآن کریم کے متعلق صحیح

اور واقعہ معلومات، انسانی بلندی اور ترقی کے جو اصول و ضوابط پروردگار عالم نے اس صحیفہ مقدس میں نازل فرمائے ہیں۔ اذعان انسانی کو ان کے قریب کرنے اور معاشرہ انسانی کی ذہنی فکری اور عملی گمراہیوں کا پردہ چاک کرنے اور اہل ایمان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور قرآن کے حقیقی، انقلابی پروگرام کو اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنے والے نکات اور دروس اور سرشدانِ برحق کی تمکین و تربیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتماعی بدعتوں اور تنزل کے جملہ اسباب، انفرادیت اور فرقہ پرستی کی لعنتوں کا پوری طرح محاسبہ اور اقوامِ عالم کا اس کتاب الہی کے ساتھ ظلم و ستم روا رکھنا اس کی پوری پوری نشاندہی آپ کو اس تفسیر میں ملے گی، سیاسی مفاد پرستی، آمرانہ اور مستبدانہ تشدد اور انسان کے شہوانی میلان کے فتنے اور سڑیہ دارانہ لعنت، الحاد و اشتراکیت کے کافرانہ نظاموں کے تباہ کن سیلابوں اور تمام باطل نظاموں کا رد اور ان کا علاج آپ کو اس تفسیر میں نظر آئے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے تقدس کو پوری طرح برقرار رکھا گیا ہے اور ہر قسم کی تحریک اور معنوی تغیر سے اجتناب کیا گیا ہے، قرآن پاک کو جاننے کے لیے بہت سادہ و سہل و سلیس و نہایت مفید معلومات کے ساتھ قاری کے لیے کسی قسم کے ذہنی غلبان اور فکری الجھن میں مبتلا ہونے کا باعث نہیں بنا۔ بلکہ سرت و ہیبت اور قلبی سکون میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔

یہ جلد اپنے اوراق میں گیدہ سورتوں کی تفصیل و تشریح نہایت دلکش اور جاذب نظر پیرایہ میں سموائے ہوئے ہے، جس کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

(۱) **سورة الواقعة** واقعہ قیامت کے ناموں میں ایک نام ہے۔ اس سورۃ میں چار بنیادی اصول (۱) توحید (۲) رسالت (۳) وقوع قیامت، اور جزائے عمل (۴) قرآن کریم کی عظمت و صداقت کا بیان ہے اس کے علاوہ اہل جنت کو ملنے والے بعض انعامات اور مجرموں کو ملنے والی بعض سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ اور ان کے ضمن میں بہت سے مسائل و احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔

(۲) **سورة الحديد** حید کوہ ہے کہ کہا جاتا ہے اس میں کوہ کا استعمال، اس کے منافع قدیم زمانے سے لے کر تیرھویں چودھویں صدی ہجری میں



تو اس کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ اس سورۃ میں دین کے بنیادی عقائد توحید اور اس کے دلائل، وقوع قیامت اور جزائے عمل کے ذکر کے ساتھ رسالت کے سلسلہ میں نوحؑ اور ابراہیمؑ کا خاص طور پر ذکر ہے اس میں بعض احکام مثلاً جہاد اس کی فضیلت اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور جان کی قربانی دینا اور اتفاق فی سبیل اللہ کی حکمت و اہمیت کا بیان ہے، قرض حسنہ کی اہمیت، منافقین کا انجام، دل کی نرمی و سختی، شہداء کے مراتب اور دنیاوی زندگی کی بے ثباتی کا بھی تذکرہ ہے

(۲) **سورۃ المجادلۃ** | مجادلہ کا معنی جھگڑا کرنا ہے۔ اس سورۃ میں توحید، اتفاق فی سبیل اللہ اور مسئلہ ظہار اور اس کے احکام کا خاص طور پر ذکر

ہے۔ آداب مجلس، آپس میں سرگرمی کا قانون، نااہل لوگوں سے عدم مشاورت، اور اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا بیان ہے اطاعت خدا اور رسول کا حکم، حزب الشیطن کا ذکر اور اہل جنت کے انعامات کا بیان ہے

(۳) **سورۃ الحشر** | حشر کا معنی اکٹھا کرنا ہے اس سورۃ میں مؤمنین کے غلبے اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کا ذکر ہے، یہودیوں کی دنیوی اور اخروی

سزا کا ذکر، مال فنی کے تفصیلی احکام، مہاجرین و انصارِ مدینہ کی فضیلت اور توحید خداوندی اور اس کی صفات کا تذکرہ بطور خاص مذکور ہے۔

(۵) **سورۃ الممتحنۃ** | ممتحنۃ امتحان کے مانے سے ہے اس سورۃ میں عورتوں کی بیعت کا تذکرہ بیعت کی قسمیں طریقہ اور شرائط

صحیح پیر کے اوصاف کے بیان کے ساتھ کفار سے عدم دوستی اور ان کی حرکات اور منافقین کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنے کا حکم ہے حضرت ابراہیمؑ کا خصوصی ذکر اور ان کے اسوہ کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ حضورؐ کے اسوہ پر عمل پیرا ہونے کا بھی بیان ہے

(۶) **سورۃ الصف** | صف قطار کو کہتے ہیں اس سورۃ میں توحید خدا اور اسلام کی مخالفت کرنے والے اللہ اور رسول کے دشمن اور دین حق

کو مٹانے والوں کے ساتھ جہاد کا حکم ہے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جانبازی اور شہر فرشتی

کا حکم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے ستانے کا تذکرہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا اور نبی آخر الزمان کی بشارت دینا، خدا پر افسردہ ہونے کی فتنہ اور عذاب سے بچانے والی تجارت اور فتح قریب اور اللہ کے مددگار بننے کا تذکرہ ہے۔

(۷) **سورة الجمعة** | جمعہ کا معنی اکٹھا ہونا ہے اس سورۃ میں توجید خداوندی اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر اور آپ کا امیروں میں پیدا ہونا اور اہل علم کے فرائض اور علم پر عمل کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے۔ موت سے فرار ممکن نہیں، عالم الغیب والشہادۃ ذات خداوندی ہے۔ جمعہ کی فضیلت اس کے احکام و مسائل نماز جمعہ کے بعد تجارت کی اجازت اور ذکر الہی کا خاص ذکر ہے۔

(۸) **سورة الممتحنون** | منافق کا معنی ہے جو بظاہر اسلام کو ملنے اور دل سے نہ مانے اس سورۃ میں منافقین کی مذمت ہے اور ان کی سازشوں، قیاحتوں اور بد اعمالیوں کا تذکرہ ہے۔ حضور علیہ السلام کو منافقین کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ عزت اللہ رسول اور مومنین کے لیے اعمال و اولاد کا اللہ کے ذکر سے غافل کر دینا موت سے قبل انفاق کی ترغیب کا بطور خاص ذکر ہے۔

(۹) **سورة التغابن** | تغابن کا معنی نقصان ہے۔ اس سورۃ میں قیامت کو یوم التغابن یعنی ہارجیت کے دن سے تعبیر کیا گیا ہے اور مال و اولاد کے نقصان کا ذکر، نیکی کے بلند ترین اصول، کفر کی شدید مذمت، رسالت کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا ذکر اور مشرکین کی بہالت اور بیوقوفی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ مثلاً توحید اور رسالت کا بیان اور اس میں شک و شبہ کرنے والے مشرکین کا رد کیا گیا ہے۔ اہل جنت کے انعامات اور دوزخیوں کی سزا کا ذکر ہے۔

(۱۰) **سورة الطلاق** | طلاق کا معنی علیحدہ ہونا ہے اس سورۃ میں منکر طلاق اور عداۃ اس کے احکام و مسائل کا بڑی بسط کے ساتھ ذکر ہے اللہ رسول کی نافرمانی کرنے والی بیٹیوں کے کینوں پر عذاب کا تذکرہ اور ان کے

بُڑے انجام کا بیان ہے اور اہل ایمان کے انعامات کا ذکر ہے، نیز توحید و رسالت کا بیان ہے، زمینوں کا سات ہونا جیسا آسمان سات ہیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے

**(۱۱) سورۃ التحريم** | تحریم کا معنی حرام کرنا ہے۔ اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کو مخاطب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ مسئلہ قسم اور اس کے احکام کا ذکر ہے، ایمان والوں کو اپنے نفس اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچانے کی تلقین ہے۔ کذب و منافقین سے جہاد کا حکم ہے حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کا تذکرہ، فرعون کی بیوی آسیہ کا ذکر اور حضرت مریمؑ کا ذکر بھی ہے۔

**اظہار تشکر** | آخر میں الشرب العزت کا بیحد شکر ادا کیا جاتا ہے کہ جس نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس نیک اور منفیہ سلسلہ کو پائیدار بنائے رکھا ہے اور اس کا عظیم حصہ لیتے ہوئے حملہ احباب اراکین اور ممبران جنہوں نے دامن، درمے، قدمے، سخن، اس کی اشاعت، طباعت، کتابت، ترتیب، پروف ریڈنگ وغیرہ امور میں حصہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے لیے آخری نجات کا زبیر بنائے۔ صاحب دروس حضرت والد محترم مدظلہ کو اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی نصیب فرمائے تاکہ ان کے علوم و فیوض اور برکات سے ہم تادید بہرہ ور اور مستفید ہوتے رہیں۔

آمین یا ارحم الراحمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَلْقِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ  
بِحُجَّتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

احقر محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوہر نوالہ

۶ شعبان ۱۴۱۶ھ بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۹۵ء



## سخنہ گفنی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ أَمَّا بَعْدُ  
 سلسلہ "معالم العرفان فی دروس القرآن" کی اٹھارہویں جلد پیش کرتے وقت ہمارا  
 سر بارگاہِ خداوندی میں بصدِ عجز و نیاز ختم ہے جس نے نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود اور ترقی و کامیابی  
 کے لیے نازل کی جانے والی اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کی تشریح و توضیح کے لیے ایک ادنیٰ  
 پُرزے کے طور پر کام کرنے کی توفیق بخشی اور ہمیں خیرِ کُرمَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ  
 وَعَلَّمَهُ (حدیث نبوی) کا مصداق بنادیا۔

یہ اٹھارہویں جلد سورہ الواقعہ سے لے کر سورہ التحریم تک کی تفسیر پر محیط ہے  
 اللہ جل جلالہ اپنے دین کی خدمت کے لیے جس فرد یا جماعت سے جس قدر کام لینا چاہتا ہے  
 اس کے لیے اسباب بھی خود ہی مہیا فرمادیتا ہے، وگرنہ اس عاجز انسان کی بساط ہی کیا ہے کہ  
 وہ اس عظیم کام کا آغاز کر سکے۔ گذشتہ چودہ صدیوں سے ہر زمان و مکان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد  
 اور جماعتیں پیدا کی ہیں جو اُس کے آخری پیغام کو لوگوں کے اذنان کے قریب تر کرنے کے لیے  
 اپنا اپنا حصہ ادا کرتے رہے ہیں، اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔ قرآن پاک  
 سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ پورے قرآن پاک کی تفسیر لکھنے میں کتنی بزرگ ہمتیاں  
 مکمل طور پر کامیاب ہو چکی ہیں، اور اللہ کے کتنے ہی نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی بھر



کی محنت شاقہ کے باوجود حسب خواہش کام کی تکمیل نہ کر سکے اور اپنے عالمی تحقیقی سے جا رہے۔  
بلاشبہ یہ بک اذی اور ابدی حقیقت ہے کہ

ایں سعادت بزرگوار

تو بخشد خدا نے بخشندہ

معالم العرفان فی دروس القرآن کا یہ سلسلہ جن حالات میں شروع کیا گیا اور جن حالات سے گزر کر پائے تکمیل کو پہنچا ہے ان کا ذکر ہم مختلف جلدوں کے پیش لفظ میں کرتے رہے ہیں۔ اس کار خیر کی اشاعت کا کام شروع کرتے وقت یاس و اُمید کے عالم میں شرب العزت کے سامنے دعا کی تھی کہ پروردگار! تیرے ان اچیز بندوں نے اپنی بساط کے مطابق کام کا آغاز کر دیا ہے۔ ہماری اس کاوش کو تسبیل فرما کر اسے اسلامیان عالم کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ پھر جوں جوں کام آگے بڑھتا گیا، اللہ تعالیٰ کی مدد شامل مال ہوتی گئی۔ قارئین نے ترقی سے بڑھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک کے بعد دوسری جلد کا شدت سے انتظار کرتے رہے، قرآن پاک سے صحت و بصحت رکھنے والے اہل ایمان نے داسے، درمے، سنے اس کام میں بڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح تقریباً ساڑھے پندرہ سال کے قلیل عرصہ میں ہمارے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی اور آج ہمیں جلدوں اور تقریباً ۱۳۰۰۰ ہزار صفحات پر مشتمل اپنی لوحیت کی یہ واحد تفسیر قرآن پاک تشنگان علوم قرآن کو میرا بک رہی ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَاءُ۔

زیر نظر تفسیر قرآن پاک مسمی بہ معالم العرفان فی دروس القرآن کی اشاعت کی سعادت انجن مہیاں اشاعت قرآن کے حصہ میں آئی ہے۔ اس دوران میں اس انجن نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر سند احمد کی منتخب اماریت کی تشریح بھی چار جلدوں میں شائع کر دی ہے۔ حضرت صوفی صاحب مظلہ العالی کی مرتب کردہ اکٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل نماز مسنون کلاں کی اشاعت کا شرف بھی اسی انجن کو حاصل ہوا ہے۔ صوفی صاحب کے خطبات جمعہ کی اشاعت کا آغاز بھی ہو چکا ہے اور ۱۹۸۲ء کے خطبات دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور آگے کام ہر رپا ہے۔ دریں اثنا شامل ترمذی کے ترجمہ اور تشریح کی اشاعت کے لیے بھی کام شروع ہو چکا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب بھی جلد ہی قارئین کے مطالعہ میں آجائے گی۔

”درس القرآن کی جہلیہ ستائیسویں اور اٹھائیسویں پارہ کی گیارہ سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلی سورۃ الواقعة کا تعلق مکی دور کے ساتھ ہے جب کہ باقی دس سورتیں مدنی دور میں نازل ہوئیں۔ ان سورتوں کے مضامین بھی اللہ تعالیٰ نے زبان و مکان کی ضروریات کے مطابق نازل فرمائے ہیں۔

آخر میں قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جس قدر کارکنانِ تفسیر کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو مستجاب فرما کر ان کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور جملہ اہل ایمان کو اس سے استفادہ حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔

احقر العباد

الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ)

ٹالامارٹاؤن۔ لاہور



سورة  
الواقعة  
(مكمل)

قال فمخطبکم ۲۰

درس اول ۱

الواقعة ۵۶

آیت ۱۴ تا ۱۲

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ قِسْعُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ  
سورة واقعه مکی ہے اور یہ چھیانوے آیتیں ہیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

- إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ②  
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ④  
وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا ⑥  
وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ⑦ فَاصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ⑧  
مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ⑨ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ⑩  
مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ⑪ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ⑫  
أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ⑬ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ⑭  
ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ⑮ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ⑯

ترجمہ :- جب واقعہ ہو جائے گی واقعہ ہونیوالی ①

نہیں ہے اُس کے وقوع کی بات جھوٹی ② وہ پست

کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے ③ جب کہ

ہلا دی جائیگی زمین ہلایا جانا ④ اور ریزہ ریزہ کر دیے

جائیں گے پہاڑ ⑤ پس ہر جائیں گے وہ غبار اٹرایا

ہوا ⑥ اور تم ہو جاؤ گے تین قسم پر ④ ہیں دائیں طرف  
 والے، کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے ⑧ اور بائیں طرف  
 والے، کیا ہی بُرے ہیں بائیں طرف والے ⑨ اور سبقت  
 کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں ⑩ یہی لوگ  
 مقرب ہیں ⑪ وہ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے ⑫  
 گروہ کثیر ہے پہلوں میں سے ⑬ اور حقوڑے ہیں  
 پھیلوں میں سے ⑭

نام اور کیفیت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الواقعة ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ سے  
 ماخوذ ہے۔ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام واقعہ بھی ہے۔ اس کے آثار میں  
 اور الصادق بھی کہا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ طہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی چھیانوہ  
 آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۸۸۷ الفاظ اور ۱۹۰۲ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

سورۃ یس کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی دین کے چار اصول بیان کیے گئے  
 ہیں۔ یعنی (۱) توحید اور اس کے دلائل (۲) رسالت (۳) وقوع قیامت اور جزائے  
 عمل اور خاص طور پر جزائے عمل کے اعتبار سے انسانوں کی تین گروہوں میں تقسیم اور  
 (۴) قرآن حکیم کی عظمت و صداقت۔ یہ چاروں اصول سورۃ یس میں ذرا تفصیل کے  
 ساتھ بیان ہوئے ہیں تاہم اس سورۃ مبارکہ میں انکا ذکر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے یہ چاروں  
 اصول۔ ایسے بنیادی اصول ہیں کہ ان پر ایمان لانے بغیر کسی شخص کو ہدایت نصیب  
 نہیں ہو سکتی۔ تو یہ چاروں اصول عقائد یا مسائل اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہیں۔  
 اس کے علاوہ اہل جنت کو ملنے والے بعض نعمات اور مجرموں کو ملنے والی بعض  
 سزاؤں کا ذکر بھی آگیا ہے۔

فضائل سورۃ

امام ابن کثیرؒ، حافظ ابن عساکرؒ اور ابو یعلیٰؒ اور بعض دیگر مفسرین، محدثین  
 اور مؤرخین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (المتوفی ۳۲ھ)  
 مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لیے



کہے۔ آپ نے پوچھا مَا تَشْتَكِيْ آپ کو کس چیز کی تکلیف ہے تو ابن مسعودؓ نے فرمایا  
 کہ مجھے میرے گناہوں اور غلطیوں کی زیادہ تکلیف ہے۔ پھر پوچھا مَا تَشْتَكِيْ آپ  
 کی خواہش کیا ہے؟ یعنی آپ کو کیا چیز چاہیے؟ انہوں نے کہا رَحْمَةُ رَبِّيْ مجھے  
 میرے پروردگار کی رحمت کی ضرورت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا اَلَا اَمْرٌ  
 بِطَبِيْبٍ کیا میں آپ کے لیے کسی طبیب کا انتظام نہ کر دوں۔ انہوں نے جواب  
 دیا الطَّبِيْبُ اَمْرٌ صَنِیْ کہ طبیب ہی نے تو مجھے بیماری میں مبتلا کیا ہے مطلب  
 یہ تھا کہ حقیقی طبیب تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بیماری بھی اُسی کے حکم سے لاحق  
 ہوئی ہے، لہذا اور کس طبیب کو بلائیں گے؟ حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا کیا میں  
 تمہارے لیے کسی عطیے کا حکم نہ دوں؟ کہنے لگے لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ مجھے تو  
 اس کی ضرورت نہیں۔ فرمایا يَكُوْنُ لِبَنَاتِكَ مِنْ بَعْدِكَ یہ وظیفہ آپ  
 کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا اَتَحْشَى  
 عَلٰی بَنَاتِيْ تجھے میری بچیوں کی فاقہ کشی کا خطرہ ہے حالانکہ راجی اَمْرٌ بِنَاتِيْ  
 يَقْرَأُ كُلَّ لَيْلَةٍ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ میں نے اپنی بچیوں کو تلقین کر  
 رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۃ الواقعہ پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ میں نے حضور علیہ السلامؐ سے  
 سُن رکھا ہے۔ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تَصِبْهُ  
 فَاَقَةٌ اَبَدًا جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کر لیا کریگا۔ اُس کو کبھی فاقہ نہیں  
 آئے گا۔ بہر حال حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا اِیْمَانُ اِنْسَانٌ تھے۔ اُن کو حضور علیہ السلامؐ  
 کی بات پر یقین تھا، لہذا انہوں نے اپنی بچیوں کو بھی یہی تربیت دی تھی۔ حضرت  
 انسؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور بہت سے تابعین سے بھی منقول ہے کہ اپنی  
 اولادوں کو سورۃ الواقعہ سکھلاؤ کیونکہ یہ سورۃ الغنا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ  
 غنا عطا کرتا ہے اور فاقہ سے بچاتا ہے۔ اگر کسی کی ظاہری حالت کمزور بھی ہو  
 تو سورۃ واقعہ کو پڑھنے والے کو سکونِ قلب ضرور حاصل ہوتا ہے اور وہ کسی پریشانی  
 میں مبتلا نہیں ہوتا۔



وقوع قیامت  
کا حال

ارشاد ہوتا ہے إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ جب واقع ہو جائے گی واقع ہونے والی اس سے مراد قیامت ہے، یعنی جب قیامت برپا ہو جائے گا۔ لَيْسَ لَوَقْعَتِهَا كَذِبَتٌ اور اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ بھی نہیں۔ یعنی یہ ضرور برپا ہو کر ہے گی۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقوع قیامت کو کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔ آج تو بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں مگر جب یہ آجائے گی تو پھر کیسے تکذیب کر سکیں گے؟ اُس وقت کسی کو مجالِ انکار نہیں ہوگی۔ بعض فرماتے ہیں کہ کاذب ہے تو فاعل کا صیغہ، مگر یہاں پر مصدر کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی قیامت کے وقوع میں کوئی جھوٹ نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔

پھر فرمایا خَافِضَةً رَافِعَةً یہ قیامت پست کرنے والی بھی ہے اور بلند کرنے والی بھی ہے۔ یہ قیامت مشرکوں، کافروں، اللہ کے باغیوں اور محمد و آل کو جہنم کی پستیوں میں اتار دے گی۔ جب کہ ایمان، تقویٰ اور نیکی والوں کو بلند درجات تک پہنچائے گی۔ گویا قیامت بعض کو پست کرنے والی اور بعض کو بلند کرنے والی چیز ہے۔ اور یہ کب واقع ہوگی؟ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا جب کہ زمین کو اچھی طرح ہلا دیا جائے گا اس پر زلزلہ طاری ہو جائے گا جس سے ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ٹوٹ پھوٹ جائیں گے فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثَاتًا اور اڑتے ہوئے گرد و غبار کی طرح ہو جائیں گے سُورَةُ الْقَارِعَةِ میں فرمایا وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (آیت ۵) اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ جو شخص قیامت اپنی نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ سُورَةُ النَّبَا، سُورَةُ التَّكْوِيْنِ اور سُورَةُ الْوَاقِعَةِ پڑھ لیا کرے، قیامت کا سارا نقشہ سامنے آجائے گا۔ قیامت کا ایک نام نَارُ الْكِبْرِي یعنی سب سے بڑا ہنگامہ بھی ہے۔ زمین پر زلزلہ آجائے گا سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ میں ہے إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت ۱) اور آسمانی یائے آپس میں ٹکرائے

درہم برہم ہو جائیں گے، ماسہرین فلکیات بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ ددار ستاروں سے علیحدہ ہونے والے بعض ٹکڑے پوری زمین سے بھی اڑے ہوتے ہیں۔ خطرہ ہے کہ اگر کسی وقت کوئی ٹکڑا زمین سے ٹکرا گیا تو اس زمین کی اینٹ سے اینٹ بن جائے گی اور کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ بہر حال اللہ نے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے کہ قیامت کا ہنگامہ واقع ہونے والا ہے جب یہ زمین ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔ پھر نئی زمین اور نیا آسمان قائم ہوگا، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

لوگوں کے  
تین گروہ

فرمایا جب قیامت واقع ہوگی وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً تو اے انسانو! تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ ان میں سے دو گروہ کامیاب ہوں گے اور تیسرا گروہ ناکام ہوگا۔ آگے گروہوں کی تفصیل بھی آ رہی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ قیامت والے دن تمام اہل ایمان کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے انسی صفیں صرف اس امت کی چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔ اہل جنت آگے پھر دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ سابقین کا ہوگا جو نیکی میں بہت آگے بڑھنے والے ہیں اور دوسرا گروہ اصحاب مین کا ہوگا۔ جو سابقین سے ایک درجہ کم ہوں گے۔ مگر اہل جنت میں سے ہوں گے۔ تیسرا گروہ اصحاب شمال کا ہوگا جو ناکام ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے فَاصْحَابُ الِّیْمَنَةِ پس دائیں ہاتھ والے مکاتیب الِّیْمَنَةِ کیا ہی اچھے ہیں دائیں ہاتھ والے۔ اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے کہ یہ کامیاب لوگ ہوں گے بعض فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ والے وہ لوگ ہیں جن کو عہد الست کے وقت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف سے نکالا گیا تھا۔ یہ یمن ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے وہ لوگ ہوں گے جن کو آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالا گیا، یہ کافر اور مشرک لوگ ہوں گے۔ معراج والی حدیث میں بھی آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے

دائیں اور  
بائیں ہاتھ  
والے

اُن کے دائیں اور بائیں بہت سے لوگوں کو دیکھا۔ جب آدم علیہ السلام اپنی دائیں طرف دیکھتے تو مسکراتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رو پڑتے۔ دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ دائیں طرف والے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے مومن لوگ ہیں جب کہ بائیں طرف والے کافر ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ان لوگوں کی جہنم رسیدگی پر غمگین ہیں اور دائیں طرف کے اہل جنت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اہل جنت کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں اور اہل دوزخ کو بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اہل جنت کو دائیں طرف روانہ کیا جائے گا۔ جب کہ اہل دوزخ کو بائیں جانب بھیجا جائے گا۔ اسی لیے فرمایا وَأَصْحَابُ الْمَشْئِمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْئِمَةِ اور بائیں طرف والے کیا ہی بُرے ہیں بائیں طرف والے کیونکہ وہ تو جہنم کے گڑھے میں اترنے والے ہیں۔

سابقین کا  
گروہ

اگے دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں، ان کی سعادت کا کیا پوچھنا؟ فرمایا أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ یہ تو مقرب لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہے۔ ان لوگوں کے انجام کے متعلق فرمایا فَجَنَّتِ النَّعِيمِ یہ تو نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بہت زیادہ نیکیاں کرتے تھے ان کا مرتبہ اصحابِ یسین سے بڑھ کر ہوگا، اسی لیے فرمایا کہ یہ سترہ بین النہی لوگ ہیں۔ پہلے زمانوں میں ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ جیسے فرمایا ثَلَاثَ الْأَوَّلِينَ پہلوں میں ان کا گروہ اکثر ہے وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ اور پچھلوں میں ان کی تعداد گھٹتی ہوگی۔

پہلے اور پچھلے لوگوں سے متعلق مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ پہلوں سے مراد پہلی امتیں ہیں یعنی سابقہ امتوں کے بچے میں سبقت کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے جب کہ اس آخری امت میں ان کی تعداد کم ہو گی۔ دوسری طرف اس آخری امت کو تمام سابقہ ائمہ پر فضیلت بھی بخشی گئی ہے



فراتے ہیں کہ آخری امت کی افضلیت میں تو کوئی شبہ نہیں مگر ان میں سابقین کی تعداد پہلی امتوں کی نسبت کم ہی ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ سابقین میں اولین لوگ انبیائے کرام ہیں۔ پھر صدیقین اور شہداء ہیں۔ چونکہ سارے انبیاء اور رسل بھی اس گروہ میں شامل ہیں لہذا ان کی تعداد کا بڑھ جانا کچھ عجیب نہیں جب کہ آخری امت کا تو ایک ہی آخری نبی اور رسول ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے کتابتیب میں یہی لکھا ہے کہ سابقین میں چونکہ نبی اور رسول بھی داخل ہیں، لہذا پہلی امتوں کے سابقین کا پتہ بھاری ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ سابقین سے سابقہ استوں کے لوگ مراد نہیں بلکہ اسی امت کے لوگ ہیں اور آخرین لوگ مراد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ کے پہلے دور کے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہے اور پچھلے دور کے لوگوں میں نسبتاً کم۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے خَيْرُ الْقُرُونِ قُرُونِي ثُمَّ الَّذِينَ يَكُونُ فَتْرًا الَّذِينَ يَكُونُ بَعْدَهُمْ بَهِتَرُ زَمَانٍ مِثْلِي هُوَ، پھر مجدد سے ملنے والے لوگوں کا اور پھر ان سے ملنے والے لوگوں کا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی صحبت کی وجہ سے جو مرتبہ صحابہ کرام کو حاصل ہے، وہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ بعد کے ادوار سے بہتر ہے لہذا ان میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ البتہ بعد کے ادوار میں اصحابِ مہین تو بہت ہوں گے مگر سابقین کم ہی ہوں گے، اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ہر نبی کے وعدہ کی پہلی جماعتوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور بعد میں آنے والے لوگوں میں سابقین کم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ نبی کے قریب ہونے کی برکت سے مقررین بکثرت ہوتے ہیں، پھر بعد میں کمزوری آجاتی ہے اور پہلے والی بات نہیں رہتی۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ سابقین کے گروہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ لوگ آگے پیچھے نہیں ہونگے بلکہ سیدھے ایک ہی قطار میں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جنت میں



داخل ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ پہلوں میں تو بہت ہوں گے، مگر کچھ پہلوں میں ان کی تعداد کم ہوگی۔

مقرب  
ابرار

بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ مقربینِ الہی کی نگاہ نقطہ آغاز پر ہوتی ہے۔ یعنی ان کی نظر اپنی تخلیق کے دن پر ہوتی ہے جب فرشتہ پوچھتا ہے کہ پروردگار! یہ شخص نیک بخت ہوگا یا بد بخت؟ جب اس کو بتا دیا جاتا ہے تو وہ اسے اپنے رجسٹر میں درج کر لیتا ہے تو مقرب کہہ ہمیشہ اسی بات کی فکر رہتی ہے کہ پتہ نہیں اُس دن میرے حق میں خوش بختی کا فیصلہ ہوا تھا یا بد بختی کا۔ فرماتے ہیں کہ اس کے برخلاف ابرار کی نگاہ ہمیشہ نقطہ انتہا پر ہوتی ہے۔ جب فرشتہ انسان کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ پروردگار! میں نے اس شخص کی روح کو ایمان کے ساتھ نکالا ہے یا کفر کے ساتھ۔ اس وقت فرشتہ کو انسان کی قیمت کا حال بتا دیا جاتا ہے تو ابرار لوگ ہمیشہ اُس طرف دیکھتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے حق میں اللہ کا کیا فیصلہ ہوگا؟ تو مقرب اور ابرار میں یہ فرق ہے۔ پہر حال یہ دونوں گروہ خدا خوفی، ایسی اور ایمان کی وجہ سے کامیاب ہونے والے ہیں۔

عَلَى سُرُرٍ مَوْضُونَةٍ ① مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ②  
 يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ ③ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ  
 وَكَاسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ④ لَا يَصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُزْفُونَ ⑤  
 وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ⑥ وَلَحْمٍ طَيْرٍ مِّمَّا  
 يَشْتَهُونَ ⑦ وَحُورٌ عِينٌ ⑧ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ  
 الْمَكْنُونِ ⑨ جَزَاءً عَرَبًا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑩ لَا  
 يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ⑪ إِلَّا قِيلًا  
 سَلَامًا سَلَامًا ⑫ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ⑬ مَا أَصْحَابُ  
 الْيَمِينِ ⑭ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ⑮ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ⑯  
 وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ⑰ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ⑱ وَفَاكِهَةٍ  
 كَثِيرَةٍ ⑲ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ⑳ وَفُرُشٍ  
 مَّرْفُوعَةٍ ㉑ إِنَّا أَنشَأْنَهُمْ إِنشَاءً ㉒ فَعَلَّامٌ  
 أَتَّكَارًا ㉓ عَرَبًا أَتْرَابًا ㉔ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ㉕  
 ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ㉖ وَثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ㉗

ترجمہ :- سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر

بیٹھے ہوں گے ①۵ نیکے لگانے والے ہوں گے اُن

پر آنے سامنے ۱۶ پھریں گے اُن پر لڑکے ہمیشہ رہنے  
 والے ۱۷ گلاسوں اور صراحیوں کے ساتھ، اور پیالے نھری  
 ہوئی صاف شراب سے ۱۸ وہ اس سے سرگرداں نہیں  
 ہوں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات کریں گے ۱۹ اور  
 پھل ہوں گے جو وہ پسند کریں گے ۲۰ اور پرنڈوں  
 کا گوشت جو وہ چاہیں گے ۲۱ اور گوسے رنگ کی  
 موٹی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی ۲۲ گریا کہ وہ غلامت  
 میں بند کیے ہوئے موتی ہیں ۲۳ یہ جملہ ہے اس کام  
 کا جو وہ کیا کرتے تھے ۲۴ نہیں سنیں گے اس میں  
 کوئی بیہودہ بات، اور نہ کوئی گناہ کی بات ۲۵ مگر بونا سلام  
 ہی سلام کا ۲۶ اور دائیں ہاتھ ملے، کیا ہی خوبی ہے  
 دائیں ہاتھ والوں کی ۲۷ وہ کانٹے اُترے ہوئے پری  
 کے درختوں میں ہوں گے ۲۸ اور تہہ بر تہہ کیلوں میں ۲۹  
 اور لمبے سیالوں میں ۳۰ اور بہلے ہوئے پانی میں ۳۱  
 اور بہت سے پھلوں میں ۳۲ نہ وہ قطع کیے جائیں گے  
 اور نہ روکے جائیں گے ۳۳ اور پکھونے ہونگے اپنے  
 درجے کے ۳۴ بیشک ہم نے (اُن کی رزاقیت کیلئے)  
 اٹھایا اُن کو اٹھانا ۳۵ پس بایا ہے ہم نے انکو دوشیر ۳۶  
 محبت کرنے والی ہم عمر ۳۷ دائیں ہاتھ والوں کیلئے ۳۸  
 ایک گروہ کثیر ہوگا پھلوں میں سے ۳۹ اور ایک  
 کثیر گروہ ہوگا پھلوں میں سے ۴۰

سورۃ کی ابتدائی آیات میں وقوع قیامت کے متعلق فرمایا کہ زمین پر زلزلہ  
 طاری ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔ پھر

رابط آیات



فرمایا کہ انسان تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی دائیں ہاتھ والے، بائیں ہاتھ والے اور سابقین۔ اصحابِ یمین یعنی دائیں ہاتھ والے کامیاب ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے ناکام، اور سابقین اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ ان کی تعداد پہلوں میں زیادہ اور پچھلوں میں کم ہوگی۔ اب اللہ نے اُن کو ملنے والے انعامات کا بھی تفصیل سے ذکر فرمایا، ارشاد ہوتا ہے عَلٰی سُرِّ مَوْصُوْنَةٍ سَبَقَتْ كَرْنَهُ وَاللّٰهُ كَرْنُ مَقْرَبِيْنَ سَوْنَهُ کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر بیٹھنے والے ہوں گے۔ یہ تخت ہیروں اور خواہرات سے مزین ہوں گے جس کی وجہ سے دیکھنے میں بھی نہایت دلکش ہوں گے اور اُن کے بیٹھنے کی کیفیت یہ ہوگی۔ مُتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِيْنَ تَحِيَةً لِّكَ اَمْرٍ سَامَنَ بِمِثْلِهِ وَاللّٰهُ كَرْنُ مَقْرَبِيْنَ سَوْنَهُ کے ہر جہتی ایک دوسرے کے آگے سامنے ہوگا، اور کسی ایک کی دوسرے کی پشت نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی کی طرف پشت کر کے بیٹھنا معیوب معلوم ہوتا ہے، لہذا جنت میں یہ کیفیت کہیں نہیں ہوگی بلکہ سب ایک دوسرے کے ردِ بواہر ہوں گے۔ اُن پر نہایت ہی خوشی کا عالم ہوگا۔ وہ بیٹھے ہوں گے اور اُن کی خدمت کے لیے یَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ اُن کے سامنے لڑکے پھریں گے۔ جو ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ایک تو وہ خدمت کے لیے ہمہ وقت مستعد رہیں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت یعنی بچپن کی عمر میں ہی رہیں گے، اس دُنیا کی طرح جوان اور پھر بوڑھے نہیں ہو جائیں گے۔

جنت میں  
سابقین کی  
کیفیت

یہ بچے کون ہوں گے؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ مشرکین اور کفار کے بچے ہوں گے جو سنِ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ خوروں کی طرح یہ بچے بھی جنت کی مخلوق ہوں گے۔ جن کو اللہ تعالیٰ اہل جنت کی خدمت کے لیے وہیں پیدا کرے گا۔

فرمایا یہ بچے سابقین کے سامنے پھریں گے باکْوَابِ وَاَبَارِئِقِ جن کے ہاتھوں میں گلاس اور صراحیاں ہوں گی۔ اکواب کو آب کی جمع ہے جس کا معنی

شرابِ طمّو  
کے جام

گلاس یا آنجورہ ہوتا ہے، اور اباریق ابریق کی جمع ہے جس کا معنی صراحی یا گوزہ ہے۔  
 یہ لفظ لوستے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال ان چھوٹے بچوں کے  
 لمبھوں میں گلاس اور صراحیاں ہوں گی۔ وَكَأَيُّ مَنَّ مَّعِينٍ اور مختصری ہوئی صفت  
 وشفاف شراب کے لبریز پیالے ہوں گے۔ سورۃ الدھر میں اللہ نے ان خوبصورت  
 بچوں کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ  
 إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّذْجُورًا آیت - (۱۹) اُن پر نور عمر لڑکے  
 پھریں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ جب تم اُن پر نگاہ ڈالو گے تو خیال  
 کرو گے کہ یہ بچے ہوئے موتی ہیں۔

شراب اور صراحی کا تذکرہ پرانی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ زید ابن عباد شاعر کرتا ہے

وَدَعَا بِالصَّبُوحِ يَوْمًا

فَجَاءَتْ قَيْنَةٌ فِي يَمِينِهَا ابْرِيْقٌ

انہوں نے صبح یعنی صبح کا مشروب طلب کیا، تو ایک لونڈی وائے لہتھ میں صراحی  
 پکڑے آگئی۔ عام طور پر صراحی میں شراب ہوتی تھی جسے گلاس یا پیالے میں ڈال کر  
 پلایا جاتا تھا۔ ایشتر نامی شاعر بھی کہتا ہے۔

أَفْنَى تِلَادِي وَمَا جَمَعْتُ مِنْ نَّسَبٍ

قَدْ عَمَّ الْكُوكِبُ أَهْوَاهُ إِلَّا بَارِيقٌ

میرا پرانا اور نیا کمایا ہوا مال صراحیوں اور گلاسوں کے ٹکرانے نے فنا کر دیا ہے۔  
 مراد یہی ہے کہ شراب نوشی نے مجھے کنکال کر دیا ہے۔

ایک اور شاعر بھی کہتا ہے۔

وَكَاثِبُهَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ

وَكَاثِبُهَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ

شراب یا کوئی دیگر مشروب اور گلاس اس قدر لطیف اور شفاف ہیں کہ یوں  
 معلوم ہوتا ہے کہ گلاس تو نہیں ہے، صرف شراب ہی ہے۔



بہر حال فرمایا کہ تو عمر لڑکے ہوں گے جو ہاتھوں میں صراحیاں اور گلاس لیے اہل جنت کی خدمت پر مامور ہوں گے اور وہ شراب اس دنیا کی شراب کی طرح عقل کو زائل کر نیوالی نہیں ہوگی جس کو پی کر لوگ بیہودگی اور دنیا کا فساد پر اتر آتے ہیں، بلکہ وہ ایسی عمدہ شراب ہوگی لَا یُصَدِّعُونَ عَنْهَا نَفْسًا سُرْمَةً دَانِیً ہوگی، کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی وَلَا یُزِیْقُونَ اور نہ طے سے پینے والے کوئی بیہودہ بات کریں گے۔ اس میں نشے والی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اہل جنت کے ہوش و حواس بالکل قائم رہیں گے اور اس میں ہر طرح کا لطف اور سرور ہوگا۔ دنیا کی شراب نوشی سے انسان ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے، وہاں تباہی بکثرت ہے اور کئی دوسرے گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے، اسی لیے شریعت نے شراب نوشی پر حد جاری کی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب نوشی کرے گا۔ وہ آخرت میں شراب ظہور سے محروم ہے گا۔

سابقین کے لیے شراب ظہور کے علاوہ فرمایا وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ اور پھل ہوں گے جن کو اہل جنت پسند کریں گے۔ ہر جنتی کے لیے اُس کا من پسند پھل مہیا کیا جائے گا اور اس کے حصول کے لیے اُسے کوئی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑے گی بلکہ جیسا کہ پھلی سورۃ میں گزر چکا ہے، یہ پھل اُس کے قریب ہی ہوں گے، نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ہی اُن کے استعمال سے روکا جائے گا۔ اس کے علاوہ فرمایا وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ اور پرندوں کا گوشت ہوگا۔ جیسا کہ وہ چاہیں گے ظاہر ہے کہ بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ کے گوشت کی نسبت پرندوں کا گوشت زیادہ لذیذ اور زیادہ مرغوب ہوتا ہے، لہذا سابقین کے لیے جنت میں پرندوں کا من پسند گوشت بھی باافراط ہوگا جسے اہل جنت حسبِ مشاء استعمال کر سکیں گے۔

پھل اور گوشت

پھر انسان کی خوشی خاطر کے لیے اس کے جوڑے کا ذکر بھی فرمایا وَحُورٌ عِیْنٌ گوری چٹخو بصورت اور موٹی موٹی آنکھوں والی عورتیں بھی ہوں گی۔ جن سے اہل جنت

حور عین

اپنا دل بدلا سکیں گے۔ یہ جنت کی مخلوق ہوگی، اور اُن کے حسن و جمال کے متعلق فرمایا  
كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ وہ غلاف میں بند موتیوں کی طرح گرد و غبار سے پاک ہوں  
 گی۔ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ عورتیں ہوں گی۔ فرمایا جَزَاءُ رِبِّكَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
 یہ بدلہ ہوگا اس کام کا جو وہ دنیا میں انجام دیتے ہیں۔ یہی جزائے عمل ہے جو وقوعِ قیامت  
 کا مقصود ہے۔ یہ سب کچھ سابقین اور مقررین کی کمائی کا نتیجہ ہوگا۔

لغویات سے  
 چھٹکارا

پھر فرمایا لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا وہ لوگ اُس جنت میں  
 نہ کوئی بیہودہ بات نہیں گے اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات اُن کے کانوں میں پڑے گی۔  
 اس دنیا میں تو نہ چاہنے کے باوجود انسان کو بہت سی لغویات سے واسطہ پڑتا رہتا  
 ہے۔ بازار میں چلتے چلتے، گالی گلوچ، دنگا فساد یا بیہودہ گانوں کی آواز کان میں  
 خواہ مخواہ پڑ جاتی ہے، مگر جنت میں ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہاں پر إِلَّا قِيلًا سَلَامًا  
 وہاں تو ہر طرف سے سلامتی کی آوازیں ہی آئیں گی۔ اہل جنت آپس میں ملیں گے تو ایک  
 دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے۔ فرشتوں کی طرف سے بھی انہیں سلام  
 ہوگا اور پروردگار کی طرف سے بھی سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یس۔ ۵۸)  
 سلامتی کا تحفہ آئے گا۔ یہ اللہ نے تین میں سے ایک گروہ یعنی سابقین کے انعامات  
 کا ذکر فرمایا ہے۔

اصحابِ یمن

اس کے بعد دوسرے نمبر پر اصحابِ یمن والے آتے ہیں جن کو اُن کا نامہ اعمال  
دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اِن کے متعلق فرمایا وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ هُمْ أَصْحَابُ  
الْيَمِينِ اور دائیں ہاتھ والے لوگ، ان کا تو کیا ہی کہنا۔ اُن کو بھی اللہ کے رحمت  
 کے مقام جنت میں جگہ ملے گی۔ اور بڑا آرام و راحت نصیب ہوگا۔ یہ نعمتیں اگرچہ  
 سابقین کی نعمتوں سے کم درجہ کی ہوں گی مگر فی ذاتہ یہ بھی کمالِ نرجے کی نعمتیں ہوں  
 گی۔ امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم محدثؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ  
 امام حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اس  
 آیت پر پہنچے وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ هُمْ أَصْحَابُ الْيَمِينِ تو اللہ کی بارگاہ میں دعا  
 کی اور کہنے لگے أَمَّا السَّابِقُونَ فَعَدُّ مَضَى وَلَكِنَّ اللَّهَ جَعَلَنَا مِنْ أَصْحَابِ



الْیَمِیْنِ کہ سابقین کا گروہ تو گزر گیا، اب اے اللہ تعالیٰ ہمیں اصحابِ یمین میں ہی شامل کر لے۔ کیونکہ اگر ہم اس گروہ میں بھی شامل نہ ہو سکے تو ناکام ہو جائیں گے۔

باغات میں  
ٹھکانا

اب ان اصحابِ یمین کو ملنے والے انعام و اکرام کے متعلق فرمایا فَیَسْخَرُونَ مِنْهُمْ یہ لوگ کانٹے اتاری ہوئی بیری کے درختوں میں ہوں گے۔ بیری کا پھل اگرچہ بہت اچھا پھل ہے مگر اس درخت کی شاخوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر ناگوار گزرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جنت کی بیری کے درختوں پر کانٹے نہیں ہوں گے، لہذا جنتی لوگ ان کانٹوں کی تکلیف سے تو مامون ہوں گے مگر اس کا پھل بکثرت ہوگا جسے وہ استعمال کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ فرمایا وَصَلَحَ مَنَظُورُهُمْ تہہ برتہ کیلے ہوں گے۔ کیلا بھی نہایت عمدہ پھل ہے جو بکثرت کھایا جائے گا۔ بعض ممالک میں یہ غذا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض جگہ اتنے بڑے بڑے کیلے ہوتے ہیں کہ آدمی صرف ایک ہی کیلا کھا کر سیر ہو جاتا ہے، طلحہ کیکر کی طرح کا ایک درخت بھی ہے جسے عرب لوگ خوب پہچانتے ہیں۔ یہ درخت بھی مراد ہو سکتا ہے مگر جنت میں اس کے ساتھ کانٹے نہیں ہوں گے، بہر حال طلحہ کا عام فہم معنی کیلا ہی ہے۔

پھر فرمایا وَصِلَّ مَمْدُودٌ اور جنت والے لمبے سالیوں میں ہوں گے۔ وہاں پر نہ دھوپ ہوگی، نہ اندھیرا اور نہ ہی سردی بلکہ درختوں کے سایے میں نہایت ہی خوشگوار موسم ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جنت میں اتنے بڑے بڑے درخت ہوں گے کہ ایک تیز رفتار گھڑ سوار سو سال میں بھی اس سائے کو عبور نہیں کر سکے گا۔ سورة المنتہیٰ کے متعلق سورة النجم میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ اتنا بڑا درخت ہے جس کی جڑ چھ آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہیں۔ یہ درخت عالم امکان اور عالم وجوب کے درمیان ایک سنگم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے درختوں کے لمبے سالیوں کی دلیل کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی وَصِلَّ مَمْدُودٌ اور فرمایا کہ جنتی لوگ لمبے سالیوں میں ہوں گے۔

نیز فرمایا وَمَا مَكْنُوعٌ بِاصْحَابِ مِیْنِ بَیْتِ ہُوئے پانی میں ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں پاکیزہ پانی ہمیشہ جاری ہے گا اور اس میں کبھی کمی نہیں آئیگی۔ سورۃ محمد میں ہے کہ اس پانی میں کبھی بدلہ پیدا نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ تروتازہ اور خوشگوار رہیگا۔ اس کے علاوہ وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وہ لوگ کثیر پھلوں میں ہوں گے یعنی انہیں ہر موسم میں من پسند پھل بغیر کسی محنت کے بافراطیستر ہوں گے اور پھر لَا مَقْطُوْعَةٍ وَلَا مَمْنُوْعَةٍ یہ پھل نہ تو قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے مطلب یہ ہے کہ پھل اتنے بکثرت ہوں گے کہ ان کے کم پڑ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ بھی نہیں ہوگا۔ کہ پھل موجود ہوں مگر اہل جنت کو ان کے استعمال سے روک دیا گیا ہو۔ مقامِ رحمت کے مکین ہر موسم میں اپنی پسند کے پھل حاصل کر سکیں گے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ اونچے درجے کے پھونے یا بستر ہوں گے جن پر اصحابِ مِیْنِ آرام کر سکیں گے۔ یہ بستر نہایت قیمتی، خوش رنگ اور آرام دہ ہوں گے جن کا تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔

خوبصورت  
عورتوں کی  
رفاقت

اکلی آیت میں اللہ نے خوبصورت عورتوں کی رفاقت کا ذکر کیا ہے جو کہ انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ فرمایا اِذَا اُنْثَا اُنْثٰی اِنْشَاءً ہم نے ان عورتوں کو اٹھایا ہے یعنی پیدا کیا ہے۔ ایسی اٹھان فِجَعَلْنٰھُنَّ اَبْكَارًا کہ ان کو روشیرہ بنایا ہے۔ وہ کنواری نہایت ہی خوبصورت عورتیں ہوں گی عَرَبًا اَنْثَا اَبَا اَصْحَابِ اَلْبَیْنِ جو محبت کرنے والی اور ہم عمر ہوں گی دائیں ہاتھ والوں کیلئے بعض اوقات عمر کا تفاوت موزن کیلئے بے رغبتی کا سبب بن جاتا ہے۔ مگر جنت کی عورتیں مردوں کی ہم عمر ہوں گی۔ کنواری ہوں گی اور ان سے محبت کریں گی۔ لہذا ان کی دل لگی میں کسی قسم کا تکرر پیدا نہیں ہوگا اور حنتی مرد اور حنتی عورتیں نہایت دل خوش کن دائمی زندگی گزاریں گی۔ امام ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ عورتیں وہ عورتیں ہوں گی جن پر دنیا میں بڑھاپے کی حالت میں مہر طاری ہوئی۔ ان کے اعضاء اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ ان کی آنکھوں سے پانی بہتا تھا۔ ان عورتوں کو



اللہ تعالیٰ جنت کے لیے نئی اٹھان میں پیدا کرے گا۔ یہ ساری نوجوان دوشیزا ہوں گی اور اپنے خاوندوں کے ساتھ محبت کریں گی۔ اس حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ مِنْ حُورٍ عِیْنٍ یعنی دنیا کی یہ عورتیں جنت کی عوروں سے افضل ہوں گی۔ ان کی یہ فضیلت ان کی نمازوں، روزوں اور دیگر عبادات ادا کرنے کی وجہ سے ہوگی۔ ان کی نیکی کی وجہ سے ان کا حسن و جمال اور اخلاق اور پاکیزگی عوروں سے بڑھ کر ہوگی۔

اسی حدیث میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے سامنے ذکر کیا کہ دنیا میں بعض عورتیں دو، تین تین خاوندوں والی بھی ہوتی ہیں۔ اگر ایسی کوئی عورت جنت میں چلی گئی اور اُس کے تمام شوہر بھی جنت میں پہنچ گئے تو ایسی عورت کا ملاپ کس خاوند کے ساتھ ہوگا۔ فرمایا إِنَّهَا خَيْرٌ ایسی عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے اُس کا انتخاب کرے۔ تو ایسی صورت میں وہ عورت تَخْتَارُ أَحْسَنَ خُلُقٍ ایسے خاوند کو پسند کرے گی جو دنیا میں بہتر اخلاق والا تھا۔ یعنی اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا، پھر فرمایا، اے ام سلمہ! عمدہ اخلاق دین و دنیا میں بہتری کا سبب بنتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے۔ جنت میں جانے والے مرد عورتیں ہمیشہ جوانی کی حالت میں رہیں گے اور وقت گزرنے کے ساتھ ان میں کوئی تغیر نہیں آئے گا۔ فرمایا جنتی مرد بے ریش، سرگیں، آنکھوں والے تیس بیستیس سال کے پیٹھے میں ہوں گے۔ اور ان کے جسم پر بال نہیں ہوں گے۔ یہ لوگ اپنے جدا مجد حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں ہوں گے اور قد و قامت ان ہی کے قد و قامت کے مطابق ہوگا۔ اور عورتیں بھی ہمیشہ ہم عمر ہوں گی اور محبت کرنے والی ہوں گی۔ یہ ان لوگوں کے انعامات کا ذکر ہے جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

پھر فرمایا، ایسے لوگ ثَلَاثَةٌ مِنْ الْأَوَّلِينَ پہلے لوگوں میں سے کثیر تعداد میں ہوں گے وَالثَّلَاثَةُ مِنَ الْآخِرِينَ اور پچھلے لوگوں میں بھی کثیر تعداد میں ہوں گے۔ پہلی امتوں کا ذکر ہوا اس امت کے پہلے لوگوں کا اصحابِ یمن

بکثرت ہوں گے۔ سابقین کے متعلق تو یہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ چھٹوں میں زیادہ اور  
 پچھلوں میں کم ہوں گے مگر اصحابِ مہینِ پہلے اور پچھلوں سب میں زیادہ تعداد میں  
 ہوں گے۔ اللہ نے ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر بھی فرمادیا ہے۔

---

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ هُمَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۖ وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُومٍ ۖ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۚ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۚ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۚ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ أَأَنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۚ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۚ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ ۚ إِلَىٰ مِيقَاتٍ يَّوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ ثُمَّ إِنَّكُمْ إِلَيْهَا لَتَصَّالُونَ ۚ الْمُكَذِّبُونَ ۖ لَا يَكُونُ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّومٍ ۖ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۖ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۖ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ ۖ هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۖ

ترجمہ :- اور بائیں ہاتھ والے ، کیا ہی بڑے ہیں بائیں ہاتھ

والے ۴۱) تند و تیز ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے ۴۲) اور

دھوئیں کے سائے میں ۴۳) جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ

آرام دہ ۴۴) بیشک تھے یہ لوگ اس سے پہلے دنیا

میں آسودہ حال ۴۵) اور تھے وہ اصرار کرتے بڑے



گناہ پر (۴۶) اور وہ کہتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے  
 اور ہو جائیں گے مٹی اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو  
 جائیں گی، تو کیا ہم البتہ پھر اٹھائے جائیں گے؟ (۴۷)  
 یا ہمارے لگے ابا و اجداد (۴۸) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر)  
 بے شک پہلے بھی اور پچھلے بھی (۴۹) البتہ سب اکٹھے  
 کیے جائیں گے ایک مقررہ دن کے وعدے کے  
 وقت پر (۵۰) پھر تم اے بکنے والو اور جھٹلانے  
 والو (۵۱) البتہ تم کھانے والے ہو گے کھونہر کے درخت  
 سے (۵۲) پس بھرنے والے ہو گے اس سے پیٹوں کو (۵۳)  
 پس پینے والے ہو گے اُس پر کھولتے ہوئے پانی سے (۵۴)  
 پس پینے والے ہو گے تونسے ہوئے اونٹوں کی طرح  
 پینا (۵۵) یہ ہو گی ان کی مہمانی انصاف کے دن (۵۶)

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کا ذکر اور اُس کی ابتدائی کیفیت  
 بھی بیان فرمائی۔ پھر انسانوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے کا ذکر کیا، جن میں سے  
 دو گروہ کامیاب ہوں گے اور تیسرا گروہ ناکام ہوگا۔ کامیاب ہونے والوں میں سابقین  
 تو بڑے بلند درجوں میں ہوں گے، اور اصحابِ مین بھی اللہ کی رحمت کے مقام میں  
 آرام و راحت میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی بیشمار نعمتیں عطا کرے گا۔ سابقین  
 پہلی امتوں میں زیادہ ہوں گے کیونکہ ان میں اللہ کے نبی بھی شامل ہوں گے اور پچھلی  
 امت میں اُن کی تعداد نسبتاً کم ہوگی۔ البتہ اصحابِ مین پہلوں اور پچھلوں سب  
 میں بکثرت ہوں گے۔

صحابِ شمال  
 کا حال

کامیاب ہونے والے دونوں گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد اب آج کی آیت  
 میں اللہ تعالیٰ نے تیسرے ناکام گروہ اصحابِ شمال یعنی بائیں ہاتھ والوں کا حال بیان  
 فرمایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا اور وہ قیامت



وائے دِنِ بَائِسْ طَرَفِ هِی جَائِسْ گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاصْطَبَّ السَّيِّئَاتِ مَا  
اصْطَبَّ السَّيِّئَاتِ اور بَائِسْ ماحقر والے، اور بَائِسْ ماتھ والوں کی کیسی بُری حالت ہے  
فِ سَمُومٍ وَخَمِيمٍ وہ تند و تیز ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے۔ بادِ سموم  
 آگ جیسی گرم ہوا کو کہتے ہیں جس کے لگنے سے جسم جھلس جائے یا ضربہِ شمیہ  
 (SUN STROKE) ہو جائے۔ تیز گرم ہوا سے گردن کے پٹھے مارے  
 جاتے ہیں اور انسان کی ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی لیے گرم ممالک کے  
 لوگ ردِ مال سے گردن کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اصحابِ شمال کو ایک تو  
 تند و تیز اور گرم ہوا سے واسطہ پڑے گا اور پھر جب پیاس تلے گی تو انہیں پیسے  
 کے لیے کھوتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کا ایک گھونٹ پی لیں گے تو وہ  
 آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دے گا۔ سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ میں ہے کہ اُن لوگوں کو  
 کہا جائے گا انْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۝۳۰ دوزخ کی طرف تین  
 شاخوں والے دھوئیں کی طرف چلو۔

فرمایا وَظِلٍّ مَّتَّيْخَمُومٍ وہ لوگ دھوئیں کے سلے میں ہوں گے۔ یہ  
 دھواں بڑا پریشان کن ہوگا۔ سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ میں فرمایا لَا ظِلِّيلٌ وَلَا يُغْنِي عَنْهُ  
اللَّهُبُ ۝۳۱ یہ دھواں ایسا ہوگا، جس کا سایہ ہی نہیں ہوگا، اور نہ یہ تپش اور  
 گرمی سے بچا سکے گا۔ بلکہ انہما تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَاصِرِ ۝۳۲ اس میں سے محلات  
 جتنی بڑی بڑی چنگاریاں نکلیں گی۔ جو ایسے لوگوں پر پڑیں گی۔ غرضیکہ اصحابِ شمال  
 کی تکلیف اور پریشانی کا یہ حال ہوگا۔

آگے اس دھوئیں کا مزید حال بیان کیا لا بَارِدٍ وَلَا كَرِيْمٍ یہ دھواں نہ  
 ٹھنڈا ہوگا اور نہ عزت والا یعنی نہ ہی راحت پہنچانے والا۔ اگر دھواں صرف تاریک  
 ہو اور اس میں گرمی نہ ہو تو پھر بھی کسی حد تک قابلِ برداشت ہو سکتا ہے مگر  
 جس دھوئیں کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے، وہ دوزخ کی آگ کا سیاہ دھواں ہوگا جس میں  
 ناقابلِ برداشت حد تک تاریکی اور تپش ہوگی۔ جو ذلت و خواری کا باعث بنے گا۔

بہر حال بائیں ہاتھ والے جھلساٹینے والی تیز ہوا اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان ہی  
چکر لگاتے رہیں گے، جس سے انہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔ پھیلی سورۃ الرحمن میں بھی  
گزر چکا ہے يَعْلَوْ فُوقَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ حَيْثُ اِنْ (آیت - ۴۴) وہ دھنخ  
اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے اور اس طرح وہ اللہ کے  
عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

سنگ کی وجوہات  
(۱) آسودہ حالی

اللہ نے اس سنگ کی وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں رَاٰهُمْ مَرْغَبًا مَّا قَبْلَ  
ذٰلِكَ مَتَرَفِينَ یہ پہلی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیا کی زندگی میں آسودہ  
تھے، اور اسی بنا پر یہ عیش و عشرت میں پڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت  
پر ایمان نہیں لاتے تھے اور وقوع قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے۔  
عام طور پر دنیا میں یہی آسودہ حالی بے دینی کا باعث بنتی رہی ہے، اور ایسے لوگ  
انبیاء علیہم السلام کا نہ صرف انکار کرتے رہے ہیں بلکہ ان کا مقابلہ کرتے آئے ہیں۔  
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کی تین حالتوں میں نہ بے دینی  
حالت ہی مطلوب ہے، اور دینی لحاظ سے یہ حالت بہتر ہے۔ فرمایا بعض لوگ نظم ہریت  
یعنی حد سے زیادہ آسودہ حالی کا شکار ہو کر تعیش (LUXURY) میں مبتلا ہو  
جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی قدرت کا علم کو بھول جاتے ہیں پرانے  
زمانے کے قیصر و کسری اور موجودہ دور کے امراء و سلاطین اور صاحب اقتدار ذریعہ  
اور مشیر اسی بیماری کی وجہ سے ناکام ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص عیش و عشرت میں پڑ  
جاتا ہے تو پھر اُس کے لیے ہر جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرنا ہے۔ وہ اپنے کارندوں  
سے جالروں کی طرح کام لینا ہے اور معاوضہ کم دیتا ہے حتیٰ کہ اُن بیچاروں کو آخرت  
کے متعلق سوچنے کا موقع بھی نہیں ملتا چہ جائیکہ وہ اُس کے لیے کچھ تیاری کریں۔  
تعیش کے طور پر بہترین مکان، بہترین سواری، بہترین کھانا اور بہترین کپڑا تمدن کو  
بگاڑنے والی چیزیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے اِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ  
لَيَسُوْا بِاَلْمَتَنِ عَمَلًا یعنی اللہ کے بندے تعیش پسند نہیں ہوتے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ رفاہیت بالغہ اور تنقیف دونوں حالتیں غلط ہیں۔ البتہ بہترین حالت تیسری ہے جس کے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا یعنی بہترین امور درمیانی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پُر تکلف مکان کی بجائے ایک معمولی مکان میں بھی گنہ گوارا وقت ہو سکتی ہے۔ عام سواری، معمولی لباس اور عام کھانا بھی انسان کے لیے کافی ہوتا ہے۔ بلکہ جب تکلفات میں پڑنا درست نہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی تکلف نہیں فرماتے تھے، جیسا لباس پہن لیا۔ آپ کے پاس ایک نہایت قیمتی جوڑا بھی تھا جس پر ستائیس اونٹ لے کر خرچ کیا تھا، اس کو بھی آپ نے بعض مواقع پر استعمال کیا ہے۔ تاہم عام حالات میں آپ کا لباس معمولی قسم کا ہوتا تھا۔ خوراک کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے کبھی بہترین خوراک کی خواہش نہیں کی بلکہ جیسا مل گیا کھالیا۔ خلفائے راشدین بھی درمیانی حالت کا مجسم نمونہ تھے اور انہوں نے یہی چیز رائج کی۔ تو یہ ممترون لوگ اکثر دین کے مخالف ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف ابتداء میں دین کو قبول کرنے والے عموماً غریب عزماء لوگ ہی ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَ سَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا لَّوْكَرُ سَعْدٍ شَرُوعًا بُوَا، اور آخر میں بھی یہ عزماء میں ہی سمٹ کر آجائے گا۔ حضرت وحید کلینیؒ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نے کر روم گئے، تو وہاں کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیانؑ سے پوچھا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ کہ اس نبی کے پیروکار کیسے ہیں یعنی بڑے لوگ ہیں یا غریب طبقہ، تو ابوسفیانؑ نے جواب دیا کہ ان میں سے اکثر کمزور لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا وَ هُؤُلَاءِ أَتُؤْمِنُ بِالنَّبِيِّ عِنْدَ ابْنِائِهِ۔ کے پیروکار اکثر کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔ بڑے لوگ اس وقت ایمان قبول کرتے ہیں۔ جب بالکل مجبور ہو جاتے ہیں یا پھر مقلد ہیں یا راجاتے ہیں۔

اللہ نے اصحابِ شمال کی جنم رسیدگی کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے وَ كَانُوا

(۲) گناہ پر  
اصرار



يُصَرِّفُونَ عَلَى الْحَدِيثِ الْعَظِيمِ کہ وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔ حدیث کا معنی گناہ ہوتا ہے، اور حدیث اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قسم توڑ کر گنہگار بن جاتا ہے۔ تاہم اس مقام پر حدیث العظیم سے مراد شرک اور کفر ہیں جس پر یہ لوگ دنیا میں اصرار کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا ائی ذنوب اعظم یعنی سب سے بڑا گناہ کون سا ہے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، بڑا گناہ یہ ہے اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًا وَهُوَ خَلَقَكَ کہ تو اللہ کا شریک بن جائے۔ حالانکہ ائی نے بتھے یہ کیا ہے۔ سورۃ لقمان میں ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (آیت ۱۳۰) اور سورۃ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے۔ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (آیت ۲۵۴) گویا شرک اور کفر ہی سب سے بڑے ظلم یعنی گناہ ہیں، اور حدیث عظیم سے یہی مراد ہے۔ اصحاب شمال انہی پر اصرار کرتے تھے۔

مسلم شریف کے مقدمہ میں امام مسلم نے لکھا ہے کہ اُن کے استاد نے اپنے استاد حضرت جریر محدث سے ایک راوی عارف بن حصیرہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کیا راوی ہے تو انہوں نے فرمایا ہُوَ شَيْخٌ طَوِيلُ السُّكُوتِ يَحْشُرُ عَلَى اَمْرِ عَظِيمٍ وہ ایک شیخ ہے جو اکثر خاموش رہتا ہے مگر امر عظیم پر اصرار کرتا ہے اور امر عظیم سے مراد یہ ہے کہ وہ رافضی تھا، اور رافضیوں میں رجعت کا یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ قرب قیامت میں مسیح علیہ السلام کی بجائے حضرت علیؑ دنیا میں دوبارہ آئیں گے، وہ عدل و انصاف قائم کریں گے۔ نیز حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی قبور کو اکھاڑ کر اُن کی نعشوں کو نکالیں گے اور سولی پر لٹکائیں گے۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی انتقام لیں گے کیونکہ رافضیوں کے زعم کے مطابق حضرت صدیقہؓ حضرت فاطمہؓ سے نفرت کرتی تھیں، العیاذ باللہ۔ اور امر عظیم سے مراد یہ فاسد عقیدہ ہے۔ غرضیکہ حضرت جریرؓ نے فرمایا کہ میں اس راوی کو جاننا نہیں۔



وہ امر عظیم پر اصرار کرنے والا ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ اصحابِ شمال اس لیے سزا کے مستحق تھے کہ وہ حنثِ عظیم پر مصر تھے۔

اللہ نے تیسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے: وَكَانُوا يَقُولُونَ اور یہ لوگ یوں کہا کرتے تھے إِنَّا آمَدْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا انا الجوعولون کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی میں مل جائیں گے، اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ أَوَابَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ یا ہمارے اگلے ابو اجداد بھی دوبارہ اٹھائے جائیں گے کہتے تھے یہ بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے۔ حالانکہ آج تک تو ہم نے کئی کئی بار کے بعد دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ اِلٰی سَمِیْرِ اٰیٰکُمْ دِیْنُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ بے شک اگلے بھی اور پچھلے بھی لَمَجْعُوْنَ البتہ سب کے سب اکٹھے کیے جائیں گے اِلٰی یُمِیْنَاتِ یَوْمِ مَعْلُوْمٍ ایک مقررہ دن کے وعدے پر، اور یہ وہی قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے مگر اصحابِ شمال اس کا انکار کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔

آگے اللہ نے ان لوگوں کی مزید تفصیلات بیان فرمائی ہیں کہ جب قیامت کا مقررہ دن آجائے گا۔ ثُمَّ اِنَّا کُنَّا الصّٰلٰتِیْنَ الْمُکَذِّبِیْنَ تو پھر تم نے جکے ہوئے لوگوں جو تکذیب کرتے ہو۔ ایمان، توحید، رسالت اور قیامت کو جھٹلاتے ہو، یاد رکھو! جہنم میں تمہیں یہ سزا دی جائیگی لَا تَکُوْنُ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَاقُوْمٍ کہ تم تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہو گے۔ جب تمہیں بھوک ملے گی تو کھانے کے لیے تھوہر کا پھل دیا جائے گا۔ جو نہایت ہی کڑوا اور تکلیف دہ ہوگا۔ اس درخت کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الدخان میں فرمایا اِنَّ شَجَرَةَ الزَّاقُوْمِ طَعَامُ الْاَشِیْمِ ۳۳ لنگاروں کا کھانا تھوہر کا

۱۳۱ بعث  
بعد الموت  
کا انکار

اصحابِ شمال  
کے لیے سزا

درخت ہوگا جو حلق میں پھنس کر رہ جائے گا۔ فرمایا یہ لوگ قَمَارِیُّونَ مِنْهَا الْبُطُونُ  
 اسی قصہ ہر سے ہیٹوں کو عبس نے دے دیے ہوں گے۔ بھوک کر مٹانے کے لیے بھوک کر درخت  
 لے گا، اور پھر جب پیاس تلے گی فَتَارِیُّونَ عَلَیْہِ مِنَ الْحَمِیْمِ تَرْکُھُوْا  
 ہوا پانی پیئے دے ہوں گے فَتَارِیُّونَ شَرِبَ الْہَمِیْمِ پس وہ تو لے ہوئے  
 اونٹ کی طرح پیئے دے ہوں گے۔ گرم ممالک میں جہاں نقل و حمل اونٹ پر موقوف  
 ہے۔ وہاں پانی کی کمی کی وجہ سے اونٹوں کو ٹھوگا یا پتھر پر پانی پہلے جایا جاتا ہے۔ اور  
 وہ پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اصحاب شمال کے متعلق بھی فرمایا کہ سخت پیاس کی وجہ  
 سے وہ پہلے اونٹوں کی طرح پانی پیئیں گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ انسانوں میں استسقا  
 جیسی بیماری اونٹوں میں بھی پانی جاتی ہے۔ اس بیماری کے دوران انسان یا جانور  
 کو سخت پیاس لگتی ہے مگر وہ کتنا بھی پانی پی جائے اس کی پیاس دور نہیں ہوتی۔ بلکہ  
 ہر بار پانی پیئے سے پیاس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اونٹوں میں یہ تونس کی بیماری  
 کہلاتی ہے تو فرمایا جیسا لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جیسے تونس کی بیماری  
 والے اونٹ پانی پیتے ہیں۔ مگر یہ کھوتا ہوا پانی اتنا بد مزہ اور تکلیف دہ ہوگا کہ اس  
 کا ایک گھونٹ انہوں کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا۔

فرمایا هَذَا اَنْتُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ انصاف کے دن ایسے لوگوں کی  
 یہی سمان نوازی ہوگی۔ اس سزا کو اللہ تعالیٰ نے حکمانہ طور پر سمان نوازی کا نام دیا ہے  
 عربی ادب میں تکلیف دہ چیز کو محازنی طور پر سمان نوازی سے تعبیر کیا جاتا ہے عرب  
 لوگ کہتے ہیں۔

وَحَنَّا اِذَا الْمَجَارُ بِالْجَحِشِ مَافَا

جَعَلْنَا الْقَنَاءَ وَالْمَرْهَفَاتِ لَهُ نُزْلًا

جب کوئی سدا آدمی غلیم فکر لیکر ہمارا سمان بنا ہے یعنی ہم پر چڑھائی کرتا ہے، تو ہم اس کی  
 سمان نوازی نینروں اور نیز تلواروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی محاورے کے مطابق اللہ نے گناہگاروں کی  
 سزا کو سمان نوازی کے ساتھ تعبیر کیا ہے فرمایا ان کی سمان نوازی ان سزاؤں کے ساتھ کی جائے گی۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ⑤۷ أَفَرَأَيْتُمْ مَا  
 تُمْنُونَ ⑤۸ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ⑤۹  
 نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ⑥۰  
 عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا  
 تَعْلَمُونَ ⑥۱ وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّشَاءَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا  
 تَذَكَّرُونَ ⑥۲ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ⑥۳ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ  
 أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ⑥۴ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ  
 تَفَكَّهُونَ ⑥۵ إِنَّا لَمَغْرُمُونَ ⑥۶ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ⑥۷  
 أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ⑥۸ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ  
 مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ⑥۹ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ  
 أُمًّا جَاءَ فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ⑷۰ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي  
 تُورُونَ ⑷۱ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ  
 الْمُنْشِئُونَ ⑷۲ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَوَسَاءًا  
 لِلْمُتَّقِينَ ⑷۳ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ⑷۴

ترجمہ :- ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، پس تم کیوں  
 نہیں تصدیق کرتے ⑷۰ بھلا دیکھو جو تم قطرہ آب



ٹپکاتے ہو ۵۸) کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے  
 والے ہیں ۵۹) ہم نے مقدر کی ہے تمہارے درمیان موت  
 اور نہیں ہیں ہم عاجز آتے والے ۶۰) ہم اس پر بھی قادر  
 ہیں کہ ہم تبدیل کر دیں تمہاری طرح کے اور لوگ، اور تمہیں  
 وہاں اٹھائیں جہاں تم نہیں جانتے ۶۱) اور البتہ تحقیق تم نے  
 جان لیا ہے۔ پہلی دفعہ کا اٹھان، پس تم کیوں نصیحت نہیں  
 پکڑتے ۶۲) بھلا دیکھو جس کو تم بولتے ہو ۶۳) کیا تم اُس  
 کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اس کی کھیتی کرنے والے ۶۴) اگر ہم  
 چاہیں تو کر دیں اُس کو روندنا ہوا، پس ہو جاؤ تم باتیں  
 بناتے ہوئے ۶۵) کہ بیشک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے ۶۶)  
 بلکہ ہم محروم کر دیے گئے ہیں ۶۷) بھلا دیکھو وہ پانی  
 جو تم پییتے ہو ۶۸) کیا تم نے امارا ہے اُس کو سفید  
 بادلوں سے یا ہم ہیں امارے والے ۶۹) اگر ہم چاہیں  
 تو کر دیں اُس کو کھاری، پس کیوں نہیں تم شکر ادا  
 کرتے ۷۰) بھلا دیکھو وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو ۷۱)  
 کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا  
 کرنے والے ۷۲) ہم نے بنایا ہے اس کو یاد دہانی کے لیے  
 اور سامان فائدہ اٹھانے کے لیے صحراؤں میں چلنے والے  
 لوگوں کے لیے ۷۳) پس آپ تبیح بیان کریں اپنے پردگاہ  
 کے نام کی جو عظمتوں کا مالک ہے ۷۴)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر وقوع قیامت اور خزانے محل  
 کا ذکر کیا ہے۔ قیامت واقع ہونے کے بعد انسان تین گروہوں سابقین،  
 اصحابِ یمن اور اصحابِ شمال میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی

جزائے عمل کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔ پھر اللہ نے توحید، رسالت، قرآن کی وحدت و عظمت اور معاد چاروں مضامین بیان فرمائے ہیں اب ان آیات میں پہلے توحید اور قیامت کے کچھ دلائل بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد رسالت اور قرآن کی عظمت کا ذکر آ رہا ہے۔

تخلیق انسانی  
بطور دلیل

ارشاد ہوتا ہے إِنَّمَا خَلَقْتُكُمْ ہم نے پیدا کیا ہے، تم کو فَلَوْ لَا تَصَدِّقُونَ پس تم تصدیق کیوں نہیں کرتے! ہر چیز کا خالق تو اللہ ہے جس سے کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا۔ جب خالق، مالک، مدبر اور متصرف وہ ہے تو پھر وہ موت طاری کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اگر یہ بات سمجھ میں آتی ہے تو فرمایا پھر تم اس کی وحدانیت، اربع قیامت اور بعثت بعد الموت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ بھلا تم ان چیزوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو! پھر تخلیق انسانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا أَفَلَا تَدْرُسُونَ بھلا دیکھو تو کہ تمہارا کام تو صرف اتنا ہے کہ تم عورت کے رحم میں قطرہ آب ٹپکا دیتے ہو، اور اس کے بعد أَنَّمَا خَلَقْنَاهُ امر غنّ الخالقون رحمہم مادر میں پرورش پانے والے بچے کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں! اللہ نے تخلیق انسانی کو ایک عام فہم دلیل کے ذریعے سکھایا ہے کہ آدمی کا کام تو صرف اس قدر ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ مجامعت کر کے علیحدہ ہو جاتا ہے، اور پھر نو ماہ کے عرصہ میں اس قطرہ آب کو مختلف حالتوں سے گزار کر اُسے گوشت پرست اور ہڈیوں کے مجموعہ کی صورت میں شکم مادر میں کون پرورش کر لے۔ اللہ نے سورۃ المؤمنون میں اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے کہ جب مرد نے عورت کے رحم میں قطرہ آب ٹپکا دیا۔ تو ہم نے اس نطفے کا قطرہ بنایا، پھر لو تھڑے سے بڑی بنائی، پھر بونئی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ٹہنیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ قَتَبْنَاكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (آیت ۱۴) پس خدا تعالیٰ بڑا ہی بابرکت ہے۔ جو بہترین بنانے والا ہے۔ حدیث شریف میں بھی پیدائش کی بعض

تفصیلات بیان ہوئی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں نجات تبدیلیوں کے ذریعے بچے کی تکمیل کرتا ہے اور ہر تبدیلی چاہیں گے دن کے بعد عمل میں آتی ہے حتیٰ کہ بچے کے اعضا، جھڑ، ہڈیوں، بال، کھال اور تمام ظاہری اور باطنی قوی پیدا ہو کر بچہ مکمل صورت میں باہر آجاتا ہے۔ کائنات میں انسانی جسم ایک پیچیدہ ترین چیز ہے جسے اللہ کے فرشتے اللہ کے حکم سے مقرر قدرت میں مکمل کرتے ہیں۔ نسل انسانی کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا اور اسی کے وجود سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر ان کے ملاپ سے نسل انسانی آگے چلا شروع ہو گئی۔

میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا  
خاکِ ناچیز تھا سو مجھے انسان کیا

بہر حال اللہ تعالیٰ نے خود انسانی وجود کو اپنی وحدانیت اور قدرت کی ذیل بنایا ہے اور دریافت کیا ہے کہ کیا تم نے یا کسی حکیم، ڈاکٹر یا سائنس دان نے انسان کو بنایا ہے یا ہم نے بنایا ہے؟ اللہ نے نہ صرف انسان کا جسم بنایا بلکہ اس میں جان ڈالی اور روح پھونکی جو نہایت ہی لطیف اور حیرت انگیز چیز ہے بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھنا بھی بڑا مشکل ہے۔ اور پھر دیکھیں کہ دنیا میں اربوں انسان موجود ہیں مگر کوئی دو اشخاص شکل و صورت میں بعینہ نہیں ملتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے جس کا فرمان ہے **هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَكُمْ مِنْهُ آيَاتٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (اللہ کی ذات وہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں حسبِ مشائتھاری شکل و صورت بناتا ہے)

فرمایا، ہم نے تمہیں پیدا کیا، ایک خاص وقت تک زندگی دی اور پھر تم کو قتل کرنا  
**بَلِّغْكُمْ الْمَوْتَ** ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کر دیا۔ ایک مقررہ وقت پر ہر شخص موت سے ہلکا ہو جاتا ہے اور پھر کائنات کی مجموعی موت کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے جب یہ پورا سلسلہ کائنات ختم ہو جائے گا، اور پھر حساب

موت اور  
دوبارہ بعثت



کتاب کی منزل آئے گی، فرمایا، ہم اپنے اس منصوبہ پر عمل درآمد پر مکمل قدرت رکھتے ہیں  
 وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ اور اس کام سے عاجز آنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم اس  
 کام کو لازماً پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ پھر فرمایا ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُن  
 مُبَدِّلِ اَمْثَالِکُمْ کہ تمہیں متم کردیں اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ تبدیل کردیں سورہ فاطر  
 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنْ يَشَاءْ ذَهَبْكُمْ وَاَيَاتِ بَخْلَقْ جَدِيدًا ۝۱۶ اگر  
 وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔ وَنُشِئْكُمْ فِي  
 مَالٍ تَعْلَمُونَ اور تمہیں ہم ایسی جگہ اٹھائیں جس کو تم نہیں جانتے۔ خدا تعالیٰ قادر ہے  
 کہ وہ تمہیں دوسرے جہان میں زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کر دے۔ بعض مفسرین اس  
 کلامی معنی کرتے ہیں کہ تم انسان بنے پھرتے ہو، ہم چاہیں تو تمہاری شکلیں تبدیل کر کے  
 بندروں اور غنیمتوں جیسی کردیں۔ بعض سابقہ اقوام کو اللہ نے یہ سزا بھی دی۔ لہذا تمہیں  
 تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور وقار کی قیامت کی تصدیق  
 کرنی چاہیے۔

فرمایا وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْاُولٰٓئِیَ اور البتہ تم پہلی اٹھان یعنی پیدائش  
 کو تو جانتے ہو۔ تمہیں یقین ہے کہ تم خود بھی پیدا ہوئے تھے اور اپنے سامنے دوسروں  
 کو پیدا ہوتے دیکھ رہے ہو۔ پہلی پیدائش سے صرف انسانوں کی نہیں بلکہ تمام حیوانات  
 چرند پرند اور نباتات کی پیدائش مراد ہے۔ تم ان سب کو پیدا ہوتے دیکھتے ہو۔  
 فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ پھر اس مشاہدہ سے نصیحت کیوں نہیں کرتے؟ یاد رکھو!  
 ہندو کے شوگر کو ناکام بھی دیکھو گے  
 آغاز سے واقف ہو انجام بھی دیکھو گے

بہر حال اللہ نے ہر چیز کی پہلی تخلیق کا ذکر کر کے دوبارہ تخلیق پر دلیل قائم کی ہے  
 اگر انسان ذرا بھی غور و فکر کرے تو اسے جزائے عمل کی بات سمجھیں آسکتی ہے۔  
 آگے اللہ نے ایک اور دلیل بیان کی ہے۔ ارشاد ہوا ہے اَفَرَأٰی  
 مَا تَحْمِلُوْنَ بِغِلَالِہِمْ اَوْ تَحْمِلُوْنَہُمْ سَوَآءٌ مَّا حَمَلُوْا اَوْ اَفَرَأٰی  
 مَا تَحْمِلُوْنَ بِغِلَالِہِمْ اَوْ تَحْمِلُوْنَہُمْ سَوَآءٌ مَّا حَمَلُوْا

کھیتی باڑی  
 بطور دلیل  
 قدرت

اَفَرَأَيْتُمُ اللَّيْلَ مُنَوَّنًا كَيَا يَكْهِنُ بَارِي تَمَّ كَرْتُمْ هُوَ يَأْتِيكُمْ كَرْتُمْ طَلْعُ هَبْ؟ پہلے انسان کی  
 تخلیق کا ذکر کیا تھا کہ تم تو صرف نطفہ ٹپکاتے ہو۔ پھر اس کو حسین و جمیل زندہ انسان  
 کی صورت میں کون پیدا کرتا ہے؟ اب یہاں نباتات کا ذکر کیا ہے کہ تم تو زمین تیار  
 کر کے بیج ڈال کر چلے آتے ہو، پھر زمین کو بھاڑ کر وہاں سے انگریاں کون نکالتا  
 ہے اور ان کو غلہ، پھل، پھول اور سبز پھوس میں کون تبدیل کرتا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ  
 کی ذات ہے جو تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے خوراک اگلاتا ہے۔ سورۃ عبس  
 میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ ذرا اپنی خوراک کی  
 طرف دیکھ کر غور کرے کہ بیشک ہم نے ہی آسمان سے پانی برپایا اور زمین کو قابل  
 کاشت بنایا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (آیت ۲۶) پھر ہم نے زمین کو چیرا  
 بھاڑا اور اس میں انواع اگایا مَتَاعًا كَمْ وَ لَا نَعْمَا كَمْ (آیت ۳۲)  
 جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے خوراک بنتا ہے۔ یہ ہماری مشیت پر  
 منحصر ہے کہ ہم زمین سے غلہ، انگریا، ترکاری، کھجوریں، گھنے باغات، میوے،  
 اور چارہ پیدا کرتے ہیں۔ اور اگر ہم نہ چاہیں تو تمہاری کاشتکاری اور محنت باوجود  
 کچھ پیدا نہ ہو۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ پانی منقطع کر دیتا ہے۔ بارش نہ ہو یا دریاؤں میں  
 پانی کی وجہ سے نہریں بند ہو جائیں۔ ٹیوب ویل کام کرنا چھوڑ دیں تو فصل کیسے تیار ہوگا۔  
 اسی لیے فرمایا کہ ذرا سوچ کر نیکو کہ کھیتی باڑی تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں جب تک  
 اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو نہ ٹریکٹر کام مٹیتے ہیں اور نہ کھادیں مفید ثابت ہوتی ہیں، بیج، پانی،  
 کھاد سب بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ زمین تیار کرے،  
 بیج ڈالے، کھاد اور پانی استعمال میں لائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظار کرے  
 تاکہ اُس کی محنت ٹھکانے لگے اور تمام منازل طے کرنے کے بعد مطلوبہ فصل حاصل ہو۔  
 فرمایا کُونْشَاءُ جَعَلْنَاهُ حُطَامًا اگر ہم چاہیں تو کھیتی کو پامال شدہ بنا دیں  
 یا اوقات ایسا ہو جسے کہ تمام مراحل طے کرنے کے بعد فصل پک کر تیار ہو جاتی  
 ہے مگر کوئی ایسی آسمانی آفت آتی ہے جو اس کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے یا پکی پکانی فصل

آدمی یا سیلاب کی نذر نہ رہ جاتی ہے فَقُلْتُ تَوَفَّتْكُمْ قَوْمٌ اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاتے ہو، اپنی فصل یا پھل کو برباد ہوتے دیکھ کر تم زبان سے اُس پر افسوس کا اظہار ہی کر سکتے ہو، تم میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ اپنی محنت کو رائیگاں جانے سے بچا سکو۔ اور پھر تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو إِنَّا لَمُعَذِّمُونَ کہ ہم پر تو نادان ہی پڑ گیا ہے کھاد، پانی، بیج اور محنت کا ثمرہ ملنے کی بجائے اپنے پاس سے خرچ کیا ہوا پیسہ بھی ضائع ہو گیا۔ مگر یا کہ نادان پڑ گیا۔ بَلْ غَنُّ تَحْزَنُ وَمَوْتٌ بلکہ ہم تو کھیتی کے فوائد سے محروم ہو گئے، ہمیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس طرح گویا سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور یہی کہتے رہو کہ ہمیں تو بڑا نقصان ہو گیا۔ مگر اس افسوس کا بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس قسم کے واقعات ہر روز پیش آتے رہتے ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ فصلوں کو اگانے اور انہیں برداشت کرنے کا سہرا تم اپنے سر لیا چاہتے ہو، بجلا سوچ کر بناؤ کہ کھیتی کو منزل مقصود تک تم پہنچاتے ہو یا ہم پہنچاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حقیقت میں کھیتی بڑی کرنے والے ہم ہیں جو اناج اور پھلوں کو تمہارے گھروں لے کر داموں تک پہنچاتے ہیں آگے اللہ نے اپنی وحدانیت، قدرت اور وقوع قیامت کی ایک اور دلیل ذکر کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ بھلا اس پانی کو تو دیکھو جو تم روزمرہ پیتے ہو اور سوچ کر بتاؤ أَنَّا نَزَّلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ نَافِثًا لِّئَلَّكُمْ تُرْغَبُونَ کیا تم نے اس پانی کو غیبی بار لوگ آنا ہے یا ہم اس کو امارنے والے ہیں۔ پانی ایک ایسی نعمت ہے جس پر تمام جانداروں کی زندگی اور نباتات کی نشوونما کا انحصار ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَیٍّ (آیت ۳۰) ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے۔ پانی کی بہم رسانی کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے آسمان کی طرف سے بارش ہوتی ہے جس کا پانی چشموں، دریاؤں اور نہروں کی صورت میں دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے جس سے لوگ خورد اکن کے جانور اور کھیت سیراب ہوتے ہیں۔ کچھ پانی زیر زمین جمع ہو جاتا ہے جسے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔

نزول آب  
بطور دلیل



سورۃ الزمر میں اللہ نے یاد دلایا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے فَسَلَكُهُ يَنْبِيعٌ فِي الْأَرْضِ (آیت ۲۱) پھر اُسے چشموں کی صورت میں زمین میں بہا دیتا ہے جس سے کمیٹی باڑی ہوتی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ پانی اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے جس سے اُس کی مخلوق مستفید ہوتی ہے۔ اگر انسان اس پر ہی غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور قنوع قیامت کا منہ سمجھ میں آسکتا ہے۔

فرمایا لَوْ شَاءَ جَعَلْنَاهُ أُجَلِيًّا اَلرَّسْمُ چاہیں تو اس پانی کو کھاری بنادیں جو نہ پینے کے کام آ سکے اور نہ فصلوں کو سیراب کر سکے۔ اللہ نے تمہیں میٹھا پانی ہسیا کر کے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے فَكُلُوا لَا تَكْفُرُوا پس تم اللہ تعالیٰ کے احسان کا کیوں شکوہ ادا نہیں کرتے؟ حضرت علیہ السلام نے پانی جیسی عظیم نعمت کے اعتراف میں یہ دعا بھی سکھلائی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَقَانَا عَذْبًا فَرَاتًا بِرَحْمَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَابًا بِذُنُوبِنَا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اپنی رحمت سے میٹھا اور خوشگوار پانی پلایا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اُسے کھدی نہیں بنادیا۔

اگلے بطور  
دلیل قدرت

ارشاد ہوتا ہے اَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ مَعَالِيقَ تَوْبِ اَگ جس کو تم سلگاتے ہو اُنکو اُنٹوں اُنٹوں شجر تھا اَمْ غُثِّ اَلْمُنَشُّوْنَ کیا اس آگ کو جلانے کے لیے درخت تم پیدا کرتے ہو یا ہم اُس کو پیدا کرنے والے ہیں؟ ظاہر ہے کہ آگ ٹکڑی جلانے سے پیدا ہوتی ہے اور ٹکڑی حاصل کرنے کے لیے درختوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُن کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ ٹکڑی کے علاوہ معدنی کوئلہ بھی ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ بھی بڑے سخت قسم کے درخت تھے جو سو ادوات کی وجہ سے زمین کے نیچے دب گئے اور پھر پتھری کوئلہ کی صورت میں تبدیل ہو گئے پھر ان پتھروں اور کوئلے کے درمیان جس کی وجہ سے جوگیس پیدا ہوتا ہے

آجکل اُسے بھی سائنسی طریقہ سے نکال کر استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ گیس پاکستان میں  
سوئی کے مقام پر دریافت ہوئی، لہذا اُسے سوئی گیس کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ بھی  
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جوں جوں ایندھن کی ضروریات بڑھ رہی ہیں تیل اور  
گیس کی صورت میں نئے نئے وسائل بھی سامنے آ رہے ہیں۔ غرضیکہ آگ جلانے کا عمومی فریج  
نکڑی ہی ہے جس کے درختوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ آگ کے درخت تم نے پیدا  
کیے ہیں یا ہم انہیں پیدا کرنے والے ہیں؟ اب سورج کی شعاعوں سے بھی انرجی حاصل  
کرنے کے لیے تجربات ہو رہے ہیں۔ اللہ نے سورج کی شکل میں بہت بڑا ایندھن جلا  
رکھا ہے جس کے گھر کو استعمال کے لیے بھی کوشش ہو رہی ہے۔ کامیابی کی صورت  
میں سورج کی توانائی سے شہر اور دیات روشن ہوں گے، بڑے بڑے کارخانے موٹریں  
اور جہاز چلیں گے۔ یہ توانائی بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو یہ کارخانہ  
قدرت چلانا منظور ہے۔ اسی طرح نظام مسمیٰ چلا ہے گا۔ اور جب اس کی میعاد پوری  
ہو جائے گی۔ تو اسے نظام کے ساتھ ہی سورج کی توانائی بھی ختم ہو جائے گی اور اس  
طرح قیامت واقع ہو جائیگی۔

ابن ماجہ شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آگ، پانی اور گھاس تین  
ایسی مشترک اشیا ہیں جن سے خاندانِ اٹھانا ہر شخص کا حق ہے اور ان اشیاء سے استفادہ  
حاصل کرنے سے کسی شخص کو منع نہیں کرنا چاہیے۔ ملاں۔ ان میں سے کوئی چیز اگر  
کھن کی ذاتی ملکیت ہو تو پھر آگ کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

فرمایا عَصَى جَعَلْنَاهَا ذِكْرًا لِّهَم لے اس آگ کو یاد دہانی کا ذریعہ بنا دیا ہے  
دنیا کی آگ کو دیکھ کر انسان کو روزخ کی آگ یاد آئی چاہیے جس کے متعلق فرمایا نَادُكُمُ  
هَذِهِ جَزَاءُ مِمَّنْ سَبَعْنِي جَزَاءُ یعنی روزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر  
گنا زیادہ گرم ہے۔ جب یہ آگ ہی ناقابلِ برداشت ہے تو روزخ کی آگ کس طرح  
برداشت ہوگی۔ انسان کو اس طرف توجہ دینی چاہیے اور اس سے بچنے کا انتظام کرنا  
چاہیے۔ کفر، شرک اور معصیت کی وجہ سے ہی لوگ جہنم میں جائیں گے، لہذا ان

چیزوں سے باز آکر نیکو ایمان اور توحید کو اختیار کرنا چاہیے۔ اسی لحاظ سے اللہ نے آگ کو یاد دہانی کا ذریعہ بنایا ہے۔

فرمایا، آگ کو ہم نے یاد دہانی کا ذریعہ بنایا ہے وَمَتَاعًا لِّلْمُتَّقِينَ اور یہی آگ صحراؤں کے مسافروں کے لیے فائدے کا سامان بھی ہے۔ جنگلوں اور صحراؤں کے مسافر و دران سفر کھانا پکانے اور دوسری ضروریات کے لیے آگ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے انے مسافروں کے لیے مفید چیز قرار دیا ہے۔ اقویٰ، کا معنی محتاج بھی ہوتا ہے۔ یہ معنی ابھی درست ہے کیونکہ ضرورت مندوں کے لیے آگ بڑی اہم چیز ہے جس کی کاروبار زندگی میں ہر آن ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ بظاہر آگ ہی ایندھن یا گرمی حاصل کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم اگر اس کو وسیع تر معنوں میں لیا جائے تو شیل، گیس، بجلی، شمسی توانائی حتیٰ کہ انہی توانائی سب آگ ہی کا حصہ ہیں اور آج ان چیزوں کی قدم قدم پر ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر یہ آگ یا توانائی نہ ہو، تو پوری دنیا گھسپ اندھیرا ہو جائے، تمام کارخانے، موٹر گاڑیاں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز بند ہو جائیں اور اس طرح پوری دنیا کا نظام ٹھپ ہو کر رہ جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ ضرورت مندوں کے لیے یہ آگ بہت بڑے فائدے کا سامان ہے۔

ان انعامات اور دلائل قدرت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ پس آپ عظمتوں والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ انسان اپنے عقیدے اور عمل کو درست کر لے گا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وقوع قیامت پر ایمان لے آئے گا اور جزائے عمل کو برحق جان کر اس کے لیے تیاری کرے گا۔



قال فما خطبكم

الواقعه ۵۶

درس پنجم ۵

آیت ۷۵ آ ۸۲

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَامُونَ  
عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝  
لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ  
الْعَالَمِينَ ۝ أَفِيْهِذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُّدْهِنُونَ ۝  
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝

ترجمہ: پس میں قسم اٹھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے  
کی ۷۵ اور بیشک یہ قسم ہے بڑی اگر تم جان لو ۷۶  
بیشک یہ البتہ قرآن ہے عزت والا ۷۷ رکھا ہوا ہے  
ایک پوشیدہ کتاب میں ۷۸ نہیں چھوتے اس کو  
مگر وہ لوگ جو پاک بنائے گئے ہیں ۷۹ یہ اتارا ہوا  
ہے رب العالمین کی طرف سے ۸۰ کیا اس بات  
میں تم سستی کرتے ہو ۸۱ اور غصرتے ہو اپنا حصہ یہ  
کہ تم اس کو جھٹلاتے ہو ۸۲

ربط آیت

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن لوگوں کے تین گروہوں  
میں تقسیم ہونے کا ذکر کیا۔ ان میں سے دو گروہ یعنی سابقین اور اصحابِ یمن کامیاب  
ہو کر خدا کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے، اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق  
درجہ حاصل کریں گے اور البتہ اصحابِ شمال ناکام ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے غضب  
کے مقامِ جہنم میں پہنچیں گے۔ اللہ نے پہلی دو اقسام کے لوگوں کو اپنے نئے انعامات  
کا تذکرہ کیا، اور تیسرے گروہ کی سزا کا بیان ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے توحید اور قیامت

کے منکرین کا رد کیا، اور اس ضمن میں بعض دلائل کا ذکر بھی کیا۔

اب آخر میں رسالت کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ منکرین قیامت کا رد بھی۔ اس کے علاوہ قرآن کی صداقت و عظمت کا بیان بھی ہے اور پھر جزائے عمل کی بات بھی کی گئی ہے غرض کہ اس درس میں قدرت الہی کے نمونے اور نشانیاں ہیں جو سے اللہ تعالیٰ کی توحید سمجھ میں آتی ہے اور ایمان درست ہوتا ہے اور ساتھ ہی وقوع قیامت پر بھی نشانی بنتی ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام کی صداقت اور قرآن کی عظمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید  
کی عظمت

ارشاد ہوتا ہے فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ پس میں قسم اٹھاتا ہوں ستاروں کے غروب ہونے کی۔ لَا أُقْسِمُ کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر لا زائد بھی ہو سکتا ہے، تاہم عربی محاورے میں لا تاکید کے لیے بھی آتا ہے اس لحاظ سے یہ لا تاکید ہی ہے جس سے قسم کو مؤکد بنایا گیا ہے، اور معنی یہ ہے کہ میں ستاروں کے غروب کی تاکید اقسم اٹھاتا ہوں۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ لا زائد نہیں بلکہ سابق کلام کی نفی ہے اور اس کے بعد اگلی بات کی گئی ہے۔ گذشتہ آیات میں مشرکین اور منکرین قیامت کا ذکر تھا۔ اب اللہ نے لا کے ذریعے ایسے لوگوں کے نظریات کی تردید کر کے ستاروں کے غروب جانے کی قسم اٹھائی ہے اور پھر قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا ہے فَرِیَآءِ میں ستاروں کے غروب ہو جانے کی قسم اٹھاتا ہوں وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّئَلَّا تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ اور یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو، پھر فرمایا إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِیْمٌ بیشک یہ البتہ عزت والا قرآن ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے جسے اُس نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہی قرآن بتلاتا ہے کہ اللہ کی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے، اور کفر و شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار لازمی ہے۔ نیز وقوع قیامت اور جزائے عمل برحق ہے۔ یہ ساری باتیں اللہ نے عظیم قسم اٹھا کر بیان کی ہیں۔

مفسرین کرام نے مواقع النجوم کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ یہ لفظ زمانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور جگہ کے معنی میں بھی۔ اس جملے سے ستاروں کے غروب کا وقت مراد ہو یا جگہ، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ ستاروں، چاند اور سورج کا طلوع و غروب قدرت الہی کی علامات میں سے ہے۔ ہر چیز پر وہی قادر اور تصرف ہے کائنات کے پورے نظام کو چلانے میں وہ وحدہ لا شریک ہے۔ غرضیکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غولے ہیں۔ جنہیں گزشتہ سورتوں میں مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ستاروں کا غروب، اُن کا زمانہ یا جگہ تو ظاہرات ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو عظیم قسم سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت بکھر میں آتی ہے بشرطیکہ لَوْ تَحْسَبُونِیْ نَحِیْثًا لَّیْسَ بِیْکُمْ حِجْرٌ لِّیْهِ شَیْءٌ ہر چیز بے سود ہے۔ گویا ستاروں کا غروب اہل عقل و فہم کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت تمامہ اور حکمت بالغہ کی بہت بڑی نشانی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ کیا یہاں پر ستاروں سے یہی ظہار متناہی مراد ہیں جن کا ہم ہر رات مشاہدہ کرتے ہیں یا کوئی اور چیز مراد ہے؟ فرماتے ہیں کہ ستاروں کا غروب سورج کے طلوع کی علامت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان ستاروں سے یہ ظاہری متناہی مراد نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے انبیاء مراد ہیں جیسا کہ سورۃ النجم میں وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں بنی نوع انسان کے نجوم ہدایت ہوتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کا نور ختم ہو چکا ہے گویا وہ تمام متناہی غروب ہو چکے ہیں، اور اب آخری دور کے شمس ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ اسی لیے اللہ نے سورۃ الاحزاب میں آپ کو سَيَكُونُ جَاہِلِیْنَ (آیت ۴۶) کا لقب عطا فرمایا ہے۔ یعنی آنحضرت علیہ السلام ہدایت کے روشن چراغ ہیں۔ سورج کو بھی اللہ نے سراج مبین کہا ہے جو ظاہری روشنی دیتا ہے مگر پیغمبر علیہ السلام ہدایت کا نور پھیلاتے ہیں۔



قرآن کی  
حفاظت کا  
انتظام

بعض فرماتے ہیں کہ شمس سے قرآن کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ سابقہ کتب اور صحائف سماویہ میں لوگوں نے تغیر و تبدل پیدا کر لیا، اور اب وہ انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے اب اللہ نے آخر میں شمس ہدایت قرآن کے طلوع کا ذکر فرمایا جو ہر طرح سے محفوظ ہے گزشتہ چودہ صدیوں کی آسرخ شاہد ہے کہ دشمنوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود قرآن پاک کی سالمیت پر کوئی حریف نہیں آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے جیسے اس کا ارشاد ہے **إِنَّا نَحْنُ نُحَافِظُهَا** **الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** (الحجر - ۹) بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ آج اس گئے گزشتے زمانے میں بھی دنیا بھر میں کم و بیش ایک کروڑ حفاظ موجود ہیں جس کی وجہ سے قرآن کے ظاہری الفاظ میں تو تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ جہاں تک قرآن کی معنوی تحریف کا تعلق ہے تو اللہ نے اس کا بھی معقول انتظام کر رکھا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے لوگوں کو پیدا کرتا ہے گا۔ جو قرآن، دین اور شریعت میں تحریف کا نوٹس لیتے رہیں گے۔ یعنی غلط باتوں کی نشاندہی کرتے رہیں گے اور اس طرح قرآن کی معنوی تحریف بھی ناممکن ہو جائے گی۔ موجودہ دور میں سرستید نے معجزات کا انکار کیا اور قرآنی آیات کی بہت سی غلط تاویلات کیں جس کا تمام علماء نے متفقہ طور پر رد کیا۔ سرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اللہ نے اہل حق کو کھٹا کر دیا جنہوں نے اس کے تمام باطل نظریات کی تردید کی۔ اسی طرح غلام احمد پر دینے بھی بہت سی تحریفات کی ہیں جن کا علمائے حق نے تقاب کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی ظاہری اور باطنی حفاظت کا خود ذمہ لے رکھا ہے اور اس کے لیے مناسب سامان بھی پیدا کر دیا ہے۔ بہر حال اب بنی نوع انسان کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ قرآن پاک ہی ہے اسی لیے اللہ نے تاروں کے غروب ہونے کا ذکر کر کے قرآن حکیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فرمایا یہ عزت والا قرآن ہے۔ **رَفِیْقٌ کَرِیْمٌ مَّکْنُونٌ** جو کہ ایک پرشیدہ

کتاب میں لکھا ہوا ہے، پوشیدہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہر چیز درج ہے۔ سورۃ البروج میں بھی اللہ نے فرمایا ہے۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (البروج، ۲۱، ۲۲) بلکہ یہ قرآن پاک ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے۔ اس کے علاوہ یہ حفاظ کے سینوں میں بھی محفوظ ہے، اور کتاب کی صورت میں تو بہر حال ہمارے سامنے موجود ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ کو دنیا کی کسی نعمت پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات بے مثال ہیں، اسی طرح لوح محفوظ بھی بے مثال ہے جو کہ اللہ کے علم تفصیلی کا ایک نمونہ ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آداب قرآن کے سلسلے میں اس کو چھوٹے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا يَسْتَشْطِرُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ قرآن پاک کو نہیں چھوٹے مگر پاک بنائے ہوئے لوگ۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو پاک لوگ ہی چھوٹتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک خبر ہے کہ قرآن کریم کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں مگر دراصل یہ حکم ہے کہ اس کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگائیں اور ناپاک لوگ اس کو نہ چھوئیں۔ اگر یہ مسئلہ کی ضمیر لوح محفوظ کی طرف ہو جس کو یہاں کتاب مکتون کا نام دیا گیا تو پھر پاک لوگوں سے مراد اللہ کے وہ مقرب فرشتے ہیں جن کو لوح محفوظ تک رسائی حاصل ہے کہ وہی اس کو چھو سکتے ہیں۔ اور اگر یہ مسئلہ کی ضمیر قرآن کی طرف ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ قرآن پاک کو صرف پاک لوگ ہی چھوٹتے ہیں یعنی اس قرآن کو صرف طہارت کی حالت میں ہی ہاتھ لگایا جائے اور ناپاک آدمی اس کو نہ چھوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ طہارت سے مراد کفر و شرک سے پاکیزگی ہے اور چھوٹنے کا مطلب اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس طرح معنی یہ بنتا ہے کہ قرآن پاک کی تعلیمات سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو کفر، شرک، نفاق، اسعاد اور شک سے پاک ہوں پاکیزگی کا عام فہم معنی نجاست سے پاکیزگی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک کو بے وضو یا ناپاک یعنی نجاست، حیض یا نفاس کی حالت میں ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

قرآن پاک کو  
چھوٹنے سے  
بچنا

کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس معاملہ میں قرآن کے ساتھ وہ دینی کتابیں بھی شامل ہیں جن میں آیات یا احادیث نقل کی گئی ہوں یا ان کی تشریح کی گئی ہو۔ ایسی کتابوں کو بے غور ہاتھ لگانا بھی مکروہ ہے تاہم قرآن پاک کو چھونا تو سخت کراہیت کا باعث ہے۔

اس بارے میں حضور علیہ السلام کا طرز عمل بھی موجود ہے۔ آپ نے یمن میں عمرو ابن حزم کو خط لکھوایا تھا جس میں دیگر احکام و مسائل کے علاوہ یہ بھی حکم دیا کہ لَا تَمَسُّ الْقُرْآنَ لَا وَأَنْتَ طَاهِدٌ یعنی طہارت کے بغیر قرآن پاک کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی بہن اور بہنوئی ایمان لا چکے ہیں، تو آپ ان کے ہاں پہنچے۔ آپ کی بہن قرآن پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی قرآن پاک دیکھا چاہا تو آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو، پہلے غسل کر کے پاک ہو جاؤ، اس کے بعد تم قرآن کو ہاتھ لگا سکتے ہو۔ چنانچہ آپ نے غسل کیا اور پھر قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی قافلہ کسی کافر ملک میں جائے تو قرآن پاک کو ساتھ نہ لے جائے کہیں ایسا نہ ہو کافر لوگ قرآن کو ہاتھ لگا کر اس کی قرطعین کا باعث بنیں۔ اگر قافلہ مضبوط ہو اور قرآن کی حفاظت کر سکتا ہو، تو پھر ہمراہ لے جاسکتا ہے اس سے یہ مسئلہ بھی ٹھکانا ہے کہ ناپاک آدمی قرآن پاک کی جگہ پر چڑھی، سوئی چولی کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ یہ قرآن کے ساتھ چھٹی ہوئی ہوتی ہے۔ البتہ قرآن پاک کے اوپر غلاف چڑھا ہوا ہو تو پھر ایسی حالت میں قرآن کو ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب "مبیین المصلیٰ" میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ناپاک آدمی تورات اور انجیل کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ حالانکہ ان کتابوں میں ہزاروں تحریکات ہو چکی ہیں اس کے باوجود اللہ کا نام اور بعض صحیح باتیں بھی چونکہ سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہیں لہذا ان کو بھی بغیر طہارت کے ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔

حضرت علیؓ کے قول سے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اخذ ہوتا ہے، کہ ناپاک کی حالت میں کسی مرد یا عورت کو قرآن پاک کی زبانی تلاوت بھی نکلیں کرنی چاہیے۔

قرآن کی تلاوت کا مسئلہ



چنانچہ جنسی آدمی یا حیض و نفاس والی عورت زبان سے بھی قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھے  
بے وضو ہونے کی حالت میں بھی مناسب تو یہی ہے کہ آدمی قرآن کی تلاوت نہ کرے  
مگر حضرت علیہ السلام کے عمل نے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ بے وضو آدمی زبانی تلاوت  
کر سکتا ہے مگر ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ البتہ اللہ کا ذکر ہر حالت میں روا ہے۔ کوئی شخص  
بے وضو بھی ہو تو وہ سبحان اللہ، الحمد للہ، بسم اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ، لا الہ الا اللہ  
درود استغفار وغیرہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت بچوں کو  
قرآن پڑھاتی ہو اور وہ ناپاکی کی حالت میں ہو تو وہ زبان سے مکمل آیت نہ پڑھے البتہ  
اگر ایک ایک لفظ کے ذریعے طالب علم کو سبق پڑھے تو کوئی عرج نہیں تاہم  
اکثر علماء کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں جس طرح قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ اسی  
طرح اس کی زبانی تلاوت بھی منع ہے۔

نزل قرآن

آگے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الہی ہونے کا  
ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيلُ كِتَابٍ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے اتارا ہوا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ کوئی جادو، کمانت اور شعلری  
نہیں ہے بلکہ نہایت ہی مقدس کتاب ہے جو پروردگار عالم کی طرف سے وحی کی صورت  
میں نازل ہوئی اور جس میں ہدایت اور تربیت کا بہترین اور بے مثال پروگرام موجود ہے  
اس کی آیات نہایت ہی محکم ہیں۔ جس طرح اللہ نے کائنات کی بقا کے لیے نظام شمسی  
قائم کر رکھا ہے، اسی طرح اس نے انسانوں کی روحانی تربیت اور ہدایت کے  
لیے انبیاء اور کتب سماویہ کا نظام قائم کر رکھا ہے۔ پہلے انبیاء کی کتابوں اور صحیفوں  
میں تحریفات کر کے گڑبڑ کی گئی، لہذا اللہ نے آخری دور کی رشد و ہدایت کے لیے  
اپنی کامل اور مقدس ترین کتاب نازل فرما کر نبی نوری انسان کی ضروریات کی تکمیل کا  
سامان مہیا کر دیا ہے۔ یہ عزت والا قرآن ہے جو وحی کے ذریعے نازل کیا گیا اور  
جو شکوک و شبہات سے پاک ہے۔

فَرَمَا فِيْهِ هٰذَا الْحَدِيْثُ اَنْتُمْ مَّدْهُوْنَ كَمَا تَمَّ اس بات میں

قرآن کے  
بارکے میں  
مذہبت

سستی کرتے ہو؟ جو کتاب اللہ نے وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے۔ اس کے بارے میں مدہنت یا سستی کا اظہار بہت بُری بات ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا پاکیزہ کلام ہے جو فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ جو قوم اس پر و گرام کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتی وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مواقع الخیر سے قرآن کی آیات مراد ہیں۔ جس وقت اللہ کے نبی کا عالم قدس سے اتصال ہوتا ہے تو اُس وقت آیات قرآنی اللہ کے نبی کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرہ ۹۷) بے شک اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے اس قرآن کو آپ کے قلب مبارک پر نازل کیا۔ جب حضور علیہ السلام کی بشریت کے تقاضے کمزور ہو جاتے ہیں اور ملکیت کی صفت غالب آجاتی ہے یعنی جس وقت آپ کا بشریت سے ملکیت کی طرف انسلاخ ہوتا ہے تو اس وقت قرآنی آیات ستاروں کی طرح آپ کے قلب پر نازل ہوتی ہیں۔ اس کتاب سے بہتر کوئی پروگرام نہیں ہے، لہذا اس سے مدہنت اختیار کرنا افسوسناک ہے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے اس شکوکے کا سب سے بڑا مورد خود مسلمان ہے۔ دنیا کے کسی مذہب والوں کے پاس آج کوئی صحیح کتاب موجود نہیں۔ مگر جن مسلمانوں کے پاس یہ صحیح کتاب موجود ہے وہ انتہائی سست ہیں کیونکہ وہ اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے نظام کو جاری کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان طرح طرح کے مسائل اور مصائب کا شکار ہیں۔ دیگر اقوام کا بھٹک جانا تو قابلِ فہم ہے کیونکہ ان کے پاس کوئی صحیح اور مکمل پروگرام ہی نہیں ہے مگر مسلمان قرآن کے حال ہونے کے باوجود اس کی افادیت سے محروم ہیں۔ تاریخی لحاظ سے خلفائے راشدینؓ نے اس پروگرام پر عمل کر کے اس کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ مگر آج مسلمانوں کی نحوست کی یہی وجہ ہے کہ یہ مدہنت میں آپکے ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات سے انحصار بہت ہے ہیں اور اس کی بجائے کفر کے نظریات سے راہنمائی حاصل کر



ہے ہیں۔ ایسے نظریات کے اتباع کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ فکر، عمل اور اخلاق سب باطل ہی ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ موجود ہے هَيَّا يَحْيٰى حَيْثُ يَكُوْنُ يَوْمَئِذٍ الْمُؤْمِنُوْنَ (المہملت ۵۰۰) اگر تم قرآن پاک جیسی عظیم الشان اور آخری کتاب پر ایمان نہیں لاؤ گے، تو پھر اس کے بعد کون سی کتاب اور کون سا پروگرام آنے والا ہے جس پر ایمان لاؤ گے؟

اللہ تعالیٰ  
شکراً

فرمایا کہ تم قرآن کے بارے میں مہانت اختیار کرتے ہو وَيَتَعَلَّمُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنْتُمْ كَاذِبُوْنَ اور اس میں تم اپنا حصہ اس طرح بھڑاتے ہو کہ اس کی تکذیب کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کی اس عظیم نعمت قرآن کے حصول پر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو بھڑاتے ہو گویا ناشکری کرتے ہو۔ مقام حدیبیہ پر قیام کے دوران بارش ہو گئی تو اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ صبح کے وقت میرے بندوں میں سے دو قسم کے بندے ہوں گے ایک وہ گروہ ہے جو مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور ستاروں کا انکار کرتے ہیں اور اس بارش کو صرف میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ یمن لوگ ہیں اور میرے شکر گزار ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ یہ بارش فلاں پھتر کے ظلم یا غروب کی وجہ سے ہوئی ہے یہ میرے ناشکر گزار بندے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ مُطَرِّئًا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔ وہ ایماندار ہیں۔ تکذیب عمل کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور اعتقاد کے ذریعے بھی۔ شرک کی بے شمار قسمیں مسلمانوں میں بھی رائج ہیں، بے شمار بدعات بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ زندگی اور موت کے کتنے ہی مواقع پر اللہ اور اس کے رسول کے طریقے کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور رسم و رواج پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہی مہانت فی الدین ہے جس کا اللہ نے شکوہ بیان کیا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزاری ہے۔ جس کے متعلق اللہ نے کہا ہے کہ تم قرآن کے بارے میں سستی کرتے ہو۔ اس کے بعد متصلاً جزائے عمل کی بات آرہی ہے۔



فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ⑧۳ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ  
 تَنْظُرُونَ ⑧۴ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ  
 لَا تُبْصِرُونَ ⑧۵ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ⑧۶  
 تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑧۷ فَأَمَّا إِنْ كَانَ  
 مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ⑧۸ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ  
 نَعِيمٌ ⑧۹ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ⑨۰  
 فَسَلَامٌ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ⑨۱ وَأَمَّا إِنْ كَانَ  
 مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ⑨۲ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيمٍ ⑨۳  
 وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ ⑨۴ إِنْ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ⑨۵  
 فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ⑨۶

۸۲ تا ۹۶

ترجمہ :- پس کیوں نہیں، جب کہ پہنچتی ہے جہاں گئے ہو ⑧۳  
 اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو ⑧۴ اور تم اُس  
 کی طرف زیادہ قریب ہوتے ہو، لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ⑧۵  
 پس کیوں نہیں، اگر تم بدلہ نہیں دیے جاؤ گے ⑧۶ کیوں  
 نہیں لوٹاتے تم اُس کہ اگر تم بچے ہو ⑧۷ پھر اگر ہوا  
 وہ مقربین میں سے ⑧۸ تو راحت، روزی اور نعمت کے  
 باغ ہیں ⑧۹ اور اگر ہوا وہ اصحابِ یمن میں سے ⑨۰

تو سلاتی ہے تیرے لیے دائیں طرف والوں میں سے ⑨۱ اور اگر وہ جھٹلانے والوں میں سے ہے جو بکے ہوئے ہیں ⑨۲ تو مہمانی ہے کھولتے ہوئے پانی کی ⑨۳ اور ڈان ہے جہنم کی آگ میں ⑨۴ بیشک یہ بات البتہ حق اور یقین ہے ⑨۵ پس تسبیح بیان کریں آپ اپنے پروردگار کے نام کی جو عظمتوں کا مالک ہے ⑨۶

ربط آیات

ساتویں منزل کے آغاز یعنی سورۃ ق سے لے کر سورۃ الواقعة تک زیادہ تر جزائے عمل ہی کا بیان ہو رہا ہے۔ تاہم ان سورتوں میں دین کے چاروں بنیادی اصول آگے ہیں۔ کسی سورۃ میں ایک اصول نمایاں ہے تو دوسری میں دوسرا نمایاں ہے مثلاً کسی سورت میں توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تو کسی میں رسالت کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ آگیا ہے۔ کہیں قرآن کی حقانیت و عظمت کا بیان زیادہ ہے تو کہیں وقوع قیامت اور جزائے عمل کا مضمون وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ گذشتہ درس میں قرآن کی صداقت و حقانیت کے متعلق فرمایا کہ یہ قرآن کریم ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے اور اس کو صرف ظاہری اور باطنی طور پر پاکیزہ لوگ ہی ہتھ لگا سکتے ہیں۔ جب ناپاک آدمی اس کو ہتھ لگاتا ہے تو وہ اس سے استفادہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو اس کی برکات اور اس کے پروگرام سے محروم ہی ہے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ اس قرآن کے بارے میں سستی نہیں کرنی چاہیے بلکہ خدا تعالیٰ کا اس عظیم نعمت پر شکرا ادا کرنا چاہیے۔ اب سورۃ کے آخر میں اللہ نے انسانوں کے تین گروہوں مقرر ہیں، اصحاب یمین اور مکذبین کے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سے پہلے انسان کے نزع کے وقت کا کچھ حال بیان کیا ہے۔

وقت نزع  
کی حالت

ارشاد ہوتا ہے کہ تمھاری بے بسی کا یہ عالم ہے۔ فَلَوْ لَا إِذَا بَلَغَتِ  
الْمُلُوكُ مَ پس کیوں نہیں جب کہ انسان کی جان گلے تک پہنچ جاتی ہے۔ یعنی

اس پر وقت نزع طاری ہو جاتا ہے وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ اور تم اس وقت مرنے والے کی حالت کو دیکھ رہے ہو تے ہو مگر کسی کا کوئی بس نہیں چلتا۔ مرنے کے گرد کتنے بھی حکیم اور ڈاکٹر جمع کر دو، وہ ہر قسم کے ٹیکے، گلوکوز اور آکسیجن کے ذریعے پورا زور لگالیں مگر جس کا وقت آچکا ہے، اس کو کوئی نہیں بچا سکتا، اور انسان موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ فرمایا ایسی حالت میں اگرچہ مرنے والے کے عزیز و اقارب اور یار دوست چارہ جونی کے لیے اس کے قریب تہ ہوتے ہیں۔ مگر وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ مگر ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ ہم تو تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُونَ مگر تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (رق - ۱۶) کہ ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کو انسان کی ظاہری اور باطنی قوی پر بھی مکمل کنٹرول حاصل ہے کوئی چیز اس کے قبضہ اقتدار سے باہر نہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر تم کیسے سمجھتے ہو فَلَوْ لَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ کہ تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا یعنی اس دنیا کی کارکردگی کے متعلق باز پرس نہیں ہوگی اور نہ ہی تمہیں سزا یا جزا ملے گی۔ فرمایا اگر ایسی ہی بات ہے تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ تو پھر اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنے عزیز کے جسم سے نکلنے والی روح کو واپس کیوں نہیں لوٹا لیتے۔ اگر حجت ہے تو اُسے موت کے منہ سے نکال کر دکھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہاں تم بے بس ہو تو پھر جب جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اُس کو تم کیسے روک سکو گے اور اپنی کارکردگی کی جوابدہی سے کیسے مستثنیٰ ہو جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ تمہیں خدا تعالیٰ کے تصرف اور تسلط کو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا، اور جزائے عمل کی منزل سے گزرنا ہوگا۔

نزع کے وقت مریض بھی بے بس ہوتا ہے۔ جب جان حلق میں آکر ٹک جاتی ہے تو وہ آنے والوں کے منہ کی طرف دیکھ ہی سکتا ہے۔



نَظَرْتُ إِلَيْكَ بِحَاجَةٍ لَمْ تَقْضِهَا  
نَظَرُ السَّقِيمِ إِلَى وَجْهِ الْعَبْدِ

وہ انہیں ایسی نگاہ سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جس کا مقصد پورا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اس وقت مریض اور عیادت کرنے والے سب بے بس ہو جاتے ہیں اور اللہ کے فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں۔ اب اس روح کو کوئی بھی واپس نہیں لوٹا سکتا۔ اللہ نے انسانوں کی بے بسی کی حالت بیان کر کے انہیں اپنی کمزوری پر غور کرنے کی دعوت دی ہے، اور فرمایا ہے کہ ان حالات میں تم اس کی توجہ اور جزائے عمل کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟۔

مقربین کے  
لیے جہنم

آگے اللہ نے محاسب اعمال کے نتیجہ میں اپنے مقربین کی جزا کا ذکر کیا ہے اور انسانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ بھی ایمان اور نیکی کو اختیار کر کے مقربین الہی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے قَامًا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ پھر اگر وہ مقربین الہی میں سے ہے، یعنی مرنے والا آدمی اپنے عقیدہ و اعمال کی بناء پر اللہ کا مقرب بندہ بن چکا ہے تو پھر اس کو بشارت مل جاتی ہے کہ اس کے لیے غُرُوحٌ وَ رِيحَانٌ وَ جَنَّتٌ نَعِيمٌ راحت، روزی اور نعمت کے باغ ہیں۔ حکم ہو گا کہ تم اللہ کی رحمت کے اس مقام کی طرف چلے جاؤ۔ تمہارے لیے روح یعنی آرام و راحت کا پورا سامان ہو گا۔ عربی زبان میں ریحان نیاز بو کے پودے کو کہا جاتا ہے جو خوشبودار پودے ہے۔ عربی کا مقولہ ہے۔ كُلُّ بَدَنٍ طَلِيبٌ فَهُوَ رِيحَانٌ عِنْدَ الْعَرَبِ یعنی ہر خوشبودار پودے کو ریحان کہا جاتا ہے، اور اس کا معنی پاکیزہ روزی بھی ہوتا ہے۔ اس مقام پر یہی معنی زیادہ قرین قیاس ہے اور جنتِ نعیم یعنی ہر قسم کی نعمتوں کے باغات ہوں گے جہاں جنتی کی ہر خواہش کی تکمیل ہوگی، بہر حال فرمایا کہ مقربین الہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں راحت، پاکیزہ روزی اور نعمتوں کے باغ ہوں گے۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ملک الموت کو

حکم ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کی جان قبض کر لے کر دیکھو تاکہ میں اس کو راحت پہنچاؤں۔ چنانچہ عزرائیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت (ایک روایت میں پانچ سو فرشتوں کا ذکر آتا ہے) کے ساتھ اس شخص کے پاس آتے ہیں اور ان کے پاس تین قسم کے رومال ہوتے ہیں جو پاکیزہ خوشبوؤں سے لبریز ہوتے ہیں۔ مرنے والا آدمی ان خوشبوؤں کو پاکیزہ خوش ہو جاتا ہے اور اس طرح اُسے جان قبض ہونے سے پہلے ہی کامیابی کی بشارت مل جاتی ہے۔

حضرت برائہ کی روایت میں آتا ہے کہ جب رحمت کے فرشتے جان کنی کے لیے آتے ہیں تو وہ نیک آدمی کو بشارت ملتے ہیں اور کہتے ہیں **يَا أَيُّهَا الرُّوحُ الطَّيِّبُ كُنْتَ تَعْمُرُنِي أَخْرِجْنِي إِلَى رَوْحٍ وَرَيْحَانٍ قُرْبَ غَيْبِ غَضْبَانٍ** اے پاکیزہ روح! تر نے اس مجسم کو آباد رکھا۔ اب راحت، پاکیزہ روزی اور اپنے پروردگار کی طرف نکل چل جو ناراض نہیں ہے۔ اس طرح گویا اُس نیک آدمی کو خوشخبری مل جاتی ہے۔

صاحب تعمیر کبیر فرماتے ہیں کہ جس آدمی کے دل میں صحیح ایمان اور صحیح عقیدہ ہوگا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، جنائے عمل، آسمانی کتب، جملہ انبیاء کرام، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا۔ اور اُس کا دل کفر، شرک، نفاق، شک اور الجھاد سے پاک ہوگا۔ ایسے شخص کو کمال درجے کی راحت اور سکون قلب عطا ہوگا۔ کیونکہ اس کے صحیح عقیدے کا تعلق اس کے دل کے ساتھ تھا۔ اور جو شخص زبان سے کلمہ توحید اور کلمہ شہادت ادا کرتا رہا یعنی اس کی زبان بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہی تو اس کے بے میں اُسے پاکیزہ روزی نصیب ہوگی۔ اور جس شخص کے اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور نیک اعمال انجام دیتے رہے اُس کے اعمال کی بدولت نعمت کے باغوں میں جگہ ملے گی۔ غرضیکہ اللہ کے مقرب بندے کو اس کے پاکیزہ دل، پاکیزہ زبان اور پاکیزہ اعمال کی بنا پر اس آیت میں مذکورہ انعامات راحت، پاکیزہ روزی اور نعمت کے باغ

لیں گے۔

اس کا بیان  
سے لیے سزا

آگے اللہ نے دوسرے کام پر گمراہ صحابہ میں کی جزا کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ان کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ یہ لوگ اگرچہ مقربین کے درجہ سے کم ہوں گے مگر یہ بھی کامیاب لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق ہوں گے۔  
فَرَأَوْا مَكَانًا كَانَ مِنَ اصْحَابِ الْيَمِينِ اور اگر کوئی شخص دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے فَسَلَّمَ لَكَ مِنَ اصْحَابِ الْيَمِينِ پس سلامتی ہے تیرے لیے دائیں طرف والوں میں سے الیم لوگوں کے لیے ہر طرف سے سلام، سلام کی آوازیں آئیں گی۔ اگر مومن نہیں گے تو السلام علیکم کہیں گے۔ فرشتوں سے ملاقات ہوگی تو وہ کہیں گے سَلَامٌ عَلَیْكُمْ طِبَّتُمْ (الزمر - ۲۳) تم پر سلامتی ہو تم خوش رہو، اللہ نے تمہیں کتنا اچھا بدلہ دیا ہے۔ اُدھر پر درگاہ کی طرف سے بھی اعلان ہوگا۔ سَلَامٌ تَقْوَى لِقَاءِ رَبِّ رَحِيمٍ (یس - ۵۸) کہ رحیم کی طرف سے بھی تم پر سلامتی ہو۔ اس طرح گویا ہر طرف سے سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ ایسے شخص کو کسی قسم کی جسمانی، زبانی یا روحانی گرفت نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ کے لیے اُن عافیت کا دور دورہ ہوگا۔

مکذبین کے  
لیے سزا

اس کے بعد اللہ نے تیسرے ناکام گمراہ کا ذکر فرمایا ہے وَامَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ اور اگر وہ شخص جھٹلانے والوں میں سے ہوگا جو بیکے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے نہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو صحیح طور پر سمجھا، نہ نبوت و رسالت کی تصدیق کی، نہ کتبِ سماویہ، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان لائے تو ایسے لوگ مکذبین اور گمراہ شمار ہوں گے۔ فرمایا ایسے شخص کا بدلہ فَكُنْ لَكُمْ حَمِيمٍ کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی کی صورت میں ہوگا۔ یہ ایسا گرم پانی ہوگا کہ جس کا ایک گھونٹ پینے سے آدمی کی آستیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی وَتَصْلِيَةٌ جَحِيمٍ اور اس کا بدلہ جہنم میں ڈالا جانا ہوگا۔  
ایسے لوگوں کو موت کے وقت بھی اُن کے بُرے انجام سے آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ



تم دنیا کی زندگی کے دوران کن کاموں میں لگے رہے، تم نے آخرت کے متعلق کبھی سوچا  
 تک نہیں تھا، اب تمہیں تمہارے بُرے عقائد اور بُرے اعمال کا بدلہ ملنے والا ہے  
 ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ  
 سے ایک سخی آدمی عبداللہ ابن جعدان کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ  
 وہ شخص جہنم میں ہے کہ یَقُولُ یَوْمَئِذٍ اَعْفِرْ لِيْ خَطِيئَتِيْ يَوْمَ الدِّينِ  
 اُس نے اپنی زندگی میں ایک دن بھی نہ کہا کہ پروردگار انصاف کے دن میری خطاؤں  
 کو معاف کر دینا۔ گویا وہ وقوع قیامت اور جزائے عمل کا منکر تھا اگرچہ بڑا سخی  
 تھا۔ فرمایا ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے جس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی اور جہنم  
 رسیدگی سے ہوگی۔

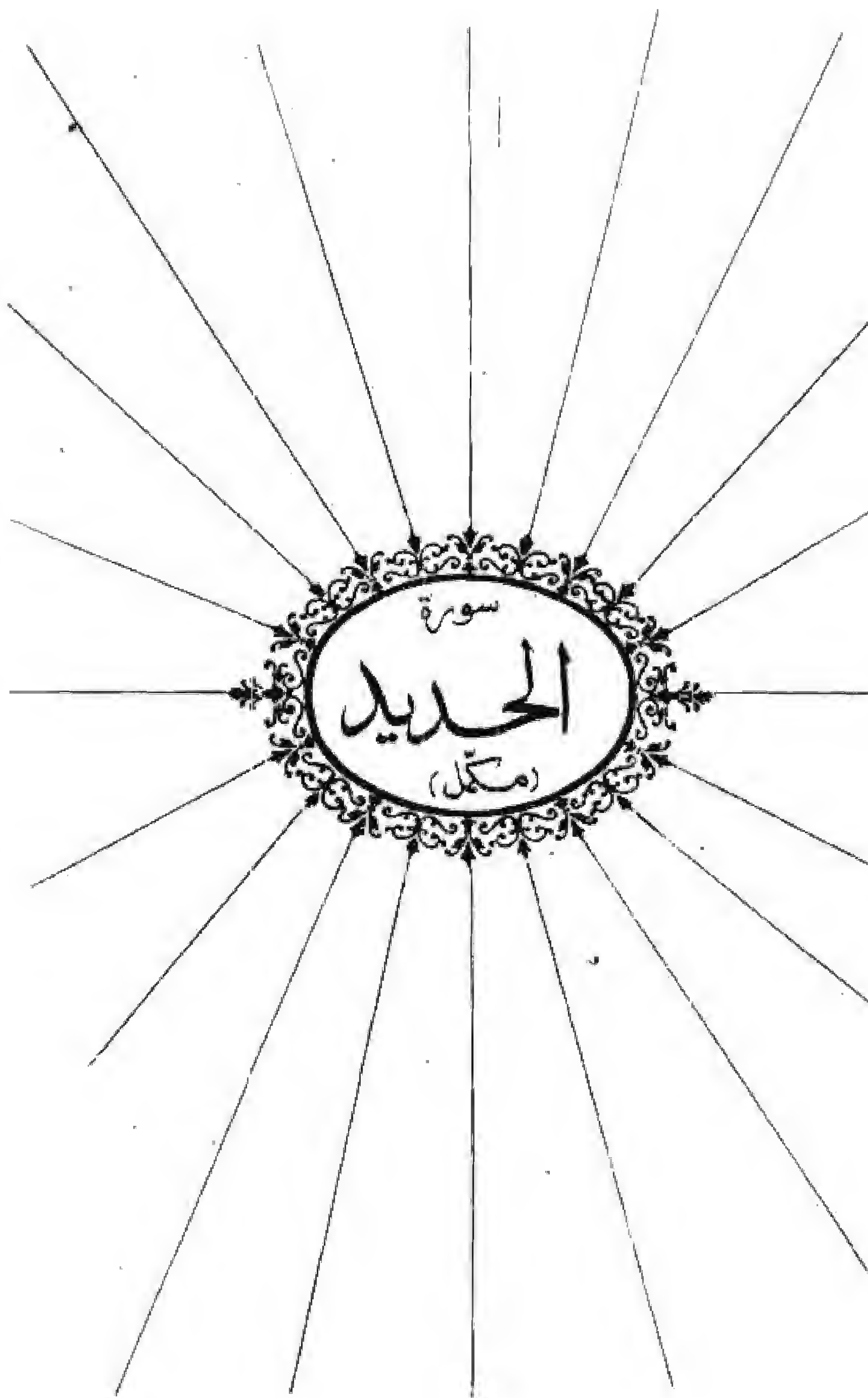
ان تین قسم کے لوگوں کی تین قسم کی جزاؤں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ  
 نے فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ بے شک یہ جزا اور سزا بالکل سچی اور  
 یقینی ہے۔ تمہاری طرف سے اس کو بھٹلانے سے یہ ٹل نہیں سکتی۔ جزائے عمل لازماً  
 واقع ہو کر رہے گا۔ اور مجرمین کو سزا اور مومنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ضرور  
 حاصل ہوں گے۔

تبسح کا حکم  
 اب سورۃ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ تبسح بیان کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ارشاد  
 ہوتا ہے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ پس آپ اپنے پروردگار کے  
 نام کی تبسح بیان کریں جو عظمتوں کا مالک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے  
 عتاب سے پناہ مانگیں اور اُس کے ثواب کے حصول پر اس کی تعریف، تحمید اور تبسح  
 بیان کریں اور مکذبین اور کمراہوں کی باتوں پر توجہ نہ دیں بلکہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ  
 دیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان سے انتقام لے لے گا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی  
 تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اِجْعَلُوْهَا فَرْكًا لِّرُكُوعِكُمْ یعنی اس کو اپنے  
 رکوع میں رکھ لو۔ اسی لیے ہم رکوع میں یہ تبسح پڑھتے ہیں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ

پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی عظمتوں کا مالک ہے۔ پھر جب سورۃ الاعلیٰ کی پہلی آیت نازل ہوئی سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اَجْعَلُوْهَا فِيْ مُجَوِّدِكُمْ اس کو اپنے سجدوں میں شامل کر لو۔ چنانچہ سجدہ میں یہی تسبیح پڑھی جاتی ہے سُبْحٰنَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی پاک ہے میرا پروردگار جو بلند یوں کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ کلمات ہیں ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے پچھلے دنوں اور صحیح عقیدے کے ساتھ کہا۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ تو اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے اور ہر تسبیح کے بعد اسے ایسے درخت لگتے چلے جاتے ہیں اسی طرح سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیحین میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ یہ دو کلمات اللہ تعالیٰ کو بڑے پسندیدہ، زبان پر آسان اور وزن میں بھاری ہیں۔

صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ ہم نے سورۃ القمر، سورۃ الرحمن اور سورۃ الواقعة پڑھی ہیں۔ ان میں دین کے مسائل بنیادی امور لوں کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی تعذیبات کا بھی ذکر ہے مگر عجیب بات ہے کہ ان تینوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ کہیں نہیں آیا۔ یعنی تینوں سورتیں لفظ "اللہ" سے خالی ہیں۔ البتہ اس کے بعد والی سورۃ السجدہ کی تقریباً ہر آیت میں لفظ "اللہ" مذکور ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے جس کو وہی بہتر جانتا ہے، ہمارا علم ناقص اور محدود ہے، لہذا ہم اس کی حکمت کو نہیں پاسکتے۔





سُورَةُ الْحَدِيدِ مَكْنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَأَرْبَعٌ وَرُكُوعَاتٌ

سورة الحديد مدنی ہے۔ یہ انتیس آیتیں ہیں اور اس کے چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

سَبَّحَ اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ  
 الْحَكِيمُ ① لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ  
 وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ② هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ  
 وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③ هُوَ  
 الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ  
 ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي  
 الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ  
 وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ  
 بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ④ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ⑤ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ  
 فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ  
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑥

تجسس: تبیح بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو بھی چیز ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہ زبردست اور حکمتوں والا ہے ① اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ② وہی ہے سب سے پہلے اور وہی ہے سب سے آخر میں۔ وہی ہے ظاہر اور باطن، اور وہ ہر چیز کو جانتے والا ہے ③ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں۔ پھر قائم ہوا وہ سرش پر۔ جانتا ہے جو چیز داخل ہوتی ہے زمین میں اور جو نکلتی ہے اس سے، اور جو اترتی ہے آسمان سے اور جو چڑھتی ہے اُس میں۔ اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کام تم کرتے ہو اُس کو دیکھنے والا ہے ④ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام ⑤ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور وہ جانتے والا ہے سینوں کے رازوں کو ⑥

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحديد ہے جو اس کی آیت ۲۵ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ حید کہہ کر کہتے ہیں، اور اس سورۃ میں دیگر مضامین کے علاوہ سورۃ کی افادیت اور اس کی ضرورت کا ذکر آ رہا ہے۔ سورۃ ق سے لے کر گذشتہ سورۃ واقعہ تک کی سورتیں تھیں۔ جب کہ یہ سورۃ اور اس کے بعد والی دو مزید سورتیں مدنی ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ سورۃ زلزال کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی انتیس آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۵۴ آیتوں

نام اور رکوع

اور ۲۴۷۲ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

سابقہ مکی سورتوں کی طرح اس مدنی سورۃ میں بھی دین کے بنیادی عقائد توحید اور اس کے دلائل، وقوع قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہے رسالت کے سلسلے میں اللہ نے خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ مدنی سورۃ ہونے کے ناطے اس میں بعض احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر جہاد کی فضیلت اور اس کے لیے مال خرچ کرنے کا بیان ہے۔ جس طرح جہاد میں جان کی قربانی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح اس سلسلہ میں اتفاق فی سبیل اللہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس سورۃ کا سابقہ سورۃ الواقعة کے ساتھ ربط اس طرح ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں حکم تھا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ یعنی اپنے عظمتوں والے پروردگار کی تسبیح بیان کریں۔ اور اس سورۃ کی ابتدا میں فرمایا۔ ہِے سَبِّحْ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ

ہر ایماندار شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ بیان کرنا لازمی امر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے پاک سمجھا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ تنزیہ زبان سے بھی ہوتی ہے، دل سے بھی اور اعضا و جوارح سے بھی۔ زبان کی تسبیح تو اللہ تعالیٰ کے لیے پاک کلمات سبحان اللہ، الحمد للہ اللہ اکبر وغیرہ کا ادا کرنا ہے۔ دل کی تنزیہ یہ ہے کہ انسان کفر، شرک، الحاد، شک و غیروہ سے بچ جائے، اور دل میں کوئی ایسی بات نہ رکھے جو اللہ تعالیٰ کی پاکی کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ اعضا و جوارح کے ذریعے تنزیہ یہ ہے کہ انسان نماز، روزہ، حج جیسی عبادات انجام دے، اور اس طرح زبان کے ساتھ اس کے اعضا و جوارح بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص ایسا کرے تو حقیقت میں بھی یہی چیز اللہ کی تنزیہ اور پاکیزگی پر دلالت کرتی ہے۔



ارشاد ہوتا ہے سَبِّحْ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَسْمٰوٰنِ  
اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے: آسمانی مخلوق ملائکہ اپنی مرضی  
اور اختیار سے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ  
وَالنَّهَارُ لَا يَفْطُرُونَ (الانبیاء - ۲۰) وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح  
کرتے رہتے ہیں مگر تھکے نہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں مثلاً  
آسمانی کڑے، انسان، حیوانات، نباتات اور جادات سب اللہ کی تسبیح بیان  
کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلٰنْ صَبَّحْتَ شَيْءٌ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ  
وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ (نبی اسرائیل - ۴۲) ہر چیز اللہ کی  
تسبیح بیان کرتی ہے اُس کی تعریف کے ساتھ مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے  
اُن کی زبان کو اللہ ہی جانتا ہے جس کے ساتھ وہ چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی  
ہیں۔ تمام نباتات، درختوں کے پتے، حیوانات، سمندروں کی مخلوق اور ابر باد  
سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اُن کی تسبیح کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کی وہ  
تسبیح کرتے ہیں مگر ان اُس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح سورۃ النمل میں ارشاد ہوتا ہے  
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ  
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (آیت - ۴۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اور جانور اور  
فرشتہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ البتہ انسانوں  
میں سے بہت لوگ ہیں جو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے  
سجدہ ریز ہوتے ہیں، اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو نہ سجدہ کرتے ہیں اور نہ  
اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ کافر، مشرک یا دھریے ہوتے  
ہیں۔ تاہم فرمایا کہ اگر کوئی انسان سجدہ یا تسبیح بیان نہیں کرنا تو اس کا سایہ تو بہر حال  
سجدہ ریز ہوتا ہے جیسے فرمایا وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَخَلَقَهُمْ بِاَعْدُوٍّ وَّالْاَصْحٰلِ (الرعد - ۱۵) جو بھی آسمان  
اور زمین میں ہے وہ خوشی یا ناخوشی سے اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور اُن کے سامنے بھی

صبح شام سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ کسی کے سنے کا مشرق و مغرب کی طرف جھکنا ہی اس کی سجدہ ریزی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے کہ وہ پورے دنیا کا تمام محبوب و نقائص اور ہر اس چیز سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اور تحمید کا معنی یہ ہے کہ تمام صفات کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ کے فرشتے سُبْحَانَ اللَّهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللَّهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ جیسے پاکیزہ کلمات سے اس کی تسنید بیان کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کا کم از کم اتنا حصہ ضرور ہونا چاہیے کہ وہ دن میں سو مرتبہ ان کلمات کو یاد کرے فرمایا ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ ذات غالب، زبردست اور حکمتوں کی مالک ہے۔ ہر جگہ اُسی کا اختیار ہے اور اُسی کا حکم چلتا ہے۔ ہر چیز کو وہی پیدا کرتا ہے اور وہی فنا کرتا ہے۔ اس طرح توحید کی بات بھی ذہن میں آ جاتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جن سورتوں کی ابتداء تسبیح سے ہوتی ہے۔ مثلاً یہی سورۃ الحديد یا سورۃ الصّٰفّٰت یا سورۃ الجمعہ وغیرہ حضور علیہ السلام ان سورتوں کو رات کے وقت سونے سے پہلے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان سورتوں کو مسبحات کہا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ ان سورتوں میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے زیادہ فضیلت والی ہے اور وہ ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْلٰی یَعْبُدْہِ ... الا یہ یعنی سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت۔

فرمایا ارض و سما کی ہر چیز اُسی وعدہ لا شرک کی تسبیح بیان کرتی ہے کیونکہ لہُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَسْمَانوں اور زمین کی بادشاہت بھی اسی کی ہے۔ کائنات کا کوئی گوشہ اُس کی سلطنت سے باہر نہیں، لہذا مکمل تسلط

آسمان زمین  
کی بادشاہت



اور تصرف بھی اسی کا ہے مُحْيٍ وَ يُعِیْتُ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے، گویا موت و حیات کا سرشتہ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور ہر چیز فنا بھی اسی کے حکم سے ہوگی۔ مخلوق میں سے بعض پر فنا طاری ہوتی ہے، اور بعض ایسی مخلوق ہے کہ اس کی ذات میں ہی فنا پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ممکن چیز کا وجود اور عدم برابر ہے۔ جب اس کے خالق نے چاہا اُس کو موجود کر دیا اور جب چاہا معدوم کر دیا۔ اپنی ذات سے قائم و دائم صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمام چیزیں خواہ وہ ارضی ہوں یا سماوی، علوی ہوں یا سفلی، مگر مقررین ہوں یا جن و انس سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (الزمر-۶۲) ہر چیز کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ہر چیز کا کارساز، مدبر اور متصرف بھی وہی ہے وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کوئی چیز بھی اس کے اختیار سے باہر نہیں۔

اول و آخر  
ظہر و باطن

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید صفات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اس کی وحدانیت اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ سب سے پہلے بھی وہی ہے اور سب کے آخر میں بھی وہی ہے۔ اول سے مراد یہ ہے کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں یعنی وہ ازلی ہے اور آخر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں اور وہ ابدی ہے۔ حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ سِوَاهُ شَيْءٌ ایک وقت ایسا تھا جب صرف اللہ کی ذات تھی اور اُس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اسی طرح ایک وقت آئے گا جب صرف اللہ کی ذات باقی رہ جائیگی اور اس کے سوا کوئی چیز نہ ہوگی۔

فرمایا الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی ہے ظاہر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہیں جن سے اس کی ہستی کا اندازہ ہوتا ہے، گویا وہ اپنی نشانیوں اور آثار کے اعتبار سے ظاہر ہے۔ اور باطن اس اعتبار سے ہے کہ اُس کا اور اک محفل یا حواس کے ذریعے ممکن



نہیں۔ خدا کی ذات وراء الورا ہے، وہ بہت لطیف اور باطن ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ باطن باعتبار معرفت ہے۔ یعنی جن چیزوں کو انسان جانتا ہے ان میں سے سب سے دقیق، لطیف اور پیچیدہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اُس کی ذات تک مخلوق کی رسائی ممکن نہیں۔ اسی لیے فرمایا لَا فِكْرَةَ فِي الرَّحْمَةِ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ بلکہ اُس کو اس کی صفات کے مظاہر سے پہچانو۔ اس بات میں غور کرو کہ یہ انواع و اقسام کی مخلوق کس نے پیدا کی ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت خلق سمجھ میں آگئی۔ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر جاندار کو کس طرح روزی بہم پہنچاتا ہے۔ اس سے اس کی صفت رزاقیت عیاں ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو کہ ہر چیز کو حد کمال تک کون پہنچاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا کرشمہ ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی مخلوقات اور مصنوعات سے سمجھا جاتا ہے براہ راست اُس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ  
تَذَكَّرُ عَلَيْكَ أَنََّّهُ وَاحِدٌ

ہر چیز میں اس کی وحدانیت کی دلیل پائی جاتی ہے۔ سعدی صاحبؒ نے بھی کہا ہے کہ پہچان والے لوگوں کے لیے درختوں کے سبز پتے ہی اللہ کی معرفت کے دفتر ہیں۔ اور مظاہر قدرت ہی اس کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے أَنْتَ الظَّاهِرُ وَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ تو اس قدر غالب ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں۔ یعنی تو ہی سب پر غالب ہے تیرے اوپر کسی کا غلبہ، تصرف، یا اقتدار نہیں وَأَنْتَ الْبَاطِنُ وَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اور تو باطن ہے کہ تجھ سے ورے یعنی تجھ سے پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔ الغرض! پیدا کرنا، زندہ کرنا، موت دینا، کائنات کا بادشاہ ہونا، قدرتِ تامہ کا مالک ہونا، ازلی اور ابدی ہونا، علامات کے اعتبار سے نمایاں اور ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جس میں کوئی

دوسری ہستی شریک نہیں۔ وہو یحییٰ شئی و یمیتہ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آسمان زمین  
کی تخلیق

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن کے وقفے میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو ایک لمحہ میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر چھ دن کے وقفہ میں بھی اس کی خاص مصلحت ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں پیدا کرنے سے انسان کو یہ باور کرنا مقصود ہے کہ ہر کام تدریج ہونا چاہیے کیونکہ الْشُّرُودَةُ مِنَ الرَّحْمَنِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ استغی اور بختگی رحمانی کام ہے جب کہ عجلہ بازی شیطان کا کام ہے۔ انسانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ کسی کام میں عجلہ بازی نہ کرے کہ اس سے کام خراب ہو کر نہ اہمیت کا باعث بنتا ہے باقی رہی یہ بات کہ چھ دن سے کتنا عرصہ مراد ہے تو اس سے ہماری دنیا کے نظام شمسی والے چوبیس گھنٹہ والے دن مراد نہیں بلکہ اللہ کے نزدیک كَانَ مِقْدَارُ الْكَافَّةِ سَنَةً مِمَّا تَعُدُّونَ (العر السجدة - ۵) ایک دن کی مقدار ہزار سال کے برابر ہے۔ اللہ نے اپنی مصلحت کے مطابق کائنات کو گویا چھ ہزار سال کے عرصہ میں پیدا فرمایا فَرَمَا تَعَالَى عَلَى الْعَرْشِ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ قرآن میں استوی علی العرش کا کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اس طرح نہیں جس طرح ہم کسی پتنگ، کرسی یا تخت پر بیٹھے ہیں، بلکہ اللہ کا استوی اس طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور جو ہماری عقل و فہم سے بالا ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے استوی علی العرش کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرش پر اپنی تجلی اعظم ڈالتا ہے جس سے سارا عرش اور اس سے نیچے ساری کائنات رنگین ہو جاتی ہے اور پھر اس تجلی کے تغیرات اور آثار ملتے کر واپس چلے جاتے ہیں یہ تجلیات کب سے پڑ رہی ہیں۔ اور کب تک پڑتی رہیں گی۔ اس کو کوئی انسان نہیں جان سکتا۔



فرمایا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کا ہے يَعْلَمُ مَا يَدْجُ فِي الْأَرْضِ  
وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے  
نکلتی ہے۔ زمین میں داخل ہونے والی اشیاء میں بارش کا پانی، نباتات کے بیج اور خود  
مرنے والے انسان ہیں۔ اس سے نکلنے والی چیزوں میں پانی، تیل، گیس، سونا، چاندی،  
لوا، کوئلہ، غلہ، سبزیاں، پھل اور پھول ہیں۔ غرضیکہ ہر قسم کی نباتات اور معدنیات زمین  
ہی سے نکلتی ہیں۔ جن سے انسان اور دیگر جاندار مستفید ہوتے ہیں۔ فرمایا ان تمام چیزوں  
کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

فرمایا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَرْجُ فِيهَا اللہ تعالیٰ  
ان اشیاء کو بھی جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور جو اس کی طرف چڑھتی  
ہے آسمان سے نازل ہونے والی اشیاء، بارش، قضا و قدر کے فیصلے، روزی کا  
حکم، ترقی و تنزل کا فرمان وغیرہ ہیں اور اس کی طرف چڑھنے والی چیزوں میں فرشتے  
ہیں جو اُپر جاتے ہیں اور نیچے بھی آتے ہیں۔ انسانوں کے اعمال بھی اُپر جا کر خطیرۃ القدر  
میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کے علم میں ہیں۔  
پھر ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ اور وہ تمہارے

معیت  
خداوندی

ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ اگلی سورۃ المجادلہ میں آرہا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ  
بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتے  
سرگوشی کرنے والے تین مگر ان کے پاس چوتھا وہ ہوتا ہے اور نہیں ہوتے پانچ مگر  
چھٹا وہ ہوتا ہے اس سے کم ہوں یا زیادہ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا (المجادلہ: ۲)  
مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں۔

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت اس کے علم، قدرت اور  
تصرف کے ساتھ ہے۔ تاہم دو سکر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق  
معیت ہے۔ یعنی یہ علم، قدرت اور تصرف کے ساتھ تو ہے ہی، مگر ذاتی معیت  
بھی ہے۔ وہ ذاتی اعتبار سے بھی تمہارے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورۃ ق میں گزر چکا



وَعَنْ أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (آیت ۱۶) ہم تو انسان کی شررگ سے بھی اُس کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ معیت ذاتی ہونے کے ساتھ ساتھ بے کیفیت بھی ہے یعنی اس کی کیفیت کو کوئی بیان نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کو مخلوق کی ایک دوسرے کے ساتھ قربت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ہست رب الناس را با جان ہست

اتصال بے تکلف بے قیاس

اللہ تعالیٰ کی ذات کو لوگوں کی جانوں کے ساتھ اتصال حاصل ہے۔ مگر یہ معیت کیفیت اور قیاس کے بغیر ہے، ہم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔ رویت باری تعالیٰ کے بارے میں بھی اہل حق اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آخرت میں اہل ایمان کو حاصل ہوگی۔ مگر اس کی کیفیت کو آج کوئی نہیں بیان کر سکتا بہر حال اللہ تعالیٰ کی حیت ہر انسان کے ساتھ ذاتی بھی ہے مگر بے کیفیت۔

اللہ کی  
حاکمیت اعلیٰ

فَرَمَا وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا اور جو کام تم کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے۔ تمہارے اعمال حسنہ یا سیئہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَنْزَلَ فِيهِ الْفُرْقَانَ اسی کی ہے۔ اس کے تسلط سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وَاللَّهُ يَجْمَعُ الْأُمُورَ اور تمام معاملات اُسی کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ انسانوں کے تمام اعمال قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور پھر وہ ہر ایک کی جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں صحیح صحیح علم حاصل کرے۔ اسی علم سے انسان کو حقیقی حیات نصیب ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی اچھا نظام قائم ہوگا، اس کو قائم کرنے والی جامعیت ہی ہوگی جس کا اعتقاد، اخلاق اور اعمال صحیح ہوں گے۔ ایسی جامعیت کے بغیر اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں۔ ہمارے ملک میں صحیح نظام جاری کرنے کے دعویدار بدکردار، نیم ملحد، دہریے، رافضی، قادیانی اور ایسے

ہی دوسرے دین لوگ ہیں جن سے صلح نظام کی توقع عبث ہے، یہ لوگ نہ اسلامی  
 نظام کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کر سکتے ہیں اگر سمجھ بھی جائیں تو یہ ان کے مزاج  
 کے خلاف ہوگا۔ لہذا وہ کبھی بھی اس کو رائج کرنے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ زبانی  
 کلامی اس کی تعریفیں کرتے رہیں گے۔ دنیاوی اعتبار سے تو یہ لوگ بے وقوف نہیں ہیں  
 بلکہ ان میں فکرِ معاش تو کمالِ فہم کی ہے، البتہ ان میں فکرِ معاد کا فقدان ہے۔ دنیا  
 کی سپر طاقتیں اور ان کے نمائندے سب ایسے ہی ہیں۔ قرآن کے نظام کو صرف نیک  
 لوگ ہی جاری کر سکتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی،  
 اور تمام چیزیں اُس کی طرف لوٹ کر جانے والی ہیں۔ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ  
وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا  
 ہے۔ کبھی رات بڑی ہوتی ہے اور کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور اسی بنا پر سال بھر میں  
 چار موسم گرما، سرما، بہار اور خزاں آتے ہیں۔ یہ تمام ظاہری تصرفات اور تقلبات  
 اس کی قدرت اور حکمت کی علامات ہیں۔ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ  
 اور وہ دلوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اُس کو علم ہے کہ کس کے دل میں توحید  
 ہے یا کفر، شرک، ایمان ہے یا نفاق، اکاد اور شک۔ وہ ہر ایک کو اس کے  
 عقیدے اور عمل کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ  
 فِيْهِ فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۵  
 وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا  
 بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۶  
 هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰیٰتٍ لِّیُبَيِّنَ لَیْخُرْجَكُمْ  
 مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنْ اللّٰهُ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ  
 رَّحِيْمٌ ۝۷ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ  
 وَلِلّٰهِ مِیْرٰتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ  
 مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ  
 دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدِ وَقَاتِلُوْا وَ  
 كَلَّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحَسَنٰی وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸

ع  
۱۰  
۱۱

ترجمہ :- ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر ، اور  
 خرچ کرو اس میں سے جس میں اس نے تمہیں نائب  
 بنایا ہے پہلے لوگوں کا ۔ پس وہ لوگ جو ایمان لائے  
 تم میں سے اور خرچ کیا انہوں نے ، ان کے لیے بڑا  
 اجر ہے ۵ اور کیا ہے تمہارے لیے کہ تم ایمان نہیں  
 لاتے اللہ پر ورنہ ایک رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تم ایمان



لاؤ اپنے رب پر۔ اور تحقیق اُس نے یا ہے تم سے پختہ  
 عہد، اگر تم ایمان والے ہو (۸) وہ وہی ذات ہے جو  
 اُتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں واضح تاکہ وہ نکلے تمہیں  
 اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے  
 ساتھ البتہ بہت شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان  
 ہے (۹) اور کیا ہے تم کو کہ تم نہیں خرچ کرتے اللہ  
 کے راستے میں، اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں  
 اور زمین کی۔ نہیں برابر تم میں سے وہ جنہوں نے خرچ  
 کیا فتح سے پہلے اور لڑائی کی۔ یہ لوگ بڑے درجے والے  
 ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا بعد (فتح کے)  
 اور لڑائی کی۔ اور ہر ایک سے اللہ نے خوبی کا وعدہ فرمایا  
 ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو، اس کی خبر رکھنے  
 والا ہے (۱۰)

رابط آیات

سورۃ کے آغاز میں ارض و سما کی ہر چیز کی تسبیح بیان کرنے کا ذکر ہوا۔ اللہ  
 کی قدرت میں سے موت و حیات کی صفت بیان ہوئی، پھر اس کے اوّل، آخر،  
 ظاہر اور باطن ہونے کا ذکر ہوا اور اس کے قادرِ مطلق اور علیمِ کل ہونے کی صفت  
 بیان ہوئی۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس نے ارض و سما کو چھ دن کے وقفہ میں تخلیق کیا اور  
 وہ عرش پر مستوی ہے۔ نیز یہ کہ وہ ارض و سما میں داخل ہونے والی اور نکلنے والی،  
 نازل ہونے والی اور اُپر چڑھنے والی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اللہ نے ہر شخص کے ساتھ  
 اپنی معیت کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی کہ وہ انسانوں کے دلوں کے رازوں سے بھی  
 واقف ہے۔ اللہ نے پوری کائنات میں اپنی سلطنت کا دعویٰ کیا اور یہ بھی  
 کہ تمام معاملات اُسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

اب اللہ نے پہلے ایمان کی درستگی کا ذکر کیا اور پھر جبار فی سبیل اللہ میں

توجہ دے کر  
 پر ایمان

مال خرچ کرنے کی تمہیں دی ہے ارشاد ہوتا ہے امِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ  
 لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے سے  
 مانو۔ ایمان کے بغیر نہ انسان کی فخر پاک ہو سکتی ہے اور نہ ہی عقل اور فہم۔ ایمان کے  
 بغیر انسان کے اعمال کی سمت بھی درست نہیں ہو سکتی۔ فلاح اور کامیابی کی منزل  
 حظیرۃ القدس تک ایمان کے بغیر پہنچنا ممکن نہیں۔ اس بات کی وضاحت اللہ  
 تعالیٰ نے قرآن میں مختلف مقامات پر کی ہے۔ مثلاً سورۃ الانبیاء میں فرمایا۔  
فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ  
 (آیت ۹۲) پس جس شخص نے نیکی کا کام کیا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہے تو اس  
 کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی مطلب یہ ہے کہ اعمال کا دار و مدار صحیح  
 ایمان پر ہے۔ اگر ایمان میں شرک کی ملاوٹ ہے یا دل کے کسی گوشے میں کفر،  
 نفاق، الحاد یا تردد نے ڈیرہ جمار کھا ہے تو ایسے آدمی کی کوئی نیکی اللہ کے ہاں  
 قابل قبول نہیں ہے۔ نجات حاصل کرنے کے لیے خالص ایمان کی ضرورت ہے  
 وہاں یہود و نصاریٰ والا ایمان نہیں چلے گا۔ وہ تو نبی آخر الزمان کی رسالت کا انکار  
 کرتے ہیں۔ لہذا ان کا ایمان درست نہیں ہے۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا جزو ایمان ہے  
 ایمان کی درستگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ  
مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا نائب  
 بنایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس جو مال و دولت ہے وہ تمہارا ذاتی  
 نہیں ہے بلکہ اللہ نے پہلے لوگوں کی جگہ تمہیں عطا فرمایا ہے جن کے تم جانشین ہو  
 جَعَلَ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس نے یہ مال گزے ہوئے لوگوں  
 کو دیا تھا۔ پھر ان کے بعد اللہ نے اُسے تمہاری مجازی ملکیت اور تصرف میں  
 دے دیا۔ اس لیے کسی شخص کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس نے یہ مال ذاتی محنت و  
 کاوش کے ذریعے اکٹھا کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اللہ کا عطا کردہ ہے اور تم اس کے محض

انفاق فی  
 سبیل اللہ  
 کا حکم

امین ہو۔ لہذا اس مال کو اللہ کے حکم کے مطابق جائز جگہ پر خرچ کرو، اور جہاں اجازت نہیں وہاں اپنی مرضی سے مت خرچ کرو۔ اس مال کا بہترین مصرف خدا فی سبیل اللہ پانچویں کے دیگر کام ہیں۔

پھر اللہ نے اس کے راستے میں خرچ کرنے والے کو بشارت سنائی ہے۔  
فَالَّذِينَ آمَنُوا كُفِّرُوا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ۔ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے پر مانا، رسالت کو تسلیم کیا، کتب سماویہ، ملائکہ، قیامت اور تقدیر پر ایمان لائے۔ اور اس کے ساتھ وَأَنْفَقُوا انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے اُس کے راستے میں خرچ بھی کیا تو فرمایا، يُحِبُّوا جَارَهُمْ أَجْرًا كَثِيرًا ان کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اس مقام پر اللہ نے ایمان اور انفاق دونوں چیزوں کا ایک ساتھ ذکر فرما کر دونوں پر عملدرآمد کا حکم دیا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ تَحْسَبُ أَنَّ  
الْمَسْئُولَ بِذُنُوبِكُمْ لَسْتُمْ مَعَهُ۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے  
 بلا رٹ ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان سے آؤ۔ رسول کی دعوت کے باوجود تم  
 اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ آخر تمہارے پاس ایمان  
 نہ لانے کی کون سی دلیل ہے؟ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ حالانکہ تم نے  
 عہد بھی کر رکھا ہے مگر اس کو بھی پورا نہیں کر رہے ہو إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ  
 اگر تم ایمان لانے والے ہو تو بتلاؤ کہ تم عہد شکنی کر کے اللہ کی وحدانیت کا کیوں  
 انکار کرتے ہو؟

ایمان باللہ  
سے انکار

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اس  
 سے دو عہد مراد ہو سکتے ہیں۔ پہلا عہد تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں  
 پوری بنی نوع انسان کی روحوں سے لیا تھا۔ یہ عہد الست کہلاتا ہے اور اس کا ذکر سورۃ  
 الاعراف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے



تمام روحوں کو نکال کر دریافت کیا تھا اَللّٰهُمَّ بِسْمِکَ (آیت - ۱۷۲) میں تھا کہ رب نہیں ہوں؟ تو سب کا جواب تھا۔ قَالَ لَوْ کُنْتَ بِیْہِمْ؟ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اللہ نے ہر انسان کی فطرت میں اس عہد کا بیج رکھ دیا ہے اگر دنیا میں آکر کوئی شخص اس عہد کی خلافت ورزی کرنے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ مانع ہوگا۔ یہ ایسا عہد ہے کہ جس کی یاد دہانی تمام انبیاء اور کتب سماویہ کرتے آئے ہیں۔

دوسرا عہد میثاق النبیین کہلاتا ہے جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں کیا گیا ہے وَإِذَا أَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ (آیت - ۸۱) اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت دی، پھر تمہارے پاس وہ رسول آیا جو اُس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اُس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا کہ ایسا ہی کرو گے اس عہد کے تذکرہ سے تمام نبیوں کے امتیازوں کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جس چیز پر تمہارے انبیاء سے ایمان لانے کا عہد لیا گیا، اُس چیز پر ایمان لانا امتیازوں پر بطریق اولیٰ فرض ہے۔ لہذا اس عہد اور سابقہ کتب کی پیشین گوئیوں کے مطابق تمام امتوں اور خصوصاً یہود و نصاریٰ پر لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب قرآن حکیم پر ایمان لے آئیں۔

مذکورہ دو عہدوں کے علاوہ جب کوئی شخص ایمان لاتا ہے، تو اُس کے ساتھ وہ یہ عہد و پیمان بھی کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے احکام کی تعمیل میں ہر جانی اور مالی قربانی پیش کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ قراب جب کہ اللہ تعالیٰ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مالی قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے تو پھر اگر تم واقعی ایماندار ہو تو یہ مطالبہ کیوں پورا نہیں کرتے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِیْ یُنْزِلُ عَلٰی عَبْدِہٖ الْوَحْیَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ (آیت - ۱۷۲) اور وہ ہے جو اپنے حبیب پر کھلی کھلی آیتیں اتارتا ہے

قرآن مجید  
مکمل

میاں بندے سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے اور واضح آیات سے مراد قرآن کریم کی آیات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول پر اپنی آخری کتاب کی آیتیں نازل فرماتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ نزولِ قرآن کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو کفر کے اندھیرے سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لے آئے، اور معاصی کی تاریکیوں سے نکال کر اطمینان کی روشنی کی طرف لے آئے۔ نیز تم بدعات کے ظلمات سے نکل کر سنت کی روشنی میں آ جاؤ۔ کفر، شرک، بدعات، المومنین اور معصیت سب اندھیرے ہیں۔ عقیدہ، روح اور دماغ میں بھی تاریکی پائی جاتی ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ تمہیں ان تمام اندھیروں سے نکال باہر کیا جائے اور تمہارے دلوں میں ایمان اور توحید کی شمع روشن کر دی جائے جس سے تم رسم و رواج کی تاریکیوں سے نکل کر سنت کی روشنی کی طرف آ جاؤ، اور تنزیل کی تاریکی میں بھٹکنے کی بجائے ترقی کی منزل پہ گامزن ہو جاؤ۔ غرضیکہ قرآن پاک زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ کا نبی اس کی شریعت کو آتا ہے اور تمام چیزوں کو کھول کر واضح کرتا ہے۔

قرآن کی اس مقصدیت کا ذکر قرآن کے مختلف مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ ابراہیم کے آغاز میں فرمایا كِتَابٌ اُنْزِلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آج ہر طرف کفر، شرک، بدعات اور معاصی کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں، جن کا آج پتہ نہیں چلتا۔ جب موت واقع ہوگی اور انسان کا یہ مادی خول اتر جائے گا۔ تو فوراً پتہ چل جائے گا کہ ہم کس اندھیرے میں ٹھہرے مارے ہوئے ہیں۔ اس کی مثال کھورو غارم کی ہے کہ جس آدمی کو سوٹ لگا دیا جائے اس کو کچھ پتہ نہیں چلتا خواہ اس کے جسم کی کتنی بھی چیر بھینچ کر دی جائے۔ پھر جب بے ہوشی کا اثر جسم سے اتر

جاتا ہے تو انسان کو درد محسوس ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اندھیروں اور روشنی کا امتیاز انسان کو مرنے کے بعد ہی ہوگا۔ بہر حال فرمایا وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پیکر کو دُورِ رُوحِ رَحِیم کے بے شک اللہ تعالیٰ بہت شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے جس نے تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا انتظام کر دیا ہے۔ مگر یہ انسانوں کی بد قسمتی ہے کہ وہ کفر و جہالت کے اندھیروں سے نکل کر کلم اور ایمان کی روشنی میں نہیں آتے۔

مال بطور امانت

اس سورۃ مبارکہ میں الْفَاقِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کا بہت زیادہ ذکر ہے۔ دینے کے ابتدائی دور میں مالی قربانی کی سخت ضرورت تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یاد رکھو! وَلِلَّهِ صِرَاطُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ اُس کی ساری دراشت تو اللہ کے پاس ہے۔ انسان مرنے میں تو سب کچھ پیچھے رہ جاتا ہے۔ یہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہوتا ہے اور وہی اس کا وارث ہوتا ہے۔ جب مالک حقیقی بھی وہی ہے اور تمہارے بعد وارث بھی وہی ہے۔ تو پھر اس کا مال اُس کے حکم کے مطابق خرچ کیوں نہیں کرتے؟ ایسا کرنا تم کو بوجھل کیوں معلوم ہوتا ہے؟ تمہیں چاہیے کہ اللہ کے عطا کردہ مال کو اُس کے حکم کے مطابق خوشی خاطر سے خرچ کرو تاکہ اُس کی خوشنودی حاصل ہو اور دین کے مفاد بھی پورے ہوں۔

مُتَخَلِّفِينَ ذَرِيَّتِهِ کے لفظ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ تمہارے پاس یہ مال دراصل اللہ کی امانت ہے۔ اللہ نے عارضی طور پر اس میں تصرف کی اجازت دی ہے کیونکہ حقیقی ملکیت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اس کو حقیقی اور ذاتی ملکیت سمجھ کر اس پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کو خدا تعالیٰ کا فضل، مہربانی یا عطائیں سمجھتے لہذا اس مالک حقیقی کا شکریہ ادا نہیں کرتے جس طرح انسان کے جسم میں اللہ کا حق ہے اسی طرح مال



میں بھی اس کا حق ہے۔ جس طرح انسان کے لیے چھائی عبارت، نماز، روزہ، حج وغیرہ کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح مالی عبارت زکوٰۃ، صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ حضرت بعید نماز جاہلیت میں بڑے اونچے درجے کے شافرتھے اپنے لمبی عمر پائی اور نوے سال زمانہ جاہلیت میں اور پچپن برس اسلام کے دور میں گزاریے۔ وہ کہتے ہیں۔

وَمَا الْمَرْءُ إِلَّا كَالشَّهَابِ وَهُوَ عَرِيضٌ  
يَخْبُودُ رِمَادًا بَعْدَ إِذْ هُوَ سَاطِعٌ

انسان تو ایک شہاب کی طرح ہے۔ اس کی روشنی پھوٹتی دیر کے لیے خوب چمکتی ہے مگر بعد میں وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔

مَا السَّمَالُ وَالْأَهْلُوعِي إِلَّا وَدَائِعُ  
وَلَا بُدَّ يَوْمًا أَنْ تُرَدَّ الْأُودَائِعُ

یہ مال اور اہل تر امانتیں ہیں جو کہ ایک نہ ایک دن واپس لوٹانی پڑیں گی۔ جان بھی انسان کے پاس اللہ کی طرف سے امانت ہے اور مال بھی۔ انسان ان دونوں امانتوں میں اللہ کے حکم کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور جب صاحب امانت اپنی امانت طلب کرے گا تو اسے لوٹانا پڑیگا۔ جب ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر اس کے عطا کردہ مال کو خرچ کرنے میں بخل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے حکم کی بخوشی تعمیل ہونی چاہیے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کی زبان مَالِیٌّ مَالِیٌّ یعنی میرا مال میرا مال کہنے سے نہیں تھکتی، کبھی کہتا ہے میری زمین ہے، کبھی میرا مکان، میرا کارخانہ اور میرا خزانہ فرمایا ہے انسان! تیرا مال وہ ہے جو تو نے کھایا یا پہن کر برباد کر دیا یا پھر اپنے ہاتھ سے صدقہ کر دیا۔ جو کچھ باقی بچ گیا وہ تیرا مال نہیں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ بچ رہنے والا مال تیرے وارثوں کا ہے، لہذا تو کس چیز پر فخر کر رہا ہے؟ تیری ملکیت ماضی ہے بھی تو اس دنیا سے رخصت ہو گا تیرے



لہذا جس نے مالی اور جانی قربانی سے اسلام کو تقویت پہنچائی وہ بڑے درجے والا ہے  
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان مبارک ہے کہ بعض اوقات ایک درہم کا  
 درجہ لاکھ درہم سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں ایمان لانے  
 والوں میں بڑا فرق ہے۔ امیر معاویہؓ اور ابوسفیانؓ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے  
 جنگیں بھی لڑیں مگر وہ پہلے لوگوں کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ یہ بات ضرور  
 ہے **وَكَلَّا وَحَدَّ اللَّهُ الْحَسَنَى** کہ اللہ نے بھی کے ساتھ خوبی کا وعدہ فرمایا  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے اور بعد والے سب کو اجر عطا فرمائے گا۔ مگر ان کے درجات  
 برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ **وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ** (الانعام ۱۶۴)  
 اللہ نے بعض کے درجات کو بعض کے مقابلے میں بلند فرمایا ہے، تاہم نبی سے  
 کوئی گروہ بھی خالی نہیں۔ فرمایا **وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ** تم جو بھی کام  
 کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق  
 ہی بدلہ دے گا۔



قال فخطبكم ٢٤

المديد ٥٤

درس سوم ٣

آيت ١١ ١٥

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ  
 وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ① يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ  
 وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
 وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ  
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ  
 الْعَظِيمُ ② يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ  
 لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتِسِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ  
 ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ  
 بِسُورَةٍ بَابٌ بَاطِنٌ فِيهِ الرَّجْمَةُ وَظَاهِرَةٌ  
 مِنْ قَبْلِهِ الْعَذَابُ ③ ينادونهم ألم نكن  
 معكم قالوا بلى ولكنكم فتننهم أنفسكم  
 وتربصنهم وارتببنهم وغربكم الأماني حتى جاء  
 أمر الله وغربكم بالله الغرور ④ فاليوم لا  
 يُؤخذ منكم فدية ولا من الذين كفروا  
 مأواكم النار هي مولاكم وبئس المصير ⑤

ترجمہ: کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دیتا ہے اچھا قرض، پس وہ اُس کو دُکُن دیکھا، اور اس کے لیے عزت والا اجر ہو گا ⑪ جس دن آپ دیکھیں گے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو دوڑ رہا ہو گا اُن کا نور اُن کے سامنے اور دائیں طرف۔ (اُن سے کہا جائے گا) خوشخبری ہے تمہارے لیے آج کے دن، باغات ہیں جن کے سامنے نہیں بہتی ہیں، ہمیشہ پہنچنے والے ہوں گے ان میں۔ یہ بڑی کامیابی ہے ⑫ جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے، دیکھو، انتظار کرو ہمارا تاکہ ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہاری روشنی سے کہا جائیگا لوٹ جاؤ پیچھے پس تلاش کرو روشنی۔ پس کھڑی کر دی جائے گی اُن کے درمیان ایک دیوار جس کا دروازہ ہو گا۔ اُس کے باطن کی طرف رحمت ہو گی اور ظاہر کی طرف عذاب ⑬ پکاریں گے یہ اُن کو (اور کہیں گے) کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے، کیوں نہیں، لیکن تم نے نفع میں ڈالا اپنی جانوں کو اور تم دیکھتے رہے اور شک کیا، اور دھوکے میں ڈالا تم کو جھوٹی آرزوں نے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا۔ اور بکایا تمہیں اللہ کے نام سے بڑے دھوکے باز نے ⑭ پس آج کے دن نہیں لیا جائے گا تم سے کوئی خدیہ اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہارے ساتھ زیادہ لائے ہوئے ہے اور وہ بڑی عجب ہے لوٹ کر جانے کی ⑮

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا اور واضح کیا کہ جو لوگ بوقت ضرورت خرچ کرتے ہیں اُن کے لیے

رہنمائی

قرض حسن  
سکریب

قرض حسن  
سکریب

یہ اصطلاحی قرض نہیں ہے۔ شاہ عید القادرؒ کہتے ہیں کہ قرض کا معنی یہ ہے کہ تم اس وقت جہاد میں خرچ کرو۔ پھر تم ہی دولتیں برقرار رکھو اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے۔ دُکھنے کے یہی معنی ہیں۔ آج خرچ کرو گے، غلبہ حاصل ہوگا، دولت تمہارے ہاتھ ہی میں رہے گی اور آخرت کا اجر بھی ملے گا۔ شاہ صاحبؒ



فرماتے ہیں ورنہ مالک اور غلام میں سود بیاج نہیں ہے، انسان تو غلام ہیں، وہ مالک کو کیا قرض دیں گے؟ جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔ وہ تو سارا اس کا مال ہے لیکن خرچ کرنے سے یہ ملو ہے کہ دنیا میں بھی اس کا اچھا نتیجہ آئے گا اسلام اور قرآن کے نظام کو قائم کرنے کے لیے جو مال صرف کرو گے اس کے بدلے میں تمہیں سلطنت اور دولت حاصل ہوگی، اور آخرت کا بدلہ مالک ہے خدہ اکوئی محتاج نہیں ہے جو قرض مالک رہا ہے۔

قرض حسن وہ قرض ہوتا ہے جس میں نہ سود ہو اور نہ کوئی دیگر غرض وابستہ ہو۔ سورۃ المدثر میں فرمایا وَلَا تَمَسُّنَّ كَيْسًا كَيْشُ رَايَتٍ (یعنی کسی پراخانہ کو نہ مسو)۔ اس قرض حسن کا مقصد نہ ہو بلکہ محض مومن بھائی کی ضرورت پوری کرنا مقصود ہو۔ اس قرض حسن کا مقصد بھی ریاکاری یا غرض فاسد نہ ہو بلکہ اس سے اللہ کے ہاں سے اجر و ثواب مقصود ہو۔ اس کے برخلاف جو شخص اسلامی نظام کے قیام کے لیے حسب ضرورت مال صرف نہیں کرتا اس کا نام منافقوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ اور ایسا شخص دنیا اور عقبیٰ میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

اگلی آیت میں اللہ نے نیکی کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا ہے يَوْمَ تَكُونُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَمْعٌ وَنَافٍ وَنَافٍ۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو یکساں نور دیا جائے گا يَوْمَ تَكُونُ نُورٌ يَوْمَ تَكُونُ نُورٌ۔ یہ صورت حال حشر کے میدان میں پھیلاؤ سے گزرتے وقت پیش آئے گی۔ اس وقت سخت اندھیرا ہوگا اور روشنی ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑتی ہوگی۔ یہ صورت حال حشر کے میدان میں پھیلاؤ سے گزرتے وقت پیش آئے گی۔ اس وقت سخت اندھیرا ہوگا اور روشنی صرف ایمان اور نیک اعمال کی ہوگی جو مومنوں کے قلوب سے اٹھ رہی ہو گی۔ تاہم یہ روشنی علی قدر المراتب ہوگی جس قسم کا کسی کا ایمان ہوگا، اگلی کے مطابق اس کی روشنی ہوگی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی روشنی پہاڑ جتنی بڑی ہوگی اور بعض کی صرف آٹن کے برابر جو کہ کبھی چلے گی اور کبھی کبھار جائے گی۔ روشنی کا یہ تفاوت ایمان کی پختگی، اخلاص اور اعمال میں تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔ بہر حال

اہل ایمان  
کے لیے نور

ایمان کی روشنی تو اہل ایمان کے سامنے ہوگی اور اعمالِ صالحہ کی روشنی ان کی دائیں طرف ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں سے کہا جائے گا۔ بُشِّرْكُمْ الْيَوْمَ جَنَّاتٍ  
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا تَمَتُّعًا بَلَدًا یہ بشارت ہے باغوں  
 کی جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔  
فَإِذَا ذُكِّرْتُمْ هَؤُلَاءِ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کو حاصل ہو  
 گی۔ یہ اللہ کی رحمت جنت کا مقام ہے۔ جہاں ابدی نعمتیں میسر ہوں گی، اور  
 جہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ دلوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور  
 خوشنودی شامل حال ہوگی۔ انسان کا دلوں پہنچ جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

منافقوں کی  
 روشنی  
 برائے نور

ایمان والوں کا حال ذکر کرنے کے بعد اللہ نے منافقوں کا کچھ حال بیان کیا ہے  
 ارشاد ہوتا ہے يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا  
جِئْنَا بِمَنَافِقٍ قَدِ افْتَرَقُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْيَقِينِ انہوں نے کہاں سے کہیں گے۔ أَنْظِرُونَا  
فَتَقَبَّلْنَاهُمْ تو ان کو مٹھ جاؤ، ہم بھی تمہاری روشنی میں سے کچھ لیں  
 اور اس شکل منزل کو عبور کر لیں۔ دوسرے جواب آئے گا قِيلَ أَرْجِعُوا وَارْجِعُوا  
فَالْتَمَسُوا نَوْراً پیچھے لوٹ جاؤ اور دلوں سے روشنی تلاش کرو۔ وہ لوگ پیچھے کی  
 طرف مڑ کر دیکھیں گے کہ روشنی کہاں تقسیم ہو رہی ہے۔ اتنے میں۔ فَضْرِبَ  
بَيْنَهُمْ بَسْماً باب ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی  
 جس کا دروازہ ہوگا۔ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ اور اس کے اندر کی طرف سے نکلنے  
 کی مرانی ہوگی وَفَظَاهِشُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ اور اس سے باہر عذاب  
 ہوگا۔ سورۃ الاعراف میں اس فیصل کو اعراف کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے مفسرین کرام  
 فرماتے ہیں کہ مشرک اور کافر لوگ تو پطراط پر سے گزرتے ہوئے پہلے ہی دوزخ میں گر  
 چکے ہوں گے، مگر امتی کھلانے والے خواہ وہ کچھ مومن ہوں یا منافق، اُسے ملے ہوں گے  
 اعراف کے مقام تک تو سب اکٹھے آئیں گے، پھر ایمان والے تو اپنے ایمان اور

نیکی کی روشنی میں اپنے اپنے مراتب کے مطابق تاریکی کو عبور کر لیں گے، مگر دنیا میں تاریکی کے کام لینے والے منافق لوگوں کے پاس نورِ ایمان نہیں ہوگا لہذا وہ سچے ایمانداروں سے درخواست کریں گے کہ انہیں روشنی میں سے کچھ حصہ دیا جائے تاکہ وہ بھی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ جو پہلی وہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے ان کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔

منافقین  
کی محرومی

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ابتداء میں منافقین کو تھوڑی سی روشنی ملے گی۔ جس کے ذریعے وہ تھوڑی دور چلیں گے مگر پھر اپنا ملک وہ روشنی چھین لی جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں بھی انہوں نے دھوکہ دہی کے لیے ظاہر میں کلمہ پڑھا تھا اور کچھ نیکی کے اعمال بھی انجام دیے تھے، لہذا ایسا بھی انہیں تھوڑی سی روشنی دے کر پھر چھین لی جائے گی۔ پیچھے روشنی تلاش کرنے کا مطلب منافق لوگ یہ لیں گے کہ شاید یہاں کہیں تھوڑی دور روشنی تقسیم ہو رہی ہے، لہذا وہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے، مگر اہل ایمان کی پیچھے سے مراد یہ ہوگی کہ اس روشنی کا منبع تو دنیا میں تھا جہاں ایمان اور اعمال ساتھ کی بنا پر روشنی تقسیم ہوتی تھی۔ وہاں تو تم اس کو حاصل نہ کر سکے۔ اب یہاں تمہیں یہ روشنی میسر نہیں آسکتی۔ الغرض! منافق لوگ جنت میں نہیں جائیں گے۔

حصولِ نور  
کے ذرائع

قاضی شہداء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ جس روشنی کی ضرورت میدانِ حشر میں پڑے گی اس کے حصول کے بہت سے ذرائع اس دنیا میں ہی موجود ہیں، چنانچہ صحیحین کی روایت میں آتا ہے: **لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ غَلَمٌ سَعَى جَاؤُكُمْ غَلَمٌ كَيْدٌ** جو سے آخرت میں بڑے اندھیرے پیش آئیں گے۔ اس دنیا میں کروہ ہر گناہ کا الگ الگ اندھیرا ہوگا۔ ان اندھیروں کو عبور کرنے کے لیے ابنِ ماجہ اور ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے: **بَشِّرِ الْمَشَاقِقِينَ فِي الظُّلُمِ إِلَى الْمَسْجِدِ بِالنُّورِ** **النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** جو لوگ رات کی تاریکی میں مسجدوں کی طرف نماز کے لیے جاتے ہیں، انہیں قیامت والے دن مکمل نور کی خوشخبری شنیدو یعنی قیامت کے روز



اُن کو پوری روشنی ملے گی۔ دنیا میں انہوں نے اندھیرے میں ٹھوکریں کھائیں، راستوں کی اونچ نیچ کی وجہ سے تکلیف اٹھائی، بڑھاپے اور مینائی کی کمزوری کی وجہ سے انہیں نماز کی خاطر جانے کے لیے مشقت برداشت کرنا پڑی، فرمایا اُن کو مکمل روشنی کی بشارت سنا دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ حَافِظَ عَلَى الصَّلَاةِ كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَبَاتًا جس شخص نے نمازوں کی حفاظت کی یعنی انہیں ضائع ہونے سے بچایا اُس کے لیے قیامت والے دن روشنی، دلیل اور نجات ہوگی۔ جب اس شخص کو کسی دلیل کی ضرورت پڑے گی۔ تو اُس کی نمازیں اُس کے لیے دلیل بن جائیں گی جس مقام پر اُسے روشنی کی ضرورت ہو گی تو یہ نمازیں اُس کے لیے روشنی کا مینار بن جائیں گی، اور اس طرح اس کو غلامی سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف جس شخص نے نمازوں کی پرواہ نہ کی، اس کے لیے نہ دلیل ہوگی، نہ روشنی اور نہ نجات، اور اُس کا حشر فرعون اور ہامان جیسے بڑے بھروسوں کے ساتھ ہوگا۔

حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان مبارک ہے کہ جو شخص بروز جمعہ مکمل سورۃ کہف کی تلاوت کر چکا یا اس کی ابتدائی اور آخری دس دس آیات پڑھ چکا اس کو قیامت والے دن روشنی بستر آئے گی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اُس کے قدموں سے لے کر کمر تک کی مسافت کی روشنی ملے گی۔ بعض روایات میں زمین سے آسمان تک کی روشنی کا ذکر آتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص سورۃ کہف کی ابتدائی یا کم از کم تین آیات تلاوت کرے گا۔ تو یہ تلاوت اُس کے لیے دجال کے نیتنے سے بچاؤ کا کام دیگی۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس سورۃ کی صرف ایک آیت ہی تلاوت کرے گا۔ اُس کو بھی قیامت والے دن روشنی ملے گی۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے الصَّلَاةُ نُورٌ عَلَى الصِّرَاطِ یعنی پُصراط پر نماز روشنی کا کام دے گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نیک آدمی کی دنیا میں مینائی زائل ہوگئی اور اُس نے

گلہ شکوہ امیر ناشکری کی بجائے امیر کا واسن تھامے رکھا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے قیمت دے دے ورنہ روشنی بنا دیگا۔

بعض روایات میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ جس شخص نے حج کے موقع پر اپنا سر منڈوا دیا تو اس کے ہر بال کے عوض قیامت والے دن اُس کو روشنی ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ شیاطین کو کنکڑ مارنے کے عوض بھی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن روشنی عطا کرے گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ، جس شخص کے اللہ کے راستے میں جلتے ہوئے بال سفید ہو گئے اُس کو قیامت والے دن نور ملے گا۔ نیز فرمایا: مَنْ رَحِمَ يَسْمُوهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، جس شخص نے اللہ کے راستے میں اس کے دشمنوں پر رحم کیا، اس کو بھی قیامت والے دن نور ملے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: مَنْ نَفَسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، جس شخص نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دُور کیا۔ اُس کو پھر اُسے گزرتے وقت اس قدر روشنی ملے گی جس میں ایک جاں چل سکے گا۔ یہ اتنی بڑی بخشش ہوگی کہ جب تک خدا کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مراقبہ یا کشف کی حالت میں بعض اہل اللہؒ کی روحوں کو برزخ میں دیکھا جو شفاف پانی کے آلاب کی طرح نظر آتی تھیں۔ ایسا پانی کہ جو تھما ہوا ہو، اور جب روزِ پھر کے وقت اُس پر سورج کی کرنیں پڑیں تو سارا آلاب روشنی کا ایک ٹکڑا معلوم ہو۔ اسی طرح بعض آدمیوں کو یادِ الہی کی وجہ سے نور ہوگا۔ جو نورِ یادِ اشت کہلاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں ہر وقت اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ پھر اللہؒ کی مہربانی کا نور بھی ہے جو بعض لوگوں کو میسر ہوگا۔ مثلاً آپ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی چھوٹا بچہ کنوئیں میں گر رہا ہے یا کسی موٹر کے نیچے آنے والا ہے، آپ اُس کو بچانے کے لیے دوڑتے ہیں، تو بچے کے ساتھ اس مہربانی کے نتیجے میں اللہؒ تعالیٰ کی مہربانی کا نور ملے گا۔ یہ سب نور کے ذرائع ہیں جو قیامت والے دن تاریکی میں کلام آئیں گے۔

منافقوں کا  
مومنوں کا  
سکالہ

جب منافق لوگ مومنوں سے روشنی حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں گے تو پھر انہیں دنیا کی زندگی میں اپنی معیت کی یاد دہانی کرائیں گے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْجِعُوا إِلَى الْمَدِينِ وَلَا تَبْغُوا فِيهَا بِأَمْوَالِكُمْ الَّتِي نَدَبْتُمُوهَا إِلَى الْيَمِّ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا لَا يَمْسَسْكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا سَأَيَسِّرَ اللَّهُ لِلْعَذَابِ أَغْلًا۔ تم لوگو! اپنی جانوں کو فتنے میں مبتلا نہ کرنا۔ تم نے دنیا میں اخلاص کے ساتھ ایمان قبول نہ کیا۔ خالی زبانی گمراہ رہتے رہتے اور دل میں پورا یقین نہ کیا۔ ظاہر ہے کفر، شرک، بدعات اور بد اعتقادی کے فتنے بدترین فتنے ہیں۔ جس میں اکثر انہی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تم نے ایمان کی بجائے نفاق کو اختیار کیا۔ وَقَدْ جُعِلَتْ لَكُمُ الْأَرْضُ مَسَافٍ اور انتظار کرتے رہے کہ کب سچے مسلمانوں پر افتاد پڑے۔ تم ہر جگہ کے موقع پر سی امید لگائے بیٹھے تھے کہ اب کی بار مسلمان ضرور ختم ہو جائیں گے۔ اور اسی بنا پر تم نے کافروں، مشرکوں اور یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ وَأُذِّنْكُمْ اور تم شک میں پڑے ہوئے تھے کہ یہ نہیں مسلمان سچے ہیں یا نہیں اور یہ نہیں کہ یہ کامیاب بھی ہوں گے یا یونہی ختم ہو جائیں گے۔ وَعَزَّزْتُ كُمُ الْأَمْوَالِ اور تمہیں محبوبی آرزوں نے دھوکے میں ڈالا ہوا تھا کہ فلاں پارٹی کے ساتھ مل جائیں گے اور فلاں سردار کی پناہ حاصل کر لیں گے اور پھر ہم مسلمانوں پر غلبہ آجائیں گے، تم اسی طرح شکوک و شبہات اور خواہشات کے چکر میں پڑے ہوئے تھے حتیٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْجِعُوا إِلَى الْمَدِينِ وَلَا تَبْغُوا فِيهَا بِأَمْوَالِكُمْ الَّتِي نَدَبْتُمُوهَا إِلَى الْيَمِّ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا لَا يَمْسَسْكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا سَأَيَسِّرَ اللَّهُ لِلْعَذَابِ أَغْلًا۔ یعنی یا تو مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوگئی اور یا پھر خود منافق کی موت واقع ہوگئی۔ اللہ نے فرمایا اصل بات یہ ہے۔ وَعَزَّزْتُ كُمُ بِاللَّهِ الْعَزَّوْرِ کہ اے منافقو! تمہیں اللہ کے بارے میں بڑے دھوکے باز یعنی شیطان نے دھوکے میں رکھا۔ وہ بڑا دھوکے باز ہے جو



ہر طریقے سے انسان کو وہ رکھ دے کہ گمراہ کرتا ہے۔ وہ کبھی دین کے راستے سے آتا ہے۔  
اور کبھی مال کے راستے سے، غرضیکہ کہ ہر راستے سے

اگر انسان کو بہکا تا ہے اور پھر قیامت والے دن اُسے ساتھ لے کر جہنم میں چلا جائے گا۔  
آگے اللہ نے منافقوں اور کافروں کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔ قَالِیَوْمَ لَا یُخَفِّیْ  
وَمَنْ کَفَرْدِیْنِہٖ آج کے دن اے منافقو! تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا جس  
کے بدلے میں تم عذاب سے بچ جاؤ۔ وَلَا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور نہ ہی کفر کرنے  
والوں سے کوئی فدیہ لیا جائے گا۔ قیامت والے دن تو انسان کے پاس کوئی چیز  
ہوگی نہیں جو وہ فدیہ کے طور پر دے سکے۔ اَہَمُّ سُوْرَةِ الْمَعَارِجِ میں اللہ کا ارشاد  
ہے کہ قیامت والے دن مجرم اپنے بیٹے، بیوی، بھائی اور قبیلہ منی کہ وَمَنْ فِی  
الْاَرْضِ جَمِیْعًا (آیت ۱۳۰) زمین کی ہر چیز کا فدیہ لے کر بھی عذاب سے بچ نہ پائے گا  
تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ لَیْسَ بِاِیْسِ دن تم سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَمَا وَلَیْکُمْ  
اَلَا تَرْحَمُوْنَ تم کو تمہارا ٹھکانا، دوزخ کی آگ ہوگا۔ اور وہی تھکے لیے زیادہ  
لاٹتی ہے۔ مَوْلٰی کے کئی معنی آتے ہیں تاہم یہاں مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ہی  
تمہارے زیادہ لائق ہے۔ اور اگر مَوْلٰی مَوْلٰی کے مادہ سے ہو تو اس کا معنی ہوگا۔  
ذلت پہنچانے والی چیز، گویا دوزخ کی آگ سے تم ذلیل ہو جاؤ گے۔ وَبِئْسَ الْبَصِیْرُ  
اور یہ ٹوٹ کر جانے کی بہت بڑی جگہ ہے۔ مَوْلٰی کا معنی آقا بھی ہوتا ہے  
اور اس کا معنی بیٹے والا بھی۔ مَوْلٰی کا معنی قسم اٹھانے والا ہوتا ہے۔ اسی سے  
ایلاء کا مسئلہ بھی نکلا ہے کہ کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ چار ماہ تک بیوی کے  
قریب نہیں جائے گا۔ بہر حال اس کا زیادہ معروف معنی لائق ہی ہے اس کی مثال  
عربی ادب میں بھی ملتی ہے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے۔

فَقَدْ دَتِ حِلًّا الْفُرْجَیْنِ تَحْسِبُ اَنَّهُ  
مَوْلَاکَ الْمُخَافَةِ خَلْفَهَا وَاَمَامَهَا

اُس نے دونوں خلأؤں کے بائے میں خیال کر لیا کہ دوزخ خوف کے لائق ہیں، یعنی

منافقوں اور  
کافروں کا  
انجام

اگے سے بھی خوف ہے اور پیچھے سے بھی خوف ہے۔

فرمایا اے منافق! مرد اور عورت! نہ تم سے کوئی ضرر یا جائے گا اور نہ کافروں  
 سے بلکہ دوزخ کی آگ ہی تمہارے زیادہ لائق ہے جس میں تمہیں ہمیشہ کے لیے  
 رہنا ہوگا، اور یہ کوٹ کر جلنے کی بہت بُری جگہ ہے۔

---

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ  
 وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
 مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَ  
 كَثِيرٌ مِنْهُمْ فُسِقُونَ ①۶ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ  
 بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ  
 تَعْقِلُونَ ①۷ إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا  
 اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعِفُ لَهُمْ وُلَّهُمْ أَجْرَهُ  
 كَرِيمًا ①۸ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ  
 هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَهُمْ  
 أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
 أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ①۹

ترجمہ: کیا نہیں آیا وقت اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے  
 ہیں کہ عاجزی کریں اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے  
 اور اُس چیز کے لیے جو اُتری ہے حق سے۔ اور نہ  
 ہوں اُن لوگوں کی طرح جن کو دی گئی کتاب اس سے  
 پہلے، پس دراز ہو گئی اُن پر مدت، پھر سخت ہو گئے  
 اُن کے دل، اور بہت سے اُن میں سے نافرمان ہیں ①۶



جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ زندہ کرنا ہے زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد۔ تحقیق بیان کردی ہیں ہم نے تمہارے لیے آیتیں تاکہ تم سمجھ لو ①۷ بے شک حدیث کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور جنوں نے قرض دیا اللہ کو اچھا قرض، لوگنا ہوگا اُن کے لیے ثواب، اور اُن کے لیے عزت والا اجر ہے ①۸ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہی لوگ سچے ہیں۔ اور یہ شہداء ہیں اپنے پروردگار کے پاس۔ اُن کے لیے اُن کا اجر ہے اور اُن کی مدد شنی۔ اور جنوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو ایسی ہی مذخ دالے ①۹

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ضرورت اور اہمیت کا ذکر کیا اور اس کو قرضِ حسن کے ساتھ تعبیر کیا، اور پھر اُن نتائج کا بھی بیان ہوا جو ایسا نذرانہ کو حاصل ہوں گے۔ اللہ نے تور اور روشنی کا تذکرہ فرمایا جو آخرت کے اندھیروں میں پل صراط پر سے گزرتے وقت کام آئے گی۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ روشنی کن ذرائع سے حاصل ہو سکتی ہے، اس کے برخلاف کافروں کو تاریکی اور ناگہانی کامندہ دیکھنا پڑے گا۔ اب آج کے درس میں پہلے اللہ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکرِ الہی کے لیے عاجزی کرنے لگیں۔ اس ضمن میں اللہ نے اہل کتاب کی مثال بھی بیان فرمائی ہے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے غافل ہو گئے۔ اس کے بعد پھر انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ایمان کی فضیلت اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے انعام کا ذکر فرمایا ہے۔

ذکرِ الہی سے غفلت

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ انہیں اللہ کے لیے وہ وقت نہیں دے کہ فَلَوْ يَفْقَهُوا ذِكْرَ اللَّهِ کہ اُن کے دل عاجزی کریں اور

گر گڑبائیں اللہ کے ذکر کے لیے وَمَا نَزَلَ مِنْكَ الْحَقُّ اور اُس چیز کے لیے جو حق سے اُنڈی ہے یعنی کلام الہی قرآن حکیم۔ اللہ نے تنبیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ ایمان والے آخر کب اللہ کے ذکر اور قرآن کریم کی طرف سے غفلت کا جو آثار کہ اُن کی طرف متوجہ ہوں گے؟ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے دل ہر وقت اللہ کی یاد اور قرآن کے احکام و فرامین کے لیے نرم ہونے چاہئیں، اور اُن میں اطاعت و خشوع کا جذبہ پایا جانا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہم لوگوں کے ایمان لانے اور اس آیت کے نزول کے درمیان چار سال کا وقفہ حائل ہے۔ اس دوران میں لوگوں کی یاد الہی اور قرآن سے غفلت کی وجہ سے اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ غفلت سب لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی، بلکہ بعض لوگ تو ابتداء سے انتہا تک ذکر الہی، خشوع و خضوع اور اطاعت الہی میں مصروف رہے۔ البتہ بعض کمزور ایمان والوں میں غفلت بھی پیدا ہو گئی تھی۔

یہ غفلت بہت بُری چیز ہے۔ اللہ کی یاد سے بُعد قادت قلبی کا باعث بنتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس امت سے جو چیز رب سے پہلے خست

ہو گئی وہ خشوع و خضوع ہے جو کہ بہت بڑی صفت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اس کو اخبات سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ ہود میں موجود ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ بِشَکِّ وَہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی، وہ جنتی ہیں لہذا اے اہل ایمان! اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کا اظہار کرو۔ اور عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے خدا کی ذات کے سامنے خشوع و خضوع کیا جائے۔

اسی لیے اس آیت میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کیا اہل ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر اور قرآن کریم کے لیے عاجزی یعنی خشوع و خضوع کا اظہار کریں؟ اب خشوع یا عاجزی کرنے کا حکم مردوں اور عورتوں کے



لیے یکساں ہے کیونکہ دونوں اصناف مکلف اور اللہ کے ہاں جوابدہ ہیں۔ اسی اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں جہاں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے وہاں وَالْحَشِشِیْنَ وَالْحَشِیْعَتِ (آیت ۳۵) عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنین میں ایمانداروں کی کامیابی کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں فرمایا ہے کہ وہ مومن آدمی فلاح پائے گا الَّذِیْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (آیت ۲۰) جو اپنی نماز میں خشوع و خضوع یعنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ خشوع و خضوع بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار کرنے کے بعد عام انسانوں کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آنے کا حکم ہے۔ اللہ نے اپنے پیغمبر پر وحی نازل فرما کر حکم دیا ہے اَنْ تَوَاضَعُوا وَلَا يَفْخَرْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے پر فخر نہ کرو۔

اہل کتاب  
کی سنگدلی

آگے اللہ نے اہل کتاب کی سنگدلی کا ذکر کر کے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی۔ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ پھر اُن پر ایک مدت دراز گزر گئی فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ پس اُن کے دل سخت ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یارِ خدا اور کتاب الہی سے غفلت برتنے لگے۔ امام ابو بکر جہاں فرماتے ہیں کہ یاد رکھو اِكْثَرُ الْمَعَاصِي وَمَسَاكِنَتُهَا وَالْفُحَا نَفْسِي الْقَلْبَ وَتُبْعِدُ مِنَ التَّوْبَةِ یعنی گناہوں کی کثرت اور اُن کے ساتھ اجتماع اور اُن کے ساتھ الفت دل کو سخت بنا دیتے ہیں، اور انسان کو توبہ سے دور کر دیتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں یہ بھی فرمایا ہے كَذٰلِكَ يَكْتُرَانِ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففين ۱۴) خبردار! لوگوں کے دلوں پر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دلوں میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔



اس سنگ دلی کو دور کرنے کے لیے اللہ نے دو علاج تجویز کیے ہیں۔ پہلا علاج ذکر الہی ہے جس کے متعلق سورۃ الجمعہ میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِذْ كُنَّا لِلَّهِ كَشِيفٌ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (آیت ۱۰۱) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ اور دوسرا علاج اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف رجوع ہے۔ چنانچہ قرآن کہیم کی تلاوت اس میں دلچسپی، اس کی نشر و اشاعت اور اس کے احکام پر عمل وغیرہ ساری باتیں اس ضمن میں آجاتی ہیں۔ شریعت کی بنیاد قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے فرمودات قرآن کی شرح اور تفسیر ہے۔ گویا قرآن وحی جلی ہے اور فرمان نبوی وحی خفی ہے۔ شاہ ولی اللہ، امام شافعی اور بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح احادیث جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، وہ قرآن کی شرح ہیں۔ امام ابن تیمیہ بھی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ ساری سنت صادقہ تفسیر القرآن وتبیینہ، قرآن کی تفسیر و تبیین یعنی اس کی وضاحت ہے۔ اصل بنیاد چونکہ قرآن ہے۔ لہذا اسی کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔

ذکر الہی کی آسان ترین صورت لسانی ذکر ہے جس میں قرآن پاک کی تلاوت پاکیزہ کلمات کا ورد اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اطاعت کا ہر کام کرنے والا آدمی ذاکرین الہی میں ہی شمار ہوتا ہے امام جزیری فرماتے ہیں کُلُّ مُطِيعٍ لِلَّهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ۔

بہر حال اللہ نے خبردار کیا، کہ اہل کتاب کی طرح سنگ دل نہ ہو جانا۔ کیونکہ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ان کی اکثریت نافرمان ہی ہے۔ اس سنگ دلی کی وجہ سے اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی، خود بے علی کا شکار ہو گئے، ان کے فہم معکوس ہو گئے۔ ان پر سیمیت غالب آگئی اور انسان دائرہ انسانیت سے باہر ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں غفلت پیدا ہوئی، پھر توبہ کی توفیق سلب ہو گئی، معاصی کا ارتکاب کیا۔ اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور آخر ملعون و مغضوب ٹھہرے سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ اللَّهُمَّ إِنَّ سَئِرَ النَّاسِ مِنْ دُونِكَ أَهْلٌ۔ غضب

اللہ علیہ السلام ان پر اللہ کا غضب ہوا۔ کیونکہ ان میں اکثر لوگ نافرمان ہی ہیں۔

اس کے بعد اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ

الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ کرتا ہے اس

کے مردہ ہو جانے کے بعد۔ انسان کا دل بھی زمین کی مانند ہے۔ جب یہ خشک ہو

جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے کلام پاک کی برکت سے زندہ ہو جاتا ہے

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اور نہ کرنے والے کی مثال

زندہ اور مردہ کی ہے۔ زندہ آدمی اپنے اقتدار اور ارادے سے کام کرتا ہے جب

کہ مردہ۔ بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے جو کچھ نہیں کر سکتا۔ المترک کے ذکر سے دل

بھی زندہ ہوتا ہے اور انسان کے حواس بھی اور اس میں شعور پیدا ہوتا ہے جب

کہ ذکر نہ کرنے والا غافل آدمی ہے شعور ہوتا ہے گویا کہ وہ مردہ ہے۔

فَرَأَى قَدَيْتَا كَحُمِّ الْأَيْتِ الْبَيْتِ تَحْقِيقُ هَمَّ نَظَرِ نِشَانِیَاں تَمَّ پَر

واضح کر دی ہیں، تے کی باتیں بتا رہی ہیں۔ مثال کے ذریعے بابت سمجھا دی ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ تاکہ تم عقل سے کام لے لو۔ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے

کہ مردہ دِل انسان کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے چاہیے کہ وہ بچے دِل

سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اس کا ذکر کرے، اللہ کی نازل کردہ کتاب

کو پڑھے، اُس کے احکامات پر عمل کرے تو اُس کا دل پھر سے زندہ ہو جائے گا اور

اُس کو روحانی حیات نصیب ہو جائے گی۔

آگے پھر اللہ نے اس سورۃ کا مرکزی مضمون العاق فی سبیل اللہ دوسرے انداز

ہیں یہاں فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُصَدِّقِيْنَ وَالْمُصَدِّقَاتِ بِشَيْءٍ مِّمَّا كُنْتُمْ لَمْ تَعْلَمُوْا

ہائے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔ اعمال کے لحاظ سے مرد اور عورتیں برابر ہیں جیسا

کہ پہلی نور والی آیت میں مُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مومن مردوں اور مومن

عورتوں کا ذکر کیا تھا۔ جس طرح کوئی عبادت مردوں پر فرض ہے اسی طرح

عورتوں پر بھی فرض ہے۔ اگر مردوں کو مال خرچ کرنے کا حکم ہے تو صاحب



حیثیت عورتوں کے لیے بھی لازم ہے۔

فرمایا بیشک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں وَأَقْرَضُوا  
اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا۔ انہوں نے نیک نیتی کے  
 ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لیے مال صرف کیا۔ اُن کے پیش نظر دین کی اقامت  
 اور قرآن کے پروگرام کی ترویج ہے نہ کہ کوئی ذاتی مفاد۔ تو اُن کے متعلق فرمایا  
يُضَاعَفْ لَهُمْ أَثَرُ اللَّهِ تَعَالَى اُن کو دوگنا ثواب عطا فرمائے گا۔ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ  
 اور اُن کے لیے عزت والا اجر ہوگا۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ جب یہ مال اقامت دین  
 کے لیے خرچ ہوگا۔ تو دو تیس تھکے ہاتھ آئیں گی اور آخرت میں ایک بار بدلہ دس تو  
 لازمی ہے بشرطیکہ نیت خالص ہو۔ اور جو مال جہاد کے لیے خرچ کیا جائے گا اُس  
 کا بدلہ سات سو گنا سے شروع ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک کے بدلے میں  
 سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جہاد دین کی کوہکن ہے، اس کی وجہ  
 سے عزت اور وقار حاصل ہوگا۔ تو اس مد میں خرچ کرنے کو قرض حسن سے تعبیر کیا گیا ہے  
 آگے جہاد کے بھی مختلف شعبے ہیں۔ جہاد بالسیف کے علاوہ مجاہدین کی خوراک، اسلحہ  
 سواری وغیرہ کا بندوبست کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ اسی طرح دینی تعلیم کا انتظام  
 کرنا بھی جہاد ہی کا شعبہ ہے دینی کتب کی اشاعت سے بھی اقامت دین کو تقویت  
 ملتی ہے لہذا یہ بھی جہاد ہے۔ پھر دین اسلام کی تبلیغ کے لیے جانے والے اور اُن کے  
 لیے سفر، خوراک اور کتب کا انتظام سب جہاد ہی کے مختلف شعبے ہیں اور قرض حسن  
 میں ہی آتے ہیں۔

زکوٰۃ فنڈ کا  
 بیجا مصرف

ادھر ہمارا حال یہ ہے کہ حکومتی سطح پر زکوٰۃ کی تحصیل اور صرف کا نظام موجود  
 ہے جس میں ہر سال کروڑوں روپے جمع ہوتے ہیں مگر اس کا مصرف درست نہیں  
 ہے زکوٰۃ کی رقم مسجد یا کسی بھی عمارت کی تعمیر پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔ مگر یہاں  
 سب کچھ ہو رہا ہے۔ یہاں پر زکوٰۃ فنڈ ایکشن پر خرچ ہو رہا ہے۔ کسٹمر کے الیکشن  
 کے لیے پانچ کروڑ روپے اس فنڈ سے حاصل کیے گئے۔ ممبروں کو خریدنے کیلئے



بھی یہ فنڈ استعمال ہوتا ہے۔ اب حکومت اس فنڈ سے مکانات تعمیر کر رہی ہے۔  
یہ بھی غلط ہے۔ جو لوگ رشوت کے طور پر زکوٰۃ کا مال کھائیں گے ان کا نہ ایمان ٹھیک  
ہے گا اور نہ اخلاق اور نہ ہی زکوٰۃ دینے والوں کو کچھ فائدہ ہو گا۔ زکوٰۃ کی رقم تو غریبوں  
محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ ہونی چاہیے۔ مگر اتنی کثیر مقدار میں زکوٰۃ جمع ہونے  
کے باوجود لوگ بیکس مانگ رہے ہیں، اگلیوں، بازاروں حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی بھکاریوں  
کی بلیاں رہے۔ آخر یہ زکوٰۃ فنڈ کس مرض کی دوا ہے؟ حقدار کو انصاف کا حق ملنا چاہیے  
نہ کہ یہ رقم رفاہ عامہ کے کام پر صرف کر دی جائے جو کہ قطعاً جائز نہیں بلکہ محض موت  
کے علاج میں زکوٰۃ فنڈ کا استعمال بڑی غلط بات ہے۔

محکمہ اوقاف  
کی ناقص کارکردگی

محکمہ زکوٰۃ کی طرح حکومت کا قائم کردہ محکمہ اوقاف بھی ناقص کارکردگی کا شکار  
ہے۔ اس محکمہ کے قیام کے وقت اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی کہ اس سے وقف املاک  
کے نظام کو درست کیا جائے گا۔ مگر یہ محکمہ بھی اپنے مقام کی تکمیل میں ناکام رہا ہے  
قبروں پر ہونے والی شرکیہ اور بدعتیہ رسوم اسی طرح جاری ہیں۔ قبروں کو سچتہ بنا کر ان  
پر گنبد بنائے جاتے ہیں۔ عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے، چادریں اور چڑھاوے  
چڑھتے ہیں۔ ہشتی دروازہ حسب سابق ہر سال کھلتا ہے اور پھر چند دن کے بعد بند  
ہو جاتا ہے، ہر سال جگہ جگہ عرس منائے جاتے ہیں، اقوالیاں ہوتی ہیں۔ یہ کون سا  
دین ہے اور بزرگان دین کی تعلیمات کی کون سی خدمت ہے۔ آخر محکمہ اوقاف  
نے ان غیر شرعی رسوم میں کیا اصلاح کی ہے؟ اس محکمہ کو اپنے ملازمین کی تنخواہوں  
سے غرض ہے، غریب طبقہ بدستور ذلیل ہو رہا ہے۔ امام مسجدوں کے گریڈ کم ہیں۔  
جن میں وہ گزر اوقات نہیں کر سکتے، بچائے بیٹھتے چلتے ہیں مگر کوئی پُرساں  
حال نہیں۔ محکمہ کے وسائل جائز امور میں صرف ہونے چاہئیں تھے، مگر ایسا نہیں  
ہو رہا ہے۔ کاش یہ محکمہ اپنی افادیت کو ثابت کر سکتا۔

صدیق اور  
شہداء

آگے اللہ نے اہل ایمان کی تعریف کی ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر أُولَٰئِكَ هُمُ الْبَارِعُونَ

یہی لوگ بچے ہیں جنہوں نے ایمان کے تعاضوں کو پورا کیا ہے وَالشَّهَدَاءُ مَعَهُ شَدَّ  
 زَبْتُهُمْ یہی لوگ اپنے پروردگار کے ہاں شہید ہیں۔ یہاں پر تمام اہل ایمان کو صدیق کا  
 خطاب دیا گیا ہے۔ حالانکہ صدیق کا مرتبہ تو نبی کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ اسی طرح  
 شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں جان قربان کر دیتا ہے۔ مگر یہاں پر تمام مومنوں کے  
 کے لیے شہید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اللّٰهُ  
 وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (ابقرہ - ۲۵۷) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے۔ گویا ہر  
 مومن ولی ہے۔ اسی طرح ہر مومن کو ایمان کی بدولت صدیقیت کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل  
 ہوتا ہے۔ پھر شہادت کا مندرجہ بھی ایسا ہی ہے۔ گویا کہ ہر مومن جان کا نذرانہ تو پیش  
 نہیں کر رہا تا مگر اس میں یہ جذبہ صادق موجد ہوتا ہے۔ کہ وہ ضرورت کے وقت  
 ایسا کرنے سے گریز نہیں کرے گا، لہذا اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں شہداء کی فہرست  
 میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ صدیق کا معنی سچا اور راست باز انسان ہوتا ہے، لہذا اس سے  
 اصطلاحی صدیق اور شہید مراد نہیں کیونکہ وہ تو بلند مرتبت اور خال خال لوگ ہوتے ہیں۔  
 البتہ ان صدیقین اور شہداء سے مراد خدا کے ہاں سچی شہادت دینے والے لوگ ہیں سورۃ البقرہ  
 میں موجود ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى  
 النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (آیت - ۱۴۳) اور اسی طرح  
 ہم نے تمہیں افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور اللہ کا  
 رسول تم پر گواہی دے۔ قیامت والے دن اس آخری امت کے لوگ سابقہ امت  
 کے لوگوں پر بطور گواہ پیش ہوں گے اور اللہ کا آخری رسول اس آخری امت پر گواہ  
 ہوگا۔ اس طرح گویا شہید سے مراد گواہی دینے والا ہے۔ یا وہ شخص بھی مراد ہو سکتا ہے  
 جو اللہ تعالیٰ کی توحید، صداقت اور حقانیت کی گواہی پیش کرنے والا ہے، لہذا  
 اس میں تمام صحیح ایمان والے شامل ہیں۔

حضرت امام مجتہد العارفانی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام

تو نبوت کے کمالات سے براہ راست مستفیہ ہونے والے تھے، لہذا ان کی صدیقیت اور شہادت میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے درِ خلافت میں فرمایا تھا اَنَا الْعَدِيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُ بَعْدِي اِلَّا كَاذِبٌ یعنی میں صدیق اکبر ہوں، میرے بعد جو کوئی صدیقیت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ جھوٹا ہوگا۔ اس لحاظ سے بھی صحیح ایمان والا صدیق کہلا سکتا ہے۔

امام صفحہؑ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے بھی شہید ہیں اور ان میں یہ آئمہ آدمی شامل ہیں: حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت حمزہؓ۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ چھٹے سال نبوت میں اسلام قبول کیا، مگر ان کی نیک نیتی اور صاحبیت کی بنا پر ان کو بھی فرس نمبر پر شمار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے توحید کی گواہی دینے والے شہداء ہیں۔

اہل ایمان  
اور کفار کا

فرمایا جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ صدیق ہیں اور اپنے رب کے ہاں شہید ہیں اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُمْ وَتَوَزَّهْهُمْ اَنْ كَيْلَ اَجْرٍ اور روشنی ہے اس روشنی کے ذریعے وہ پھر اس کی گھائیوں کو عبور کریں گے اور پھر انہیں اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ملے گا۔ ان کے برخلاف وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور ہمارے آیتوں کو جھٹلایا ایمان ترجیح، احکام الہی اور اعمال صالحہ سب کو جھٹلایا۔ وہی الہی اور عزرائلے عمل کا انکار کیا، شریعت کو سچا تسلیم نہ کیا۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ہوں لوگ جہنم والے ہیں جنہیں ہمیشہ جہنم کے لیے اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا میرے ان دونوں گروہوں کا امتیاز بھی ہوگا کہ ہر گروہ کا انجام مختلف ہوگا۔



اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَزِينَةٌ  
وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ  
غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ  
مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ  
شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ  
الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ③ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ  
مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ  
ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ وَاللَّهُ  
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ④

ترجمہ :- (اے لوگو!) اچھی طرح جان لو کہ دنیا  
کی زندگی کھیل اور تماشہ ہے، زینت ہے اور تمھارا  
آپس میں تفاخر ہے، اور مال و اولاد کی کثرت طلب  
ہے۔ جیسا کہ بارش ہو جو خوش لگتا ہے کانوں کو اس  
کا سبزہ، پھر وہ خشک ہو جاتا ہے، پھر آپ دیکھتے  
ہیں اس کو زرد، پھر ہو جاتا ہے وہ روزا ہوا۔ اور  
آخرت میں عذاب ہے سفت اور بخشش ہے اللہ کی

طرف سے اور خوشنودی۔ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر  
 سامان دھوکے کا (۲۰) مہمکت کرو اپنے پروردگار کی  
 بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کا چوڑاں آسمان  
 اور زمین کے چوڑاں کی طرح ہے۔ تیار کی گئی ہے ان  
 لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے  
 رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل ہے، دینا ہے وہ جس کو  
 چاہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (۲۱)

گزشتہ آیات میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں اور ایمان لانے  
 والے مردوں اور عورتوں کی فضیلت بیان ہوئی، اور ساتھ ہی کافروں اور مکذبین کے  
 جہنم میں ٹھکانے کا بھی ذکر ہوا۔ اب آج کی آیات کا تعلق بھی اتفاق فی سبیل اللہ ہی  
 سے ہے۔ اللہ نے اس سلسلہ میں دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کر کے اس کے لوازمات کو  
 کھیل تماشہ قرار دیا اور اس میں انہماک سے منع کیا گیا ہے، اس کی بجائے اللہ تعالیٰ  
 کی بخشش اور اس کی تیار کردہ جنت کی طرف مہمکت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے  
 اور اُسے اپنا فضل قرار دیا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اللہ کے راستے میں زیادہ سے  
 زیادہ خرچ کر کے اپنے لیے دائمی زندگی کا سامان پیدا کر لو۔

دنیا کی زندگی  
 کی حقیقت

ارشاد ہوتا ہے اعلموا انما الحیوة الدنیا دعوٰی و لھو لوغر  
 غروب جان لو کہ دنیا کی زندگی ترکیل اور تماشہ ہے و زینۃ زینت ہے و فخر  
بیککم اور تمھارا آپس میں فخر کا اظہار ہے۔ و نکات فی الاموال والا ولاد  
 اور مال و دولت کی کثرت طلب ہے۔ اللہ نے انسانی زندگی کو کھیل اور تماشے کا نام  
 دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگوں کی اکثریت کھیل کود میں ہی انہماک رکھتی  
 ہے اور کرنے کے ضروری کام نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ آگے چل کر اس کا نتیجہ طرآب  
 ہی نکلے گا۔ مفسرین کرام اس آیت میں مذکور تین چیزوں کو انسانی زندگی کے تین  
 اوار کے ساتھ منطبق کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ انسان اپنی عمر کے ابتدائی حصے

یعنی بچپن میں عموماً کھیل کود کا ہی دلدلہ ہوتا ہے۔ اس جھڑ زندگی کو لہو و لعب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر جب انسان پر شباب کا زمانہ آتا ہے تو وہ زیادہ تر زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اچھا لباس، اچھی خوراک، چہرے کی زیب و زینت اور بالوں کی تراش خراش کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ اس دور کو اللہ نے زینت کا نام دیا ہے پھر جب بڑھاپے کی منزل آتی ہے تو پھر مال اور اولاد کی فکر بڑھ جاتی ہے کہ مال کو کس طرح سنبھال کر رکھا جاسکتا ہے اور اولاد کی اسودہ حالی کے کون سے ذرائع اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ یہ تینوں چیزیں اور باہم مفاخرت سب فانی ہیں۔ یہ ساری چند دن کی رونق ہے۔ اگر انسان اسی میں پھنس کر رہ جائے اور آخرت کی فکر نہ کرے، ایمان اور نیکی سے اعراض برتنے تو ظاہر ہے کہ یہ بڑے خسارے کا سودا ہو گا۔ انسان دنیا کی عارضی زندگی کے لیے تو بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے اور اس کے لیے ہر جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا، مگر آخرت کی دائمی زندگی سے اکثر بے فکر رہتا ہے۔ ملا جلائی نے اس مضمون کو اپنے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

دلا تہائے دریں کا پنج مجازی

کئی مانند طفلان خاک بازی

اے دل! تم کب تک اس مجازی محل میں بچوں کی طرح مٹی سے کھیلتے رہو گے۔ بچے مٹی کے چھوٹے چھوٹے گھرنڈے بنا کر کھیلتے ہیں اور پھر خود ہی اُنی کو ٹھوکر مار کر گر دیتے ہیں۔ دنیا کی زندگی بھی ایسی ہے۔ انسان چند دن کے لیے اپنی آسائش کے لیے بہت سامان کھرتا ہے مگر بالآخر سب کچھ یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ انہماک انسان کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے جو کہ سخت خسارے والی بات ہے۔

آگے اللہ نے دنیا کی مثال بارش اور کھیتی کے ساتھ بیان فرمائی ہے گھنٹیل  
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا مِثْلُ بَارِشٍ أَوْ مِثْلِ غَيْثٍ

بارش اور  
کھیتی کی مثال



ہے تو کافروں کے لیے خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے زمین میں روئیدگی پیدا ہوگی، جس سے نلکہ، پھول، پھل اور سبزیاں پیدا ہوں گی جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال ہوں گی۔ یہاں پر تمنا یا کاشتکار کے لیے کافر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دراصل کافر کا معنی کسی چیز کو چھپانا ہوتا ہے۔ اصطلاحی کافر کو کافر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دین اور ایمان کو چھپاتا ہے۔ کسان بھی زمین میں بیج ڈال کر اُس کو چھپا دیتا ہے۔ لہذا وہ بھی کافر کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس ڈوڑی کے اندر پھل چھپا ہوا ہوتا ہے اُس کو بھی کافر کہتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو کاشتکاروں کو جلی معلوم ہوتی ہے وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی، ان کی کھیتی پھل دے گی جسے وہ کاٹ کر اُس سے مستفید ہوں گے۔

فرمایا کہ کھیتی پک جانے کے بعد ثُمَّ يَفْجُرُ فِيهِمْ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے اس کی سرسبزی ختم ہو جاتی ہے۔ فَتَذَكَّرُ لَهُ مُصْطَفًّ پھر آپ دیکھتے ہیں اس کو زبردستی اُس کی حالت مزید تغیر ہو جاتی ہے، اُس کی ساری رونق ختم ہو جاتی ہے ثُمَّ يَكُونُ حُطًّا پھر وہی سرسبز کھیتی سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے یعنی چورہ بن جاتی ہے۔ یہ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس ناپائیدار زندگی میں زیادہ منہمک نہیں ہونا چاہیئے۔ کھیتی کی طرح انسان بھی جب پیدا ہوتا ہے تو پھول کی طرح نرم و نازک ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے تو پوسے جو بن پر آجاتا ہے۔ بڑھاپے آئے گئے تو قویٰ مضحل ہونا شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک دن آتا ہے جب اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ اس دُنیا سے نابرد ہو جاتا ہے۔

زندگی کا  
انجام

اس دنیا کی زندگی کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام بھی بیان کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس دنیا کی زندگیوں میں ہی پھنس کر رہ گیا اور آخرت کے لیے کوئی سامان تیار نہ کیا تو فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ اللہ کی خوفناک عذابِ شدید آخرت میں عذابِ عذاب ہوگا۔ اور جس شخص نے

اس دنیا میں رہا ایمان اور نیکی کو حاصل کیا، اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو تسلیم کیا۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل کو برحق جان کر اُس کے لیے تیاری کی، تو فرمایا اُس شخص کے لیے وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہوگی، اور وہ اُس کی رحمت کے مقامِ جنت میں پہنچے گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ اُنْذِرُوْہِ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ انسان اس زندگی کی آسائش اور آس کے لیے بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے۔ بڑی بڑی مضبوط عمارتیں تعمیر کرتا ہے جن میں سہولت کی تمام چیزیں دیا کرتا ہے، مگر جب وہ تو کسی مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور نہ موت سے رو کر اختیار کر سکتا ہے تو دنیا کا یہ سارا ساز و سامان محض دھوکہ محسوس ہوتا ہے اور پھر جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو کام ہو جاتا ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دنیا کا سامان تو محض دھوکہ ہے اس میں کچھ کد نہ رہ جائے، بلکہ آخرت کی فکرمندی کر لینا۔ اس کے لیے ایمان اور نیکی کو اختیار کرو، جہاد کے لیے جانی اور مالی قربانی پیش کرو۔ جو لوگ ساری زندگی کھیل کود میں گزار دیتے ہیں، اُن کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت میں بدترین خسارے میں ہوتے ہیں۔ سورۃ البہکف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا (آیت - ۱۰۳) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کیا ہم تمہیں نہ بتلائیں کہ اعمال کے لحاظ سے خسارے میں جانے والے کون لوگ ہیں، فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی دنیا کی زندگی کو برباد کر دیا مگر وہ گمان کرتے رہتے ہیں کہ وہ بڑے اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ دنیا کا ساز و سامان تو محض دھوکہ ہے۔

جائز اور مجاہد  
کھیل کود

ساری دنیا کو اللہ نے کھیل تماشا قرار دیا ہے، تاہم دنیا کے اندر جو کھیل تماشے ہوتے ہیں، انہیں ایک خاص حد تک اسلام نے برداشت کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام گھوڑے دوڑا یا اونٹ دوڑ میں حصہ لیتے تھے مگر ایسے مواقع پر جوئے کی شکل میں کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی جاتی تھی۔ آپ کے صحابہ بھی اس قسم

کے کھیل کو ذہن شامل ہو جاتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ تیر اندازی ایک اچھا کھیل ہے آپ نے بیوی کے ساتھ بول لگی کے کھیل کو بھی برحق فرمایا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں جہاد میں گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر دشمن سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔ تیر، تلوار اور نیزے کے جوہر دکھائے جلتے تھے، لہذا آپ نے ایسے ہی کھیلوں کو پسند فرمایا ہے۔

البتہ کھیل کو رد کو ہی مقصد حیات بنالینا ہرگز درست نہیں۔ ہمارے ملک میں آج کل کرکٹ کا بڑا زور شور ہے۔ بچے اور بڑے کھیل میدانوں کے علاوہ سڑکوں، بازاروں اور گلی کوچوں میں کرکٹ کھیلنے نظر آتے ہیں مٹی کہ اب قورات کو تیز روشنی میں بھی یہ دھنڈا ہو رہا ہے۔ اُدھر حکومت بھی کرکٹ اور دوسری کھیلوں کی سرپرستی کر رہی ہے۔ بیرون ملک سے ہمیں کھیلنے کے لیے آتی ہیں اور ہماری ٹیمیں باہر جاتی ہیں۔ جس پر کروڑوں روپیہ صرف ہو رہا ہے، مگر نتیجہ صفر ہے۔ نہ قوم کا فائدہ نہ ملک کا۔ آخر ہماری ٹیم جیت بھی جائے تو کونسا ملک فوج ہو گیا۔ مگر اُدھر صدر اور وزیر اعظم مبارکباد دے رہے ہیں، کھلاڑی قومی ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ لوگ کئی کئی دن تک متواتر سچ دیکھ رہے ہیں، لی وی یارڈیو کے سلسلے کام کاج چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دفاتروں اور کارخانوں میں حاضری کم ہو جاتی ہے۔ یہی حال دوسٹر کھیلوں کا بھی ہے۔ اس طرح وقت پیسہ اور توانائی برباد کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ کھیل کو رد کو مقصد حیات بنالینا یہی تو ہے اور اس قسم کا کھیل کو رد ہرگز پسندیدہ نہیں بلکہ قابل مذمت ہے۔

اس ضمن میں ہم ترقی یافتہ ممالک کی نقالی کرتے ہیں کہ ان کھیلوں کو عامی سطح پر مقبولیت حاصل ہے۔ بھائی وہ لوگ اگر ان کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں تو وہ اپنا کام بھی بطریق احسن انجام دیتے ہیں۔ اپنی ذہنی پوری کرنے کے بعد کھیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اس کام میں قرآن کی نقالی کر لی مگر جو کام وہ سائنس، ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ میں انجام دے رہے ہیں، مختلف شعبوں میں ریسرچ کر رہے ہیں اگر کی طرف ہم توجہ ہی نہیں دیتے بلکہ کھیل کو رد کی نقالی کو ہی قابلِ فخر بات سمجھتے ہیں۔ اگر کھیل کو رد پر اٹھنے والا کروڑوں روپیہ ایسی مقاصد کے لیے صرف ہوتا، تحقیقی ادارے



ستائم ہوتے، محتاجوں کی اعانت ہوتی، ملک سے بھوک، غربت اور ناخواندگی  
دور ہوتی تو کچھ فائدہ بھی ہوتا۔ ان کھیلوں سے قوم کو کیا فائدہ ہو رہا ہے۔

معفرت  
جنت طلبی

اللہ نے فرمایا کہ لہو و لعب، زیب و زینت، آپس میں تفاخر اور مال و اولاد  
کی کثرت طلب کو ہی زندگی کا مقصود نہ بنا لو بلکہ ان چیزوں کو جائز حد تک اختیار  
کرنے کی اجازت ہے۔ ان میں حد سے آگے نہ بڑھو۔ بلکہ کہنے کا کام یہ ہے کہ  
سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ اپنے پروردگار سے معفرت طلب کرنے  
میں سرعت کرو۔ وہ کام انجام دو جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور وہ تمہارے  
گناہوں کو معاف فرمائے اس کے علاوہ وَجَنَّةٍ مَّغْرُوضَةٍ فِي السَّمَاءِ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ جو ان لوگوں کے  
یہ نتیجہ کیڑا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جنت  
ان کا حق ہے جو اللہ کی ذات و صفات اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں۔  
کسی ایک نبی اور رسول کا انکار تمام رسولوں کے انکار کے مترادف ہے۔ اس لیے  
تمام مومنوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ  
کی مہربانی

فَرِيَا ذَلِكَ فَضَّلَ اللَّهُ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِيهِ اللَّهُ تَعَالَى كَافَضِل  
ہے جس کو چاہے عطا کر دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ  
حضور علیہ السلام نے فرمایا، لوگو! اگر تم پطراط پر سے گزر دو گے تو اللہ تعالیٰ کی  
معافی کے ساتھ ہی گزر دو گے اور اگر جنت میں داخلہ ملے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ  
کی مہربانی سے ہی ممکن ہو سکے گا۔ اور اگر تم مرتبہ حاصل کر دو گے تو وہ تمہارے  
اعمال کی بدولت ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ  
مَّمَّا عَمِلُوا (الاحقاف - ۱۹) ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق ہی درجہ  
نصیب ہوں گے۔ اس کے باوجود اپنی کامیابی کا مدار اعمال ہی کو نہ سمجھو، کیونکہ جب  
یکم اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال نہ ہو کامیابی ممکن نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر انسان

لہو و لعب، اعصیان، زینت، اور آقا خرمین ہی جتلا رہا۔ حرص اور لالچ کا بندہ بنا رہا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

ہجرت کے بعد اکثر مہاجرین نادار ہو گئے تھے، ایک موقع پر وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، حضور اللہ! لوگ تو نماز اور روزہ کے علاوہ حج اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں جب کہ ہم ناداری کی وجہ سے دین کے یہ ارکان پورا کرنے سے قاصر ہیں اور اس وجہ سے ہم ان سے مرتبہ میں بھی کم تر ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ کلمات سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو تو تم کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر عطا کرے گا اور کوئی دولت مند آدمی بھی تم سے درجہ بات میں آگے نہیں بڑھ سکے گا، اور تم ان سے جہت سے لے جاؤ گے۔ جب صاحب ثروت لوگوں کو اس عمل کا علم ہوا تو انہوں نے بھی یہ کلمات پڑھنا شروع کر دیے۔ اس کے بعد غریب لوگ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور یہ عمل تو انہوں نے بھی شروع کر دیا لہذا وہ پھر ہم سے جہت سے جا نہیں گے۔ آپ نے یہی جواب دیا جو اس آیت کریمہ میں ہے یعنی ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشتاء وہ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا کرے۔ اگر مالدار لوگ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی تبلیغ و تحمید بھی حین نیت سے انجام دے رہے ہیں تو اس تو فیق کا ملنا اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کا سر ہون منت ہے واللہ ذو الفضل العظیم اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا اور مہربانی والا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ  
 إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَاهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ  
 يَسِيرٌ ② لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا  
 بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ③  
 وَالَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ  
 يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ④

ترجمہ:- نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہارے  
 نفسوں میں مگر وہ ایک کتاب میں درج ہے قبل اس کے  
 کہ ہم اُس کو ظاہر کریں۔ بیشک یہ کام اللہ پر آسان  
 ہے ② تاکہ تم نہ غم کھاؤ اُس چیز میں جو تم سے فوت  
 ہو چکی ہے، اور نہ اترناؤ اس چیز پر جو اُس نے تمہیں دی  
 ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہر اترانے والے اور فخر  
 کرنے والے کو ③ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں، اور لوگوں  
 کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو شخص پھرا، پس بیشک  
 اللہ تعالیٰ غنی اور تعریفوں والا ہے ④

گذشتہ آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا، دنیا کی لہو و لعب

زیب و زینت اور مال و اولاد کی کثرت طلب کو مذکور قرار دیا گیا۔ دنیا کی  
 بے ثباتی کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ کی بخشش و مغفرت اور وسیع و عریض جنت



کی طرف سبقت کرنے کی ترغیب دی گئی پھر فرمایا کہ یہ جنت اُن لوگوں کے لیے  
تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی آخری  
کتاب قرآن کریم کے نظام کے قیام کے لیے مال صرف کیا جس کا معاوضہ اللہ کے  
ہاں ملنے والا ہے۔

اندرونی اور  
بیرونی  
مصائب

بعض لوگ مال کو اللہ کے راستے میں اس لیے خرچ نہیں کرتے کہ یہ مال اُن  
کی مصیبت میں کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس نظریہ کی تردید فرمائی ہے اور  
اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ تمام آلام و مصائب اللہ تعالیٰ کے علم میں  
مقرر ہیں اور اللہ کی لوح محفوظ میں بھی درج ہیں لہذا اُن کو مال و دولت یا کوئی  
دوسری تدبیر دُور نہیں کر سکتی، بلکہ وہ ضرور آگہ رہیں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تعداد  
پر یقین ہو گا تو مصائب کم معلوم ہوں گے، لہذا مال خرچ کرنے میں نکل نہیں  
کرنا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے: مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ  
وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَعْنَاهُ وہ ایک کتاب میں درج ہے مِنْ قَبْلِ أَنْ  
نَبْرَاهُ پیشتر اس کے کہ ہم اُسے ظاہر کریں۔ زمین سے مراد ملک، علاقہ یا خطہ ہے اور  
نفس سے مراد انسان کا اپنا جسم ہے۔ مطلب یہ ہے ہر اندرونی اور بیرونی طور پر پیش  
آنے والی تکلیف اپنا تک نہیں آجاتی بلکہ یہ پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تقدیر  
اور لوح محفوظ میں درج ہے اور وہ ہر صورت میں وارد ہو کر رہے گی۔ لہذا کسی مصیبت  
کو ٹالنے کے لیے مال کو روک رکھنا بے سود ہے۔ بیرونی مصائب میں زلزلہ،  
قحط، جنگ یا طوفان وغیرہ آتے ہیں جن کی وجہ سے بہت سببانی اور مالی نقصان  
ہوتا ہے، دنیا میں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں جن میں ہزاروں آدمی جان بحق اور  
لاکھوں بے گھر ہو جاتے ہیں، لوگوں کی اہلک تباہ ہو جاتی ہیں اور پوری زندگی درہم  
برہم ہو کر رہ جاتی ہے ۱۹۲۲ء کا جاپان کا زلزلہ، بیس پچیس سال قبل بذرتہ بستی  
کا زلزلہ اور ۱۹۲۵ء میں کوئٹہ میں آنے والے زلزلے کی مثالیں موجود ہیں۔ افریقی ممالک

میں اکثر قحط نمودار ہوتا رہتا ہے جس سے وسیع پیمانے پر جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔  
 بنگال کا قحط تو بڑا مشہور ہے۔ سرحدی علاقے کی بھاشان بستی کے زلزلہ میں چار ہزار  
 کی آبادی ختم ہو گئی تھی اسی طرح سمندری طوفانوں کا سلسلہ بھی دنیا میں چلتا رہتا ہے  
 ہمارے اس خطے میں بنگلہ دیش اکثر اس کا شکار بنتا ہے جس کی وجہ سے جانی نقصان  
 کے علاوہ کھڑی فصلوں، مکانوں اور کارخانوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اندرونی طور  
 پر انسانی جسم طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو رہا ہے۔ آج کل بلڈ پریشر اور شوگر کی  
 بیماریاں عام ہیں، دل کی بیماریوں کی وجہ سے بھی بہت سی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔  
 اس زمانے میں ماحول کی آلودگی بھی بیماریوں کا باعث بن رہی ہے۔ صنعتی ترقی کے  
 نتیجے میں کارخانوں سے نکلنے والا زہریلا دھواں اور مختلف کیمیائی چیزوں کا فضلہ  
 ماحول کی آلودگی میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے جس سے انسانی بیماریوں میں بھی اضافہ ہو  
 رہا ہے۔ اسی طرح روز افزوں مسنگائی، عوام کی تنگدستی، منافقتیں کی ریشہ دروینیاں  
 سڑکوں پر بڑھتے ہوئے حادثات، عیاشی، فحاشی، اور عریانی کا برصا ہوا سیلاب  
 سب مصائب ہی تو ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ کی کتاب میں درج ہیں۔  
 اور انھیں وارد ہونے سے روکا نہیں جاسکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت  
 میں آتا ہے کہ ارض و سما کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اللہ نے تقدیر کو مقدم  
 کر دیا تھا، اس وقت خدا تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام  
 کا یہ فرمان بھی موجود ہے مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطَاكَ یعنی جو چیز  
 تجھے پہنچنے والی ہے وہ چمکے والی نہیں۔ خواہ تم کتنی ہی تدابیر اختیار کر لو وہ آکر  
 پہنچے گی۔ اور جو چیز تجھے نہیں پہنچی، وہ سمجھ لو کہ کبھی پہنچنے والی نہ تھی۔ سورۃ النجم  
 میں اللہ کا فرمان ہے مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (آیت ۱۱)  
 ہر آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی وارد ہوتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ  
 میں یہ بھی موجود ہے۔ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ  
 أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (آیت ۳۰) تمہیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ



تھائے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ ہر مصیبت کے آنے میں انسان کی نیت ارادے اور عمل کا ضرور دخل ہوتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ بہت سی مصیبتوں سے درگزر بھی فرماتا ہے اور وہ تکلیف انسان کو نہیں پہنچتی۔ مفسر قرآن حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ بات اپنے اساتذہ یا بزرگوں کے ذریعے پہنچی ہے کہ اگر انسان کو لکڑی کی ایک خراش آجاتی ہے، پاؤں کو محسوس لگتی ہے اور وہ زخمی ہو جاتا ہے یا انسان کی کوئی رگ پھٹکتی ہے جس سے اُسے تکلیف لاحق ہو جاتی ہے تو یہ ساری تکلیف کسی نہ کسی گناہ کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان کے علاوہ جن سے اللہ درگزر فرمادیتا ہے وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ ہاں اگر انسان کا عقیدہ درست ہو، اُس کا ایمان صحیح ہو اور وہ تکلیف میں صبر سے کام لے تو یہی تکلیف اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اسی لیے بعض حضرات فرماتے ہیں مَنْ عَرَفَ سِرَّ الْقَدَرِ هَانَتْ عَلَيْهِ الْمَصَائِبُ جو شخص اللہ کی تقدیر کے راز کو پالیتا ہے اُس پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں اور وہ جزع فزع نہیں کرتا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھائی ہے وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تَهْوُونَ بِهِ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا اے اللہ! ہمیں یقین میں سے اتنا حصہ عطا فرمائے۔ جس کی وجہ سے ہم پر دنیا کی مصیبت آسان ہو جائے۔ چنانچہ جس قدر انسان کا یقین پختہ ہوگا۔ اسی قدر اُس کو تکلیف کم محسوس ہوں گی۔ جزع فزع اور گلہ شکوہ عموماً ایمان کے نقص اور یقین کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مصائب میں سے زیادہ خطرناک دینی مصائب ہیں کیونکہ دنیا کی تکلیف تو انسان کی زندگی تک محدود ہیں، انسان ختم ہوا تو اُس کی تکلیف بھی ختم ہو گئیں۔ مگر دین کی مصیبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ اگر انسان کا اعتقاد خراب ہے، اُس میں کفر، شرک، نفاق یا الحاد کا کچھ حصہ پایا جاتا ہے اور پھر وہ اسی حالت میں دنیا سے چلا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے مصائب و آلام میں گرفتار رہے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا اے اللہ! دین کے معاملے میں ہمیں کسی





إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْعَلُ كُلَّ مُخْتَلٍ غَنُورٍ (آیت ۱۸۰) اے بیٹے! لوگوں کے سامنے اپنے گال مست پھیلاؤ اور زمین پر اتارتے ہوئے نہ چلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور اپنی بڑائی بیان کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہوتے ہیں۔

بخل کی  
نہمت

دولت مند عام طور پر بخل کے مترکب ہوتے ہیں، وہ اپنی بڑائی تو بیان کرنے سے نہیں چوکتے مگر جب خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو بخل کرتے ہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی نہمت بیان فرمائی ہے۔ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ جو لوگ بخل کرتے ہیں، انہیں خود تو خرچ کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ وَيَا مُرُوثَ النَّاسِ بِالْبُخْلِ اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کی تلقین کرتے ہیں اپنے قول و فعل سے لوگوں کو بخوشی پر آمادہ کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص نیکی کا کام کرنا بھی چاہے تو اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں یا غلط پرانی کر کے ذریعے اس کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ مال کو ضائع کر رہا ہے۔ ہاں اگر کسی بڑے کام یا بڑی رسم و رواج میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو بخوشی خاطر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور اس طرح اسراف کے مترکب ہوتے ہیں۔

بخل بہت بڑی خصلت ہے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بخل سے ہلک کوئی روحانی بیماری نہیں ہے۔ جو شخص سب کچھ ہونے کے باوجود صحیح جگہ پر خرچ نہیں کرتا بلکہ روگردانی کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا وَمَنْ يَتَوَلَّ رُكُودًا کرتا ہے یعنی صحیح مقام پر خرچ کرنے کی بجائے اس سے اعراض کرتا ہے، تو فرمایا فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریف والا ہے۔ اُسے کسی کے مال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس میں خود خرچ کرے تو اسے کامی فائدہ ہے۔ سورۃ کی ابتداء میں یہ بات سمجھادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کیے گئے مال کا کم از کم دگن عطا کرے گا۔ اگر تم قرآن کے پیو گرام کی ترویج کے لیے مال خرچ کرو گے تو اللہ دنیا میں بھی کئی نفع عطا کرے گا اور آخرت کا اجر تو بے حد شمار

النفاق کا فائدہ یہ ہے کہ فرض ادا ہوتا ہے، انبان کو تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے قابل ہو جاتا ہے۔ سخی آدمی بخل کی بیماری سے بچ جاتا ہے اور اس سے بنی نوع انسان کا بھلا بھی ہوتا ہے۔ دو خصلتیں بہت بڑی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست ہو، اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھی رشتہ صحیح ہو۔ النفاق فی سبیل اللہ سے یہ دونوں مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ صدقات اور زکوٰۃ کی یہی حکمت ہے کہ ایک طرف محتاجوں کی ضرورت پوری ہوں تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے۔

مال کے متعلق پہلے واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ کسی کا ذاتی نہیں ہے، انسان تو اس کے صرف امین ہیں، اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی متصرف ہے۔ اُس نے مجازی طور پر انسانوں کو محقوڑے عرصہ کے لیے اس کا مالک بنایا ہے اور اس کو صرف کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ میرے دیے ہوئے مال میں سے میرے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طریقے سے انسان کو آزماتا ہے۔ ————— کبھی مال دے کر آزماتا ہے اور کبھی چھین کر آزماتا ہے۔ کبھی تندرستی دے کر اور کبھی بیماری دے کر، کبھی عروج دے کر اور کبھی زوال دے کر۔ پھر جو شخص اس آزمائش میں پورا اترتا ہے وہ اس کے اجر و ثواب کا مستحق بنتا ہے، اور جو اس آزمائش پر پورا نہیں اترتا وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ نے مصائب کے وقت دو چیزوں کو بطور علاج تجویز کیا ہے جن میں سے ایک ایمان ہے اور دوسرا صبر۔ اُن پر عمل کرنے والا کامیابی سے ہم کنار ہو گا۔



لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ  
وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ  
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ  
مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝۲۵

ترجمہ :- البتہ تحقیق بھیجے ہم نے اپنے رسول کھلی  
نشانیوں کے ساتھ، اور اتاری ہم نے اُن کے ساتھ کتاب  
اور میزان تاکہ لوگ قائم رکھیں انصاف کو۔ اور اتارا  
ہم نے لوہا، اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے لیے  
بہت سے فائدے ہیں۔ اور تاکہ معلوم کرے اللہ تعالیٰ  
کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بغیر  
دیکھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت زور والا، اور کمال قوت  
کا مالک ہے ۝۲۵

رابط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قرآن کریم کی ہدایت  
کے مستفیذ ہونے والے اور محروم رہنے والے لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے۔ دنیا  
کی بے ثباتی کے پیش نظر آخرت میں کامیابی کے لیے ترغیب دی گئی ہے  
اللہ نے انسانوں پر آنے والے مصائب کے متعلق فرمایا کہ یہ سب لوح محفوظ  
میں درج ہیں، پھر تکبر اور غرور کی تردید فرمائی کہ جس شخص کو آسودگی حاصل ہوئے  
اترانا نہیں چاہیے۔ پھر اللہ نے نخل سے بچنے کی تلقین فرمائی کہ نہ خود نخل کا ارتکاب  
کرو اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دو۔

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول اور پھر  
لوہے جیسی قیمتی دھات کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا  
بِالْبَيِّنَاتِ الْبَيِّنَاتِ تَحْقِيقِ ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ تمام انبیاء  
اور رسولوں کی بعثت کا مقصد بنی نوع کی ہدایت رہا ہے۔ اللہ کے نبی انسانوں کی  
دنیا و آخرت کی فلاح کا قانون اُن تک پہنچاتے ہیں اُن کو صحیح راستے کی تعلیم دیتے اور  
اُس پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی قانون کا نام دین، شریعت یا ملت ہے جس میں  
انسانوں کی دنیوی اور اخروی حیرانی پائی جاتی ہے، چنانچہ تمام انبیاء نے کرامِ مہربان سے  
پہلے لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرتے رہے ہیں کیونکہ جب تک فخرِ صحیح نہ ہو اُس وقت  
تک کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

اسی ضمن میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو بیانات یعنی کھلی نشانیاں  
دے کر مبعوث فرمایا۔ قرآن کریم میں بیانات اور ہدایت کا ذکر بار بار اور اکٹھا بھی آیا  
ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفَرُوْنَ مَا اُتُوا مِنَ  
الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰی (آیت ۱۵۹) اللہ نے اس آیت میں بیانات اور ہدایت  
کو چھپانے والوں کو ملعون ٹھہرایا ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ بیانات میں  
واضح اصول اور واضح قوانین آتے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی  
اور جن پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ کی وحدانیت کے بیشمار دلائل موجود  
ہیں جن کو ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا ذکر انسانی فہم  
کے عین مطابق ہے اس کا شکر، شعاثر اللہ کی تعظیم اور مصیبت کے وقت  
صبر اللہ کے ساتھ تعلقات کی درستگی کے لیے نماز کی پابندی وغیرہ بالکل واضح  
چیزیں ہیں جو بیانات کہلاتی ہیں۔ بیانات کی فہمیت میں واضح دلائل، براہین،  
احکام اور معجزات بھی آتے ہیں جو نبی کی صداقت کی علامت ہوتے ہیں۔ اور  
ہدایت میں بعض دقیق حقائق اور مسائل بھی ہوتے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے ایک  
عام انسان کو اسناد کی ضرورت ہوتی ہے اور محنت محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔

ہر حال فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانوں کے ساتھ بھیجا۔

کتاب اور  
میزان

فرمایا وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ اور رسولوں کے ساتھ ہم کتاب اور میزان بھی نازل فرمائی۔ ہر نبی اور رسول کو اللہ نے کتاب یا صحیفہ عطا فرمایا جو دین کی بنیاد اور اساسی قانون ہوتا ہے، اور پیمبر کا قول اور فعل اس کتاب، شرح ہوتی ہے اور میزان کا عام فہم معنی ترازو ہے تاہم اس کے معانی میں مغربی اختلاف کیا ہے بعض فرماتے ہیں کہ میزان سے مراد شریعت ہے جس سے صحیح اور غلط چیز کی پہچان ہوتی ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ میزان سے انسانی عقل و دہیہ کہ اس کے ذریعے بھی انسان حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ تاہم اکثر مفسرین اس میزان کو ظاہری ترازو سے ہی تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ حقوق کی پہچان معیار ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز ترازو میں تولی جاتی ہے تو اس سے لینے اور دینے والے کے حقوق کا پتہ چلتا ہے اللہ نے سورۃ الرحمن میں بھی ترازو کا ذکر ہے وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (آیت ۷۷) اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ان کو رکھا تا کہ وزن کرنے میں زیادتی نہ کرو۔ ترازو کو انصاف کے ساتھ نہ کرو۔ اور باپ تول میں کمی نہ کرو۔ یہاں پر اللہ نے فرمایا ہے کہ میزان نازل فرمایا۔ لِيَقْضُوا الشَّيْءَ بِالْقِسْطِ تا کہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں اور کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہونے پائے۔ عجز علیہ اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے اسے اس اصول معلوم ہوئے، نبی نے اپنے قول و فعل سے اس کتاب کی تشریح فرمائی۔ پھر میزان کو قائم کر دیا تا کہ حسی طور پر حقوق کی پہچان ہو سکے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مَدَرَفْعُ الظُّلَمِ مِنَ بَيْنِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے درمیان سے نا انصافی دور کرنا بھی ہے۔ اور ترازو کے نزول کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں کو ظلم زیادتی بچایا جائے۔ اللہ نے قرآن پاک میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا جو باتوں میں کمی کرتی تھی۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ





حکم ضرور عالم بلا سے آتا ہے۔

لوہے کا  
استعمال

لوہے کی دریافت بڑی پرانی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بدلتے حضرت  
اللہ میں علیہ السلام نے سب سے پہلے لوہے کی موٹی بنا کر اس سے کپڑے بنائے، چنانچہ لوہے  
کا استعمال اس وقت سے ہو رہا ہے۔ قدیم زمانے سے جنگی ہتھیار تلوار، نیزہ، تیر، زره،  
ڈھال وغیرہ لوہے سے ہی تیار کی جا رہی ہیں۔ گزشتہ صدی کو لوہے کا زمانہ  
(IRON AGE) کا نام دیا گیا تھا، چنانچہ اس دور سے لے کر لوہے سے بے شمار  
کام بنایا گیا ہے۔ آج زندگی کے کسی شعبے سے بھی لوہے کو خارج نہیں کیا جاسکتا۔  
آلاتِ حرب کے طور پر استعمال ہونے والی اشیاء بندوق، توپ، گولہ بارود،  
ٹینک، گاڑیاں، ہوائی جہاز، بحری جہاز وغیرہ سب لوہے سے تیار ہوتی ہیں صنعتی  
میدان میں تمام چھوٹی بڑی مشینری لوہے سے تیار ہوتی ہے۔ جن کی وجہ سے دنیا میں  
صنعتی ترقی اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے اب تو زراعت کے لیے بھی روایتی زرعی  
آلات کی جگہ لوہے سے تیار ہونے والے جدید آلات، ٹریکٹر، ٹرائی ایل، بلڈوزر  
وغیرہ استعمال ہو رہے ہیں جس سے زراعت میں بھی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ عام گھریلو  
استعمال کی اشیاء میں لوہے کو جس حد تک دخل ہے وہ سب کے سامنے ہے  
حتیٰ کہ اب تو چار پائیاں بھی لوہے کی بن رہی ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا سارا نظام  
لوہے پر منحصر ہے۔ چھوٹی بڑی گاڑیوں سے لے کر ریل گاڑیوں اور اس کے  
پٹری سب لوہے سے بنتی ہیں۔ غرضیکہ لوہا ایک نہایت ہی کارآمد دھات  
ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت لڑائی  
ہے یعنی جنگ کے دوران اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے اور اس میں لوگوں  
کے لیے دیگر بھی نیت سے فوائد ہیں۔ بعض تفسیری روایات میں یہ بھی آتا ہے  
کہ اللہ نے لوہا، آگ، پانی اور نیک انسان سے آتارا۔

جوں جوں آبادی بڑھ رہی ہے اس روایات زندگی بھی بڑھ رہی ہیں۔ زیر  
زمین لوہا، کوئلہ، تانبہ، پٹرول جیسی چیزوں کا ذخیرہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔



لہذا دنیا اب لوہے کے دور سے نکل کر اٹھی دور میں داخل ہو رہی ہے ایسی توانائی سے بجلی کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایٹم کا استعمال شعبہ طب میں بھی آگے بڑھ رہا ہے اور مزید تجربات کیے جا رہے ہیں حتیٰ کہ اب جنگیں بھی اٹھی دور میں داخل ہو چکی ہیں اور بے شمار ایٹمی ہتھیار ایجاد ہو رہے ہیں۔ بہر حال لوہے کی اپنی افادیت ہے اور ایٹمی توانائی کو بھی لوہے کے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث نبوی  
میں آہنی  
آلات کا ذکر

مذاہد اور ابو داؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بَعَثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ قِيَمَتِ سَيِّدِ السُّرَّةِ مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے حتیٰ يُعْبَدُ اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ یہاں تک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک لوگ توحید خالص پر ایمان نہیں لے آتے اور صرف اللہ کی عبادت پر کار بند نہیں ہو جاتے، مجھے اُن کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے جَعَلَ اللَّهُ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُحْمِي اللہ نے میری روزی نیرے کے سایے میں رکھی ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود اپنے دست مبارک سے ایک بڑے کافر کو نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ لوگوں نے اُسے تسلی دینا چاہی تو وہ شخص کہنے لگا کہ محمد کے ہاتھ کے نیزے کو تو پورے مشرق کے لوگ برداشت نہیں کر سکتے، بھلا میں کیسے۔ زندہ رہ سکتا ہوں؟ چنانچہ وہ آدمی اسی زخم سے ہلاک ہو گیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے اس امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال اور طیب قرار دیا ہے، لہذا خمس الگ کر کے مالِ غنیمت کو صحیح طریقے سے تقسیم کرو۔ پھر فرمایا جُعِلَ الذَّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي یعنی جس نے میرے حکم کی مخالفت کی اللہ نے اُس پر ذلت اور حقارت مسلط کر دی۔

اسی روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جس نے کسی دوسری قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے



ہے۔ امام ابن عربی فرماتے ہیں کہ لو ہا وہ حقیقت ہے جس سے پوری نوع انسانی کا نظم و نسق صحیح معنوں میں قائم ہو سکتا ہے۔ وہ نظم و نسق جس سے اصلاح معاش بھی ہوتی ہے اور اصلاح معاویہ بھی، کیونکہ اس کی بنیاد علم و حکمت پر ہے، اور عمل اور استقامت کے لیے جس چیز پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، وہ عدل ہے، اور عدل کا نفاذ سیف اور قلم سے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح جمہور کی اصلاح کا مدار علم و حکمت اور قلم پر ہے ظاہر ہے کہ اس میں بھی لوہے کا کتنا دخل ہے۔ بظاہر علم اور لوہے کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا مگر غور سے دیکھا جائے تو علم کے لیے نہایت کی ضرورت ہوتی ہے جو لوہے سے ہی بنتی ہے۔ محکم کی اصلاح کا مدار بھی زیادہ تر لوہے سے بننے والی چیزوں پر ہی ہے۔ تو امام ابن عربی فرماتے ہیں کہ نفوسِ شریرہ کے قہر اور غلبہ کا مقابلہ آپنی ہمتیاردوں سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ بغضیکہ اصلاح معاشرہ اور عدل و انصاف کے لیے لوہا ایک ناگزیر چیز ہے۔

مسلمانوں کی  
پسماندگی

لوہے کی اتنی زبردست افادیت کے باوجود افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کو لوہے کے استعمال کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ کچھلی صدی میں جاپان بھی ایک پس ماندہ قوم تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی منازل طے کرنا شروع کیں۔ باوجود اس کے کہ دوسری جنگ عظیم میں یہ ملک بری طرح تباہ ہو گیا تھا۔ مگر آج اُس نے لوہے کے استعمال میں ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اس قدر ترقی کر لی ہے کہ صنعتی میدان میں امریکہ کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ مادی ترقی کے لیے وقت، محنت، قربانی اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو جاپان نے بالکل صحیح طریقے سے استعمال کیا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ملک میں چند آدمی بھی تیار نہیں ہو سکے جو ملک کو معاشی ترقی میں آگے بڑھا سکیں۔ اس ملک کے کارپردازوں نے قابل لوگوں کی کبھی قدر نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر اچھا آدمی بیرون ملک جانا پسند کرتا ہے تاکہ اُسے بہتر معاوضہ حاصل ہو سکے۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ہر میدان میں بیرونی طاقتوں

کے مشوروں، اُن کی مشینری اور ان کے تیار کردہ آلات حرب پر انحصار کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو نہی کسی ملک سے تعلقات میں خرابی آتی ہے وہ فوراً اپنی مدد روک کر پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے ترقی یافتہ ممالک پس ماندہ ممالک کو کبھی ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہوتے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ اس طرح اُن کے تیار کردہ اسلحہ، مشینری اور دیگر ضروریات زندگی کی منڈی ضائع ہو جاتی ہے۔ مغربی ممالک مشرقی ممالک کو ہمیشہ پس ماندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تو خود غریب ممالک کا فرض ہے کہ وہ مناسب منصوبہ بندی کر کے ترقی یافتہ ممالک کے چنگل سے آزاد ہونے کی کوشش کریں۔ سعودی عرب میں تیل کی وجہ سے دولت عام ہے جس کی وجہ سے امریکہ اور پورے یورپ کا مال یہاں چلائی ہوا ہے حتیٰ کہ غریب ممالک کے حجاج دنیا بھر کی چیزیں سعودی عرب سے خرید کر لاتے ہیں۔ افسوس کہ عربوں نے کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اپنے ملک میں انڈسٹری قائم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ایسی سکیموں کے لیے انہیں ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو انہیں کبھی قابل عمل سکیم شروع کرنے کا مشورہ نہیں دیتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ تیل کی دولت سے مالا مال یہ ملک پورے مغرب کی منڈی بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** (الانفال - ۶۰) دشمنوں کے مقابلے میں جتنی بھی قوت جمع کر سکتے ہو کرو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم پورے عالم اسلام یا کسی ایک اسلامی ملک کے تمام وسائل کو بھی جمع کرنے پر تیار نہیں۔ ہم دفاعی امور میں بھی غیروں کے مشیروں سے مشورہ لیتے ہیں، بھلا وہ ہمیں صحیح مشورہ کیسے دے سکتے ہیں؟ وہ تو ایسا منصوبہ بنائیں گے جس سے مسلمان کبھی صحیح لائن پر نہ چڑھ سکیں، بلکہ عیاشی، فحاشی، اسراف و تبذیر اور کھیل کود میں مشغول رہ کر مغرب کے دست نگر بنے رہیں۔ ہم نے نہ تو اپنی کتاب سے استفادہ حاصل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے اور نہ ہی اسلامی نظریات کو اپنایا ہے۔ ہم تو مانگے مانگے کے نظریات پر چل رہے ہیں۔ اپنا کوئی نصب العین

نہیں ہے لہذا ہم ترقی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟

نزدول آہن  
کا مقصد

اللہ نے فرمایا کہ لو! بڑی اہم چیز ہے جس میں اللہ نے بڑے فوائد رکھے ہیں۔ اور اس سے مقصود یہ ہے وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ اور تاکہ اللہ معلوم کرے یعنی ظاہر کر دے کہ کون اُس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے، اور دین حق کو دنیا میں غالب کرنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے طاقت کی ضرورت ہے جس میں افرادی قوت اور اسلحہ دونوں چیزیں درکار ہیں۔ اسلحہ سازی میں لوہے کی اہمیت کو واضح کیا جا چکا ہے لہذا اللہ نے لوہے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اُس کے دین کی کون مدد کرتا ہے۔ مسلمانوں میں کون ملک یا کون سا خطہ ہے جو لوہے کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے اس امتحان میں پورا اترے اور اس طرح پوری دنیا میں اسلام کو غالب بنا دے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔ اُس کو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں، وہ صرف مخلوق کا امتحان لیتا ہے کہ کون اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے دین کے نفع کی کوشش کرتا ہے وہ یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس کے نام ایسا ہے کہ استعمال کر کے جو آلات حرب بناتے ہیں وہ دشمنوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں یا آپس کی خانہ بربادی کا ذریعہ بنتے ہیں۔



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا  
 النَّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ  
 فَسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَ  
 قَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ  
 وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافَةً وَرَحْمَةً  
 وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا  
 ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا  
 فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ  
 مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام  
 اور ابراہیم علیہ السلام کو (رسول بنا کر) اور ہم نے مقرر  
 کی ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب۔ پھر ان  
 میں بعض ہدایت پانے والے ہیں اور بہت سے ان میں سے  
 نافرمان ہیں ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے پیچھے بھیجے ان کے نقش قدم  
 پر اپنے دوسرے رسول۔ اور پھر ان کے پیچھے بھیجا ہم نے  
 عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو، اور دی ہم نے ان کو  
 انجیل۔ اور رکھ دی ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں  
 نے اتباع کیا ان (عیسیٰ) کا نرمی اور مہربانی۔ اور رہبانیت

جس کو انہوں نے غور ہی نکالا تھا، ہم نے تو ان پر اُس کو فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کو تلاش کرنے کے لیے۔ پس نہ رعایت کی انہوں نے اُس (رہبانیت) کی جیسا کہ اُس کی رعایت کا حق تھا۔ پس دیا ہم نے اُن کو جو ایمان لائے اُن میں سے اُن کا بدلہ۔ اور بہت سے لوگ اُن میں سے نافرمان ہیں ﴿۲۷﴾

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنیاد کے ساتھ انبیاء کی بعثت، نزولِ کتاب اور میزان کے قیاس کا ذکر کیا تاکہ لوگ انسانیت پر قائم رہ سکیں اور ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں۔ پھر اللہ نے لوہے کی تخلیق اور اس کے فوائد کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ اس کا بڑا مقصد اللہ کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون اس لوہے کا صحیح استعمال کرے اس سے استفادہ کرتا ہے اور کون اس سے مستفید نہیں ہوتا۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت کا مالک ہے، اُس کو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں مگر اُس نے یہ چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے قائم کی ہیں تاکہ لوگ ان سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کریں۔

حضرت نوح  
اور ابراہیم  
کا ذکر

اب اسی ہدایت اور رہنمائی ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو جلیل القدر انبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ ارْسَلْنَا نُوْحًا وَابْرٰهٖمَ اٰیٰتِنَا اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو رسول بنا کر۔ نوح علیہ السلام کے واقعات مختلف رسولوں میں مذکور ہیں۔ خاص طور پر سورۃ اعراف اور ہود میں آپ کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے اور ایک مکمل سورۃ آپ کے نام پر سورۃ نوح بھی موجود ہے۔ اس سورۃ میں مکمل طور پر آپ ہی کا ذکر ہے۔ اللہ نے آپ کے طریقہ تبلیغ، لوگوں کے لیے ناصحانہ کاوش، قوم کی نافرمانی اور ایذا رسانی اور آخر میں قوم کے حق میں آپ کی بددعا کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے



عظیم المرتبت رسول حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں جن کو اللہ نے مستقل شریعت اور احکام دیے اور پھر نافرمانی کی وجہ سے آپ ہی کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں ابوالانبیاء کہلاتے ہیں کیونکہ آپ کے بعد تمام انبیائے کرام آپ کی ہی نسل سے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے عظیم المرتبت رسول ہیں جن کو شریعت اور احکام عطا ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ بھی اللہ نے بہت ہی سورتوں میں کیا ہے اور آپ کے نام پر بھی ایک مستقل سورۃ قرآن میں موجود ہے۔ انہوں نے فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں بڑی تکالیف اٹھائیں حتیٰ کہ آپ کو عراق سے مصر اور پھر فلسطین کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ پھر آپ نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی تجدید فرمائی اور اپنی ایک بیوی ہاجرہ اور ایک بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کیا۔ اس کے علاوہ اللہ نے کئی امور میں آپ کی آزمائش کی اور آپ ہر آزمائش میں پورا اترے آپ کی دینی خدمات بہت نمایاں ہیں۔

اولاد نوح علیہ السلام  
اور ابراہیم علیہ السلام  
کی فضیلت

ان دونوں علیل القدر رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ اور ہم نے ان دونوں بندہ گوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا۔ طوفان نوح کے بعد آپ کے بیٹوں حام، شام اور یافث کی اولاد ہی مشرق و مغرب میں پھیلی اور سلسلہ نبوت بھی آپ کی اولاد میں ہی رہا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا دین شروع ہوا تو نبوت اور کتاب کے امت آپ کی اولاد میں منتقل ہو گئی۔ آپ حنیفی دین کے ابوالانبیاء ہیں۔ چنانچہ آپ کے بعد جتنے رسول اور نبی آئے سب آپ کی اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں تو اللہ نے بے شمار انبیاء کو مبعوث فرمایا جنہیں انبیائے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، البتہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ نے سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا آسمانی کتابوں میں سے زبور، تورات اور انجیل انبیائے بنی اسرائیل میں نازل ہوئیں جب کہ اللہ نے اپنی آخری



کتاب قرآن مجید اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی بعض خاندان اور نسلوں کو اللہ نے خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا خاندان قریش عرب میں معزز ترین خاندان سمجھا جاتا تھا۔ قریش کو یہ عزت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اللہ نے جو شرف حضور علیہ السلام کے خاندان کو بخشا ہے، وہ کسی سلسلہ نسب میں نہیں پایا جاتا۔ مثلاً خود آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہمارے سلسلہ خاندان میں حرام کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس کے متعلق کوئی دوسرا خاندان و ثوق کے ساتھ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ دونوں عظیم الشان رسولوں میں سے حضرت نوح علیہ السلام نے تو طویل عمر پائی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کے مطابق انہوں نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی جس میں انہوں نے بڑی تکالیف برداشت کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اگرچہ بہت زیادہ نہیں تاہم انہوں نے بھی ۱۷۵ برس کی عمر محنت، کوشش اور آزمائشوں میں ہی گزاری۔

ہدایت یافتہ  
اور نافرمان  
لوگ

دونوں انبیاء اور ان کی اولاد کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا **فَإِنَّهُمْ مُّقْتَدِرُونَ** ان میں سے بعض لوگ ہدایت یافتہ ہیں **وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ** تاہم ان کی اکثریت نافرمان ہی ہے۔ دونوں انبیاء کی اولاد میں نافرمان لوگ زیادہ ہوئے ہیں۔ قرآن میں اللہ نے نبی اسرائیل کے تذکرے میں فرمایا **وَإِنْ تَرَوْهُ مُّقْتَدِرِينَ** (المائدہ ۷۹) تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے، شرک، کفر اور معصیت کو اختیار کرنے والے ہر دور میں موجود ہے۔ خصوصاً حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تو ساری دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا ہزاروں میں اکاؤ کا ہی ہو گا۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے مسلمانوں کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے۔ باقی چار ارب کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ اور جہنم کے کفار و نافرمان بنے ہوئے ہیں۔ خود کلمہ گو مسلمانوں کی حالت بھی بڑی پشیمانی ہے ان کی اکثریت بھی گمراہی اور بے عقیدگی میں مبتلا ہے اور حق پرست بہت کم ہیں۔

اللہ نے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد فرمایا ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِنُوحٍ مِّنَّا پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر دوسرے رسولوں کو بھیجا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار انبیاء اور رسول الیہ ہیں جن کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اللہ نے تمام انبیاء کا اجمالی طور پر اس طرح ذکر کیا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس: ۴۷) اللہ نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے ہیں۔ نیز فرمایا رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِّنَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء: ۱۶۵) یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈراندے والے تھے تاکہ لوگوں کی اللہ کے ذمے کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔

پھر فرمایا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ پھر ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے عیسیٰ بن مریم کو نبی بنا کر ان کے بھیجے بھیجا۔ آپ اپنی پیدائش اور حیرت کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی پیدائش حیرت انگیز طریقے سے باپ کے بغیر ہوئی، اور اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے جلیل القدر منصب پر فائز فرمایا۔ پھر آپ کو وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ الْغَنِيْلَ کتاب بھی دی گئی۔ انجیل کا معنی ہی خوشخبری ہے۔ چنانچہ آپ کے فرائض منصبی میں ایک فریضہ اللہ کے آخری نبی کی آمد کی بشارت دینا بھی تھا۔ آپ نے اپنی قوم سے واضح طور پر فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اپنے سے پہلے کتاب توراہ کی تصدیق کرنے والا ہوں وَمُبَشِّرًا بِرُسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصفت: ۶) اور میں اپنے بعد ایک عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام نامی اور اسم گلمی احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں احمد کا متبادل لفظ حارقلیط ہے جس کا معنی سردار جہاں ہے جب کہ احمد کا معنی تعریفوں والا ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس فرض

کی ہر جگہ تبلیغ کی اور لوگوں سے آخری نبی کا تعارف کرایا اور خوشخبری دی۔

متبعین  
علی کی  
خصوصیت

آگے اللہ نے مسیح علیہ السلام کے صحیح پیروکاروں کی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۖ هُمْ إِلَى

کے پیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی رکھ دی۔ وہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ

نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، اور آپس میں بھی ایک دوسرے

کے ساتھ مہربانی کا ہاتھ ڈالتے تھے۔ یہ سہولت اللہ نے نبی آخر الزماں کے صحابہ میں بھی

ودیعت کر دی تھی جن کے متعلق سورۃ الفتح میں فرمایا رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ رَأْيٌ (۲۹۰)

کہ وہ آپس میں بڑے رحمدل محکمہ کے مقابلے میں بڑے سخت تھے۔

رہبانیت کی  
ذرت

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تو علی علیہ السلام کے پیروکاروں میں نرمی اور مہربانی مقرر

فرمائی تھی مگر وَرَهْبَانِيَّةً ۖ اِذْ ابْتَدَعُوْهَا مَكَرَ رَهْبَانِيَّةٍ ۚ مَعْنٰی ترک دنیا انہوں نے

خود نکالی مَّا كَتَبْنَا عَلَيْهَا ۚ جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی، تاہم رہبانیت

سے اُن کا مقصد اِلَّا اِيْتَعَاذَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کرنا تھا۔

مگر فَمَا دَعَوْهُمُ اِلٰى رَحْمَتِهَا ۚ وہ لوگ اپنے اس مقصد کی وہ رعایت نہ کر

سکے جیسا کہ اُس کی رعایت کا حق تھا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے

کی بجائے طرح طرح کی ضرابیوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ

نرمی اور مہربانی کو نباہ نہ سکے۔

رہبانیت، رہب کے ماوہ سے ہے جس کا معنی ترک دنیا، ترک لذات اور

ترک نکاح ہے۔ چنانچہ علی علیہ السلام کے بعض پیروکاروں نے دنیا کا کاروبار چھوڑ

چھا کر جنگلوں میں جا کر عزالت کی زندگی اختیار کر لی اور وہیں گھٹیا بنا کر عبادت و

ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ اگرچہ رہب کا معنی خدا تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے

والا ہوتا ہے، مگر وہ لوگ خوف خدا کی بجائے طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو گئے

جو ان کی گمراہی کا ذریعہ بن گئیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی امت کے لوگوں

کو رہبانیت سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي



الْإِسْلَامِ وَلَا صَيْرُودَةً فِي الْإِسْلَامِ وَلَا تَرْكُ الدُّنْيَا كِي تَجَاهِدَ فِيهِ  
اور نہ ہی قطع تعلقی کی۔ اسلام تو دنیا میں رہ کر صلہ رحمی کی تکلیف کرتا ہے۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بھی ہے لِحُكْمِ نَبِيِّ رَهْبَانِيَّةٍ وَ  
رَهْبَانِيَّةُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِرَبِّهِ عَنِ امْنِ كِي اس امت کی امت کیلئے  
رہبانیت ہوتی ہے اور اس امت کی رہبانیت جہاد ہے۔ سند احمد کی اس حدیث  
کا مطلب یہ ہے کہ گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں علیحدگی کی زندگی گزارنا رہبانیت  
نہیں بلکہ ہماری اس امت کی اصل رہبانیت یہ ہے کہ وہ گھر بار اور دیگر لوازمات  
کا رد بار وغیرہ کر چھوڑ کر جہاد میں شامل ہو جائیں جس کا مقصد اقامت دین ہو۔ یعنی  
دنیا سے کفر، شرک اور شر و فساد کو ختم کیا جائے اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے غرضیکہ  
حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت جہاد ہے۔

سند احمد ہی کی روایت کے مطابق حضرت ابرہہ صخریٰ کے پاس ایک شخص  
آیا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایسی  
بات پوچھی ہے جو میں نے اس سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کی  
تھی۔ اور آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا اَوْصِيَاكَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَلَيْكَ  
بِالْجِهَادِ فَإِنَّ رَهْبَانِيَّةَ الْإِسْلَامِ فِي تَقْوَى اللَّهِ وَتَقْوَى اللَّهِ  
کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر شے کی بنیاد ہے۔ نیز جہاد کو لازم پکڑو کیونکہ  
اسلام کی رہبانیت یہی ہے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کے ذکر کو  
لازم پکڑو اور اللہ کی کتاب کی تلاوت پر مداومت اختیار کرو کیونکہ یہ تمہارے  
لیے آسمانوں سے پاکیزہ رزق اور بلند روحانیت کا ذریعہ ہے۔ جب تم یہ دو کام  
کرو گے تو زمین میں تمہارا تذکرہ ہوگا۔ بہر حال اس حدیث مبارکہ میں بھی رہبانیت  
جہاد کو قرار دیا گیا ہے۔

مفسرین اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ رہبانیت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی  
صورت رہبانیت کی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حلال یا مباح چیز کو حرام

رہبانیت  
اور جہاد

رہبانیت  
کی تین  
صورتیں

سمجھتا ہے یا اُس کو علا چھوڑ دیتا ہے تو یہ دین میں تحریمت شمار ہوگی۔ جو قطعاً حرام ہے۔  
 اللہ کا ارشاد ہے لَا تَخْلُقُوا طَغْيًا مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ (المائدہ - ۸۷) جو  
 پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں، ان کو حرام نہ مقرر کرو۔

رہبانیت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حلال یا مباح چیز کو اعتقاداً  
 یا عملاً حرام تو نہیں سمجھتا۔ مگر کسی دینی یا دنیوی مصلحت کی بنیاد پر اُس کو ترک کر دیتا ہے  
 مثلاً لگے گا گوشت حلال ہے مگر سوداؤں میں مرض کے سرین کو مشورہ دیا جاتا ہے  
 کہ وہ اسے استعمال نہ کرے بعض لوگوں کو طبی لحاظ سے دودھ موٹائی نہیں آتا اور  
 انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ اسے استعمال نہ کریں۔ یہ تو دنیوی یا طبی مصلحت سمجھ لیں اور  
 دینی مصلحت یہ ہے کہ کوئی شخص غیرت، جھوٹ، فریب وغیرہ سے بچنے کے  
 لیے بعض لوگوں سے میل جول چھوڑ دیتا ہے۔ ان دونوں مصلحتوں کی وجہ سے کسی  
 جائز چیز کو ترک کرنا رہبانیت شمار نہیں ہوگی، بلکہ یہ تقویٰ ہے جو شریعت میں  
 مطلوب ہے۔

فرماتے ہیں کہ رہبانیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی جائز اور  
 مباح چیز کو حرام تو نہیں سمجھتا لیکن اُس کے ترک کو ثواب سمجھتا ہے، اس کو بدعت  
 کہا جاتا ہے جس کی شریعت مظہرہ نہ مذمت کی ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے  
 یہ صورت خالص رہبانیت ہے اور مذموم ہے۔

بدعت کی  
 تعریف

بدعت ایک بڑی مذموم چیز ہے جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 کا ارشاد مبارک ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَا لِيْسَ عَلَيْهِ أَمْرًا فَلَهُ وَرَدٌ جس  
 شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں ہے تو وہ مرزدار ہے  
 تمام بدعات کو لوگ ثواب سمجھ کر ہی انجام دیتے ہیں لہذا یہ بڑی خطرناک چیز ہے  
 مجدد صاحب اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں "تضرر مبتدع زیادہ است از تضرر کافر"  
 یعنی بدعتی کا نقصان دین کے معاملے میں کافر سے زیادہ ہوتا ہے۔ کافر کو تو ہر  
 کوئی جانتا ہے کہ یہ کافر ہے لہذا اُس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہے مگر بدعتی آدمی

ہر بدعت کو نیکی اور افضل کام سمجھ کر کرتا ہے لہذا اس کا بدعت سے بچ نکلنا بڑا ہی مشکل ہے۔

اس زمانے میں عبادات میں بھی بعض چیزوں کا اضافہ کر لیا گیا ہے اور اس کو بُرا سمجھنے کی بجائے اعلیٰ درجے کی نیکی تصور کیا جاتا ہے۔ مثلاً اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام کو بڑی اعلیٰ عبادت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس موقع پر درود شریف پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے بعض لوگ اقامت کے آخر میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سن کر محمد رسول اللہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ کلمات اگرچہ بابرکت ہیں مگر ان کی ادائیگی کا یہ موقع اور محل نہیں ہے لہذا ایسا کرنا بدعت میں شمار ہوگا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے سامنے چھینک ماری اور کہا السلام علیکم حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا وَعَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَّكَ یعنی تجھ پر اور تیری ماں پر سلام ہو۔ اُس شخص نے نڈا ضلکی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ سلام تو ہم بھی کہتے ہیں مگر چھینک مارنے کے وقت نہیں ایسے موقع پر اکھڑنا صحیح اور سلام کہنا بدعت ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اذان ختم کرنے کے بعد محمد پر درود پڑھو اور مسنون دُعا مانگو۔ یہاں باجہر دُعا یا درود کا کوئی ثبوت نہیں۔ مگر آج لوگ اذان سے قبل سپیکر پر زور زور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تابع تابعینؒ یا بعد کے ادوار میں اس چیز کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ تو بالکل ماضی قریب میں ایجاد ہوا ہے۔ غرضیکہ صلوٰۃ و سلام کا محل اذان سے پہلے ہرگز نہیں ہے اور اگر اذان کے بعد درود کا حکم ہے تو آہستہ آواز سے۔ ہر شے کا موقع اور محل ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص غسل خانے میں کپڑے اتار کر درود شریف پڑھنے لگے تو گنہگار ہوگا۔ کہ یہ درود شریف کا محل نہیں ہے۔

بعض لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ایسا کر دگے تو موجودہ زمانے کی تمام عبادات بدعات میں شمار ہوں گی جیسے لاؤڈ سپیکر،



موٹریں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور دیگر ضروریاتِ زندگی جو اسلام کے ابتدائی دور میں نہیں تھیں۔ حقیقت میں بدعت وہ کام ہے جس کا ثبوت کتاب و سنت، عمل صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال میں موجود نہ ہو اور لوگ اس کو نیک کام اور باعثِ ثواب سمجھ کر انجام دیں۔ یہ ایجادات تو ضروریاتِ زندگی ہیں جن کو کارِ ثواب کے طور پر نہیں کیا جاتا بلکہ یہ زندگی کی آسائش کا ذریعہ ہیں۔ پہلے بیلوں کے ذریعے کھیتی باڑی ہوتی تھی، اب لوگ ٹریکٹر استعمال کر رہے ہیں۔ پہلے اونٹ اور گھوڑے پر سواری ہوتی تھی اب موٹریں، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز ہیں۔ پہلے تلوار اور تیر کے ساتھ جنگ ہوتی تھی اب بندوق، توپ، گولہ بارود اور ٹینک ایجاد ہو چکے ہیں۔ یہ چیزیں بدعت کی تعریف میں نہیں آتیں۔ بدعت وہ ہے جو نیکی کا کام کارِ ثواب کے طور پر کیا جائے مگر قرونِ اولیٰ میں وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچتا ہو۔

بزرگوں کی  
قبروں کے  
ساتھ سلوک

قبروں کی حفاظت ضروری ہے۔ قبرستان میں بول و براز نہیں ہونا چاہیے۔ قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ قبروں کو پختہ بنانے کے لیے اینٹ اور سیمینٹ وغیرہ استعمال کرنا اور ان پر عمارت بنانا جائز نہیں ہے۔ لوگ اس کو اہلِ مشہور کی تعظیم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اسراف اور ناجائز ہے۔ بزرگوں کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی تعلیمات کی اشاعت کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے نہ کہ پختہ قبریں بنا کر ان کو چھپا چھپا کر یا ان پر سجدے کیے جائیں۔ حضرت میاں میرؒ زندگی بھر توحید کا درس دیتے رہے، ان کی تعلیمات کو یکسر بھول کر محض قبر پر گبنہ بنا دینا کون سی نیکی کا کام ہے۔ سید علی ہجویریؒ نے آج سے ایک ہزار سال قبل یہاں آکر لوگوں کو ایمان سے روشناس کرایا، ان کی کتاب کشف المحجوب موجود ہے جس سے تصوف، سلوک اور خداپرستی کا بہترین سبق ملتا ہے اس کو نصب العین بنایا جائے۔ اس کی بجائے شرک، بدعت اور قوالی ہی ان کی تعظیم کا ذریعہ رہ گیا ہے یا قبر کو چومنے چاہتے، غسل دینے اور غلاف چڑھانے اور سجدہ کرنے سے بزرگوں کی تعظیم ہوتی ہے۔ یہودیوں نے بھی حرام چیزوں کو نبیوں کی طرف منسوب کر کے ان پر عمل شروع کر دیا تھا اور مسلمان بھی انہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

کون کر سکتا ہے کہ ان بزرگوں نے قبر پر گوند بنانے کا حکم دیا تھا یا عرس منانے کی تمغین کی تھی یہ سب چیزیں بدعات میں داخل ہیں۔ کوئی نیک آدمی فوت ہو جائے تو سنت کے مطابق غسل دو، کفن پناؤ، جنازہ پھیرو، سنت کے مطابق قبر بناؤ اور اس کے لیے دعا کرو، ایصال ثواب کرو، کون روکتا ہے۔ مگر قتل، تیسرا، ساتواں اور چالیسواں کون کس حدیث میں لکھا ہے۔ یا کس صحابی رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہے؟ یہ تو بصریہ کی ایجاد بندہ چیزیں ہیں جنہیں کار ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے اور یہی بدعت ہے۔

شاہ عبدالعزیز  
کا نظریہ

شاہ عبدالعزیز نے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر رہبانیت کے بارے میں نوٹ لکھا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ فقیری طور ترک دنیا کی رسم نصاریٰ نے نکالی جو نہ جو رد رکھتے تھے نہ دنیا، نہ کما پتے نہ جوڑتے بلکہ جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھ جاتے، عبادت میں لگے رہتے اور خلق سے نہ ملتے۔ یہ حکم اللہ نے اپنے بندوں کو ہرگز نہیں دیا، مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھ لیا تو اس پر وہی میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔ اسی لیے شریعت نے فطری اعتدال سے تجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ اس امت کی رہبانیت جہاد میں ہے۔ اپنے نفس کی لذات سے الگ ہو کر اللہ کے راستے میں نکلنا مجاہدہ ہے۔

فَاتَيْنَا الْكَافِرِينَ اَمْنُوا مِنْهُمْ اَوْ هَمُّواْ جَاهِدُوْهُمْ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ

پس دیا ہم نے ان کو جو ایمان لائے ان میں سے ان کا بدلہ اور بہت سے لوگ ان میں سے نافرمان ہیں۔

قال فإخطبكم ۲۷

رسولہم ۹

الحمد لله ۵

آیت ۲۸ تا ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ  
 كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ  
 بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ②۸ لَسَلَا  
 يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ  
 فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنُ  
 يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ②۹

ترجمہ

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے  
 ڈرو اور ایمان لاؤ اُس کے رسول پر۔ اے گاہدہ تم  
 کو دو حصے اپنی رحمت سے اور بنائے گا تمہارے  
 لیے روشنی، چلے گے تم اُس کے ساتھ اور معاف  
 کرے گا تم کو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور  
 نہایت مہربان ہے ②۸ تاکہ جانیں اہل کتاب کہ  
 وہ نہیں قدرت رکھتے کسی چیز پر اللہ کے فضل سے،  
 اور بیشک فضل اللہ کے لامتناہی ہیں، دیتا ہے وہ  
 جس کو چاہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ②۹

درابطہ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں دین کے تمام بنیادی مسائل کا ذکر ہوا ہے خصوصاً  
 انصاف فی سبیل اللہ پر زیادہ توجہ دی گئی ہے مسئلہ توحید، اللہ کی صفات، ایمان  
 تخلیق کائنات، اس کی حکمت، نزول کتاب، رسالت کا ذکر، اور پھر آگے



دوسرے جہان میں نکلنے والے نتائج کا تذکرہ ہے، پھر منافقوں کی مذمت اور ایمان والوں کو تنبیہ کی گئی ہے خدا کے راستے میں مال صرف کرنے والوں کے اجر و ثواب کی بات کی گئی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی زندگی کی طلب کا ذکر ہے۔ بھل گئے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ پھر رسولوں کی بعثت کی حکمت، نزول کتاب، اقامت میزان عدل کا ذکر ہے۔ سب کی تخلیق کی حکمت اور فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور دین حق کے قیام کے لیے اس کے استعمال کی ترغیب دی گئی ہے انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کا ذکر ہے اور ان کی اولاد میں نبوت کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھنے کا بیان ہے۔ آخر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور شفقت کا ذکر ہے اور رہبانیت کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے متبعین عیسیٰ پر رہبانیت مقرب نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ چیز از خود رخصت الٰہی کی تلاش کئے لیے نکالی مگر اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں ایمان نہ پھوٹا ہے ہی ہے اور ان کی اکثریت نافرمانی میں مبتلا رہی۔

دوسرا بیان  
دو گن حصہ

سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور نہ لانے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَأَمِنُوا بِرَسُولِهِ اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر۔ ان ایمان والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے دور میں سابقہ انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ بھی پایا۔ اور رسول سے مراد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ سابقہ ادوار کے یہودیوں اور عیسائیوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنے سابقہ انبیاء پر تو ایمان لائے ہو، اب اللہ کے اس آخری نبی پر بھی ایمان لاؤ، کیونکہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان ضروری ہے، اور کسی ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے فرمایا اگر تم اس آخری نبی پر ایمان لے آؤ گے يُؤْتِكُمْ كَثْرًا كَفَلَيْنَ مِنْ رَحْمَتِهِ تو اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے عطا کرے گا۔ ایک حصہ پہلے نبی کی نبوت

پر ایمان لانے کے بدلے میں اور دوسرے حصہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرنے کے عوض میں ہو گا۔

بنی اسرائیل یا دیگر سابقہ امتوں کے لوگ اسی نقطہ پر آکر گمراہ ہوئے۔ یہود اور نصاریٰ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے مانتے تھے کہ اللہ کا آخری نبی آنے والا ہے اور اقرار کرتے تھے کہ جب وہ آئے گا تو ہم اس پر ایمان لائیں گے، اور اس کا ساتھ دیں گے جس کی وجہ سے ہمیں نافرمانوں پر غلبہ حاصل ہو گا۔ بلکہ جب ان کی کافروں سے جنگ ہوتی تو یسٹفتحوون علی الذین کفروا (البقرہ - آیت - ۸۹) تو وہ آخری نبی کی برکت سے کافروں پر فتح حاصل ہونے کی دعائیں کرتے۔ وہ خود مشرکوں سے کہتے تھے کہ جب اللہ کے آخری نبی تشریف لائیں گے تو ہم ان کا ساتھ دیں گے اور تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ مگر ہوا یہ کہ فلما جاءهم مآ عذروا کفروا بہ فلحقہم العذاب علی الکفیرین (البقرہ - ۸۹) جب اللہ کا وہ نبی آگیا اور انہوں نے آپ کو پہچان بھی لیا تو پھر انکار کر دیا جس کی وجہ سے یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں پر خدا کی لعنت ہے۔ البتہ جو قلیل لوگ نبی آخر الزما پر ایمان لے آئے وہ اس لعنت سے بچ کر ایمانداروں میں شامل ہو گئے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ اے سابقہ امتوں کے لوگو! اللہ کے اس آخری نبی پر بھی ایمان لے آؤ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، اور اگر ایسا کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے کوئی حصہ عطا فرمائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص سابقہ امتوں میں سے اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا، اور پھر انہی نے میرا زمانہ پایا اور مجھ پر ایمان لایا تو اس کو دہرا اجر ملے گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کو دو دہرا اجر ملے گا۔ پہلا شخص وہی ہے رَجُلٌ مِّنْ اَمَنَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ بِكَيْبَتِهِ وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَوَاهِلِ کِتَابٍ میں سے اپنے نبی پر ایمان لایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی

ایمان لایا۔ دوسرے شخص وہ ایمان نہ غلام ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اور اپنے مجازی آقا کا حق بھی، یعنی اس کی پوری ڈیوٹی ادا کرتا ہے۔ تیسرا آدمی وہ ہے کہ جس کے پاس زر خرید لونڈی ہے یا اُسے مال غنیمت کے طور پر یا کسی اور جائز ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اُس کو اس لونڈی سے بغیر نکاح استفادہ کا حق حاصل ہے۔ اس شخص نے اُس لونڈی کو اچھی تعلیم دی، ادب سکھایا، پھر اُس کو آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا ان تین شخصوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو اللہ کے ہاں دوسرا اجر ملے گا۔

بعض لوگ قربانی کے جانور پر سواری کرنے کو محبوب خیال کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا کرنا محبوب نہیں۔ بلکہ ضرورت کے وقت اس پر سواری جائز ہے۔

روشنی کی فراہمی

فرمایا کسی پہلے نبی پر ایمان لانے والے اور پھر آخری رسول پر ایمان لانے والا شخص ایک تو دوسرے اجر کا مستحق ہوگا، اور دوسری بات یہ ہے کہ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے روشنی فراہم کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان لاتا ہے وہ گویا ایسی روشنی میں آتا ہے جس کو لے کر وہ انسانی سوسائٹی میں چلتا پھرتا ہے اور اُس کو کہیں تاریکی نظر نہیں آتی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ ایسی روشنی ہوگی کہ جس کے ذریعے تم خدا تعالیٰ کی ذات کو پہچاننے لگو گے یعنی خدا تم کو اپنی ذات و صفات کا علم عطا کرے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ایمان کی بدولت تمہارے دل میں کشف جیسی کوئی چیز روشن کر دے۔ جس کے ذریعے مشکل اوقات میں تمہاری پریشانی دور ہو جائے، تاہم عام تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایسا علم مقرر کر دے گا کہ تم تاریکی سے نکل آؤ گے اور ہر طرف تمہیں علم کی روشنی نظر آنے لگے گی۔ اس علم کی روشنی کو لے کر تم عام انسانوں میں چلو پھرو گے اور تمہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اور تمہاری تمام مشکلات حل ہوتی چلی جائیں گی۔

حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ



عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ جو شخص اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی چیزوں کا علم بھی عطا کرے گا جن کو وہ نہیں جانتا۔ اس کے لیے تمام نادیدہ اور نادانستہ چیزیں آسان ہو جائیں گی۔ غرضیکہ یہ وہ نور ہے جو آخری نبی پر ایمان لانے کی بدولت حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ وَيَذَرُكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ یہ ایک عام اصول ہے کہ ایمان لانے پر سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ فَرَمَا وَاللَّهُ عُفُوًّا رَحِيمًا اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ  
کی ترجمہ

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے لیے دوسرے اجر، نور اور مغفرت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی ترجمہ یہ بیان فرمائی ہے لَسْنَا نَعْلَمُ أَهْلَ الْكِتَابِ أَتَقْدِرُونَ عَلٰی شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ مفسرین کہہ ام اس حدیث آیت کی تفسیر دو طریقے کرتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لَسْنَا میں لانا فہم ہے اور مضموم یہ ہے کہ اہل کتاب یہ خیال نہ کریں کہ اللہ کے فضل میں سے ان کے لیے کوئی موقع نہیں ہے اور یہ صرف دوسروں کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ اللہ نے ان کے لیے مکمل گنجائش رکھی ہے۔ اگر وہ پہلے نبی کے بعد نبی آخر الزمان پر بھی ایمان لے آئیں گے تو وہ نہ صرف اللہ کے فضل کے مستحق ہوں گے، بلکہ ان کو دوسرا اجر ملے گا۔ جو اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ لَسْنَا کا لام زائد ہے اور صرف تاکید کے لیے آیا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن میں مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔ مثلاً سورۃ المعارج میں ہے فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ (آیت ۴۰) پختہ قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔ یہ لام نافیہ نہیں بلکہ تاکید کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح لَا أُقْسِمُ بِتَوَمِّ الْقِيَامَةِ (القیامۃ ۱۰) قسم ہے قیامت کان کی یہ لا بھی زائد ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ (النساء ۶۵) میں بھی یہی صریح ہے اور لافنی کا معنی نہیں دیتا۔ اور اس طرح آیت کا مضموم یہ بنتا ہے تاکہ اہل کتاب ضرور جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ قدرت نہیں رکھتے اور پھر فرمایا

وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ اور بے شک فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یُونُسُیْہ مَنْ تَشَاءُ وہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ اہل کتاب اگر فضلِ خداوندی کو محض اپنے لیے مخصوص کرتے ہیں تو انہیں جان لینا چاہیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہے عطا کر دے، اس میں اللہ کو کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔

در اصل اہل کتاب ضد اور عناد کی وجہ سے اپنے آپ کو اقوامِ عالم پر برتر سمجھتے تھے۔ اُن میں بے درپے انبیاء علیہم السلام کی بوشت کی وجہ سے وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہو چکے تھے کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسحاق میں سے ہو گا۔ مگر جب آخری نبی بنی اسماعیل میں سے آگیا تو وہ حسد کی آگ میں جل گئے اور اللہ کے آخری نبی اور رسول کی رسالت کا ہی انکار کر دیا۔ انہی بنا پر سورۃ المائدہ میں ہے لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا (آیت - ۸۲) اہل کتاب میں سے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ بدترین عداوت ہے اور مشرکوں کو بھی، حالانکہ مشرک تو جاہل ہوتے ہیں اور اہل کتاب اہل علم ہونے کے باوجود سخت ترین عداوت رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ اللہ کا آخری نبی اُن کی قوم سے آتا، مگر اللہ نے فرمایا اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف - ۳۲) کیا تیرے پروردگار کی رحمت کے تقسیم کنندگان یہ ہیں کہ جس کو چاہا اس پر مہربانی کر دیں۔ نہیں بلکہ اللہ کا فضل تو اس کے اپنے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی مبعوث فرمائے، یہ اس کی مشیت تھی اور اب آخر میں اس نے اپنے فضل میں سے بنی اسماعیل کو حصہ دے دیا ہے تو اہل کتاب کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ چیز ان کے ہاتھ میں تو نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے تقسیم کرتے پھریں۔ نبوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ اپنی مشار کے مطابق کرتا ہے۔

یہ جو نصاریٰ  
کی مثال

حدیث میں یہود و نصاریٰ کی مثال اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی مزدور کو  
صبح سے لے کر دوپہر تک کسی کام پر لگاتا ہے اور اُس کے لیے وہ مزدوری کی رقم تعیین  
بھی کر دیتا ہے۔ اور کام کے اختتام پر وہ اجرت ادا کر دیتا ہے۔ یہ یہودیوں کی مثال  
ہے کہ انہوں نے دوپہر تک کام کیا تو اُن کو اس کی اجرت مل گئی۔ پھر اللہ نے دوپہر  
سے عصر تک کے لیے نصاریٰ کو کام پر لگایا اور اتنے عرصہ کے لیے اُن سے بھی مزدوری  
ملے کر لی۔ انہوں نے بھی مقررہ وقت میں کام کیا اجرت پائی۔ پھر اللہ نے عصر مغرب  
تک کے لیے مزدور مقرر کیا جس کو ڈبل مزدوری دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مسلمانوں کا دور ہے  
جن کو مقررہ عرصہ کے لیے کام کرنے کی ڈبل مزدوری مل گئی۔ اب یہود و نصاریٰ جو لوگ  
گردہ اس بات پر جمد کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی تصور شدہ وقت میں کام کرنے کی دگنی  
مزدوری کیوں مل گئی۔ تو اللہ نے اس مسئلہ میں اہل کتاب کو باور کرایا ہے کہ جتنے عرصہ  
کے لیے تم سے جو مزدوری مقرر کی گئی وہ تم کو ادا کر دی گئی یعنی جو کچھ تمہارے ساتھ ٹھہرایا  
تھا وہ پورا کر دیا اور تمہارے حق میں کسی قسم کی کمی نہیں کی گئی، اور نہ ہی تم پر کوئی زیادتی  
کی گئی ہے۔ باقی رہ گیا آخری وقت کی مزدوری کا معاملہ تو یہ میرا فضل ہے، میں جس  
کو چاہوں دے دوں، اس میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ جب تمہاری  
مقررہ مزدوری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تو پھر تم دو سکر کی ڈبل اجرت پر کیوں حد کہتے  
ہو؟ مقصد یہ ہے کہ اللہ نے اپنا آخری نبی اور رسول بنی اسماعیل میں بھیج کر اُن کو  
زیادہ فضیلت بخش دی ہے جس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ یہ اللہ  
کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا کر دے وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اور اللہ تعالیٰ  
بہت بڑے فضل والا ہے، اُس کی ہر بانی اور عنایت کا عدد شمار نہیں، وہ جس کو  
بتنا چاہے عطا کر دے، وہ قادر مطلق ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ۔



قد سمع الله ۲۸  
درس اول ۱

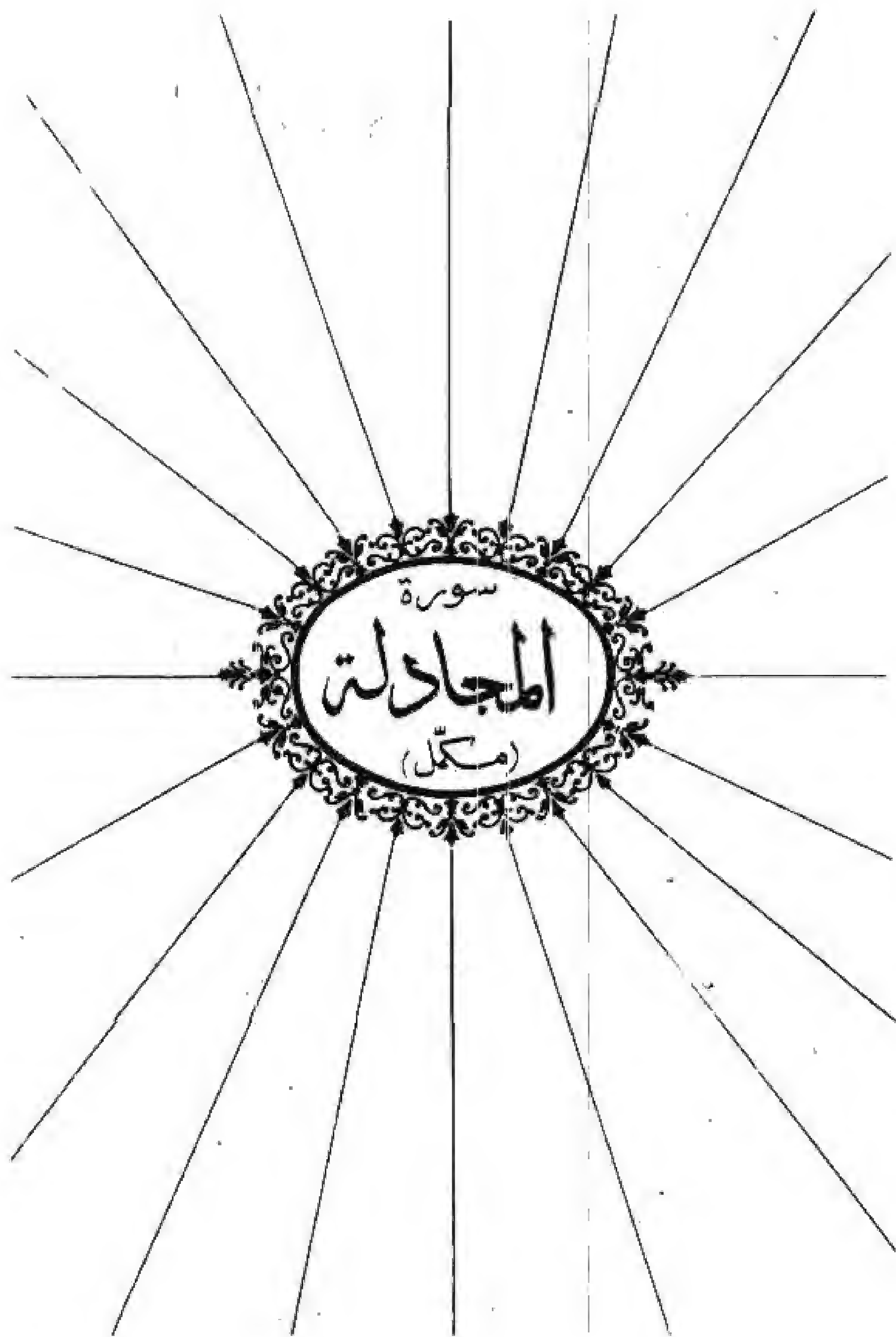
المجادلة ۵۸  
آیت ۱ تا ۲

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ قُرْآنُهَا اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ  
سورة مجادلہ مدنی ہے۔ اور یہ بائیس آیتیں ہیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ① الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الْإِنْسَانُ وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ②

ترجمہ :- تمہیں سن لی اللہ تعالیٰ نے بات اُس عورت  
کی جو جھگڑاتی تھی آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے  
میں، اور شکایت کرتی تھی اللہ کے سامنے۔ اور اللہ تعالیٰ  
سنتا ہے تمہاری گفتگو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور  
دیکھنے والا ہے ① وہ لوگ جو ظاہر کرتے ہیں وہاں  
مہنہ کہتے ہیں (تم میں سے اپنی عورتوں کو) نہیں ہیں وہ







اُن کی مائیں، اُن کی مائیں تو وہی ہیں۔ جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ اور بیشک یہ لوگ البتہ کہتے ہیں ایک ناپسندیدہ بات اور جھوٹ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ البتہ معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہے۔ ②

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المائدہ ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ مَآذِلَکَ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ سورۃ المنافقین کے بعد نازل ہوئی ہے اس سورۃ مبارکہ کی بائیس آیات اور تین رکوع ہیں، اور یہ سورۃ ۴۷ الفاظ اور ۱۹۹۲ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

گذشتہ سورۃ الاحکام کی طرح اس سورۃ میں بھی توحید اور اتفاق فی سبیل اللہ کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ البتہ اس سورۃ میں مسئلہ ظہار بطور خاص بیان ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُس کے کفارے کا ذکر بھی ہے۔ علاوہ ازیں آداب مجلس کے طور پر آپس میں سرگوشی کرنے کا قانون بیان ہوا اور ساتھ ساتھ تاہل لوگوں سے عدم مشورت کا بیان ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنی شوری کا ممبر نہیں بنانا چاہیے۔ اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں کی دوستی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے

زمانہ جاہلیت کے غلط مسائل

زمانہ جاہلیت میں عربوں میں بعض غلط قسم کے مسائل رواج پائے تھے جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ ان میں سے دو مسائل کا ذکر اللہ نے سورۃ الاحزاب میں کیا ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ قبل از اسلام بھی اسی طرح تھا اور آج بھی سر اور ہونکا نکاح حرام ہے۔ مطلب یہ کہ اگر بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ ہلاک ہو جائے تو باپ اُس سطلتہ یا بیوہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ زمانہ جاہلیت میں جو چیز غلط رواج پائی تھی وہ یہ تھی کہ وہ لوگ منہ بولے بیٹے کو بھی حقیقی بیٹے کا درجہ دے کر اُس کی بیوی کا نکاح اُس کے باپ کے ساتھ حرام سمجھتے تھے دوسرا غلط مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی کو ماں بہن کہہ دیتا تو عربوں کے

نزدیک وہ عورت اس مرد کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں ان دونوں مسائل کی تردید فرمائی ہے۔ دلائل ارشاد ہوا۔ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلَيْهِ تَظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاكُمْ عَلَيْكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ (آیت ۴۰) جن عورتوں کو تم ماں کہہ دیتے تھے اللہ نے انہیں تمہاری ماں نہیں بنایا، اور نہ ہی تمہارے لئے بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے بنایا ہے۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اب اپنی ماں سے تمہارا مسئلہ اللہ نے اس سورۃ میں بھی بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ جن عورتوں کو تم ماں کہہ بیٹھے ہو وہ تمہاری ماں نہیں ہوتیں بلکہ تمہاری ماں تو وہ ہیں، جنہوں نے تم کو جنم دیا ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کی بیوی کے حق میں تمہارا کرنے سے وہ عورت ماں بن کی طرح ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہو جاتی اور نہ ہی اس پر طلاق پڑ جاتی ہے بلکہ یہ ایک بری اور گناہ کی بات ہے جسے زبان سے نہیں نکالنا چاہیے۔ پھر آگے اللہ نے اس درود کا کفارہ بھی بیان کیا ہے۔ جس کے ادا کرنے سے ایسی عورت اپنے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حضرت علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت اوس بن صامت خذرجی ہیں، جو مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بھائی تھے۔ حضرت اوس کی طبیعت کچھ تیز تھی۔ یہ کسی بات پر اپنی بیوی خولہ بنت اعلیٰؓ سے ناراض ہو گئے اور اس کو کہہ دیا اَنْتِ عَلَيَّ كَظْمٌ اُمِّي یعنی تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہو۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ عربوں کے غلط مسئلہ کی بناء پر خولہ حضرت اوسؓ پر ہمیشہ کے لیے حرام ٹھہرائے جانے کی وجہ سے محنت پریشان ہو گئیں۔ اُس کے بچے بھی تھے اور وہ عمر کا کافی حصہ طے بھی کر چکی تھیں لہذا انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی حالت زار بیان کی۔ کہنے لگی میرے بچوں کی پرورش کیسے ہوگی۔ میں نے جوانی کا بہترین حصہ اس شخص کے ساتھ گزارا ہے مگر اب وہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ رہا ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر اُس نے بچوں کو اپنے

مسئلہ کا  
کا آقاؐ

پاس رکھا تو ان کو فلتے آئیں گے اور اگر نہ رکھا تو ضلح ہو جائیں گے۔ اس پریشانی کے عالم میں وہ حضور علیہ السلام سے مسئلہ کا حل دریافت کرتی اور ساتھ دعا بھی کرتی کہ مولا کریم اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل کو حل فرما۔ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں آیا تھا لہذا حضور علیہ السلام بھی کوئی حل بنانے سے قاصر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اس مسئلہ کے متعلق کوئی حل نہیں جانتا اور بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں کی جدائی ہو چکی ہے۔

استغاثہ کا  
جواب

وہ عورت سخت پریشانی کی حالت میں حضور علیہ السلام سے گفتگو کر رہی تھی کہ عین اُسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی دعاؤں کا جواب آگیا۔ اس طرح اسلام کے دور میں ظہار کا یہ پہلا سبب پیدا ہوا جس کے متعلق اللہ نے احکام نازل فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کا آغاز حضور علیہ السلام اور خولہ کی گفتگو کے ذکر سے کیا ہے ارشاد ہوتا ہے قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْغَثِي تَجَدُّدُكَ فِي زَوْجِكَ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں تکرار کرتی ہے۔ مجاہد کا لفظی معنی جھگڑا ہوا ہے۔ مگر یہاں پر مراد گفتگو یا تکرار ہے جو وہ عورت حضور علیہ السلام سے اس مسئلہ کے بارے میں پریشانی کے عالم میں کر رہی تھی۔ فرمایا ہم نے اُس کی بات سن لی ہے وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ اور وہ اللہ کے سامنے شکایت کر رہی تھی کہ اُس کے خاوند نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب اُس کا اور اس کی اولاد کا کرن پر سان حال ہو گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا۔ وَاللَّهُ يَسْمَعُ خَوَاوِرُكُمَا اور اللہ تعالیٰ تمہاری گفتگو کو سنتا ہے۔ خاوار کا معنی آپس میں کلام کرنا ہوتا ہے۔ یہ اُسی بات چیت کا ذکر ہو رہا ہے جو وہ عورت حضور علیہ السلام کے ساتھ کر رہی ہے۔ خاوار کا یہ معنی عربی ادب میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ایک عربی شاعر اپنے گھوڑے کے متعلق کہتا ہے۔

لَوْ كَانَ يَذَرْنِي مَا الْمَحَاوِرَةُ أَشْتَكِي  
وَلَوْ كَانَ لَوْ عَلِمَ الْكَلَامَ مُكَلِّمِي



جب اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ لڑی تو گھوڑے کو بھی سخت تکلیف پہنچی۔ تو شاعر نے کہا کہ اگر یہ گھوڑا محاورہ یعنی بات چیت کرنا جانتا ہوتا تو ضرور شکایت کرنا کہ اُسے جنگ کے دوران کس قدر زخم آئے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بات چیت کو سننا ہے اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

مکتوبہ کی  
بعض تفصیلات

ظہار ظہر کے مادہ سے ہے جس کا معنی پشت ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ظہار کا مثلاً اُس وقت پیدا ہوا جب حضرت اوش نے اپنی بیوی سے کہا اَنْتَ عَلَيَّ كَظْهَرٍ اَوْحٰی یعنی تو میری ماں کی پشت کی مانند ہو۔ اور مضموم اس کا یہ بتا ہے کہ تو مجھ پر اسی طرح حرام ہو جس طرح میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے۔ فقہائے کرام بیان کرتے ہیں کہ ظہار کرنے کے لیے پشت کا لفظ بولنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر اُس عضو کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے جس کا دیکھنا روانہ نہیں جیسے ران، سر، پیٹ، اعضائے مستورہ وغیرہ۔ اسی طرح ظہار کے لیے ماں کی تشبیہ بھی ضروری نہیں بلکہ ہر ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے جیسے بیٹی، پوتی، بیٹی، بھانجی، باپ کی بیوی، بہن، رضاعی بہن، رضاعی ماں وغیرہ۔ ان میں سے کسی کا نام لے کر ان کے کسی بھی اعضاءے مستورہ کے ساتھ تشبیہ دیکر ظہار کرے گا تو ظہار واقع ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص غیر محرم عورت کا نام لیتا ہے جس کے ساتھ نکاح حلال ہے یا کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جس کا دیکھنا جائز ہے جیسے ہاتھ، پاؤں یا سر وغیرہ تو ایسی صورت میں ظہار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کڑے خطاب نہیں کرنا یعنی یہ نہیں کہتا کہ تو میری ماں کی پشت کی مانند ہے بلکہ کہتا ہے کہ تیری پشت، تیرا سر، تیرا چہرہ یا تیرا بدن میری ماں کی پشت کی مانند ہے تو ایسے تمام الفاظ سے عورت کی ذات ہی مراد لی جائے گی اور ظہار واقع ہو جائے گا۔

ظہار پر اللہ  
کی ناپسندیدگی

اگرچہ مذکورہ طریقے ظہار واقع ہو جاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو ناپسند فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِمْ وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں یعنی انہیں اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ فرمایا مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، بلکہ إِنَّ أُمَّهَاتَهُمْ إِلَّا الْهَتَّ وَلَدْنَهُمْ ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے حقیقی ماں کے علاوہ دوسری عورت محض کہہ دینے سے تو ماں نہیں بن جاتی۔ اللہ نے فرمایا وَأَنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْقَوْلُ وَزُورًا اور بے شک وہ لوگ ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ یہ بہت بُرا فعل ہے اور اُسے نہیں کرنا چاہیے۔ ناپسندیدہ بات اس لیے ہے کہ کوئی شخص کسی حلال چیز کو خود ہی اپنے اوپر حرام قرار دے لیتا ہے، اور جھوٹی اس لیے کہ کوئی بھی عورت حقیقی ماں کی طرح نہیں ہو سکتی رہہ حال ہیئت مجبوری ظہار کرنا کوئی ناپسندیدہ بات نہیں ہے اور یہ چار وجوہات کی بنا پر ایک ناپسندیدہ فعل ہے یعنی (۱) بیوی کو ماں کہنا (۲) ناپسندیدہ بات کرنا (۳) جھوٹی بات کرنا (۴) اگر گناہ کا ارتکاب کرنا۔

قریبی مائل  
متعلقہ ظہار

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ هَتَّ کے لفظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ظہار کا وقوع اہل ایمان کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اگر کوئی غیر مسلم ایسی بات کہہ دے تو اس پر ظہار واقع نہیں ہوگا۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ اگر ذمی کافر بھی ایسے الفاظ بولے گا تو وہ بھی ظہار کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ امام شافعی کا یہی مسلک ہے تاہم دوسرے کرام فرماتے ہیں کہ مَتَىٰ هَٰذَا الْقَوْلُ سے مراد محض ایمان والے نہیں بلکہ اس میں اسلامی سلطنت کے تمام باشندے آجاتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ ظہار صرف مرد ہی کر سکتا ہے، عورت کو یہ حق حاصل نہیں، بالکل اسی طرح جس طرح اللہ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے بیحدہ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ ۲۳۷) یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح ظہار کا حق بھی مردوں کو ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کو ماں کی پشت

کے ساتھ تشبیہ دے دے تو وہ ظہار نہیں ہوگا کیونکہ آیت الفاظ یہ ہیں اَلَّذِي يَظْهَرُ عَنْ  
جو مرد ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے، نہ کہ وہ عورتیں جو مردوں سے ظہار کرتی ہیں۔

مِنْكُمْ اور مِنْ نِسَاءِ هُمْ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ظہار کے لیے اپنی  
ماں یا کسی دوسری محرم عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ضروری ہے جس  
کا دیکھنا روا نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص عضو کی تشبیہ کے بغیر کہتا ہے۔ اَذَتْ كَأُمِّي  
یعنی تو میری ماں کی مانند ہے یا کسی دوسری محرم عورت کی مانند ہے تو اس سے ظہار  
لازم نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر کوئی کت کی بجائے مثل کا لفظ استعمال کرتا ہے کہ  
تو میری ماں کی مثل ہے اور اسکے کسی عضو مستورہ کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتا تو بھی  
ظہار واقع نہیں ہوگا۔ البتہ ایسے شخص سے وضاحت طلب کی جائے گی کہ ماں کی  
طرح یا ماں کی مثل کس سے تیری کیا مراد ہے اگر وہ بتائے کہ اس سے میری مراد ماں کی  
طرح معززہ ہے تو یہ ظہار نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ بیان کرے کہ اس سے مراد ماں کی طرح  
حرام ہے، تو پھر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اگر وہ کہتا ہے کہ ان الفاظ کے  
ذریعے میں اپنے لیے اپنی عورت سے استفادہ کر حرام کرنا ہوں تو پھر یہ ظہار ہوگا۔  
ہاں اگر صرف ماں کی بجائے ماں کی پشت، ران، پیٹ یا کسی دیگر عضو مستورہ کے ساتھ  
تشبیہ دیتا ہے تو پھر اس میں نیت معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ یہ  
واضح طور پر ظہار ہی ہوگا۔

ظہار کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا  
ہے کہ تو مجھ پر ایک ماہ کے لیے ماں کی پشت کے برابر ہے۔ ایسے ظہار کے حکم کے  
متعلق ائمہ کرام میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ اس کو بھی مکمل ظہار شمار کرتے  
ہیں جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو ظہار تسلیم نہیں کرتے، امام ابو حنیفہؒ کا  
مسک یہ ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی بیوی کی طرف لوٹنا چاہے تو وہ کفارہ ادا کر کے  
لوٹ سکتا ہے اور اگر ایک ماہ کا عرصہ یونہی گزر گیا تو پھر جس طرح قسم میں آدمی بیوی



ہو جاتا ہے اسی طرح اس ظہار سے بھی بری ہو گیا، اب مسئلہ ختم ہو گیا۔

ایک اور مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں اور وہ سب کو کہتا ہے کہ تم میری ماں کی پشت کی مانند ہو تو اس طرح سب پر ظہار واقع ہو جائیگا البتہ واپسی کے لیے کفارے کا مسئلہ پیدا ہو گا کہ سب کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہے یا ہر بیوی کی طرف رجوع کے لیے الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر بیوی کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ جب کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سب کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہو گا۔ مگر کفارے کے بغیر ان میں سے کسی کے قریب بھی نہیں جاسکتا۔

فرمایا جو لوگ ظہار کرتے ہیں یعنی اپنی عورتوں کو ماں بہن کی پشت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں یا کسی دوسری محرم عورت کے کسی عضو مستورہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ان کی وہ مائیں یا بہنیں تو نہیں ہیں، بلکہ ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے یہ لوگ ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کرتے ہیں۔ تاہم اگر وہ کفارہ ادا کر دیں وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے بشرطیکہ اس کے قانون کا احترام کیا جائے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحَرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَآ سَاءَ ذَلِكَ كُمْ تُوَعُّظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَآ سَاءَ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ④ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ⑤ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۖ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑥

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں کے ساتھ ، پھر پلٹتے ہیں اُس کام کے کرنے کے لیے جو انہوں نے کیا تھا ، پس آزاد کرنا ہے ایک گروہ کا قبل اس کے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو طہقہ لگائیں ۔ یہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے ، اس بات کی ، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کالم تم کرتے ہو اُس کی خبر

رکھتا ہے ③ پس جس نے طاقت نہ رکھی اس امر کی پس  
 روزے ہیں دو ماہ کے مسلسل قبل اس کے کہ وہ آپس  
 میں ایک دوسرے کو ملحقہ لگائیں۔ پس جس نے طاقت نہ  
 رکھی اس کی، پس کھانا کھانا ہے ساتھ مساکین کو۔ یہ اس  
 لیے تاکہ تم ایمان رکھو اللہ پر اور اُس کے رسول پر  
 اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اندھی ہوئی، اور کفر کرنے والوں  
 کے لیے دردناک عذاب ہے ④ بیشک وہ لوگ جو مخالفت  
 کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کی، وہ ذیل کیے جائیں  
 گے جیسا کہ ذیل کیے گئے وہ لوگ جو ان سے پہلے  
 گزرے ہیں اور تحقیق انہی ہیں ہم نے واضح آیتیں۔ اور  
 کفر کرنے والوں کے لیے ذات ناک عذاب ہے ⑤ جس  
 دن کہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان منب کو، پھر ان کو  
 بتلا دے گا جو کلام انہوں نے کیے۔ اللہ نے ان کو  
 شمار کیا ہوا ہے اور یہ قبول گئے ہیں ان کو۔ اور  
 اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ⑥

گزشتہ درس میں ظہار کی ناپسندیدگی کا ذکر تھا کیونکہ یہ ناپسندیدہ اور جھوٹی بات  
 ہے اور دوسرے سمنوں میں گناہ کبیرہ بنتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار  
 کرتا ہے یعنی اس کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دیتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے  
 کہ وہ بیوی سے مدد باشرقت اور علیحدگی کا اعلان کر رہا ہے۔ مگر ایسا کہنے سے بیوی  
 کو طلاق نہیں ہو جاتی بلکہ آدمی گنہگار بن جاتا ہے اور اگر وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع  
 کرنا چاہتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ جس کا ذکر آج کے  
 درس میں آ رہا ہے۔

کفارہ ظہار  
 ۱۰) غلیم کی آزادی

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنَّكُمْ نِسَاءَهُمْ جُورًا



لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں یعنی ان کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ  
تثبیہ جیتے ہیں۔ ثُمَّ يَعُوذُونَ لِمَا قَالُوا پھر چلے جاتے ہیں اس چیز کے لیے  
جو انہوں نے کہی تھی یعنی اپنی ہولی بات پر ناراض ہو کر اپنی سابقہ حالت پر واپس آنا  
چاہتے ہیں اور بیوی سے دوبارہ تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی صورت یہ  
ہے فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَنَاسَّتا کہ کفارہ کے طور پر ایک گرجن  
یعنی غلام آزاد کرنا ہے پیشتر اس کے کہ سیاں بیوی آپس میں مباشرت کریں مفسرین کرام  
اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اَنْ يَتَنَاسَّتا میں صرف مباشرت ہی نہیں، بلکہ اسہیں  
بوسہ کنار وغیرہ بھی شامل ہیں لہذا جب خاوند رجوع کا فیصلہ کرے تو سب سے  
پہلے کفارہ ادا کرے اور اس کے بعد بیوی سے تمتع ہو کفارہ کی ادائیگی سب سے  
پہلے غلام کی آزادی کی صورت میں کی جائے گی۔ اگر متعلقہ شخص کے پاس غلام موجود  
ہے تو اسے آزاد کرے گا۔ اور مالی استطاعت ہے تو غلام خرید کر اس کو آزاد کر  
دے گا۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں غلامی کا رواج باری دنیا میں موجود تھا اور اس وقت  
پہلے نمبر پر غلام کی آزادی ہی ظہار کا کفارہ تھا۔ ہاں اگر کسی شخص کے پاس غلام نہیں  
ہے اور وہ مالی لحاظ سے بھی غلام خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر دوسرا  
متبادل طریقہ اختیار کرے گا۔ فَرَأَىٰ ذَٰلِكُمْ تَوْعَظُونَ یہ تمہیں اس بات  
کی نصیحت کی جاتی ہے کہ اللہ کے ان احکام کی پوری پوری تعمیل کرو۔ وَاللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ وہ تمہارے  
ظہار کرنے اور کفارہ ادا کرنے کے تمام واقعات کی خبر رکھتا ہے۔ اگر تم کفارہ کی  
ادائیگی میں کوتاہی کرو گے تو وہ تو سب کچھ جانتا ہے حتیٰ کہ تمہاری نیت اور ارادے  
سے بھی واقف ہے، لہذا تم لوگوں کو تو کسی معاملہ میں دھوکہ دے سکتے ہو مگر اللہ تعالیٰ  
سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ تمہیں تمہاری نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی  
پہلے دے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس غلام کی آزادی بطور کفارہ ظہار مطلوب ہے

کیا اس کے لیے کچھ شرائط بھی شریعت نے مقرر کی ہیں کہ وہ کیسا ہونا چاہیے؟ جہاں قتلِ خطا میں غلام کی آزادی کو کفارہ بنایا گیا ہے وہاں شرط یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مومن آدمی کو خطا قتل کرے گا فَتَحْرِيْرٌ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء۔ ۹۲) تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام کی آزادی ہوگا۔ گویا کسی غیر مسلم غلام کی آزادی سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ ظہار کے کفارہ کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام خواہ مومن ہو یا کافر، عورت ہو یا مرد، کم سن ہو یا عمر رسیدہ کسی بھی قسم کے غلام کی آزادی سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس آیت میں مطلق غلام کی آزادی کا ذکر آیا ہے۔ البتہ بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح قتلِ خطا کے کفارے کے لیے مومن غلام کی آزادی کا حکم ہے، اسی طرح ظہار کے کفارے کے لیے بھی مومن غلام ہی ہونا چاہیے۔

(۳) دو ماہ کے روزے

فَرَّأَيَا فَمَنْ لَّغَرَّ يَجِدْ بِسِمْسَرٍ خَلْدٍ يُسَبِّحُ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ مُّسْتَقِيمٌ (النساء۔ ۹۲)۔  
 نہیں ہے جس کو وہ آزاد کر سکے یا اس کے پاس اتنا مال نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کر سکے تو پھر اس کے لیے فَرَّأَيَا شَہْرٍ مِّنْ شَهْرَيْنِ مَّتَّابِعِينَ کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے مَن قَبْلَ أَنْ يَكْتُمَا شَہْرًا مِّثْلًا (النساء۔ ۹۲)۔  
 ایک روزہ کو بائیس ٹکائیں یعنی مباحث کریں۔ مسلسل کا مطلب یہ ہے کہ دو ماہ یعنی ساٹھ دن کے روزے متواتر رکھے حتیٰ کہ درمیان میں ایک دن بھی افلا نہ کرے۔ اگر درمیان میں کسی دن روزہ چھوٹ گیا یا بیماری کی وجہ سے روکی تو تسلسل ختم ہو جائے گا۔ لہذا اس کو پھر شروع سے گنتی شمار کرنا ہوگی۔ قسم کے کفارے کے روزوں کا بھی یہی حکم ہے کہ لگاتار ہوں۔ ہاں عورت کے لیے گنتاؤں ہے کہ اس نے روزے رکھنا شروع کیا اور درمیان میں ایام حیض شروع ہو گئے تو روزے ترک کر دے اور پاک ہو کر بقایا روزے رکھے۔ ایسی حالت میں تسلسل کی پابندی ساقط ہو جائے گی۔

(۳) ساٹھ مکین کو کھانا کھانا

کفارے کی تیسری صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے فَمَنْ لَّغَرَّ يَجِدْ بِسِمْسَرٍ خَلْدٍ يُسَبِّحُ بِحَمْدِ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ مُّسْتَقِيمٌ (النساء۔ ۹۲)۔  
 کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے کی طاقت نہ رکھتا ہو، مثلاً

بہار ہے یا جسمانی طور پر اس قدر کمزور ہے کہ دو ماہ متواتر روزے نہیں رکھ سکتا تو فرمایا فَاطْعَامُ سِتِّينَ مَسْكِيْنًا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہوگا۔ جیسا کہ قسم کے کفارے میں واضح کر دیا گیا ہے مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعَمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ (المائدہ - ۸۹) درمیانے درجے کا کھانا ہو جو عام طور پر گھر والوں کو کھلایا جاتا ہے نہ تو بالکل معمولی ہو اور نہ ہی بہت اعلیٰ درجے کا ہو، بہر حال دو وقت کھلانا ہوگا اور اگر کوئی شخص کھانا پکا کر کھلانے کی بجائے منس کی صورت میں دینا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ گندم دینا چاہے تو نصف صاع (دو سیر) فی مسکین ادا کرے، اور اگر گندم کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ مکی، باجرہ، چنے وغیرہ دینا چاہے تو ایک صاع یعنی چار سیر فی کس ادا کرے۔ اس میں دو وقت کا کھانا آجائے گا۔ صدقہ فطر کے لیے بھی یہی مقدار مقرر ہے۔ اگر غلہ نہ ملے تو اس قدر غلے کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں عام طور پر کیا جاتا ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک دو وقت کھانا کھلاتے رہے تو پھر بھی کفارہ ادا ہو جائے گا مگر ایسی صورت میں کفارے کی مکمل ادائیگی تک میاں بیوی کی قربت نہیں ہو سکتی۔ بہتر ہے کہ ساٹھ مسکین کو اکٹھا کھانا کھلائے یا اس کی قیمت ادا کر دے۔

فرمایا ذٰلِكَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ نیز فرمایا وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اس نے مقرر کر دی ہیں۔ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور کفر کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کریں گے، اللہ نے اُن کے لیے سزا بھی بڑی سخت تجویز کر رکھی ہے۔

گزشتہ درس میں ظہار کے اولین واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے جو حضرت اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہؓ سے کیا تھا، اور بیوی نے حضور علیہ السلام

ظہار کا  
دوسرا واقعہ



کے پاس شکایت کی تھی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اہم  
 ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سلمہ بن صحوفہ کا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ وہ صحابی خود  
 بیان کرتے ہیں کہ رمضان کی آمد پر میں نے اپنی بیوی سے ایسے الفاظ ظہار کیے۔  
 کہ میں ایک ماہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا کہ تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے  
 اس کے بعد آیا ہوا کہ وہ عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ صحابی کچھ شرابی علیہ طاری ہوا اور  
 اس نے اس سے مباشرت کر لی اس کے بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نادم ہو کر  
 حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ دریافت کیا کہ اب ہمارے لیے  
 کیا حکم ہے۔ حضور علیہ السلام نے صحابی سے دریافت کیا کہ کیا تو نے واقعی ایسا کیا ہے  
 اس نے اقرار کیا کہ حضور! یہ غلطی ہو گئی ہے۔ اس روایت میں یہ بات صراحت کے  
 ساتھ موجود ہے کہ ظہار کرنے کے بعد تمہیں کفارہ ادا کیے بغیر ہرگز عورت کے قریب  
 نہیں جانا چاہیے تھا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب کفارہ ادا کرو یعنی ایک  
 غلام آزاد کرو۔ وہ شخص کہنے لگا کہ حضور! میرے پاس تو اپنی گردن کے سوا کچھ  
 نہیں۔ فرمایا پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو۔ وہ کہنے لگا کہ روزے کی وجہ سے  
 تو مجھ پر یہ آفت پڑی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا! ساتھ ساتھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا  
 دو۔ وہ شخص کہنے لگا ہمارے پاس نہ کھجوریں ہیں اور نہ اناج اہم یہ کفارہ کیسے ادا  
 کریں؟ آپ نے فرمایا تم ہاں ٹھہرو، کوئی صدقہ وغیرہ آئے گا تو تم کو دلا دیں  
 گے اور تم اس سے اپنا کفارہ ادا کر دینا۔ چنانچہ آپ نے اس شخص کو دو وقت کھجور کا  
 صدقہ کے مال میں سے دے دیا تاکہ وہ ایک صدقہ سے کفارہ ادا کرے اور دوسرا  
 صدقہ خود گھر میں استعمال کرے۔

مخالفین کا  
 انجام

مسئلہ ظہار اور اس کے کفارے کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے  
 رسول کے مخالفین کا انجام بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُحٰآذُوْنَ  
 اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں  
 کُتِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّیْنِ مِنْ قَبْلِہُمْ وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

جس طرح اُن سے پہلے مخالفین ذلیل ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کبھی عزت نصیب نہیں ہوئی بلکہ وہ عذاب ہی کا شکار ہوئے۔

جس مخالفت کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے وہ اعتقاد میں بھی ہو سکتی ہے اور قول و فعل میں بھی۔ اللہ کے قوانین کی مخالفت کرنے والے یا اللہ کے قانون کے خلاف خود قانون بنانے والے ہی لوگ تو ہیں۔ عام طور پر یہ ملکیت کا خاصہ ہوتا ہے وہ اللہ کے قوانین نافذ کرنے کی بجائے انسانوں کے وضع کردہ قوانین رائج کرتے ہیں، اُن پر خود بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی کرواتے ہیں۔ پھر جب اللہ اور رسول کی بات کی جائے تو کہتے ہیں کہ یہ قوانین موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے لہذا ہمیں خود جدید قانون وضع کرنے ہوں گے۔ بہر حال یہ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت ہے خواہ قانون تیار کرنے میں یا قانون کو نافذ کرنے میں ہو۔ سعدی صاحب نے بھی بوستان میں ایک شعر لکھا ہے۔

مربہ کہ قانون بہ می نہد

ترامی برد تا بہ آتش دہد

فرماتے ہیں کہ جو قانون ساز بُرا قانون بناتا ہے وہ تو اُسے لے کر جہنم میں ہی داخل کرے گا اور جو شخص ایسے قانون پر عمل کرے گا وہ بھی جہنم رسید ہوگا۔

آج ہم گرد و پیش پر نظر دوڑاتے ہیں تو دنیا میں کہیں بھی اللہ کے قانون اور اس کے دین کی عملداری نظر نہیں آتی۔ لوگ خود ہی قانون بنا کر انہیں اللہ کی مخلوق پر نافذ کرتے ہیں۔ کہیں مارشل لاء کے نام پر قانون بن رہے ہیں اور کہیں جمہوریت کے نام پر غیر اسلامی قوانین بن رہے ہیں۔ کہیں بالکل ہی شخصی نظام رائج ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے ہیں آج کے زمانے میں شاید ہی کوئی خوش نصیب ہو گا جو اللہ کے قانون کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس جام میں سب شنگے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرما دیا کہ یہ بھی پہلے مخالفین کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

فرمایا یاد رکھو وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ اور البتہ تحقیق ہم نے واضح واضح احکام اور کہنیں نازل کر دی ہیں۔ واضح دلائل اور معجزات بھی پیش کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود اگر لوگ مخالفت سے باز نہیں آتے اور اللہ کے قانون کو زندگی کی ہر سطح پر نافذ نہیں کرتے تو یاد رکھو! وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ایسے کافروں کے لیے اللہ کے ہاں ذلت ناک عذاب موجود ہے جس سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔ جو لوگ خدا کی حدود کو توڑتے ہیں، اپنی خواہشات کو مقدم رکھتے ہیں اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو نافذ نہ کرتے ہیں، وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں۔

یہ بُرا انجام کب ہوگا؟ فرمایا يَوْمَ يُنْفَخُ اللَّهُ جَمِيعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے گا یعنی جب قیامت برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ فَيُنْزِلُ اللَّهُ إِلَيْكُمْ سَكَنًا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ کیونکہ أَحْصَاهُ اللَّهُ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے تمام اعمال نیک و بد کو شمار کر رکھا ہے جب کہ وَنَسُوهُ اور انسان ان کو عبول چکا ہے کہ اُس نے کس وقت میں کون سا اچھا یا کون سا بُرا کام کیا تھا۔ یہ تمام اعمال اللہ کے علم اور اُس کی لوح محفوظ میں بھی محفوظ ہیں، اور خود انسان کی روح اور اُس کے نامہ اعمال میں بھی محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ کسی کے کسی عمل کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ قیامت والے دن سب کو ان کے سامنے رکھ دے گا۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان، محافظ اور گواہ ہے اس کے لیے کسی چیز کی حفاظت کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔



أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ  
 مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ  
 إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرُ إِلَّا هُوَ  
 مَعَهُمْ إِنْ مَا كَانُوا؛ ثُمَّ يَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا  
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٥﴾  
 أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَهَوُا عَنِ الْجَنَّةِ ثُمَّ يَعُودُونَ  
 لِمَا نَهَوْا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ  
 مَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ  
 يُحْيِكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ  
 بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا؛ فَبئسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ  
 وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى  
 وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧﴾ إِنَّمَا النَّجْوَى  
 مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ  
 شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٨﴾  
 ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔  
 نہیں ہوتا کوئی مشورہ تین آدمیوں کا مگر چرتا وہ (اللہ تعالیٰ)  
 جتنا ہے۔ اور نہ پانچ آدمیوں کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور  
 نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ  
 ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔ پھر وہ بتلا دے گا ان کو  
 جو کچھ انہوں نے عمل کیا قیامت والے دن۔ بیشک اللہ ہر  
 چیز کو جاننے والا ہے (۷) کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں  
 کو جن کو روکا گیا تھا سرگوشی کرنے سے، پھر وہ پلٹ  
 کر وہی بات کرتے ہیں جس سے ان کو روکا گیا تھا  
 اور سرگوشی کرتے ہیں گناہ، زیادتی اور رسول کی مخالفت  
 کے ساتھ۔ اور جب آتے ہیں وہ آپ کے پاس تو  
 سلام کرتے ہیں آپ کو اس کے ساتھ کہ اللہ نے اس  
 کے ساتھ سلام نہیں کیا آپ کو۔ اور کہتے ہیں اپنے  
 نفسوں میں کہ کیوں نہیں سزا دیتا ہم کو اللہ تعالیٰ اس بات  
 پر جو ہم کہتے ہیں۔ کافی ہے ان کے لیے جہنم۔ داخل ہوں  
 گے اس میں۔ پس بہت ہی بڑی جگہ ہے لوٹ کر جانے  
 کی (۸) اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو آپس میں  
 تو مت سرگوشی کرو، گناہ تعدی اور رسول کی مخالفت کے  
 ساتھ۔ اور سرگوشی کرو آپس میں نیکی اور تقویٰ کے ساتھ  
 اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے وہ جس کی طرف تم اکٹھے کیے  
 جاؤ گے (۹) پس اس قسم کی سرگوشی شیطان کی طرف سے  
 ہے تاکہ وہ غم میں ڈالے ان لوگوں کو جو ایمان لائے  
 اور نہیں وہ ان کو نقصان پہنچا سکتا کچھ بھی مگر اللہ کے

حکم سے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اُپر ہی چاہیے کہ بھروسہ  
کریں ایمان والے ⑩

رہنمائی

پہلے مسئلہ ظہار اور اس کی قباحت بیان ہوئی کہ یہ گناہ کی بات  
ہے اور نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ غلطی کر بیٹھے اور اپنی بیوی کو مان  
یا بہن کی پشت کے ساتھ تشبیہ سے بے تروہ عورت اس شخص کے لیے حرام ہو  
جاتی ہے جب تک کہ وہ اس کے لیے مقررہ کفارہ ادا نہ کرے۔ پھر اللہ نے کفارہ  
کی تین متبادل صورتیں بیان فرمائیں یعنی ایک غلام آزاد کرے۔ اگر طاققت نہیں ہے تو  
دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکا تو ساڑھے ساکین کو کھانا کھلانے  
قبل اس کے کہ اپنی بیوی کی طرف دوبارہ رجوع کرے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے  
احکام کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے ورنہ اس کا نتیجہ زلت ناک عذاب کی  
صورت میں ان کے سامنے آئے گا۔

اللہ کا  
علم محیط

دنیا میں تو لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ دے لیتے ہیں اور بعض امور چھپ  
کر بھی انجام دے لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظر دس اور اس کے علم سے کوئی  
چیز مخفی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ تَقُولُ لِمَنْ يُحِبُّكَ اَنْ يَّهْبِطَ  
اِلَى الْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں  
ہے، یعنی خدا تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ سورۃ الملک میں اللہ نے  
اس حقیقت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ  
رَآیَتُ ۙ ۱۴۰ کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ جو ہر چیز کا خالق ہے  
اس سے کون سی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ  
ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے فرمایا مَا يَكُنْ دَاۤیْمًا مِّنْ جُنُوۡدٍ  
ۙ ۱۴۱ اَلَا هُوَ رَآیَہُمْ نہیں ہوتا مشورہ تین آدمیوں کا مگر جو خدا تعالیٰ ہر لمحہ  
اس جگہ تمہاری تمام سرگوشیاں باتیں اور سکیمیں اس کی موجودگی میں ہوتی ہیں۔ اور وہ



انہیں بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا وَلَا خُمْسَةَ إِلَّا هُوَ سَادٌ سُهُمْ اور نہ پانچ آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے۔ مگر چھٹا وہاں وہ ہوتا ہے۔ وَلَا آدَمِيَّ هُنَّ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے إِنَّ مَا كَانُوا جَاهِلِينَ بِهِمْ۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جو (نعوذ باللہ) اللہ کی پہنچ سے باہر ہو اور یہ لوگ وہاں جا کر کوئی سرگوشی کر لیں اور چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہو۔ نہیں بلکہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ کسی مجلس میں جو بھی کوئی خفیہ یا علانیہ بات کرتا ہے۔ سب اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ جب اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو وہ تمہارے ہر عمل کو بھی جانتا ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ نَبَّيْنَاهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ پھر وہ قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال سے باخبر کر دیگا۔ اور تباہی کا کہ دنیا میں تم فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں کام کرتے ہو۔ یہ حجت پوری کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر انسان کے لیے جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔ بِهِرْجَالٍ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے والا ہے اور کوئی چیز اس کے علم محیط سے باہر نہیں ہے۔

مشاورت کی  
اہمیت

یہاں پر علیحدگی میں بعض آدمیوں کے خفیہ مشورے کا ذکر آیا ہے تو اس ضمن میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تین آدمی کسی جگہ موجود ہوں یا سفر کر رہے ہوں۔ تو ان میں سے دو آدمی علیحدگی میں مشورہ نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیسرے آدمی کو شک گزے کہ علیحدگی میں اس کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ بہر حال مشورہ تو دو کا بھی آپس میں ہو سکتا ہے مگر کسی کی دل شکنی کر کے نہیں۔ جیسے اللہ نے اہل ایمان کو مشورے کا حکم دیا ہے وَأْمُرْهُمْ بِشُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۲۸) یعنی وہ اپنے کلام مشورہ سے انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بھی حکم دیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران: ۱۵۹) آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں یعنی جن امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و حصول

نہیں ہوئیں، اُن معاملات میں باہم مشورہ کے بعد کوئی فیصلہ کریں اور پھر اللہ پر توکل کرتے ہوئے اُس کام کو کر گزریں۔ مشورہ کہہ لینا بہت اچھی بات ہے کہ اس طرح انسان خاکے سے بچ جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے تین اور پانچ آدمیوں کا ذکر کیا ہے کہ اگر کہیں تین اشخاص ہوں تو چوتھا خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے۔ ان دو اعداد کے ذکر میں بھی خاص مصلحت ہے۔ تین اور پانچ کے اعداد طاق ہیں۔ اگر یہ آپس میں مشورہ کریں تو اختلاف رائے کی صورت میں بھی آسانی سے فیصلہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تین میں سے دو ایک طرف اور ایک دوسری طرف ہو گا۔ لہذا اکثریت کی رائے پر عمل درآمد ہو جائے گا۔ یہی صورت حال پانچ یا دیگر طاق اعداد میں ہوگی۔ اور اگر آدمیوں کی تعداد جفت ہو یعنی دو چار، چھ وغیرہ تو ان میں رائے برابر برابر تقسیم ہونے کی صورت میں فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گی۔

حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لیے اُن چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی جن پر حضور علیہ السلام دنیائے رخصت ہوتے وقت راضی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چھ آدمی یا بھی مشاورت سے کسی شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اگرچہ اس کمیٹی میں آپ کا بیٹا عبداللہؓ بھی شامل تھا۔ مگر آپ نے فرمایا تھا کہ یہ مشورہ تو دے سکتے ہیں مگر خود خلافت کے امیدوار نہیں بن سکتے چنانچہ یہ حضرات تین دن تک باہمی مشورہ کرتے رہے اور اس دوران حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بطور قائم مقام خلیفہ نماز پڑھاتے رہے اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ بھی انہوں نے ہی پڑھایا۔ بہر حال تین دن کی مشاورت کے بعد مذکورہ کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ غرضیکہ مشاورت کی اپنی اہمیت ہے جس کے لیے نبی اور امت دونوں کو حکم دیا گیا ہے۔

مکی زندگی میں تو مشرک اور کافر اسلام اور اہل اسلام کے کھلم کھلا دشمن تھے اور ان کی ایذا و رسائیوں کی وجہ سے ہی مسلمانوں کو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ

منافعتین کی  
سرگوشیاں

طلبتہ ہجرت کرنا پڑی۔ مرنے پہنچ کر اگرچہ اہل ایمان کو قدرے سکون نصیب ہوا۔ اور اسلامی ریاست کی بنیاد بھی قائم ہو گئی تاہم یہاں بھی دو طاقتوں کے مابین مسلمان زکات اٹھاتے رہے۔ ایک تو یہودی تھے جو کافی تعداد میں مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں آباد تھے۔ اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ دوسرے اگر وہ منافقین کا تھا جو بظاہر تو ایمان مستبول کر چکے تھے مگر ان کی ہمدردی یہودیوں اور مشرکوں کے ساتھ تھیں اور وہ آئے دن درپردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ بہر حال یہودی اور منافق مسلمانوں کے خلاف خفیہ مینگیں کرتے، اصلاح مشورہ کرتے کہ ان کو کس طرح تنگ کیا جائے۔ تو اللہ نے فرمایا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَسَمِعُوا لَهُمْ وَأَوَّنُوا وَإِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا عَلِيمًا۔ ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جن کو سرگرمی کرنے سے منع کیا گیا ہے ثُمَّ يَكُونُ لَكُمُ اللَّهُمَّ عَمَلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكُونُونَ۔ پھر وہ پلٹ کر وہی بات کرتے ہیں۔ جن سے ان کو روکا گیا تھا وَيَكْتُمُونَ بِالْآثِمِينَ وَالْعُدْوَانَ وَمَقَصِدَاتِ الرَّسُولِ اور سرگرمی کرتے ہیں گناہ، زیادتی اور رسول کی مخالفت کے ساتھ مطلب یہ کہ ان کی خفیہ مینگیں تو مسلمانوں کے خلاف ریاضہ دوانیوں کے لیے ہوتی ہے جن میں یہ طریقہ طرح کے منصوبے بناتے ہیں تاکہ اہل ایمان کے راستے میں مشکلات کھڑی کی جائیں۔

منافقوں کی ایک خصلت یہ تھی کہ جب وہ حضور علیہ السلام کی مجالس میں آکر بیٹھے تھے تو اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے، ایک دوسرے کے کان میں کانٹا پھونسی کرتے ایمان والوں کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے اور ان کی عیب چوٹی کرتے۔ اس قسم کی حرکات سے مخلص مسلمانوں کو سخت گفت ہوتی تھی۔ یہ یہودی بھی اس قسم کی حرکات کر کے اہل ایمان کے لیے اذیت کا باعث بنتے تھے۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ جُلُودِہُمْ (آیت ۱۱۴) ان کی سرگرمیوں میں بھڑائی کی کوئی بات نہیں ہوتی بلکہ ان کے مشوروں میں شر و فساد ہی پایا جاتا ہے



آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے یہودیوں کی نبیانت کی ایک مثال بیان فرمائی ہے  
وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحْيِيكَ بِهِ اللَّهُ جَبَسَ لَكَ الْكُلْبُ  
میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں  
کیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بد بخت اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سلام  
نہیں کرتے۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی منافقتیں بھی اسی طرح کرنے لگے۔ مخلص مسلمان  
تو حضور کی مجلس میں آتے تو اسلام علیکم کہتے، مگر یہ بد بخت اَنَّا مُمْعَلِكُمْ کہتے لگے۔  
حالانکہ سلام کا معنی سلامتی ہے جب کہ سام کا معنی موت اور ہلاکت ہوتا ہے۔ تو اس  
طریقے سے وہ لوگ حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے سلامتی کی بجائے ہلاکت طلب  
کرتے تھے۔

سلام کرنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام  
کو سکھایا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ فرشتوں کے  
پاس جا کر اسلام علیکم کہو، اور جو جواب وہ تمہیں دیں گے وہی جواب قیامت تک کے  
لیے تمہاری اولاد کے حق میں ہوگا۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں سے اسلام علیکم  
کہا تو انہوں نے جواب میں وہ علیک السلام کہا۔ اب تمام اہل ایمان کے لیے یہی طریقہ  
راج ہے کہ اسلام علیکم کے جواب میں وہ علیک السلام یا وہ علیکم السلام کہا جاتا ہے  
سورۃ النساء میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا  
بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ دُدُّوهَا رایت (۸۶) جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے  
بہتر جواب دو ورنہ کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ مطلب یہ ہے اسلام علیکم کا جواب وہ علیکم السلام  
درجۃ التبرکات نہ ہونا چاہیے یا کم از کم وہ علیکم السلام تو ہو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس  
کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے سلام کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ برصغیر کے لوگ  
بندگی، فسکار، آداب عرض کہتے ہیں یا عرب لوگ اَنْعَمُ صَبَاحًا کہتے تھے۔  
اسی طرح انگریزی میں (GOOD MORNING) وغیرہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کو پسند  
نہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہودی اور منافق لوگ جب آپ کی مجلس میں آکر سلام

کرتے ہیں تو ایسے طریقے سے جو اللہ نے نہیں سکھلایا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ السلام علیکم کی بجائے اسام علیکم کہتے تھے جو کہ نہایت ہی قبیح بات ہے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ لفظ منکر برداشت نہ کر سکیں تو جواب میں فرمایا علیکم السلام وَالْعَدُوُّ تم پر خدا کی ہلاکت اور لعنت ہو۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا، عائشہؓ! یوں نہ کہو کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ جب وہ ہمارے سامنے ایسی بات کرتے ہیں تو ہم صرف اتنا کہہ دیتے ہیں علیکم یعنی جو کچھ بھی تم نے جو اس کی ہے یہ تمہیں پر پڑے۔ مگر یہ بدزیت لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ایسی دعا قبول نہیں کریگا۔ بلکہ ہماری دعا قبول ہوگی۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ بد بخت اپنی حرکات سے باز آنے کی بجائے ویقولون فَتَ الْفِيهِمْ لولا یُعَذِّبُنَا اللہُ بِمَا نَقُولُ وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارے عمل مسلمانوں کے ساتھ اچھا نہیں ہے اور ہم غلط بات کہتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ فرمایا یہ سزا دنیا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب چاہے گا پکڑے گا مگر دنیا میں وہ بسا اوقات صلت دیتا رہتا ہے اور آدمی کو راہِ راست پر آنے کا موقع دیتا ہے۔ پھر جب وہ باز نہیں آتا تو بعض اوقات دنیا میں بھی سزا دے دیتا ہے مگر آخرت میں حَسْبُ لَهُمْ جَهَنَّمُ ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے يَصْطَلُونَهَا جس میں وہ داخل ہوں گے۔ فِي شَأْنِ الْمَصِيدِ اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے۔

صحیح مشورہ کا حکم

انہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صحیح مشاورت کی ہدایت کی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ ایمان والو! جب تم آپس میں کوئی خفیہ مشورہ کرو فَلَا تَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعَدْوِ وانی و معصیت الرسول تو کوئی ایسا مشورہ نہ کرو جس میں گناہ، تعدی یا اللہ کے رسول کی مخالفت کا پہلو نکلتا ہو۔ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ بلکہ ہمیشہ نیکی اور تقویٰ کا مشورہ کرو۔ یعنی ایک دوسرے کی خیر خواہی اور مصلحت کی بات کرو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد





طرح ہی ہو جائے گی۔

فرمایا نیک نیتی کے ساتھ دین پر قائم رہو، مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے بدلہ نہ ہو۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ کریں۔ ان کو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ضرورت دکرے گا اور بہ نیت سازشی اور منافق قسم کے لوگ ناکام ہوں گے۔

---

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ  
فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا  
يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ  
دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُوَابِقِينَ  
يَدَىٰ بَنُوتِكُمْ صَدَقَةٌ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ  
فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ أَسْفَقْتُمْ  
أَنْ تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَىٰ بَنُوتِكُمْ صَدَقَةٌ فَإِذَا لَمْ  
تَفْعَلُوا تَأْتِ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا  
الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا  
تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب کہا جائے تم سے  
کٹا دگی کرو مجلسوں میں تو کٹا دگی کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے  
لیے کٹا دگی پیدا کرے گا۔ اور جب کہا جائے کہ  
اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ بلند کریگا  
ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور وہ لوگ  
جن کو علم دیا گیا ہے اور ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم

کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے (۱۱) لے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو اللہ کے رسول کے ساتھ تو آگے بھیجو اپنی سرگوشی سے صدقہ۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور پاکیزہ۔ پس اگر تم نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے (۱۲) کیا ڈر گئے ہو تم اس بات سے کہ تم آگے بھیجو اپنی سرگوشی سے صدقات۔ پس اگر تم نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مہربانی سے رجوع فرمایا ہے۔ پس قائم کرو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کلام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے (۱۳)

پہلے اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا ذکر ہوا، پھر یہودیوں اور منافقوں کی مذمت بیان ہوئی۔ یہ لوگ مجلسوں میں تکلیف دہ باتیں کرتے تھے۔ وہ مجلس میں آکر سلام بھی غلط طریقے سے کرتے تھے جس سے مخلص مسلمانوں کی دل آزاری ہو ان کی اس حرکت کو اللہ نے بد اخلاقی سے تعبیر کیا کہ وہ سلام کی بجائے سام کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں بھی کرتے تھے۔ اور اہل ایمان کی اذیت کا باعث بنتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مجلس کے بعض آداب سکھائے ہیں۔ دو قسم کے آداب ہیں سے پہلی قسم عام مومنوں سے متعلق ہے جب کہ دوسری قسم کا اوس پغیر علیہ السلام کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کٹا دگی پیدا کرو فَتَفَسَّحُوا پس تم کٹا دگی کرو۔ حاضرین کی نسبت اگر بیٹھنے کی جگہ تنگ ہو تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ

مجلس میں  
کٹا دگی



بیٹھنے والے لوگ ذرا ابل کر بیٹھ جائیں تاکہ بعد میں آنے والوں کو بھی بیٹھنے کے لیے کچھ نہ کچھ جگہ میسر آجائے۔ فرمایا اگر تم اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے کشادگی پیدا کر گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ يُفْسَحُ اللَّهُ لَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا فرمائے گا۔ یہ عام لوگوں کے لیے مجلس کے آداب ہیں کہ کھلے ہو کر نہ بیٹھو بلکہ ضرورت ہو تو ابل کر بیٹھ جاؤ تاکہ دوسروں کے لیے بھی بیٹھنے کی گنجائش نکل سکے اگر بعض لوگ کھلے کھلے باسہولت بیٹھ رہیں گے تو دوسرے لوگ اس مجلس سے مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ یہ آداب حضور علیہ السلام کی مجلس کے لیے مزید اہم ہیں تاکہ تمام لوگ رسول خدا کی گفتگو، اُن کی ہدایات اور احکام سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارا تنگی دور کر کے رزق میں وسعت پیدا کر دے گا۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی کے دروازے تمہارے لیے کشادہ کر دے گا۔ لہذا اگر مجلس میں سکر کر بیٹھنا پڑے تو اس سے تنگی دل نہ ہو، اور نہ ہی اس میں کوئی توہین آمیز بات ہے بلکہ اس ذرا سی تکلیف کا اللہ بہت بہتر بدلہ عطا فرمائے گا۔

اس کے ساتھ اللہ نے مزید فرمایا وَإِذَا قِيلَ انْشُرُوا فَاَنْشُرُوا اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کر چلے جاؤ تو چلے جاؤ۔ اس میں کوئی حیل و حجت نہ کرو۔ ایسا حکم دو وجہ سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ موضوع گفتگو ختم ہو کر مجلس برخاست کر دی جائے، تو بلا وجہ بیٹھ رہنا درست نہیں۔ لہذا اب چلے جاؤ دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ مجلس کی جگہ اس قدر تنگ ہے کہ مزید بیٹھنے کی بالکل گنجائش نہیں۔ لہذا ایسی صورت میں اگر پہلے بیٹھنے والوں کو کہا جائے کہ اب چلے جاؤ تاکہ دوسرے لوگ بھی استفادہ کر سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حکم کے مطابق اٹھ کھڑے ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ اَمَّنُوا مِنْكُمْ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان لانے والوں والَّذِينَ اَوْثَرُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ اور علم حاصل کرنے والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ یہ آداب ہیں جو اللہ نے اس آیت میں بیان فرمائے ہیں کہ مَقُورًا هَيْئًا تَأْكُلُ مِمَّا كَشَرْتَهُ يَوْمَ تَبُوءُ۔ اور پے چل کر حلقہ کہہ لیں یا اگر بالکل چلے جانے کے لیے کہا جائے تو چلے جائیں اتنی حرکت میں ضرور یا بخل نہ کریں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ خَوْنٌ نِيكَ پر اللہ مہربان ہے، اچھے اخلاق اور اچھی خصلت پر اللہ کی مہربانی شامل حال ہوتی ہے اور خَوْنٌ بد سے بیزاری ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُس سے بیزار ہوتا ہے۔ یہ مکارم اخلاق ہیں سے ہے کہ مجلس سے اٹھ جائیں تاکہ دوسروں کو بھی بیٹھنے اور بات سننے کا موقع ملے یا پیچھے سرک جائیں تاکہ جگہ کشادہ ہو جائے اور سارے حاضرین مستفید ہو سکیں، اور ایسا کرنے میں توہین محسوس نہ کریں۔ حضور علیہ السلام کی مجلس میں تو ہر شخص قرب کا خواہشمند ہوتا تھا جس کی وجہ سے بعض اوقات جگہ کی تنگی کی شکایت محسوس ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض اوقات اکابر صحابہؓ کو بھی قریب جگہ نہیں ملتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے۔ تاکہ سب کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع مل سکے اور نظم و ضبط بھی قائم رہے۔ ایسے انتظامی معاملات میں صدر مجلس کے احکام کی تعمیل ضروری ہے جہاں یا کسی دیگر اہم معاملہ کے متعلق مجلس قائم ہو تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ لہذا سب کو استفادہ کا موقع ملنا چاہیے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ہر مجلس کی ابتداء اور انتہا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجلس پر خاست کرتے وقت یوں کہو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ فرمایا اگر مجلس میں کوئی معصیت والی بات ہو گئی ہوگی تو یہ دعا اُس کا کفارہ بن جائے گی۔ آداب مجلس میں یہ بھی شمار ہوتا ہے کہ کوئی شخص باہر سے آتا ہے تو اگر موجود



لوگوں کو سلام کرے۔ اور اگر کوئی آدمی مجلس کو چھوڑ کر جا رہا ہے تو بھی سلام کر کے جائے  
 آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابتدائی سلام آخری سلام سے زیادہ اہم نہیں ہے بلکہ دونوں  
 برابر ہیں حضور علیہ السلام نے راستوں پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی، صحابہ کرامؓ نے عرض  
 کیا حضور! اگر ضرورت ہو تو سڑک کے کنارے کسی تھکڑے پر بیٹھ کر بات چیت کر لیں؟  
 آپ نے فرمایا کہ اگر کسی راستے پر بیٹھنا واقعی ضروری ہو تو پھر بیٹھ جاؤ۔ مگر راستے کا حق  
 ادا کرو، اور راستے کا حق یہ ہے کہ نظریں نیچی رکھو تاکہ کسی غیر محرم پر نگاہ نہ پڑے  
 کوئی جھٹکا ہو یا مسافر بے تو اس کو راستہ دکھاؤ۔ اگر کوئی معاونت طلب کرتا ہے، تو  
 اس کی مدد کرو اور سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دو۔

غرضیکہ ایمان اور علم صحیح ہمیشہ انسان کو ادب سکھاتا ہے اور اس کی وجہ سے  
 انسان متواضع ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ  
 جو شخص اللہ کے لیے عاجزی کرے گا، اکثر اور غرور سے پرہیز کرے گا، اللہ تعالیٰ  
 اس کو بلند کرے گا۔ متکبر لوگ ہمیشہ جاہل اور اچھے ہوتے ہیں۔ جن میں کوئی تنزیب  
 اور شائستگی نہیں ہوتی۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اللہ تعالیٰ تمہارے  
 ہر کام کی خبر رکھنے والا ہے۔ تمہارا ہر صحیح اور غلط عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے جسے  
 وہ جزائے عمل کے وقت ظاہر کرے گا۔ اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

نبی علیہ السلام کی مجلس میں بعض اوقات بڑے دولت مند اہل سوادِ قسم کے لوگ  
 بھی حاضر ہوتے تھے اور وہ آپ سے بات چیت میں علیحدگی اور زیادہ وقت  
 بھی چاہتے تھے، لہذا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی خاص کام تو ان کو ہوتا نہیں تھا  
 محض اپنی بڑی حیثیت کو منوانے کے لیے زیادہ وقت سے لیتے۔ لہذا اللہ نے یہ  
 ادب بھی سکھایا ہے۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَالْوَدَّاءُ إِذَا فَاجَبْتُمُ  
 الرَّسُولَ حَبْطُ الْمَرْحَلَةِ جَبْطُ الْمَرْحَلَةِ جَبْطُ الْمَرْحَلَةِ جَبْطُ الْمَرْحَلَةِ  
 بات علیحدگی میں نہ چاہو۔ فَقَدْ مُوَابَكَيْنَ يَدَيَّ بَخْوَلِكُمْ صَدَقَةٌ  
 تو اس گفتگو سے پہلے صدقہ دے لیا کرو، تاکہ غربا اور مساکین کا بھی بھلا ہو جائے۔

سرگوشی سے  
 پہلے صدقہ  
 کا حکم



فرمایا ذلک خیر لکم وأظہر ایا کرنا تھا ہے لیے بہتر بھی ہے اور پاکیزہ بھی۔ اس سے تمہیں بہت سے فوائد حاصل ہوں گے فإن لم تجدوا اور اگر صدقہ کرنے کے لیے کوئی چیز پاؤں فإن اللہ غفور رحیم پس یہ شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور از حد مہربان ہے۔ اس حکم کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ منافق ارگ اپنی کجی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا وقت ضائع کرنے سے باز آگئے کیونکہ وہ بات حیت کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کے پابند ہو گئے۔ چونکہ وہ خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ لہذا حضور علیہ السلام سے سرگوشی کرنے سے بھی باز آگئے۔ اب صرف وہی لوگ صدقہ دے کر حضور سے سرگوشی کرنے لگے جنہیں واقعی کسی اہم معاملہ کے متعلق گفتگو کرنا ہوتی۔ دینے کے سب لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ کون آدمی صاحب مال ہے اور صدقہ ادا کر سکتا ہے۔ اگر ایسا کوئی آدمی بغیر صدقہ کے سرگوشی کرنے کی کوشش کرتا تو لوگوں کی نظروں میں آجاتا اور اس طرح اسے خفت اٹھانا پڑتی۔

اس حکم کی  
منسوخی

آیت زیر درس کے ذریعے اللہ نے سرگوشی سے بے صدقہ کرنے کو واجب قرار دیا تھا، البتہ تادار لوگ اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس ضمن میں حضرت علیؑ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس صدقہ کی مقدار کیا ہونی چاہیے، اور کیا ایک دینار کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے کم کرو۔ حضرت علیؑ نے نصف دینار تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی زیادہ ہے۔ پھر حضرت علیؑ نے ایک جبر کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا کہ تم اس کی مقدار بہت قلیل رکھنا چاہتے ہو۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے اس آیت پر خود عمل کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ ادا کیا، لیکن بعد میں صدقہ کا یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا اَسْفَقْتُمْ اَنْ تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيَّ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ کیا تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ ادا کرو؟ فَاذْ لَمْ تَفْعَلُوا پھر اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے یعنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نہیں دیا وَتَابَ اللّٰهُ عَنِ كُمُ النَّاسِ

نے اپنے خاص نہر بانی سے تمھاری طرف رجوع کیا ہے۔ اب صدقہ کی ادائیگی کی شرط منسوخ کر دی گئی ہے۔ اب ایسا کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ اگر تم از خود استجاب کے طور پر صدقہ دینا چاہو تو اس میں کوئی عرج نہیں ہے اور اس میں تمھارے لیے بہتری اور پاکیزگی ہے۔ **مِمَّا مِثْلُهَا إِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ صَدَقَةُ اللَّهِ تَعَالَى**۔ اس سے نکل کر دور کرنا ہے اور برائیوں کو مٹانا ہے۔ اس سے نکل کر دور کرنا ضروری نہیں رہا۔

نماز اور  
زکوٰۃ

پھر فرمایا **فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ** ہر حالت میں نماز کو قائم رکھو **وَآتُوا الزَّكَاةَ** اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ سال جب نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کرو۔ نماز کے ذریعے انسان کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوتے ہیں۔ جب کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذریعے مخلوق خدا سے بھائی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور ان سے تعلقات استوار ہوتے ہیں دوسرے الفاظ میں نماز اللہ کا حق ہے تو زکوٰۃ بندوں کا حق ہے۔ اسی لیے قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کا اکثر اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ نے نماز کو جسمانی عبارت بنایا ہے جب کہ زکوٰۃ کو مالی عبادت میں داخل کیا ہے۔ یہ دونوں اعمال جماعت المسلمین کی علامت ہیں۔ انہی دو چیزوں کی وجہ انسان جماعت کے رکن کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص میں یہ علامات نہ پائی جائیں تو اس کے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ پھر فرمایا **وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو وہ جس کام کا حکم دیں اُسے کر گزرو، اور جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔ گویا اللہ نے یہاں پر چار باتوں کا حکم دیا ہے یعنی نماز، زکوٰۃ، اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت۔ انہی چیزوں پر انسان کی کامیابی کا دار و مدار ہے لہذا ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ **وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ** اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ تمھاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ تمھاری ہر حرکت اور سکون اللہ کی نگاہ میں ہے، لہذا اس کے احکام کی کبھی خلاف ورزی

نہ کرو۔ وہ تمہارے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو جزائے عمل کے وقت ظاہر کر دے گا اور پھر انہی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

---



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
 مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ  
 وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۱۴ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا  
 إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۵ اخْذُوا إِيْمَانَهُمْ  
 جَنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۱۶  
 لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ  
 اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا  
 خَالِدُونَ ۝۱۷ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ  
 لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى  
 شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝۱۸ اسْتَخُودَ عَلَيْهِمُ  
 الشَّيْطَانُ فَأَنسَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ  
 أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝۱۹ أَلَمْ  
 يَكُنْ مِنْكُمْ نَبِيٌّ قَدْ قَالَ أَتُحِبُّونَ اللَّهَ ثُمَّ لَا تُحِبُّونَ  
 رَسُولَهُ اللَّهُ لَا غُلِبَ لَنَا وَأَنَا وَرَسُولِي إِنَّ اللَّهَ لَمُنِيرُ  
 الْعَالَمِينَ ۝۲۰ عَزِيزٌ ۝۲۱

جنوں نے دوستی کی ہے اُس قوم سے جو پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔ یہ لوگ نہیں ہیں قوم میں سے، اور نہ اُن میں سے۔ اور یہ چھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (۱۳) تیار کیا ہے اللہ نے اُن کے لیے سخت عذاب۔ بیشک بڑی ہے وہ بات جو یہ کرتے ہیں (۱۵) بنا یا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال۔ پس روکا ہے انہوں نے اللہ کے راستے سے، پس ان لوگوں کے لیے ذلت عذاب ہے (۱۶) ہرگز نہیں کاسم آئیں گے اُن سے اُن کے مال اور نہ اُن کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی۔ یہی لوگ ہیں دوزخ والے، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۱۷) جس دن اللہ اٹھائے گا ان سب کو، پس یہ قسمیں اٹھائیں گے اُس کے سامنے جیسا کہ یہ قسمیں اٹھاتے ہیں تمہارے سامنے۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی راہ پر ہیں آگاہ رہو، بیشک یہی لوگ جھوٹے ہیں (۱۸) غالب آگیا ہے ان پر شیطان۔ پس ان کو فراموش کرا دیا ہے اللہ کا ذکر، اور یہ ہے شیطان کا گروہ آگاہ رہو کہ بیشک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے (۱۹) بیشک وہ لوگ جنہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی، یہ لوگ ذلیلوں میں ہوں گے (۲۰) اللہ نے کھ دیا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ

قوت والا اور زبردست ہے (۲۱)

یہودی اور عیسیٰ  
اعتقادی منافق

گزشتہ درس میں آداب مجلس کے سلسلے میں یہودیوں اور منافقین کی ایذا رسانی کا ذکر ہوا تھا، اب اللہ نے ان کی بعض بُری خصلتوں کا ذکر کے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے، دینی زندگی میں اگر اہل ایمان کو منافقین کے ساتھ واسطہ

پڑا یہ اعتقادی منافق تھے جو کہ کافروں کی بدترین قسم ہے اللہ نے ان کے متعلق سورۃ النساء میں فرمایا اِنَّ الْعٰفِیْقِیْنَ فِی الذِّکْرِ الْاَسْفَلِ مِنَ الشَّکَرِ۔ (آیت - ۱۴۵) بے شک منافق نوک دوزخ کے سب سے نچلے اور خطرناک گڑھے میں ہوں گے۔ یہ لوگ بظاہر اسلام کا کلمہ بھی پڑھتے تھے اور ظاہری طور پر تعیل احکام بھی کرتے تھے مگر ان کے دل پستے کی طرح کفر سے لبریز تھے۔ ان بہنجتوں کی پہچان مشکل تھی لہذا اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیتے تھے بعض اوقات ان کی حرکات سے بھی کسی حد تک ان کی خباثت کا پتہ چل جاتا تھا کہ یہ دشمنان اسلام ہیں۔ یہ لوگ مخلص مسلمانوں اور دین اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ان کا سر غزہ عبداللہ بن ابی قحافہ جب کہ اُس کا بیٹا مخلص مسلمان تھا۔ یہ لوگ مدینہ اور مکرہ و ذوالحجہ کی بستیوں میں آباد تھے۔ یہودی کم و بیش ایک ہزار سال سے مدینہ کے اطراف میں رہائش پذیر تھے، عربی زبان بولتے تھے مگر اپنی مذہبی رسومات باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ قرأت کے عالم تھے عام پڑھنا لکھنا بھی جانتے تھے اس لیے صاحب علم کہلاتے تھے۔

اس کے برخلاف عربوں کی ۹۸ فیصد آبادی ان پڑھ تھی جو کہ اتنی کہلاتے تھے اور تمام باتیں زبانی یاد رکھتے تھے، اس میں بھی اللہ کی حکمت تھی۔ اس نے اپنا آخری نبی اپنی امتوں میں، مبعوث فرمایا جس نے علم و عرفان کے وہ خزانے کھیرے جس نے ساری تمدن اور تعلیم یافتہ قوموں کو ورثہ حیرت میں ڈال دیا۔ بہر حال اللہ نے قرآن پاک میں منافقوں سے بچنے کی بار بار تلقین کی ہے۔ کافروں کی دشمنی تو گھٹے عام تھی اور ان سے دفاع بھی کیا جاسکتا تھا مگر منافق لوگ بارائیں ثابت





دشمن یہی یہودی تھے۔ انہوں نے مشرک رومیوں کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ چلا کر آپ کو سزائے موت دلوانے کی سعی ناشکور کی تھی۔ کہتے تھے کہ اس شخص نے ہمارا دین بگاڑ دیا ہے۔ یہی لوگ حضور علیہ السلام کی مخالفت میں بھی پیش پیش تھے۔ مشرک تو سرزمین عرب سے ختم ہو گئے۔ مگر ان کی عدالت ختم نہ ہوئی جو آج تک قائم چلی آرہی ہے۔ دنیا بھر کی خبر رساں ایجنسیوں پر یہودیوں کا قبضہ ہے یہ لوگ اپنے مقصد کی خبریں شائع کرتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو بھینٹیت مجموعی نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ مغضوب اور ملعون لوگ ہیں۔ ان کے بڑے خاندان بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے جن میں سے اول الذکر دو تو جلاوطن کر دیے گئے۔ بنو قریظہ نے غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف سازش کی تو ان کے سارے مرد قتل کر دیے گئے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنالیا گیا۔ خیبر کے یہودی بھی مغلوب ہو گئے، انہوں نے جزیرہ دینا قبول کر لیا، مگر حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ لوگ پھر بھی ناقابل اعتبار تھے لہذا حضرت عمرؓ کے زمانے میں انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ بہر حال یہ مغضوب علیہ قوم ہے۔

منافقوں کی  
جھوٹی قسمیں

فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے مغضوب علیہ قوم سے دوستانہ کیا۔ یہ منافق لوگ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ نہ تو تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے۔ مطلب یہ کہ نہ تو یہ یکے یہودی ہیں اگرچہ ان کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور نہ یہ مسلمان ہیں حالانکہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں۔ فرمایا یہ بھی سازش کی کامیابی کے لیے وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں مسلمانوں کو جھوٹی قسموں کے ذریعے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں وَهُمْ يَعْلَمُونَ حالانکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں منافق جھوٹی قسمیں کھانے میں بڑی ہمارت رکھتے تھے۔ منہ احمد، مستدرک حاکم کی روایت میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کسی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے وحی الہی کے خبر دینے پر مد حاضرین مجلس کو بتایا کہ ابھی تمہارے پاس نیکیوں آنکھوں والا شخص آئے گا جو شیطان



کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، لہذا تم اُس سے کوئی بات نہ کرنا۔ عھوڑی دیر بعد وہ شخص آگیا۔ حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا کہ تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کھاتے ہو۔ وہ شخص قسمیں اٹھانے لگا کہ اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ پھر وہ اپنے دو سرے ہاتھوں کو بھی بلا لایا۔ اور انہوں نے بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں کہ ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت کو جانتے ہیں۔

سورة المنفقون میں اللہ نے فرمایا کہ ان کی قسمیں جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہیں۔ یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر دل سے آپ کو سچا رسول نہیں مانتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے كَيْنُفُكُمُ اِنَّهُمْ سَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کی کارگزاری بہت ہی بری ہے۔ اِتَّخَذُوا اٰيَمَانَهُمْ حُجَّةً انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے دفاع کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔ قسمیں اٹھا کر مسلمانوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا چاہتے ہیں فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ پس انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی سازشوں، جھوٹ اور فریب کاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح مسلمان دین اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کے انجام کے متعلق فرمایا فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ کہ ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے۔ ان کی رسوائی کے متعلق سورة توبہ میں بھی ہے اِنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ (آیت ۱۲۶) کہ ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمایا جاتا ہے، ان کی منافقت ظاہر ہوتی ہے مگر یہ پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ شرم سے عاری یہ لوگ اپنی سازشوں کا حال پھر بھی پھیلاتے سہتے ہیں۔

فرمایا اِنْ تَغْنِي عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ



نَشِئْتُمْ اَنْ كُنْتُمْ اَوْلَادُ اللَّهِ تَعَالٰی کے رد و کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ مال و دولت، غرض، قبیلہ، برادری، بیٹے، بھائی وغیرہ تو اس دنیا میں کسی حد تک کام آجاتے ہیں جب کہ اللہ کی مشیت ہو مگر آخرت میں تو ان میں سے کوئی بھی چیز مفید نہیں ہوگی۔ جو لوگ اس دنیا میں منافقت پر کار بند ہے وہ اللہ کے ہاں کبھی سرخرو نہیں ہو سکتے بلکہ اُولَئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ یہ تو دوزخ کی آگ میں جانے والے ہیں هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی بھی وہاں سے نکلے نہیں جائیں گے۔ فرمایا ان کی جھوٹی قسمیں اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی بد بختی کی انتہا یہ ہے کہ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ حساب کتاب کے لیے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ فَيُخَلِّفُونَ لَهُ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكُمْ تُوہاں بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے جس طرح آج تمہارے سامنے اٹھا ہے ہیں۔ ان کی فطرت ہی بگڑی ہوئی ہے وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَيْءٍ يَخَالُ كَرْتے ہیں کہ کسی راہ پر ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اصل راستے سے ہٹ چکے ہیں۔ اور کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے، ہر شخص کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ مگر ساقی اس کے ہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے۔ اللہ نے فرمایا اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ آگاہ رہو کہ یہ لوگ سرتاپا جھوٹے ہیں۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا اسْتَعِذَّ بِكَ الشَّيْطَانُ اِنْ يَرِ شَيْطَانُ نے قابو پایا ہے فَانْفُسُهُمْ ذُكِّرُوا لِلَّهِ پس انہیں اللہ کی یاد فراوانی کرا دی ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے بالکل منہ موڑ چکے ہیں۔ سورۃ النسا میں ہے وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ اِلَّا قَلِيْلًا (آیت ۱۴۲) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ جو بھی کام کرتے ہیں، اپنے بچاؤ کے لیے، نماز پڑھتے ہیں تو مسلمانوں کو دکھانے کے لیے دگر بن اللہ کو یاد کرنا الکی کا مقصود نہیں ہوتا بغرض کہ

شیطان کا غلبہ

فرمایا کہ شیطان نے اِن پر غلبہ حاصل کر لیا ہے جس نے اُن سے اللہ کے ذکر کو فراموش کر دیا ہے، اگر کیا کہ صحیح معنوں میں یہ خدا تعالیٰ کو یاد ہی نہیں کرتے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَيْدٍ وَلَا بَدْوٍ كَسَى بَشِيَّ يَدِيهِمَا فِي الْأَرْضِ إِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ وَتَرَى شَيْطَانَهُمْ أَنْ يَبْرُكُوا عَلَيْهَا يُقَالُ يَدَايِهِمَا فِي الْأَرْضِ وَإِذَا سَأَلَكَ الْمَلَائِكَةُ بِمَا كُنتَ فِي الْيَوْمِ فَلَمْ يَقُلْ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ مِمَّا كُنتَ تَفْعَلُ

انصاف سے یہ سمجھا جائے تو آج اسلامی ممالک پر بھی شیطان غالب ہے  
ہر جگہ اسی کی اطاعت ہو رہی ہے کیونکہ دین اور شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔  
سب شیطان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اُسی کے بتائے ہوئے کھیل تماشے  
موسیقی، شوز و شر، عیاشی، فحاشی وغیرہ میں ہی مگن ہیں۔ اسی نے اللہ نے فرمایا  
يَا دُرُكْهُمُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ يٰۤاِنَّ شَيْطٰنًا كَرِيْمًا  
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ خبردار! شیطان گروہ کے لوگ ہی نقصان  
اٹھانے والے ہیں۔ یہ دنیا میں کڑھیا کیسا وقت گزاریں گے مگر آخرت میں خدا تعالیٰ  
کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

اللہ کے رسول  
کے مخالفین

فَرَأَىٰ دُرَّ كَوْكَبٍ إِنْ الدِّينِ يُجَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حِينَ لَمْ يَكُنْ لَهُ

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اولیٰ لک فی الآذنین یہی لوگ ذلیل و خوار ہوں گے۔ ان کو اللہ کے ہاں کبھی عزت نصیب نہیں ہوگی۔ اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کَتَبَ اللَّهُ لَا خَلِيفَ اَنَا وَرَسُولِي اس کے ہاں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ دنیا میں رسولوں کو آزمائش میں ضرور ڈالا جاتا ہے۔ ان کو تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں ان کے پیروکار بھی مصائب جھیلے ہیں مگر اچھا انجام رسولوں اور ان کے پیروکاروں کا ہی ہوتا ہے اور مخالفوں کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔ دنیا میں بڑی بڑی آزمائشیں آتی ہیں اور بادل اوقات جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ لیکن غلبہ، استحکام اور کامیابی اللہ کے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کے حصے میں ہی آئے گی۔ فَرَأَى اِنَّ اللّٰهَ اَقْوَمُ عَزِيزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔ اس کے سامنے کوئی عید سازی نہیں چل سکتی اور نہ ہی اس کی تدبیر میں کوئی دخلت کر سکتا ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ مجرموں کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت کا مالک ہے اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔



لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ  
 مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ  
 أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ  
 كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ  
 مِنْهُ ۖ وَيَدْخُلُهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۗ  
 أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ :- نہیں پائیں گے آپ کسی ازم کر جو ایمان  
 رکھتے ہوں اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ  
 دوستی کریں اس سے جس نے مخالفت کی ہے اللہ اور  
 اس کے رسول کی اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان  
 کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان  
 کے لوگ ہوں۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے کلمہ دیا ہے  
 ان کے دلوں میں ایمان، اور تائید کی ہے ان کی  
 اپنی طرف سے خاص روح کے ساتھ۔ اور وہ  
 داخل کرے گا ان کو باغوں میں جن کے سامنے  
 نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں  
 اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔

یہی لوگ ہیں اللہ کا گروہ۔ آگاہ رہو کہ بیشک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے (۲۳)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مغضوب علیہ قوم یعنی یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے اپنے خلوص کے اظہار کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو شیطان کے گروہ میں شمار کیا ہے اور یہ گروہ یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے پھر اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگ ہیں مگر بالانتہا غلبہ اہل ایمان کو ہی حاصل ہوگا کیونکہ ساری عزت اور قوت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اپنے بندوں کی ضرورت مدد کرے گا۔ اس کے بعد اللہ نے سچے اور مخلص مومنوں کے اوصاف اور ان کا مرتبہ بھی بیان فرمایا کہ یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ ہیں۔

اہل ایمان کی دوستی

اب آج کے درس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اہل ایمان کی دوستی کن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے اور کن کے ساتھ نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَبَیْہِ لَوْ كَانُوا مِنْكُمْ يَدْعُوا إِلَى الْإِيمَانِ لَتَقَبَّلْتُمْ مِنْهُمْ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ قَبِلَ مِنْهُمْ لَكَافِرٌ أُولَٰئِكَ سَوَابُ الْكَافِرِينَ (سورہ آل عمران: ۱۰۱)۔  
آخرت یعنی قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یُؤَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ کہ وہ دوستی رکھتے ہوں اُن لوگوں سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ دین کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنا ایمان کے تقاضے کے خلاف بات ہے۔ اور یہ کسی صورت میں بھی روا نہیں وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أَلْهَبَهُمُ اللَّهُ جَهَنَّمَ (سورہ آل عمران: ۶۱)۔  
مخالفین اسلام اہل ایمان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا بھادری اور خاندان کے لوگ ہوں۔ یہ مقام حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کو حاصل تھا اور وہ اس آیت کے مکمل مصداق تھے وگرنہ آج کے دور میں تو معاملہ بالکل ہی الٹ ہو چکا ہے، آج اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے دوستی ہے۔ مگر جو صحیح ایمان





کی تائید تھائے ساتھ ہوگی۔ غرضیکہ اللہ نے ایسے لوگوں کے دلوں میں خاص قسم کی معنوی حیات رکھ دی ہے یا وہ ایسے لوگوں کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر بخیرہ ایمان رکھتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا عمل

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ سچے ایمان والے اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں سے کبھی دوستی نہیں رکھتے اگرچہ وہ ان کے باپ ہی کیوں نہ ہوں حضور علیہ السلام کے صحابہؓ اس کے عملی تصویر تھے۔ وہ ایمان کے مقابلے میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ تمہارے دوست اللہ، اس کا رسول اور سچے ایماندار ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ لین دین، تجارت اور دیگر معاملات تو ہو سکتے ہیں مگر دوستی نہیں ہو سکتی۔ دوستی میں گہرا تعلق اور رازداری ہوتی ہے۔ انسان کو دوسرے کے ساتھ دلی محبت ہوتی ہے، لہذا یہ نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں صحابہ کرامؓ کا عمل ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو تاریخ، تفسیر اور حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہؓ اگرچہ شر پسند نہیں تھے مگر مشرک تھے۔ وہ بڑی دیر کے بعد فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ابو قحافہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے حضور علیہ السلام کو گالی دی تو آپؐ نے اپنے باپ کو اس قدر زور کا تھپڑ مارا کہ وہ بیہوش ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر آپؐ نے حضور علیہ السلام کے سامنے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ حضور! میں آپ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کر سکا، لہذا اپنے باپ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا بٹیا عبد اللہ مخلصؓ مسلمان تھا۔ حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی دوسرے شخص نے حضور علیہ السلام کو پانی پلایا تو آپؐ نے برتن کا سارا پانی نوش فرمایا۔ عبد اللہؓ نے عرض کیا حضور! اگر بخور اس پانی بچ جاتا تو یہ پس خوردہ میں اپنے باپ کو پلاتا۔ شاید اللہ تعالیٰ اس پانی کی برکت سے اس کو ہدایت دے دے۔ حضور علیہ السلام نے دوبارہ پانی پیا تو اس کا کچھ حصہ عبد اللہؓ کو دے دیا۔ تاکہ اپنے باپ کو پلا سکے۔ عبد اللہؓ نے وہ پانی اپنے باپ

رئیس المنافقین کو پیش کیا تو وہ کہنے لگا کہ اگر تو اس پانی کی بجائے اپنی ماں کا پیشاب  
 لے آتا تو وہ بہتر تھا (نور ذی اللہ بن ذکوان) عبد اللہؓ گر بڑا غصہ آیا، حضور علیہ السلام کی  
 خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! اجازت دیں تو میں اپنے باپ کا سر قلم کر  
 دوں مگر آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ اس طرح تو اہل ایمان کی بدنامی ہو،  
 گی کہ وہ اپنے باپ کا سر کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور یہ چیز اسلام کے رستے  
 میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ یہ دونوں باپ بیٹا کسی سفر سے  
 واپس آئے تھے۔ دیتے کے قریب پہنچے تو باپ نے کہا کہ ہم واپس پہنچ کر ان ذلیل  
 مسلمانوں کو شہر سے نکال باہر کریں گے تب ہمارا دل مطمئن ہوگا۔ حضرت عبد اللہؓ نے  
 کہا کیا تم سب کو ذلیل کہہ رہے ہو، ان میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ پھر  
 آپ نے تلوار سونت لی اور باپ سے کہا کہ میں تمہیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا  
 جب تک تم اپنے الفاظ واپس نہیں لیتے اور اہل ایمان کے عزت، فائے ہونے کا  
 اقرار نہیں کرتے، چنانچہ عبد اللہ بن ابی نے اقرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو  
 باعزت ہیں اور ہم ہی ذلیل ہیں۔ اس کے بعد بیٹے نے باپ کو شہر میں داخلے کی  
 اجازت دی۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ کے والد کافر  
 تھے اور غزوہ احد میں انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے باپ کو قتل کیا تھا۔ حضرت ابوبکر  
 صدیقؓ کے بیٹے نے اسلام لانے کے بعد خود بیان کیا کہ اباجان! جنگ کے دوران  
 کئی دفعہ آپ میری تلوار کی زد میں آئے مگر باپ ہونے کے لحاظ سے آپ پر  
 وار نہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر تم میری تلوار  
 کی زد میں آجاتے تو کبھی نہ چھوڑتا۔ اس قسم کے اند بھی کئی واقعات ہیں۔ مثلاً  
 حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمیرؓ کو اپنے ہاتھوں سے قتل  
 کیا۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے اپنے حقیقی ماموں عاص ابن ہشامؓ کو قتل کیا۔ اسی  
 طرح حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارثؓ نے اپنے قریبی



رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید وغیرہ کو بدر کی لڑائی میں قتل کیا۔

مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا اپنی بیویوں سے ایلا کرنے کا واقعہ مذکور ہے، جب بیویوں نے زیادہ خرچے کا مطالبہ کیا تو آپ ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاؤں گا۔ آپ نے ایک چوبارہ میں علیحدگی اختیار کر لی جس سے مسلمانوں کو سخت پریشانی لاحق ہو گئی۔ حضرت عمرؓ سے آپ کی جدائی برداشت نہ ہو سکی اس لیے در دولت پر حاضر ہو کر ملاقات کی اجازت چاہی مگر حضور علیہ السلام نے اجازت نہ دی۔ آپ نے دوسری دفعہ کوشش کی مگر پھر بھی اجازت نہ ملی۔ تیسری دفعہ آپ نے بلند آواز سے حضور علیہ السلام کو بنا کر کے عرض کیا کہ حضور! میں اپنی بیٹی حفصہؓ کی سفارش کے لیے تو حاضر نہیں ہوا جو آپ مجھے شرفِ ملاقات سے محروم کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر آپ حکم دیں تو میں لا خسر بن عُنُقْہَا اُس کی گردن اتار کر آپ کے سامنے پیش کر دوں بغرضیکہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کا ایمان اس قدر سخت تھا کہ اللہ نے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود جو لوگ ان کے ایمان میں شک کرتے ہیں اور اُن کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں وہ یقیناً منافق، زندق اور کافر ہیں۔ یہ تو صحابہؓ کی شان ہے، عام ایمان والوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نافرمانوں، فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے کیونکہ اس سے ایمان میں زوال آنے کا خطرہ ہے۔

بدعتی سے  
تعلقات

صاحبِ روح المعانی نے پہلے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے حضرت سہل بن عبد اللہ قشیریؒ کا قول نقل کیا ہے مَنْ صَحَّحَ اِيْمَانَهُ، وَ اَخْلَصَ تَوْحِيْدَهُ لَا يَأْتِسُ اِلَيْ مُبْتَدِعٍ وَلَا يُجَالِسُهُ جَنْثٌ مَنْ اَبَا اِيْمَانًا صَحِيْحًا لِيَا اَوْ اِسْنِي تَوْحِيْدًا كَوَاطِلًا بَالِيَا۔ وہ کسی بدعتی آدمی کے ساتھ مانوس نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اُس کی ہم نشینی اختیار کر سکتا ہے وَلَا يُوَاصِلُهُ وَلَا يُشَارِبُهُ وَلَا يُصَاحِبُهُ نہ وہ اس کے ساتھ کھاپی سکتا ہے اور نہ اس کی رفاقت اختیار کر سکتا ہے۔ اُس کے دل میں توبہ بدعتی کے خلاف نفرت ہی ہوگی۔ اور جس شخص نے مہنت اختیار کی یعنی بدعتی کے ساتھ دھیرا

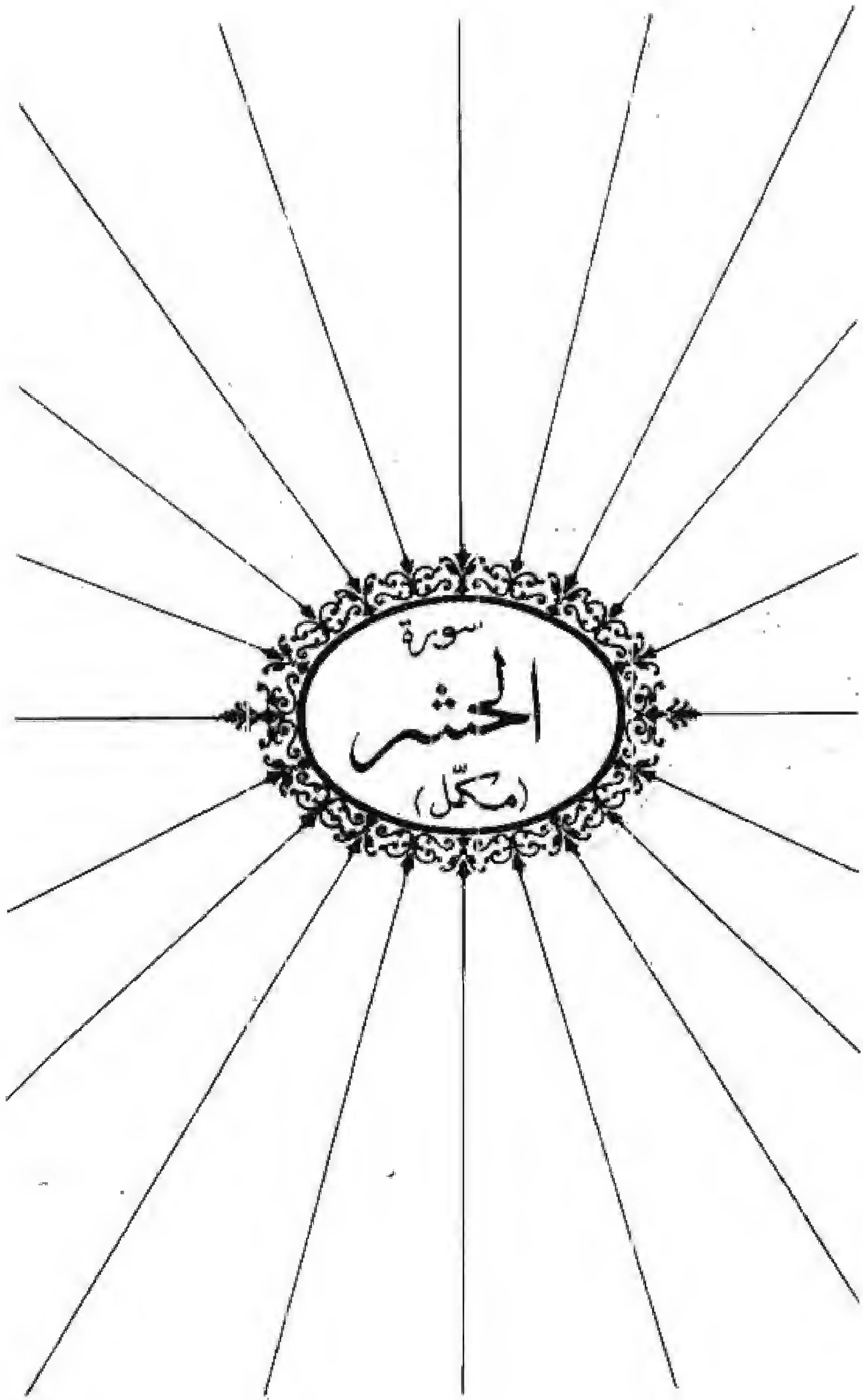


پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے یقین کی علامت کو چھین لے گا۔ اور جو شخص کسی بدعتی سے دنیا کی عزت یا سامان کے حصول کے لیے دوستی کر چکا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا۔ فرمایا جو شخص کسی بدعتی سے خوش طبعی کرے گا اس کے دل سے خدا تعالیٰ فرمایا چھین لے گا۔ فرماتے ہیں جس کو اس بات کا یقین نہ ہو۔ وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ اب اس دور میں دیکھ لیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ایمان اور کچھ عقیدے والے لوگ موجود نہیں۔ دنیا علیٰ منافقوں سے بھری ہوئی ہے۔ قول و فعل میں تضاد ہے اور انہیں ایمان کی حفاظت کی کچھ فکر نہیں۔ وہ تو اپنی رسوم پوری کرنا چاہتے ہیں انہیں بغیر کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں کوئی باک نہیں۔ ان کے ساتھ رشتے ناطے ہو رہے ہیں۔ دوستی پالی جا رہی ہے۔ اور بدعات اور رسومات۔ باطلہ انجام دی جا رہی ہیں۔ یہ سب زوال کی نشانیاں ہیں۔ اور اللہ نے اہل ایمان کا یہ حال بیان کیا ہے کہ وہ کسی دشمن خدا سے دوستی نہیں کرتے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو مستحکم کر دیا ہے اور ان کو روح القدس کے ساتھ تائید بخشی ہے۔

حزب اللہ  
کی کامیابی

اللہ نے اہل ایمان کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَيَذِخُّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کہ وہ انہیں ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے سائے نہیں ہوتی ہوں گی يَذِخُّهُمْ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہاں سے نکلے نہیں جائیں گے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا وَرَضُوا عَنْهُ اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے کیونکہ اللہ نے انہیں دنیا میں اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق بخشی اور پھر آخرت میں اس کی جزا بھی عطا فرمائی۔ قُلْ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ یہ اللہ کا گروہ ہے أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ آگاہ رہو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیابی سے ہم کنار ہونے والا ہے ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی کے دوران کبھی انہیں آزمائش بھی آئی ہو۔ اور کبھی ان پر کمزوری بھی آئی ہو مگر الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ اچھا انجام ہمیشہ متقیوں کا ہی ہوتا ہے لہذا آخرت میں یہی گروہ کامیاب ہو گا۔







سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ الرَّابِعُ وَعِشْرُونَ آيَةً ثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ  
سورة حشر مدنی ہے۔ اس کی چوبیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي اَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ  
الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ  
يَخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنْهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِّنْ  
اللّٰهِ فَاتَّخَذَهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ  
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ  
وَآيْدِي الْمُوْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِيَ الْاَبْصٰرِ ②  
وَلَوْ لَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي  
الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنْهُمْ  
شَاقُّوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ  
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

ترجمہ:۔ پاکی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو کچھ  
 ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں، اور وہی  
 زبردست اور حکمت والا ہے ① وہ وہی ذات ہے  
 جس نے نکالا اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا تھا،  
 اہل کتاب میں سے اُن کے گھروں سے لشکر کے  
 پہلے اجتماع پر۔ تم نہیں گمان کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے  
 اور وہ بھی خیال کرتے تھے کہ اُن کی حفاظت کریں گے  
 اُن کے قلعے اللہ سے۔ پس آیا اُن کے پاس خدا کا عذاب  
 اس طرح کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا۔ اور ڈالا اُن کے دلوں  
 میں اللہ نے رعب۔ وہ اجاڑتے ہیں اپنے گھروں کو اپنے  
 ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے۔ پس عبرت  
 پکڑو اے آنکھیں نہ کہنے والو ② اور اگر یہ بات نہ ہوتی  
 کہ اللہ نے اُن پر جلا وطن ہونا لکھ دیا تھا تو البتہ  
 ضرور اس کو سزا دیا دنیا میں، اور اُن کے لیے آخرت  
 میں آگ کا عذاب ہے ③ یہ اس وجہ سے کہ انہوں  
 نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو  
 کوئی بھی مخالف ہو گا، اللہ کا پس، بیشک اللہ تعالیٰ  
 اس کو سخت سزا دینے والا ہے ④

نام اور  
 کوالف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحشر ہے جو کہ اس کی دوسری آیت میں آمدہ  
 لفظ الحشر سے ماخوذ ہے۔ حشر کا معنی اکٹھا ہونا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں کو نبی نصیر نے  
 حبشہ مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف غداری کی تو ان کو مدینہ سے  
 نکال دیا گیا۔ اس کام کے لیے اہل ایمان کا جو لشکر اکٹھا ہوا تھا اس کو اول الحشر  
 کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی یہ اسلامی لشکر کا پہلا اجتماع تھا۔ بعض دوسرے



مواقع پر بھی یودیوں کی جلاوطنی کے لیے لشکر اسلام جمع ہوتا رہا۔ چنانچہ بعض مفسرین کے نزدیک خیبر کے یودیوں کی جلاوطنی کے لیے جو لشکر جمع ہوا تھا اس کو حشر ثانی کہا جاتا ہے۔ اور پھر آخری حشر قیامت والے دن ہوگا جب سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ سورۃ کے آخری حصے میں اس حشر کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس سورۃ کا ایک نام سورۃ بنی نصیر بھی بتاتے ہیں۔ کیونکہ اس سورۃ میں اسی قبیلہ کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے۔ بہر حال یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ جب کہ جنگ احد واقع ہو چکی تھی۔ اس سورۃ مبارکہ کی چوبیس آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۵ الفاظ اور ۱۱۲ احروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

گزشتہ سورۃ مجادلہ کے آخر میں اللہ نے فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَكَ غُلِبَانَ اَنَا وَرَسُولِي (آیت ۲۱) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو ضرور غلبہ حاصل ہوگا۔ اب اس سورۃ کے آغاز میں اللہ نے ایسے ہی ایک غلبے کا نمونہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ ہذا میں منافقین کی ریشہ دوانیوں کا ذکر ہے۔ یودیوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے۔ مالِ فتنے کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ مہاجرین اور انصارِ مدینہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور پھر آخر میں توحیدِ خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح

سورۃ کا آغاز خدا تعالیٰ کی تسبیح اور تنزیہ سے ہوتا ہے سَبِّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللّٰهُ اَكْبَرُ کی تسبیح بیان کرتا ہے جو بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں ارض و سما کی ہر چیز خواہ وہ جاندار ہے یا بے جان سب اللہ کی تنزیہ بیان کرتی ہیں۔ ملائکہ، جن اور انسان تو اپنے پروردگار کی اپنی زبان کے ساتھ تسبیح و تنزیہ بیان کرتے ہیں جب کہ غیر ناطق چیزیں چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، پھلیاں اور دیگر ساری مخلوق بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بے جان چیزوں میں شمس و قمر اور شجر و حجر غرضیکہ ساری مخلوق اس کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ لَا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ



لَا تَقْفَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل - ۴۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے کہ وہ کس زبان میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر مطلق اور معبود بہ حق ہے خالق اور مالک ہے، نافع اور ضار ہے، وہ ہر چیز پر نگران ہے اور محافظ ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے، ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے، وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کھاتا پیتا ہے اور نہ اس پر ضعف اور بڑبھا پٹاری ہوتا ہے۔ اس کو خاندان اور نسل کی ضرورت نہیں، نہ ہی اُسے کسی خدمت کی ضرورت ہے، اور وہ ہر طریقے سے بے عیب ہے۔ غرضیکہ فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ زبردست، کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔

معاہدہ مدینہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں مدینہ کے اطراف میں بہت سے یہودی قبائل آباد تھے۔ یہ دراصل اوس اور خزرج کے بے چوڑے قبائل کے لوگ تھے جو تقریباً ایک ہزار سال پہلے یمن کی طرف سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ قحطانی نسل کے لوگ تھے۔ ان قبائل میں سے بعض لوگ حج کے موقع پر مکہ معظمہ جا کر حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان قبول کر چکے تھے اور انہی کی وجہ سے مدینہ میں اسلام کا تعارف ہوا۔ پھر آپ کی ہجرت سے ایک سال قبل انہوں نے حضور علیہ السلام کو دعوت دی کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آجائیں کیونکہ یہاں پر اسلام کی آبیاری کی کافی گنجائش موجود تھی۔

ان قبائل کے علاوہ بعض قبائل شام و فلسطین سے ترک وطن کر کے مدینہ کے اطراف میں آباد ہو چکے تھے۔ شام و فلسطین کو بخت نصر نے برباد کیا۔ اس سے پہلے رومیوں نے ان کو مغلوب کیا۔ چنانچہ بعض اسرائیلی قبائل شام و فلسطین کو چھوڑ کر یہاں مدینہ آچکے تھے جن میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینحاع مشہور قبائل تھے۔ ان کے علاوہ خیبر میں بھی کچھ یہودی آباد تھے۔ یہ سارے لوگ اچھے

خاصہ امور حال تھے۔ یہاں ان کی بستیاں اگڑھیاں اور قلعہ تھے، کھیتی باڑی اور تجارت دونوں کاموں کے ماہر تھے۔ ان کی ملکیت میں کھجوروں کے باغات تھے اور اس کے علاوہ بھی زرعی زمینیں تھیں۔ ان کی اصل زبان تو عبرانی یا سریانی تھی۔ مگر یہاں آکر انہوں نے عربی زبان اپنائی تھی، تاہم مذہب کے لحاظ سے یہ یہودی تھے اور اپنی تمام مذہبی رسومات ادا کرتے تھے۔

حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ان سگانے سرکردہ لوگوں کو اکٹھا کیا اور ایک معاہدہ کرنے کی پیشکش کی جس کا مطلب یہ تھا کہ مدینے کے رہنے والے تمام لوگ خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو وہ سب ایک متحدہ محاذ کے رکن سمجھے جائیں گے۔ ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے اور اپنے طریقے سے عبادت کرنے اور رسومات ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور کوئی ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرے گا۔ البتہ سیاسی لحاظ سے سب لوگ ایک جماعت سمجھے جائیں گے اور اگر کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہوگی تو یہ سب یکجہت ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ معاہدہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر معاہدہ کے دستخط کنندگان میں سے کسی فریق پر کوئی باہر سے حملہ آور ہوتا ہے اور کوئی دوسرا فریق اگر بوجہ اپنے حلیف کی مدد نہ بھی کرے تو کم از کم وہ بیرونی حملہ آور کی مدد بھی نہیں کرے گا۔

سیاسی لحاظ سے اس معاہدہ کی سب کو ضرورت تھی کیونکہ ہر گروہ اور قبیلہ امن و امان اور اپنی حفاظت کی ضمانت چاہتا تھا جو اس معاہدہ کے ذریعے میسر آگئی تھی۔ کوئی شخص کسی بھی مذہب، نسل یا خطے سے تعلق رکھتا، ہو وہ شر پسند قوتوں سے پناہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کمال اور خوبی کو اپنانا اور شر سے بچنا ان کے فطری حقوق ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے مدینے کے تمام لوگوں کو اس معاہدہ پر جمع کر لیا اور سب نے دستخط کر دیے۔

بنی نضیر کی  
معاہدہ شکنی

جب بدر کی جنگ میں مسلمانوں کو نمایاں کامیابی ہوئی تو یہودی لوگ کہنے لگے کہ یہ تو یہودی نبی آخر الزماں معلوم ہوتا ہے جس کی پیشین گوئی تو راست میں موجود ہے۔ پھر ایک سال کے بعد جب احد میں مسلمانوں پر افتاد پڑی تو یہودی کہنے لگے کہ یہ تو وہ نبی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کے مشن کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے۔ بنی نضیر کا ایک سرکردہ آدمی کعب بن اشرف بڑا مالدار آدمی تھا، اس کی تجارت سارے عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ سود، غنم، آدمی تھا، اس کا اپنا قلعہ، نوکر، چاکر اور ساز و سامان تھا۔ یہ شخص اسلام دشمنی میں پیش قدمی میں تھا چنانچہ یہ شخص چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مکہ گیا۔ وہاں پر ابوسفیان سے ملا اور پیش کش کی کہ اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہوں تو اس کا قبیلہ اہلی کی مدد کرے گا۔ کعب بن اشرف شاعر بھی تھا۔ اور حضور علیہ السلام کے خلاف فحش گوئی بھی کرتا تھا جس کی وجہ سے آپ اس سے سخت نا اہل تھے۔ حضور علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس بد بخت کے رضاعی بھائی اور حضور علیہ السلام کے صحابی محمد بن مسلمہ کو اس نے توفیق دی اور اس نے کعب بن اشرف کا کام تمام کر دیا۔ اسی دوران میں بنو نضیر والا واقعہ بھی پیش آیا جس میں کافروں نے مسلمانوں کے سترقاری اور حافظ حضرات کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا۔

اسی دوران ایک صحابی عمرو ابن امیہ غمری اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کسی سفر پر تھے کہ انہوں نے دشمن کے آدمی سمجھ کر دو آدمیوں کو قتل کر دیا حالانکہ وہ معاہدہ تھے۔ چونکہ یہ قتل غلطی سے ہوا تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے ان مقتولوں کا دوسراونٹ ان کے وارثوں کو خنہاٹنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے حضور علیہ السلام نے اہل مدینہ اور دیگر معاہدین سے مال جمع کرنا شروع کیا اور اس مقصد کے لیے آپ قبیلہ بنی نضیر کے اہل بھی گئے۔ یہ لوگ مدینہ سے شرقی جانب پانچ چھ کوس کے فاصلہ پر آباد تھے۔ وہاں پر ان کے باغات، مکانات، قلعے اور زمین تھی۔ ان لوگوں نے بظاہر خون بہا میں حصہ ڈینے کی حاجی بھری، مگر درپردہ حضور علیہ السلام کے قتل



کی سازش بھی کی۔ چنانچہ وہ ایک مکان کی چھت پر چکی کا ایک بڑا پاٹلے گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ حضور علیہ السلام اس مکان کی دیوار کے سائے میں بیٹھیں، وہاں یہ چھتر گرا کر آپ کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ مگر اللہ نے اس سازش کی اطلاع حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی دے دی لہذا آپ اس دیوار کے سائے سے فوراً اٹھ بیٹھے۔

بنی نضیر  
پر چڑھائی

الغرض! بنی نضیر کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی ہو چکی اور اپنے درپے سازشوں نے اہل ایمان کو مجبور کر دیا کہ ان پر چڑھائی کر کے ان کو تہس نہس کر دیا جائے۔ ان کے خلاف بہت سے جرائم ثابت ہو چکے تھے حتیٰ کہ یہ لوگ غداری کے مرتکب بھی ہوئے تھے دنیا کا کوئی قانون بھی معاف نہیں کرتا۔ ہم آج کی دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ روس، امیر، سیریا نامی پولیس انکسٹر کے خلاف جو پھیس برس تک حکومت کا ملازم رہا تھا مقدمہ چلا اور مجرم ثابت ہونے پر اسے گولی سے اڑا دیا گیا۔ انگریزوں کے وزیر ہند مسٹر امیری کا بیٹا جنگ کے دوران غداری کے الزام میں پکڑا گیا تو اسے سزائے موت سنائی گئی، مگر باپ نے اس کی معافی کی درخواست بھی نہ کی کیونکہ جرم ہی سخت نوعیت کا تھا۔ بہر حال مسلمانوں نے بنی نضیر پر اسی جرم کی پاداش میں چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔ مسلمانوں کا لشکر اچانک ان پر حملہ آور ہوا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی درخواست کی۔ گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اگر یہ لوگ مدینہ سے نکل جانے پر آمادہ ہو جائیں تو ان کی جانوں سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہودیوں کو یہ رعایت بھی دے دی گئی کہ وہ جاتے وقت جس قدر سامان اٹھا کر لے جاسکیں لے جائیں۔ بنی نضیر نے یہ شرائط قبول کر لیں اور اپنا ساز و سامان جس قدر اٹھا سکتے تھے لے کر چلے گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے مکانوں کی چھتیں اور دروازے بھی اکھاڑ کر لے گئے۔ البتہ ان کی زمینیں باغات وغیرہ رہ گئیں جن کو حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کا زیادہ تر حصہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا کیونکہ انصار مدینہ پر مہاجرین کا کافی بوجھ تھا۔ اس تقسیم سے مہاجرین بہت غمگین ہوئے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور اس طرح انصار کا لوجھ بھی

قد سے ہلکا ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس میں سے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے بھی حصہ مقرر فرمایا اور جو کچھ بچ گیا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ عزیٰز بنی نصیر کی غداری کی وجہ سے ان کا یہ بھیانک انجام ہوا۔

بنی نصیر  
کی جلا وطنی

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ اَللّٰهُ کی ذات وہ ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو نکالا ان کے گھروں سے لشکر کے پہلے اجتماع کے موقع پر اول الحشر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ترک وطن کے لیے اکٹھا کیا گیا اور وہ اپنا گھراں چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔ ان میں سے اکثر شام، فلسطین کی طرف چلے گئے۔ تاہم دو خاندان حمی بن اخطب اور ابو الحقیق خیبر میں آباد ہو گئے، ایک اور خاندان عراق کی طرف چلا گیا۔ ان کے قلعے اور مکانات اس قدر مضبوط تھے کہ فرمایا مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَخْرُجُوا کہ تم نہیں خیال کرتے تھے کہ یہ لوگ آسانی سے نکل جائیں گے وَظَنُوا اَنْهُمْ مَارَدَتْهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللّٰهِ اور وہ خود بھی یہی گمان کرتے تھے کہ ان کے قلعے اللہ سے ان کی حفاظت کریں گے۔ مگر اللہ نے ان کو ایسے طریقے سے سزا دی اور ان پر اس طرح عذاب آیا جو کہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا فَاتَّخَذَهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا پھر ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسا عذاب آیا جو ان کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ سب ان کی سازشوں اور غداری کا نتیجہ تھا جو ان کو بھگتنا پڑا وَقَدْ زَفِ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرَّعْبُ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان پر اہل ایمان کا اس قدر رعب پڑا کہ ان کے پاس اپنے گھراں چھوڑ کر بھاگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور پھر ان کی حالت یہ تھی يَخْرِبُوْنَ بُيُوتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے۔ جب حضور علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی کہ وہ جو کچھ ساتھ سے جاسکتے ہیں لے جائیں، تو انہیں

نے خود اپنے گھروں کو گرانا شروع کر دیا اور اُن کی چھتوں اور دروازوں کی کڑیاں بھی اٹھا کر لے گئے۔ فرمایا انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھر تباہ کئے وَأَيَّدَى الْمُؤْمِنِينَ اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے بھی اُن کی تباہی آئی۔ جب مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا تو ان کو باہر نکلنے پر مجبور کرنے کے لیے مسلمانوں نے اُن کے کچھ درخت بھی کاٹے تھے اور اُن کے قلعوں کو توڑنے کے لیے بھی کچھ کام کیا تھا جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔

اللہ نے فرمایا فَلْعَتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ اے آنکھیں رکھنے والو! اور ایسے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والو! اسی سے عبرت حاصل کرو کہ کفر، شرک، ظلم، شرارت اور بد عہدی کا یہی انجام ہوتا ہے۔ تمام ظاہری اسباب یہودیوں کے حق میں آتے تھے۔ ان کے مضبوط قلعے تھے جن میں محصور تھے، مال و دولت کی کمی نہیں تھی، خور و نوش کی اشیاء وافر تھیں مگر وہ چند دن کے بعد ہی جلا وطنی پر مجبور ہو گئے، اللہ نے اُن کے دلوں میں مسلمان قوم کا اس قدر رعب ڈال دیا تھا۔

فَرَمَا وَلَوْ لَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا اگر اللہ نے اُن کے لیے جلا وطنی نہ لکھی ہوتی یعنی اُن کے حق میں جلا وطنی کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اُن کو دنیا میں ہی سزا دے دیتا اور وہ سب مارے جاتے، مگر اللہ نے اُن کی جلا وطنی پر اکتفا کرتے ہوئے انہیں زندہ سلامت نکل جانے کی اجازت دے دی۔ اور اس فیصلے کے بعد کسی مسلمان نے اُن کی کسی چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ یہ اہل ایمان کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھا۔ فرمایا اگر اللہ نے اُن کے لیے جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو انہیں دنیا میں ہی سزا دے دیتا۔ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ مُّتَّارٌ اور اُن کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب تو بہر حال ہے جس سے انہیں روچا رہونا ہی پڑے گا۔ قبیلہ بنی نضیر کے صرف دو آدمی ایمان لانے کی وجہ سے جلا وطنی سے بچ گئے جب کہ باقی سارے جلا وطن ہوئے اور انہیں اپنی غیر منقولہ جائیدادوں سے بھی محروم ہوئے پڑے۔



فرمایا یہ سزا ان لوگوں کو اس لیے ملی ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
 کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کو شعار بنایا۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ  
 اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ بے شک  
 اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ وہ  
 دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت کا عذاب اس پر مستزاد ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ  
أَصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ⑤ وَمَا  
أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ  
مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ  
عَلَىٰ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥

ترجمہ :- جو کانٹے ہیں تم نے کھجور کے درخت یا چھوڑا  
ہے ان کو اپنی جڑوں پر ، پس اللہ کے حکم سے ، اور تاکہ  
رسول کریم اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ⑤ اور جو لوہا اللہ تعالیٰ  
نے اپنے پہل پر ان میں سے ، پس نہیں روڑائے تم  
نے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ ۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسلط  
کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے ۔ اور اللہ تعالیٰ  
ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ⑥

رابطہ آیت

سورۃ کی ابتدائی آیات میں قبیلہ بنی نضیر کی بے عہدی کا ذکر ہوا ، یہ قبیلہ مدینہ  
کے اطراف میں آباد ان قبیلوں میں سے ایک تھا جنہوں نے معاہدہ مدینہ پر دستخط  
کر رکھے تھے اور جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اور یہ قبائل اپنے اپنے مذہب پر  
قائم رہتے ہوئے کسی بیرونی حملہ کی صورت میں اکٹھے دفاع کریں گے اور معاہدہ  
میں شامل کوئی فریق کسی دوسرے فریق کے خلاف دشمن کی مدد نہیں کرے گا ۔  
بنی نضیر نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف  
مشرکین کے ساتھ ساز باز کی اور انہیں مدینہ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی دوسری

طرف مدینہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکالیف پہنچانے لگے۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کو بالکل ختم کر دینے کی سازش کی۔ اللہ نے ان بدبختوں کو ناکام بنایا اور اہل ایمان پر آنچ نہ آنے دی۔ پھر اللہ نے ان ظالموں کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ان پر حملہ کر کے ان کو عہد شکنی کا مزہ چکھایا جائے۔ چنانچہ سلمان بنی نصیر پر حملہ آور ہوئے اور وہ جواب میں قلعہ بند ہو گئے۔ جب محاصرہ کو دو تین ہفتے گزر گئے اور سیرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے باہر نکلے تو حضور علیہ السلام نے مجاہدین کو اجازت دیدی کہ سیرہ قلعہ ان کی جائیدادوں کو نقصان پہنچایا جائے تاکہ یہ لوگ اس کے بھاڑ کے لیے ہی باہر نکل آئیں تو ان سے فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔ چنانچہ صحابہؓ نے جویرہ کے مقام پر یہودیوں کے کھجور کے کچھ درخت کاٹ ڈالے۔ اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تو فتنہ دہا سے منع کرتے ہیں مگر خود ہی درختوں کو کاٹ رہے ہیں۔

کاٹنے  
درخت  
کاٹنے  
کاٹنے

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَا قَطَعْتُمْ مِّن لِّينَةٍ ثُمَّ جو بھی کھجور کے درخت کاٹے ہیں۔ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہے فَبِذَٰلِكَ يَكْفِيُ الشِّرْكَ یہ اللہ کے حکم سے کیا ہے مطلب یہ کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تو کوئی کام نہیں لندا ان یہودیوں کا اعتراض معتبر نہیں ہے۔ یہ اجازت اگرچہ وحی کے ذریعے نہیں آئی مگر اللہ کے نبی کا حکم اللہ ہی کا حکم سمجھا جائے گا کیونکہ پیغمبر اللہ کے احکام کا شارح ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا اس لیے حکم دیا تاکہ یہودیوں کو اپنے باغات کی ویرانی کا دکھ پہنچے اور وہ باہر نکل کر مقابلہ کریں یا مغلوب ہو جائیں۔

لینے کھجور کے پھلدار درخت کو کہتے ہیں۔ اس میں بھوہ اور برنی نامی کھجوروں کے علاوہ باقی ہر قسم کی کھجور کے درخت آجاتے ہیں۔ جو درخت کاٹے گئے تھے وہ یہودیوں کو تنگ کرنے کے لیے اور جو چھوڑ دیے گئے تھے وہ اس لیے کہ غلبہ ہونے کی صورت میں یہ مسلمانوں ہی کے کام آئیں گے۔ فرمایا درخت کاٹنے



کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو رسوا کر دے۔ غرضیکہ درختوں کی بربادی اللہ تعالیٰ کی مشاد کے عین مطابق تھی، لہذا اس پر اعتراض کرنا خود اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتراض کے مترادف ہے۔

فقہی سائل

اس ضمن میں بعض فقہی مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں۔ چنانچہ سیر البکیر، ہدایہ اور فتح القدیر جیسی کتب فقہ میں اس مسئلہ کی وضاحت موجود ہے کہ اگر مسلمان کسی کافر قوم پر حملہ آور ہوں تو ان کے قلعے، باغات اور جانوروں وغیرہ کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے۔ البتہ امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ اجازت صرف اس صورت میں ہوگی جب کہ کفار ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے ان چیزوں سے مستفید ہونا ممکن نہ ہو تو پھر ان کو ضائع کر دینا ہی بہتر ہے تاکہ کافر بھی ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اگر کفار کے مغلوب ہو جانے کا یقین ہو تو پھر کسی چیز کو تلف کرنا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنا خود اپنا نقصان کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس قسم کی کارروائی جنگی کارروائی سمجھی جائے گی اور اسے فساد کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ جنگ کے دوران اس قسم کے حربے استعمال کرنا جائز ہے۔

بنی نضیر کے محاصرے کو بیس بائیس دن گزر چکے تھے مگر یہودی نہ تو باہر نکل کر جنگ کرتے تھے اور نہ ہی صلح کی درخواست کرتے تھے۔ لہذا ان کی املاک کو نقصان پہنچانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعے کھول کر مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اس شرط پر جنگ سے گریز کیا کہ وہ مسلمانوں کی تمام شرائط قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان یہودیوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ انہیں قتل کرنے کی بجائے جلا وطن کر دیا جائے۔ البتہ ان کو یہ رعایت دی کہ وہ اپنا جس قدر سامان اٹھا سکتے ہوں، اٹھا کر لے جائیں۔ ابتدائی آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنا سامان وغیرہ اٹھا کر چلے گئے۔ ان کی اکثریت شام کی طرف چلی گئی۔ اور کچھ لوگ خیبر کی طرف چلے گئے۔ ان کی غیر منقولہ جائیدادیں زمین، باغات اور مکانات

وغیرہ باقی رہ گئے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ اس مقبوضہ جائیداد کی حیثیت کا تعین کیا ہے اور پھر اس کی تقسیم کا قانون بھی بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ اِنَّ يَسُودُ لِيُؤْتِيَهُمْ مِّنْهُ مِمَّا يَشَاءُ ۚ وَلَٰكِن لَّا يَذَّكَّرُ اُولَٰئِكَ لِيُنْذِرَ اُولَٰئِكَ مِمَّا يَفْعَلُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَشَدِيدُ ۚ

کے اموال میں سے اللہ نے جو کچھ اپنے رسول پر ٹوٹا دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا اس مال میں زرعی زمینیں، باغات، قلعے اور مکان وغیرہ تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ پچاس زرعی زمینیں سویتا ہیں ۲۴۵ اونٹ بھی مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس مال کے حصول کے لیے فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ تَمَنَّى اَنْ تَخْرُجُوا فَيَخْرُجَا عَنْكُمْ فَيُقْتَلَا ۚ وَلَٰكِنْ لَا يَحْسِبُ اللّٰهُ الْقِتْلَ عَزَابًا ۚ وَهُوَ يَصْنَعُ مَا يَشَاءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَشَدِيدُ ۚ

اور اونٹ تو نہیں دوڑائے تھے۔ یعنی تم نے باقاعدہ جنگ کر کے تو یہ مال و متاع حاصل نہیں کیا تھا بلکہ سیرداری کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے بغیر جنگ کے مل گیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَيِّدُ رُسُلَهُ عَلٰی مَن يَشَاءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَشَدِيدُ ۚ

کہ جس پر چاہے سزا کر دیتا ہے۔ یہاں بھی اللہ نے اپنے نبی کو بنی نصیر پر غالب کیا اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا مال اللہ نے تمہیں تمہاری شجاعت کے بغیر اپنی خاص دہرانی سے دلایا ہے۔ غرضیکہ جو مال اہل ایمان کو بغیر جنگ کے دشمن کے ہاں سے مل جائے، وہ مال نے کھلاتا ہے۔ اگلے درس میں اس کی تقسیم اور خرچ کی مختلف بات کا ذکر بھی کر رہا ہے۔

مال نے کی تقسیم اللہ نے اپنے نبی کے اختیار میں دے رکھی ہے، اور یہ اختیار مالکانہ نہیں بلکہ حاکمانہ ہے۔ اللہ کا رسول اس مال میں سے اپنے ذاتی اخراجات اور خاندان والوں کا حصہ نکال کر کچھ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور باقی مال عام مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر استعمال ہوتا ہے حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے بعد تقسیم کا یہ حق مسلمانوں کے امیر یا مقررہ حاکم کو تفویض ہو جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا۔ یہ حق حاکمانہ ہوتا ہے۔ اگر اس کو مالکانہ حق سمجھا جائے تو پھر تو اس کی دہشت چلے گی۔ یعنی حاکم یا امیر کے بعد اس کی اولاد میں یہ حق چلا جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو

مال نے  
کی تقسیم

مال نے  
کی تقسیم

بھی ایسے یا عاکم وقت ہوگا اس کو اس مال میں تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ بنی نصیر سے حاصل ہونے والے مال میں سے حضور علیہ السلام نے اپنی ذاتی اور خاندان کی ضروریات کے لیے مال علیحدہ کر کے باقی سارا مال مسلمانوں کے مشترکہ مفادات جہاد وغیرہ کیلئے صرف کر دیا۔

میاں پر مال فے کا تذکرہ ہے جب کہ دسویں پارے کی ابتداء میں مال غنیمت اور اس کے مصرف کا ذکر بھی آتا ہے۔ مال غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کی صورت میں مسلمان کفار سے لڑ کر چھین لیے ہیں۔ اس مال کی تقسیم کا قانون یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کی نیاز کے طور پر علیحدہ کر لو۔ یہ خمس مال اللہ تعالیٰ اس کے رسول قرابت داروں و یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کرنی مجاہد ایک سنی تک بھی اٹھانے کا مجاز نہیں بلکہ ایسا کرنا سرقہ سے بھی بڑا جرم تصور ہوتا ہے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مجاہدین میں یہ مال اس صورت میں تقسیم ہوگا جب ان کے لیے تنخواہ اور راشن وغیرہ حکومت کی طرف سے مقدر نہ ہو، اگر تنخواہ، راشن یا دردی وغیرہ حکومت مہیا کرتی ہے تو پھر مجاہدین میں کچھ تقسیم نہیں ہوتا۔ بلکہ سارے کا سارا مال بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے جہاں سے فوج کی تنخواہ، ہتھیار، خوراک اور دردی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ مال غنیمت اور مال فے کے علاوہ انفال کا لفظ بھی آتا ہے اور اس کا اطلاق غنیمت اور فے دونوں قسم کے مال پر ہوتا ہے۔

فرمایا مال فے اللہ تعالیٰ بغیر جنگ کے اہل ایمان کو دلاتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ چاہے نہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو مال دلائے یا بغیر جنگ کے بھی مال مسلمانوں کے قبضہ میں لے لے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ مال غنیمت اور فے میں یہی فرق ہے کہ جو مال جنگ کر کے حاصل ہو وہ غنیمت ہے اور جو بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فے ہے۔ آگے اس کی تقسیم کا اصول بیان کر دیگا ہے۔



مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا الشُّكْرُ إِلَّا لِلرَّسُولِ فَخُذُوهُ وَمَا نُهَاكُم عَنْهُ فَأَنْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾

ترجمہ :- جو مال لوٹا ہے اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے ، پس وہ اللہ کے لیے ہے ، اور رسول کے لیے ہے ، اور قربت والوں کے لیے ، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ، تاکہ نہ ہو یہ مال گردش کرنے والا صرف دولت مندوں کے درمیان تم میں سے اور جو کچھ دے دے تم کو اللہ کا رسول اس کو دے گا ، اور میں چیز سے منع کرے ، اس کو چھوڑ دو ۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۷﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کی عہد شکنی کی وجہ سے اہل ایمان نے ان کی بستیوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کے کچھ درخت ، بھی کٹے جسکی وجہ سے مجبور ہو کر وہ صلح پر آمادہ ہوئے ۔ چنانچہ اس شرط پر ان کی جان بخشی کی گئی کہ وہ ملک بدر ہو جائیں اور اپنا جس قدر سامان اٹھا کر سے جانا چاہیں ۔ لے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا بنی نضیر کے یہودی اپنی بستیوں اور قلعوں سے نکل کر چلے گئے اور

ان کی زمینوں، باغات اور جانوروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ اس طریقے سے حاصل ہونے والا مال مالِ فے کہلاتا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ نے اس مال کی تقسیم کا فارمولا بتایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے مَا أَهْلَ اللَّهُ مَعَكَ رَسُولٌ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ

مال فے کے

حصص  
(۱) اللہ کا حصہ

مال اللہ نے لڑایا ہے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ مال بنی نصیر سے ان کی عیلا وطنی کے بعد بلا جنگ حاصل ہوا تھا۔ اس کی تقسیم کے متعلق اللہ نے ارشاد فرمایا ہے فَلِلَّهِ پس یہ اللہ کے لیے ہے یعنی سب سے پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین اور مستغنی ہے۔ وہ خود ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے، اُسے ان زمینوں اور باغات وغیرہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام تو محض تبرک کے لیے لیا گیا ہے مگر نہ اُسے اس مال کی ضرورت ہے اور نہ اُسے ادا کیا جائیگا۔ اللہ کا نام لینے سے اس بات کا اظہار بھی مقصود ہے کہ کوئی پرشیرہ نہ کرے۔ کہ بغیر جنگ کے حاصل ہونے والا مال مسلمانوں کے لیے جائز بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ اسی طرح جائز ہے۔ جس طرح جنگ کی صورت میں حاصل ہونے والا مال غنیمت جائز ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تجارت، زراعت یا محنت مزدوری کے ذریعے اپنے بندوں کو مال دلاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے یہ مال بھی دلیا ہے اُس کا استعمال پیغمبر علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے بالکل جائز ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مال میں سے اللہ کا حصہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ حصہ اللہ کے گھر بیت اللہ شریف یا دیگر مساجد پر خرچ کیا جائے البتہ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ کو ایسے حصے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ محض تبرک کے لیے اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے کے متعلق فرمایا وَلِلرَّسُولِ یہ اللہ کے رسول کے لیے ہے فے کے ایک حصے پر اللہ کے رسول کا حق ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام مالِ غنیمت کے خمس یا مالِ فے کے اس حصے میں سے ازواج مطہرات کو خرچہ دیتے تھے۔ غیر کی

(۲) رسول کا

حصہ

زمین اور فدیہ کے بارے میں بھی آپ کو بھی حصہ ملتا تھا اور یہ حصص آپ اپنے گھریلو اخراجات کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس حصہ میں آپ غریبوں اور محتاجوں کا حق بھی ادا کرتے تھے، اور جو پھر بھی بچ جاتا اسے عام مسلمانوں کے مشترکہ مفادات مثلاً سامان ضرب و حرب یا مجاہدین کی خوراک وغیرہ پر خرچ کرتے۔

(۳) قرآن اور  
کاحصہ

فرمایا کہ لَیْذِی الْقَسْرِ لِیَحْصِرَ حَضْرَہُ عَلِیہِ السَّلَام کے قرابتداروں کے لیے مخصوص تھا۔ اس حصہ کے مقتدران بنو عبدالمطلب اور بنو ہاشم کے پانچ خاندان یعنی آل عباس آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عاص بنے ہیں اور یہ ان پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان خاندانوں کی حصہ بندی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ ہر چھ اور برسے وقت میں حضور علیہ السلام کے مدد و معاون ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی آپ کی مدد کرتے تھے۔ مثلاً جب کفار مکہ نے حضور علیہ السلام کا سوشل بائیکاٹ کیا تو اس میں بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم دونوں خاندان شامل تھے۔ خود ابو طالب آپ کے خاندان کے ساتھ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہا۔ تو یہ حصہ مقرر کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ خاندان آپ کی مدد کرتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے خاندان پر صدقات و زکوٰۃ حرام تھے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی زکوٰۃ و صدقات محمد اور آل محمد پر حلال نہیں ہیں، اور آل محمد میں یہی پانچ خاندان آتے ہیں۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے ان کا حصہ مال فے میں مقرر فرمادیا۔ البتہ جب حضور علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس حصہ کی ایک وجہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت والا معاملہ تو ختم ہو گیا۔ باقی رہ گئی دوسری وجہ کہ آپ کے خاندان پر زکوٰۃ و صدقات حرام ہیں تو اس کی علت احتیاج ہے یعنی زکوٰۃ و صدقات کا مال اسی صورت میں روا ہے جب کہ کوئی شخص محتاج ہو۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں آل محمد میں سے صرف



اُن لوگوں کو مالِ فے سے حصہ ملتا تھا جو محتاج تھے اور جو اسودہ حال تھے اُن کا حصہ ختم ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کی روایت ابو داؤد شریف میں موجود ہے کہ جب انہیں مالِ فے میں سے اُن کے حصہ کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا۔ کہ اب ہم محتاج نہیں ہے لہذا یہ مال مستحقین کو دیا جائے۔ اسی بنا پر مالِ فے میں آلِ محمد کا یہ حق موجود ہے مگر اُن لوگوں کے لیے جو محتاج ہوں، لہذا غلطے راشدینؑ نے اگر اُن کو اس مال میں سے حصہ نہیں دیا تو انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ کیونکہ اب آلِ محمد محتاج نہیں ہے تھے۔ البتہ امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ تقسیم مال میں آلِ محمد کے محتاجوں کو دوسرے محتاجوں پر ترجیح دیکھائی جائے۔

پھر فرمایا اس مال میں ان لوگوں کا بھی ایک ایک حصہ ہے یعنی وَالْيَسْتَحِي وَالصَّالِكِينَ وَآئِينَ السَّبِيلِ یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ یتیم وہ نابالغ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے۔ اور بعض اوقات اُس کی گزر اوقات کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسے بے سہارا بچوں کے لیے بھی حصہ ہے۔ اسی طرح مسکین وہ شخص ہوتا ہے جس کی بنیادی ضروریات کے لیے بھی کافی مال موجود نہ ہو یتیموں اور مسکینوں کے لیے زکوٰۃ اور صدقات ایسا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس مال میں اس مسافر کا بھی حصہ ہے جس کو دورانِ سفر کوئی حادثہ پیش آجائے۔ زائر وہ چوری ہو جائے، یا ختم ہو جائے یا وہ کسی دیگر جائز ذریعہ سے محتاج ہو جائے۔ ایسا شخص بھی مالِ فے کا حقدار بن جاتا ہے۔ اللہ نے مالِ فے کے یہ چھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔

فرمایا اللہ نے تقسیم مال کا یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ لَا يَكُونُ دَوْلَةً بے یمن الاغنیاء منکم کہ یہ دولت تمہارے اسودہ حال لوگوں تک ہی محدود نہ ہے بلکہ اس کی گردش معاشرے کے انتہائی نچلے طبقے تک ہونی چاہیے۔ دَوْلَت کے لفظ سے یہ اصول بالکل واضح ہو جاتا کہ اسلامی نظامِ معیشت میں کسی خاص طبقہ میں ارتکازِ دولت ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام

(مقام ۶) تقسیم  
مسکین اور مسافر

گردش دولت  
کی وسعت

(CONCENTRATION OF WEALTH) کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ جب دولت کا دوران صرف ایک طبقہ تک محدود ہو جاتا ہے اور باقی طبقات محروم کر جاتے ہیں تو پھر اس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو جاتے ہیں۔ جب کسی ملک میں اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر دلوں کیوں نرم اور سوشلزم کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام بھی ملعون ہے مگر سوشلزم اس سے بھی قبیح ہے۔ مطلق العنان ملکیت بھی اسی قبیل سے ہے کسی ملک کا بادشاہ یا ڈکٹیٹر اپنے آپ کو غیر مسئول سمجھتا ہے اور اُن کے ہاں آمد و خرچ کا حساب کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں شخصی ملکیت کی اجازت ہے مگر یہ ملکیت عارضی اور بطور امانت ہوتی ہے۔ اللہ جس کو دولت دیتا ہے اُس کو آمد و خرچ کے قوانین کا بھی پابند بناتا ہے۔

اترنگازر  
کی ممانعت

جس مالک الملک نے انسانوں کو ارتکازِ زر کی اجازت نہیں دی اُس نے اپنے براہِ راست قبضہ قدرت کی چیزوں کو اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ کوئی ادنیٰ داعلی اُن سے محروم نہیں رہتا۔ مثلاً ہوا، فضا، سورج، چاند، ستارے، بارش، دریا، سمندر وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کو اُس نے مخلوق میں سے کسی کے قبضہ میں نہیں دیا۔ تمام انسان، جانور، پندے اور کیڑے مکوڑے ان چیزوں سے براہِ راست مستفید ہوتے ہیں۔ سانس لینے کے لیے ہوا کی ہر جاندار کو ضرورت ہے سورج، چاند اور ستاروں کی روشنی سب کی ضرورت ہے، پانی بھی تمام جانداروں کی بنیادی ضرورت ہے لہذا اللہ نے یہ چیزیں ہر ایک کے لیے فریادیا کی ہیں اسی طرح دولت بھی پندہ محضوں میں محدود ہو کر نہیں رہنی چاہیئے۔ جب تک دولت کا دوران (CIRCULATION) صحیح طریقے سے ہوتا ہے گا تو دنیا میں توازن قائم رہے گا۔ ورنہ یا تو نظام سرمایہ داری آجائے گا۔ یا پھر رز عمل کے طور پر سوشلزم آئے گا۔ حالانکہ یہ دونوں نظام ملعون ہیں۔

شخصی ملکیت  
کا احترام

ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام ہر شخص کو دولت کمانے اور خرچ کرنے کی

کھلی چھٹی دیتا ہے جس سے ارتکاز زر پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف سوشلزم شخصی ملکیت کا بالکل ہی انکار کر دیتا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ چلتا ہے۔ اسلام کسی شخص کی ذاتی ملکیت کا اسی طرح احترام کرتا ہے جس طرح کسی کی جان کا احترام کرتا ہے۔ اسلام اگر قاتل کا سر قلم کر دیتا ہے تو مال چوری کرنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ پھینکتا ہے۔ لَا يَجْلُ مَالُ امْرِئٍ مِّنْهُمْ إِلَّا بِطَيْبٍ نَّفْسِهِ کسی مسلمان کا مال دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے جب تک مالک اپنی مرضی سے کسی کو نہ دے بغرضیکہ مال کی شخصی ملکیت بھی انسانی جان کی طرح عزیز ہے۔ البتہ اسلام نے اکتساب زر پر ضروری پابندی عائد کی ہے تاکہ نہ کوئی مفسد پیشہ اختیار کیا جائے اور نہ چوری، کھینچی، رشوت، قمار بازی، ذخیرہ اندوزی اور مہنگائی کے ذریعے مال حاصل کیا جائے۔ محض اخلاق کا روبرو جیسے فریوگرافی، فلم سازی، موسیقی، سٹہ بازی کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ مطلب یہ کہ صرف حلال ذرائع سے ہی دولت کمانے کی اجازت ہے۔

اگر اسلام نے جائز ذرائع سے دولت کمانے کی اجازت دی ہے تو ساتھ ساتھ ایسے مال کے حقوق ادا کرنے کا بھی پابند بنایا ہے۔ اگر مال نصاب کو پہنچ گیا ہے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دو، صدقہ فطر ادا کر دو، قربانی دو، حج اور عمرہ کے لیے خرچ کر دو، مغربا و مساکین کو صدقہ خیرات دو۔ اگر یہ حقوق ادا کیے جائیں تو ارتکاز زر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مال خرچ کرنے سے روخوانہ حاصل ہوتے ہیں۔ ایک طرف مستحقین کی حاجت براری ہوتی ہے تو دوسری طرف خرچ کرنے والے سے بخل کا مادہ دور ہو کر اس میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ نے تقسیم مال کی ایک اور صورت بھی لازمی قرار دی ہے اور وہ ہے وراثت کی تقسیم، مالدار آدمی کے مرنے کے بعد جائیداد میں سے پہلے قریبی رشتہ داروں کو حصہ ملتا ہے اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو دور کے رشتہ دار حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اسلام نے یہ تمام طریقے ارتکازِ دولت کو روکنے کے لیے رکھے ہیں۔ الغرض! اسلام کا نظام معیشت ہی بہترین



نظام ہے جو ارتکا ذکر روک کر مال کو زیادہ سے زیادہ پھیلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔  
مال فے کی تقسیم کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا وَمَا الشُّرَكَاءُ السُّؤْلُ  
فَخَذُوهُ الشُّرَكَاءُ مِنْ جِزْيَتِهِمْ وہ ہے لو۔ وَمَا لَكُمْ مِنْهُ فَأَسْتَمُوا  
اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دو۔ اللہ نے اپنے نبی کو تقسیم کا جو اختیار دیا ہے  
اس پر قائم رہو اور اس پر کبھی معترض نہ ہو بلکہ جتنا حصہ عطا کرے اس کو بکوشی قبول کر  
لو اور جس چیز سے منع کرے اس کا تقاضا نہ کرو۔ اللہ کا رسول ہر کام میں امت الہی  
کے مطابق کرتا ہے لہذا نبی کی تقسیم کو اللہ کی تقسیم پر محمول کرنا چاہیے۔  
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا اطلاق صرف مال فے تک محدود  
نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر قسم کے احکام پر ہوتا ہے۔ لہذا امت کے لیے لازم  
ہے کہ اللہ کا نبی جس کام کے کرنے کا حکم دے اسے کر گزرو اور جس کام سے روک  
دے اس سے روک جاؤ۔ جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح اللہ  
کے نبی کی اطاعت بھی لازم ہے۔ فرمایا نبی کی تقسیم کے متعلق دل میں بھی کوئی غیر خیال  
نہ لاؤ۔ بَلْكَ وَأَتَّقُوا اللَّهَ الشُّرَكَاءُ ذُرِّيَّتِهِمْ اس کے احکام کی خلاف ورزی  
نہ ہو جائے۔ یاد رکھو! اگر خلاف ورزی کر گئے اِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ  
تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ جب وہ کسی مجرم کو پکڑ لیتا ہے تو چھوڑتا  
نہیں بلکہ سخت سزا دیتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ  
وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا  
وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ⑧

ترجمہ: اُن محتاجوں کے لیے ہے جو ہجرت کرنے  
والے ہیں۔ وہ جن کو نکالا گیا اُن کے گھروں سے اور  
ان کے مالوں سے تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور  
اس کی خوشنودی۔ اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور  
اُس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں راست باز ⑧

رابطہ آیت

گزشتہ درس میں اللہ نے مالِ فتنے کے مصارف کا ذکر کیا کہ اس کا حقیقی  
مالک اور متصرف تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے بعد اللہ کا رسول اُس کے حکم  
کے مطابق اس مال میں تصرف کرتا ہے۔ یہ مال خود اللہ کے نبی اور اُس کے اُن  
قرابتداروں کے لیے ہے جن پر زکوٰۃ و صدقات حرام ہیں مگر وہ اللہ کے رسول  
کے مددگار ہیں۔ اس مال کے مزید حقدار تقسیم مسکین اور مساکین ہیں۔ اللہ نے اس تقسیم  
کی غرض یہ بیان فرمائی تاکہ یہ مال محض مالدار لوگوں میں ہی گردش نہ کرتا ہے بلکہ  
اس کا دوران اس قدر وسیع ہونا چاہیے کہ یہ طبقے کے کمزور ترین آدمی تک  
بھی پہنچے۔ گزشتہ درس میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی تھی کہ اللہ کے رسول  
کی مذکورہ تقسیم پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم  
کے مطابق ہی تقسیم کرتا ہے۔ پھر اللہ نے یہ واضح حکم دیا کہ اُس کا رسول جو کچھ  
تھیں دے دے اُس کو بخوشی قبول کر لو اور جس چیز سے روک دے اُس سے روک

جاؤ، مفسرین نے اس حکم کو عام احکام شریعت پر بھی محمول کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے حکم کا اتباع لازم ہے، اور کوئی شخص رسول خدا کے حکم کے خلاف کر کے کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

اتباع رسول

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مسلمان خاتون کا ان کے ساتھ تنازعہ ہو گیا۔ آپ نے اس عورت کو حضور علیہ السلام کا یہ فرمان سنایا کہ خدا تعالیٰ کی لعنت ہے اُن عورتوں پر جو گورتی ہیں یا گمراہی ہیں اور اُن عورتوں پر بھی جو اپنی زیبائش کے لیے دوسری عورتوں کے بال حاصل کرتی ہیں۔ اور اپنے بال بیٹنے والی عورتوں پر بھی لعنت ہے۔ آپ نے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اس عورت کو سنایا کہ ان پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو خوبصورتی کے لیے اپنے دانتوں کو ریتی سے رنگ کر ہموار کرتی ہیں، اور ان عورتوں پر بھی جو بالوں کو چھن کر اپنے ابروؤں کو رنگتی ہیں۔ یہ مسئلہ سن کر اس عورت نے کہا کہ آپ ان باتوں سے کیوں منع کرتے ہیں؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں ایسی چیزوں سے کیوں منع کروں جب کہ اللہ اور اس کے رسول نے ایسی چیزوں سے منع کیا ہے۔ وہ عورت پھر کہنے لگی کہ مجھے تو قرآن پا میں کوئی آیت نہیں ملی جس میں ان چیزوں سے منع کیا گیا ہو۔ تو آپ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ہی پیش آیا۔ آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر کوئی احرام کی حالت میں خرگوش کا شکار کرے تو اس کی جنایت یہ ہے کہ اُسی جنایت کا جانور قربانی کرے یا اس کی قیمت صدقہ کرے۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے تو قرآن میں یہ مسئلہ نہیں ملا۔ اس کے جواب میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی آیت پڑھی۔ اور فرمایا کہ اللہ کے نبی نے احرام کی حالت میں شکار کرنے کی یہی جنایت بتلائی ہے اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ جو چیز اللہ کا رسول نے دے، اس کو دے لو۔ اور جس چیز سے منع کرے، اس سے رک جاؤ، لہذا یہ اللہ کا حکم ہی سمجھنا چاہیے اگرچہ یہ قرآن میں نہیں ہے۔

غریب معنی کا حصہ

گزرشتہ آیت میں مال فتنے کے چھ حصہ داروں کا ذکر ہوا تھا۔ اب آج کی



آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور حق دار کا ذکر کیا ہے اور یہ ہیں محتاج مہاجرین ۔  
 اللہ نے ان کو حصہ دار کرنے کی وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں اور ساتھ ساتھ ان لوگوں  
 کے بعض اوصاف بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ  
مَالٍ فِي مِغْرِبِ مَہَاجِرِينَ کا حصہ بھی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ  
دِيَارِهِمْ جن کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، قریش مکہ نے ان پر اس قدر مظالم  
 توڑے کہ وہ بچائے اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ کئی پشتوں سے مکہ میں  
 مقیم لوگوں کو اپنے گھروں اور زمینوں کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا، ہجرت کی تکالیف  
 کو وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ تکالیف اٹھائی ہوں۔ ۱۹۴۷ء کا زمانہ ہمارے سامنے ہے،  
 جب لاکھوں مسلمانوں کو ترک وطن کرنا پڑا اور پھر ان کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے  
 وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا جن کو گھروں سے نکالا گیا وَأَمْوَالُهُمْ  
وَأَنْفُسُهُمْ اور ان کو اپنے مال کی قربانی بھی دینی پڑی۔ ان کو باغات، آماج، گھوڑے، اونٹ،  
 اور بھیڑ بکریاں سب کچھ چھوڑنا پڑا۔ مدینہ پہنچ کر فوراً کاروبار کا مٹا بھی ممکن نہیں تھا۔  
 اور اکثر مہاجرین انصار مدینہ کی مدد سے گزر اوقات کر رہے تھے۔ لہذا اللہ نے  
 فرمایا کہ اس قسم کے نادار مہاجرین کو بھی مالی فائدے میں سے حصہ دار کرو۔

اکابر مہاجرین

ان مہاجرین میں وہ جلیل القدر صحابہ بھی شامل ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام  
 کے بعد خلافت کا بوجھ اٹھایا۔ خود حضور علیہ السلام کو بھی نہایت امداد حالات میں  
 کہ چھوڑنا پڑا۔ جب آپ کے سے چلے آئے تو آپ کے ذاتی مکان پر عقیل نے قبضہ  
 کر لیا، یہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ لہذا اقرابتاً ہونے کی بنا پر اس  
 مکان پر قابض ہو گئے جس میں خود حضور علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ  
 رہائش پذیر رہے تھے۔ اس کے بعد عقیل نے یہ مکان دوسرے کے ہاتھ فروخت  
 کر دیا۔ آپ کو اپنا وطن اس قدر عزیز تھا کہ ہجرت کے لیے روانہ ہوتے وقت شہر  
 کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر خطاب کر کے فرمایا کہ اے شہر! مجھے تیرے  
 ساتھ بڑی محبت ہے مگر یہ لوگ مجھے نہیں دیتے لہذا ابدی نوحہ کرتے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

عقیل اور طالب ابو طالب کے بڑے بیٹے تھے اور طالب ہی کے نام پر انکی کنیت  
 ابو طالب تھی۔ عقیل تو بعد میں اسلام لے آئے مگر طالب جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے  
 شامل ہوا اور وہاں سے لاپتہ ہو گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کو جنت اٹھا کر لے گئے  
 جب مکہ فتح ہو گیا تو کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کہاں قیام فرمائیں  
 گئے۔ اس شخص کا خیال تھا کہ شاید آپ اپنے ذاتی شہر کو مکان میں ٹھہرنا پسند فرمائیں گے  
 مگر آپ نے جواب دیا کہ عقیل نے تو میرا مکان ہی فروخت کر دیا ہے۔ لہذا وہاں کیسے  
 ٹھہر سکتا ہوں، بلکہ ہم خبیث بنی کزیم میں ٹھہریں گے۔ جہاں ہمارا نیمہ لگا دیا جائے۔ اس  
 جگہ کو آج کل معابد کہتے ہیں، یہ دلہا اور مخضب بھی کہلاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں  
 مشرکین نے فیصلہ کیا تھا کہ بنی عبد المطلب اور بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ اس  
 فیصلہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہنا پڑا تو حضور علیہ السلام  
 نے فرمایا کہ ہم شکرانے کے طور پر اسی مقام میں ٹھہریں گے۔ جہاں پر مشرکین نے ہمارے  
 مقاطعہ کا فیصلہ کیا تھا، مگر اللہ نے آج ہمیں فتح عطا فرمائی ہے اور انہیں پتہ چلے  
 گئے تمام لوگ مغلوب ہو چکے ہیں۔ پھر آپ کو ہمنام پر کھڑے ہوئے۔ یہ وہی مقام ہے  
 کہ جب آپ نے اس پر کھڑے ہو کر پہلی دفعہ لوگوں کو دعوت کو سید دی تھی۔ تو مشرکین نے  
 آپ کو پتھر مارے تھے۔ آپ نے اس مقام پر کھڑے ہو کر شکرانے کے طور پر اللہ کی  
 حمد و ثنا اس طرح بیان کی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَجَزَ وَعُدَّةٌ وَ  
 نَصْرَ عَبْدُهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ كُنِيَ مَجُودٌ نَحْنُ وَهِيَ أَكْبَلُ  
 نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی کفار کے لشکروں کو شکست  
 دی۔ بہر حال فقراء اور اموال کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو کافر  
 مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کر لیتے ہیں، وہ ان کے مالک بن جلتے ہیں۔ اسی لیے  
 فرمایا کہ جو مالدار مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے اور راستے کی تکالیف برداشت کر کے  
 اپنے مالوں کی قربانی دے کر آئیں ان کو مال دے سے حصہ ادا کرو۔

حضور علیہ السلام  
 کا ذاتی مکان

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کافر یا مشرک اہل ایمان کی جائیداد پر حیرانہ بعض ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ اُن کے واقعی مالک بن جاتے ہیں اور انہیں ایسی جائیداد کو فروخت کر دینے کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے؟ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کے ذاتی مکان کی مثال بیان ہو چکی ہے۔ آپ نے فتح مکہ کے باوجود عقیلہ کی طرف سے قبضہ اور پھر اس کی فروخت کو عملاً تسلیم کیا، لہذا اس قسم کی اطلاق کے کافر اور مشرک واقعی مالک بن جاتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ کسی جان کے مالک نہیں ہو سکتے۔ کافروں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو غلام بنالیا تھا حالانکہ اس بات کا اُن کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔

بہر حال حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ جیسے بڑے بڑے ماجر تھے جن کو اپنا سارا کاروبار اور مال و متاع مکے میں چھوڑا پڑا اور پھر جب مکہ پر لوگ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوئے۔ انہوں نے بڑی عسرت کی زندگی بسر کی۔ ان کے اموال پر مشرکین نے قبضہ کر لیا تھا لہذا اللہ نے ایسے تمام نادار ماجرین کے لیے مال فتنے میں حصہ مقرر کر دیا اور حضور علیہ السلام نے علیؓ پر ان کی اس مال سے مالی اعانت کی۔ ان کو خیر سے ملنے والے مال سے بھی حصہ دیا گیا۔ اس اعانت سے ماجرین خود بھی آسودہ حال ہو گئے اور انصار پر بھی بوجھ نہ پڑا ہو گیا۔

ماجرین اور مٹا  
(۱) فضل و رضا  
کی تلاش

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان ماجرین کے بعض اوصاف بھی بیان کیے ہیں جو ان کے ہجرت کرنے کے عمل کے علاوہ ہیں۔ فرمایا ان کی ایک صفت یہ ہے يَسْتَفْعُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا یہ لوگ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی کے متلاشی ہیں۔ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی یہ صفت سورۃ الفتح میں بھی بیان ہوئی ہے۔ بالکل یہی الفاظ و طرز بھی آیت ۱۲۹ میں آئے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد ہمت و ارتفاق، یعنی اس دنیا کی زندگی کو اچھے طریقے سے گزارنا۔ اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب انسان کے پاس زندگی کی جائز سہولتیں میسر ہوں۔ اسی چیز کے متعلق سورۃ الجمعہ میں فرمایا کہ جب جمعہ کی نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (آیت ۱۰)۔



اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی حلال روزی تلاش کرو جس کے ذریعے دنیا کی زندگی اچھے طریقے سے گزاری جا سکتی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں رضوان سے مراد اقتراب یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہے اللہ نے سورۃ العلق میں فرمایا ہے وَاسْتَجِدْ وَاقْتَرِبْ (آیت ۱۹) سجدہ کر یعنی نماز پڑھو اور اللہ کا قرب حاصل کرے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نماز اللہ کا قرب دلانے والی چیز ہے الغرض! حضور علیہ السلام کے صحابہ میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ وہ فضل کے ذریعے دنیا کی زندگی کو بہتر بناتے تھے اور رضوان کے ذریعے اگلے جہان میں مسخروں کا سامان کرتے تھے۔ تو فرمایا وہ مہاجرین جن کو ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیں گے۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔

مومن اور کافر کی زندگی کا یہی فرق ہے۔ مومن ایسی حیات طیبہ کا متلاشی ہو رہا ہے جس میں اُسے رزقِ حلال نصیب ہو، اُس کا معاشرہ درست ہو، برائیاں اور ظلم و جور کا خاتمہ ہو جائے اور انسان ترقی کی منازل طے کرنا چلا جائے، اس کے برخلاف کفر و کفر سے بھرپور زندگی جس میں لوٹ کھسوٹ، عیاشی، فحاشی، بدکاری، پھوڑی، ڈاکے اور اغوا ہوں، وہ حیات طیبہ نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی زندگی حیاتِ خبیثہ ہوگی جس میں آج لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے۔

(۲) اللہ اور رسول کی مدد

اللہ نے مہاجرین کی پہلی صفت تو یہ بیان کی وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور دوسری یہ وَيَسْتَعِزُّوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا ہے اُس کو کہ کسی مدد کی ضرورت نہیں لہذا یہاں پر اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے کہ اس کی سر بلندی کے لیے کوشش اور محنت کی جائے۔ اس سلسلے میں تمام صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین کا کردار مثالی ہے۔ جنہوں نے دین کی خاطر گھر بار، وطن، عزیز واقارب اور مال و منافع سب کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی مدد کرنے والوں کے متعلق سورۃ محمد میں منسربایا

اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۴﴾ اگر تم اللہ کی مدد سے  
 کے دین کی مدد کر گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔ یہی  
 معجزہ سورۃ الحج میں بھی بیان ہوا ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ (آیت - ۴۰)  
 جس نے اللہ کی مدد کی، اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ آگے سورۃ الصف میں بھی ہے  
 اے ایمان والو! کوفلوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ (آیت - ۴۴) اللہ کے مددگار بن جاؤ حضرت  
 مسیح علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں سے کہا تاکہ اللہ کی طرف کون میری مدد کرے گا۔  
 تو حواریوں نے جواب دیا یَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ الغرض مہاجرین  
 نے اللہ کی خاطر مال و جان، وطن اور عزیز واقارب کی قربانی پیش کی تو اللہ نے  
 بھی پھر ان کی مدد کی۔ توفریا، ایک تو وہ اللہ کی مدد کرتے ہیں اور دوسرے اس  
 کے رسول کی مدد بھی کرتے تھے۔ اور اس سے مراد اللہ کے رسول کی بالفعل مدد  
 ہے۔ یہ مہاجرین رسول اللہ کی مدد و جان اطاعت کرتے ہیں۔ اس کا اسوہ  
 اختیار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ رسول کی  
 سنت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی مدد کرتے ہیں اور اس طرح رسول کے  
 مشن کی تکمیل میں اس کے ہمدرد معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اور رسول کا مشن یہ ہے  
 لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَالصَّفَ ۙ (۹) کہ وہ اللہ کے دین کو  
 تمام ادیان پر غالب کر دے۔ آپ کے صحابہ بشمول تمام مہاجرین و انصار نے اس  
 کلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تو اللہ اور اس کے رسول کی مدد کا یہی مطلب ہے۔  
 فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہی لوگ سچے اور راستباز ہیں۔  
 ان میں خلفائے راشدین کا سرفہرست ہیں۔ اللہ نے سب کی تعریف فرمائی  
 ہے اور ان کے ایمان کی گواہی دی ہے۔ مگر کیا کیا جائے ان رافضیوں کا جو  
 اتنے واضح اعلان کے باوجود خلفائے راشدین میں سے حضرت علیؑ کے سوا باقی  
 تین کو نعوذ باللہ منافق قرار دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ منافق ہیں جو رسول اللہ  
 کے حبیب القدر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے ایمان میں شک و شبہ کا اظہار کرتے

ہیں۔ یہ عقیدہ کتاب اللہ کے خلاف ہے کیونکہ اللہ نے مہاجرین کی تعریف بیان کی ہے۔ اور خود رسول اللہ کے فرامین کے بھی خلاف ہے۔ جن میں ان کا ہر صحابہ کی جانی اور مالی قربانیوں اور دین سے وفاداری کی تعریف کی گئی ہے۔

---



وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ  
 مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ  
 حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ  
 وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ  
 فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑨

ترجمہ :- اور اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے جگہ پکڑ لی  
 اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے - وہ محبت  
 کرتے ہیں اُن سے جو ہجرت کر کے آتے ہیں اُن  
 کے پاس ، اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں کوئی غلش ، اُس  
 چیز سے جو اُن کو دی جاتی ہے - اور ترجیح دیتے ہیں ،  
 اُن کو اپنی جانوں پر اگرچہ ہو اُن میں کچھ حاجت - اور  
 جو بچایا گیا اپنے نفس کے بخل سے ، پس یہی لوگ ہیں  
 فلاح پانے والے ⑨

گزشتہ آیات میں مالِ فے کی تعریف اور اُس کے مختلف مصارف کا ذکر  
 ہو چکا ہے۔ اللہ نے اس مال میں اللہ، اُس کے رسول، رسول کے قرابتداروں،  
 یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ رکھا ہے۔ اللہ نے اس تقسیم کی حکمت بھی بیان  
 فرمائی کہ مالِ دولت صرف اغنیاء میں ہی نہ گردش کرتا ہے بلکہ اس کا دوران  
 معاشرے کے نچلے طبقوں تک پہنچنا چاہیے۔ اللہ نے اہل ایمان کو تلقین کی کہ وہ  
 اپنے نبی کی تقسیم کو بخوشی خاطر قبول کریں اور جو چیز اللہ کا نبی نے اُس کو

رابطہ آیت

قبول کر لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ اس کے بعد اللہ نے نادار مہاجرین کے حصے کا ذکر کیا جو لوگ اپنا گھر بار اور مال متاع چھوڑ کر دارالہجرت میں پہنچ چکے ہیں اور نادار ہیں، مالِ فے میں ان کا بھی حصہ ہے جو ادا کیا جائے۔ اس کے ساتھ اللہ نے مہاجرین کے بعض اوصاف بھی بیان فرمائے اور ان کو مخلص مومن قرار دیا گیا۔

انصارِ مدینہ  
کا استحقاق

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ کے ایثار کا تذکرہ فرمایا ہے اور انہیں بھی مالِ فے کا حقدار قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اس مال کے حقدار وہ بھی ہیں۔ وَالَّذِينَ نَبَوُّوا الدَّارَ وَالْآيْمَانَ جنہوں نے جبکہ پکڑی گھر میں اور ایمان میں۔ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے ہم نے تَبَوُّوا کا معنی جبکہ پکڑ لیا ہے۔ یعنی ٹھکانا پکڑنا یا رہائش اختیار کرنا۔ یہ لفظ جنت میں اہل جنت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے فرمایا تَبَوُّوا مِنْ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ اور الامور۔ ۷۴) جنتی لوگ جنت میں جہاں چاہیں گے ٹھکانا پکڑیں گے، جبکہ حاصل کریں گے۔ اور دار سے مراد دارالہجرت مدینہ منورہ ہے۔ اللہ نے اس شہر کا نام طَابَ یا طیبہ رکھا ہے۔ اور اس کو مدینہ الرسول بھی کہا جاتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اس مال میں سے وہ لوگ بھی حقدار ہیں جنہوں نے مہاجرین کی آمد سے قبل شہر مدینہ میں رہائش اختیار کر رکھی تھی اور وہ ایمان کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ ان سے مراد انصارِ مدینہ ہیں جن کا تعلق اوس اور خزرج کے قبائل سے تھا اور جو ہجرت سے آٹھ سو یا ایک ہزار سال قبل یہاں آکر آباد ہوئے تھے، ہجرتِ نبوی سے تین سال پہلے تک یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ بعض نے یہودیت اور بعض نے نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ مگر ان کی اکثریت شرک میں ہی مبتلا تھی۔ اللہ نے انہی میں سے بعض کو ایمان کی دولت سے مشرف فرمایا۔ انہوں نے حج کے موقع پر حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا، مدینہ میں آکر اس کی اشاعت کی اور پھر مہاجرین مدینہ کو اسلام کی آبیاری کے لیے موڑوں پا کر حضور علیہ السلام کو ہجرت کی دعوت دی یہ لوگ انصارِ مدینہ کہلائے اور انہی کے نادار لوگوں کے لیے اللہ نے مالِ فے میں سے حصہ مقرر فرمایا ہے۔

مہینہ کا خط تجارتی خط تھا اور یہاں کے زیادہ تر باشندے تجارت پیشہ تھے۔ تاہم  
 زرخیز زمین اور پانی بھی موجود تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ زراعت پیشہ بھی تھے یہاں  
 کھجوروں کے بڑے بڑے باغ اور غلہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ ان کی تجارت زیادہ تر مصر  
 شام اور فلسطین کے ساتھ ہوتی تھی۔ روم اور یمن کی طرف بھی تجارتی قافلے جاتے رہتے  
 تھے اور اس طرح آپس میں اجناس کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ فارس یا ہندوستان کے  
 ساتھ تجارت یمن کی بندرگاہ کے ذریعے ہوتی تھی۔ ادھر کا مال اونٹوں کے ذریعے  
 یمن پہنچایا جاتا اور پھر وہاں سے بحری راستے سے ہندوستان کی طرف جاتا۔ اسی طرح  
 وہاں سے آنے والا مال بھی اسی بندرگاہ پر اتار دیا جاتا اور پھر زمینی راستے سے اگلے  
 علاقوں میں پہنچایا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ تجارتی اور زرعی خطہ تھا۔ اور یہاں  
 کے لوگ دونوں قسم کے کام کرتے تھے۔ ان کو اللہ نے حضور علیہ السلام اور دیگر مہاجرین  
 کی مہمان نوازی کا شرف بخشا۔ اللہ نے ان لوگوں کے تحقیق کو بھی مال فی کی تقسیم میں  
 برابر کا شریک ٹھہرایا ہے۔

مہاجرین  
 محبت

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کی مہاجرین سے محبت  
 کا ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔  
 يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ جُنُودًا سَلَامًا اُنْ كَانَتْ مِنْهُمْ جُنُودًا سَلَامًا  
 کے ساتھ محبت کی ہے۔ یہ لوگ مہاجرین کی حق المقدور خدمت کرتے ہیں جو ان کے  
 اخلاص کا بہترین نمونہ ہے۔ فرمایا ان کی محبت اس قدر پُر خلوص ہے۔ وَلَا  
 يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا کہ مہاجرین کو ملنے  
 والی اشیاء کی وجہ سے اپنے دلوں میں کوئی غلش محسوس نہیں کرتے۔ ان کے دل حمد  
 کے مادہ سے پاک ہیں اور انہوں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ مہاجرین کو قتل رہا ہے  
 اور وہ محروم رہ رہے ہیں۔ بلکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے دین کی خاطر  
 مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے اپنا گھر بار اور مال متاع چھوڑ کر آگئے ہیں  
 ان کا زیادہ حق ہے، لہذا ان کے دلوں اور زبانوں پر اس معاملہ میں کبھی حروف



شکایت نہیں آیا۔

اللہ نے انصار مدینہ کی تعریف میں فرمایا کہ وہ ہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔  
 اُن کے خلاف حسد نہیں کرتے اور اُن کی تیسری صفت یہ ہے <sup>۱</sup>وَيُؤْثِرُونَ  
 عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَكَوْنُ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وہ اُن ہاجرین کو خود پر  
 ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود حاجت مند ہوں۔ اسی لیے انصار کے متعلق حضور علیہ السلام  
 کا ارشاد ہے حُبُّ الْأَنْصَارِ آيَةُ الْإِيمَانِ وَبُغْضُ الْأَنْصَارِ آيَةُ  
 الْكُفْرِ (صحیحین) انصار مدینہ کے ساتھ محبت ایمان کی نشانی ہے جب کہ  
 اُن کے ساتھ بغض اور عداوت رکھنا کفر کی علامت ہے اللہ تعالیٰ نے تو اُن کے  
 اخلاص کی گواہی دی ہے۔ اب جو کوئی اُن سے عداوت رکھے گا۔ وہ مومن نہیں  
 بلکہ منافق ہوگا۔

انصار کے ہاجرین کے ساتھ خلوص، محبت اور ایثار کے بہت سے واقعات  
 کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے ہاجر بھائیوں کی دل کھول کر مدد  
 کی۔ انہوں نے اپنے مکانات، زمینیں، باغات اور کاروبار سب ہاجرین میں تقسیم  
 کر دیے۔ حضور علیہ السلام نے لوغات کا بہترین نظام قائم کیا اور ایک ایک انصار اور  
 ایک ایک ہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اُن دینی بھائیوں نے اپنا اپنا آدھا مکان  
 زمین، باغ، ہاجر بھائیوں کو پیش کر دیا۔ اُن کو کاروبار میں شریک کر لیا اور اس طرح  
 اخوتِ اسلامی کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ اُن کا یہ بھائی بھائی  
 اس قدر پختہ تھا کہ ابتدائی دور میں ایک دینی بھائی فوت ہو جاتا تو دوسرے کو اس  
 کی وراثت سے حصہ ملتا۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ ہاجرین زیادہ تر تجارت پیشہ  
 لوگ تھے جو کھیتی باڑی کرنا نہیں جانتے تھے۔ جب ہاجرین کو کھیتی باڑی میں بھی شریک  
 کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو کھیتی باڑی کرنا نہیں جانتے ہی نہیں، ہم سے یہ کام کیسے  
 ہوگا؟ اس پر انصار نے کہا کہ باغات اور کھیتوں میں کام ہم کریں گے مگر اپنے ہاجر  
 بھائی کو پیداوار کا نصف حصہ ضرور دیں گے۔ پھر ہاجرین نے حضور علیہ السلام کے سامنے

انصار کا  
ایثار

ذکر کیا کہ انصار نے ہمارے ساتھ اس قدر ایثار کا سلوک کیا ہے کہ سارا ثواب یہ سمیٹ کر لے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، تم فکرنہ کرو اور اپنے انصار بھائیوں کے لیے دعا کرو دیا کرو اللہ تمہیں بھی اُن جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ چنانچہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بہترین اجر عطا فرمائے۔

خود پر مہاجرین  
کو ترجیح کے  
واقعات

ترمذی شریف کی روایت میں انصار کے ایثار اور مہاجرین کو خود پر ترجیح کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ کسی انصاری کے گھر مہمان آگیا۔ اس وقت صاحب خانہ کے پاس صرف اس قدر کھانا تھا جس سے اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے پیٹ بھر سکتے تھے۔ مہاجرین نے اپنی بیوی سے کہا کہ کسی طرح بچوں کو بھلا پھلا کر سلا دو اور جو کھانا موجود ہے۔ وہ مہمان کو پیش کر دو۔ ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی کہ جب کھانا پیش کرو تو چراغ کو گل کر دینا تاکہ مہمان کو علم نہ ہو سکے کہ گھر والے کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ بیوی نے ایسا ہی کیا اور سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا۔ پھر جب صبح کے وقت وہ انصاری مسلمان حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری رات کی مہمان نوازی اور ایثار کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان کر دیا ہے اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی **وَيُؤْتِيهِمْ مِنْ فَضْلِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** یعنی خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

جب بنی نضیر کی جائیدادیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو حضور علیہ السلام نے انصار مدینہ کے سرداران حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو طلب فرمایا۔ یہ دونوں حضرات قبیلہ اوس اور خزرج کے سردار تھے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں ان سرداروں سے فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے ہمیں بنی نضیر سے بہت سامان و اسباب حاصل ہوا ہے، مہاجرین کی مالی حالت کمزور ہے، اگر تم اجازت دو تو یہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے، اس طرح آپ لوگوں پر مہاجرین کا بوجھ بھی کم ہو جائے گا۔ اُن انصار سرداروں نے بخوشی اجازت دے دی کہ یہ سارا مال

مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ ہم نے مہاجرین کی امداد کے طور پر جو کچھ ان کو دے رکھا ہے۔ وہ بھی انہی کے پاس ہی رہے گا۔ اور یہ مال بھی انہی میں تقسیم کر دیا جائے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ یہ بھی انصار کے ایثار کا ایک نمونہ تھا کہ کس طرح انہوں نے مہاجرین کو خود پر ترجیح دی۔

انصار اور  
مہاجرین  
کی آزمائش

دین سے محبت اور ان کے ایثار اور قربانی کی آزمائش انصار اور مہاجرین دونوں گروہوں کی ہوتی رہتی تھی۔ جب بھی اللہ کے دین کے لیے جانی اور مالی قربانی کی ضرورت پڑتی دونوں گروہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے چار سو دینار کی ایک قبیلی خادم کے ہاتھ حضرت ابوبعیدہ بن جراحؓ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ یہ امیر المؤمنین کی طرف سے تمہارے لیے تمغہ ہے۔ یہ قبیلی پیش کرنے کے بعد خادم حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے واپس چھڑ گیا انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابوبعیدہؓ نے ہدیہ قبول کرنے کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ رقم محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کر دی۔ سارا مال تقسیم کر دیا اور اپنے لیے ایک دینار بھی نہ رکھا۔ یہ ساری رپورٹ خادم نے واپس آکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دی ایسی ہی ایک قبیلی حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس ہدیت بھیجی۔ انہوں نے بھی قبیلی قبول کر لی اور پھر اسے تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب سارے دینار اختتام کر پہنچے واپس آئے تو آپ کی بیوی نے کہا کہ ہم خود بھی تو سخت ہیں، کچھ اپنے لیے بھی رکھ لیا ہوتا۔ اس وقت صرف دو دینار باقی تھے، آپ نے خادم کو فرمایا کہ یہ بیوی کو دے دو۔ پھر یہ رپورٹ بھی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبعیدہ بن جراحؓ (مہاجر) اور حضرت معاذ بن جبلؓ (انصار) آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کے مزاج بھی یکساں بنائے ہیں اور ان دونوں حضرات نے دوسروں کو خود پر ترجیح دے کر ایثار و قربانی کی مثال قائم کر دی ہے۔

میدان جنگ میں مجاہدین کے ایثار اور ایک دوسرے پر ترجیح کا یہ واقعہ بھی





مطلب یہ کہ جس شخص کے چہرے پر اللہ کے راستے میں چلتے ہوئے گرد و غبار پڑے گا۔  
وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے قلب میں ایمان موجود ہے وہاں بخل داخل  
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بخل ایمان کے منافی چیز ہے۔ ایسا آدمی ممکن نہیں ہوگا۔ بلکہ کافر  
یا منافق ہوگا۔ مطلب یہ کہ سچے ایماندار کے دل میں بخل نہیں ہوتا۔ تو فرمایا جس کو بخل  
سے بچا لیگا تو ایسے لوگ آخرت میں کامیاب ہوں گے اور ان میں انصار امیر مہاجرین  
دونوں گروہ شامل ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ⑩

ترجمہ :- اور اُن لوگوں کے لیے جو آئے اُن کے بعد وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کھوٹ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت کرنے والا مہربان ہے ⑩

رابط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے بنی نصیر کے یہودیوں پر مسلمانوں کے غلبے کا ذکر کیا اور پھر اس ضمن میں مال فے کے احکام اور اس کی تقسیم کا اصول بیان فرمایا اللہ نے اس مال کے مستحقین کے طور فرمایا کہ اس کے حقدار اللہ اور اس کے رسول اور اس کے قرابتدار ہیں۔ پھر یہ مال یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔ درمیان میں اللہ نے اسلام کے نظام معیشت کا یہ اصول بھی ذکر کر دیا کہ مال و دولت محض دولتمندوں کے درمیان ہی گردش نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا بہاؤ نیچے کی طرف کمزور طبقات تک ہونا چاہیئے۔ پھر اللہ نے نادر مہاجرین کو حقدار ٹھہرایا جو اپنے گھربار اور ساز و سامان چھوڑ کر اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کر آئے۔ پھر اُن انصار مدینہ کا ذکر کیا جنہوں نے مہاجرین کی بڑھ چڑھ کر میزبانی کی اور انہیں ضروریات زندگی کی تمام



چیزیں پیش کر دیں۔ اللہ نے اُن کے اوصاف بھی بیان فرمائے کہ وہ مہاجرین سے  
محبت کرتے ہیں اور انہیں۔ یعنی والی اشیاء پر اپنے دلوں میں کوئی تشنگی یا حسد کا مادہ  
نہیں رکھتے۔ فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور  
بخل سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ بخل کی بیماری سے بچ جانے والے لوگ ہی کامیاب  
ہوتے ہیں۔

انصار اور مہاجرین کے گرد ہوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد اب اللہ نے تیسرے  
گروہ کا ذکر کیا ہے جو ان دو گروہوں کے بعد میں آنے والے ہیں اور اس کے ساتھ  
اُن کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے سے پہلے والے بھائیوں کے حق میں کرتے  
ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ بھی مال نے  
کے ساتھ ہیں جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئے۔ مفسرین کا اس بارے میں قدیم  
اختلاف ہے کہ بعد میں آنے والوں سے کون سے لوگ مراد ہیں۔ بعض فرماتے  
ہیں کہ جن لوگوں نے ابتداء میں ہی ہجرت کر لی وہ مہاجرین کہلائے۔ اسی طرح  
جن انصار نے اولین مہاجرین کو سارا دیا وہ انصار کہلائے، مگر جنہوں نے کچھ عرصہ  
بعد ہجرت کی اور مدینے کے جو لوگ بعد میں ایمان لائے، یہ دونوں گروہ مِن  
بَعْدِهِمْ میں آتے ہیں۔ تاہم صحیح بات یہ ہے کہ مِن بَعْدِهِمْ میں صرف  
خیر القرون کے لوگ ہی شامل نہیں بلکہ ان کے بعد قیامت تک آنے والے پوری  
امت کے لوگ شامل ہیں۔ اس میں وہ طبقہ بھی شامل ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان  
لایا۔ پھر اس کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے تمام امتی  
شامل ہیں اور اللہ نے ساری امت کے مستحقین کے لیے مالِ فے میں حصہ رکھا ہے  
چنانچہ جب عراق اور دیگر ممالک پر اسلام کا غلبہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینوں  
کو تقسیم نہیں کیا بلکہ بیت المال کے ساتھ وابستہ رکھا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ بھی  
ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسی طرح خیبر کی کچھ زمینیں تو تقسیم کر دی گئی تھیں۔ مگر کچھ  
بیت المال میں داخل تصور ہوتی تھیں۔ مقصد یہی تھا کہ اگر ان کو تقسیم کر دیا تو یہی

لوگ یا ان کے وارث فائدہ اٹھائیں گے اور اگر یہ مشترکہ ملکیت میں رہیں تو آمدہ نہیں بھی ان سے مستفید ہو سکیں گی۔

متاخرین کی  
متقدمین کے  
لیے دعائیں

پھر ان کے بعد میں آنوالوں کی الشرنے یہ صفت بیان کی ہے کہ یہ لوگ خواہ ان کا تعلق قیامت تک کسی زمانے سے ہو، یہ اپنے سے پہلوں کے لیے اس طرح دعائیں کرتے ہیں۔ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے۔ وَلَا تُخَوِّنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی بخش دے جنہوں نے ہم سے پہلے ایمان میں سبقت کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے جو ایماندار بھائی ہم سے پہلے گزرے ہیں۔ اُن کے گناہوں کو مٹا دیں اور لغزشوں سے بھی درگزر فرما۔ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا اور ہمارے دلوں میں اُن لوگوں کے لیے کھوٹ نہ رکھ جو ایمان لائے ہیں۔ ایک مسلمان کی ہمیشہ یہ دعا ہونی چاہیے کہ اس کے دل میں کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں کینہ، بغض، عناد یا عداوت نہ ہو۔ شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب مسلمانوں کے لیے ہے جو اگلوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور ان سے بیزاری رکھیں اور نہ ہی ان سے دشمنی اور عداوت رکھیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ جو شخص صحابہ کرامؓ سے بغض رکھتا ہے اور ان کی بدگوئی کرتا ہے، اس کے لیے مالِ فنی میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس مال میں حصہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو سابقین کے حق میں بخشش کی دعائیں کرتے ہیں نہ کہ اُن کو گالیاں دیتے ہیں۔ بعد میں آنے والے وہی اس مال کے حقدار ہو سکتے ہیں جو اگلوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ متاخرین کو اس بات کا سختی سے پابند کیا گیا ہے کہ وہ سابقین اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی منفی لب کشائی نہ کریں، نہ اُن کی عیب جوئی کہہیں اور نہ بدگوئی کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ متاخرین متقدمین



کے لیے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ مقتدین کے آپس میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے بھی ہوں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صغین نامی جنگ ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان ایک جنگ جنگ جمل کے نام سے بھی مشہور ہے اس کے باوجود متاخرین پابند ہیں کہ وہ مقتدین کے لیے دعائیں کریں۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے ان کے اختلاف کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ بلکہ اختلافات اور تنازعات کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ ہمارے لیے یہی حکم ہے کہ ہم ان کے لیے بخشش کی دعائیں کریں۔ البتہ اگر ہم ان سابقین سے عداوت رکھیں گے تو لعنت کے مستحق ہوں گے اور مجرم محسوس کریں گے۔

قاضی ثناء اللہ شہرانی پتی دوسری کتابوں کے حوالے دے دیے اپنی تفسیر منطہری میں لکھتے ہیں کہ کسی نے امام زین العابدینؑ کے سامنے حضرت عثمانؓ پر تنقید کی تو آپ نے پوچھا کیا تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تم انصار میں سے ہو؟ اس شخص نے پھر نفی میں جواب دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم سابقین کے بارے میں بدگوئی کرتے ہو لہذا تم اس تیسرے طبقے میں بھی نہیں آئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف کر دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سبقت حاصل کر چکے ہیں۔ بھلا تم بدگوئی کرنے والے اس طبقے میں کیسے شامل ہو سکتے ہو، یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ امام زین العابدینؑ سے ایک لمبی دعا بھی منقول ہے جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اَصْحَابِ خُصَمٍ اے اللہ! اپنے نبی کے صحابہ پر رحمت نازل فرما۔ پھر آگے دعائیں ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی رفاقت کی، ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں اور آپ کی جاہلیت کو بڑھایا۔ ان لوگوں نے خاندان، قوم، زن و فرزند کو چھوڑا اور دین کی تائید کی۔ خود اپنے عزیز و اقارب سے جنگ کی حتیٰ کہ باپ بیٹا کٹنے سے آنے سے بھی نہ بچے۔ عرض کیا، اے پروردگار! ان پر رحمت نازل فرما



اور ان کے علاوہ وَالَّتَابِعِينَ لکھنا بِحَسَنِ اُن پر بھی رحمت نازل فرما جو نبی کے ساتھ اُن کا اتباع کرنے والے ہیں۔ غرضیکہ امام صاحب نے اپنی دعا کے اندر ہی اصحاب رسول کی تعریف فرمائی۔ لہذا ان بزرگانِ پاک باز کے خلاف لب کشائی کی ہرگز اجازت نہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ہمیشہ تعریف ہی کرنی چاہیے اور اُن کے متعلق رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ہی کہنا چاہیے یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا۔ اگر کوئی شخص اصحاب رسول کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ ایسا شخص مالِ فنی میں اپنا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔ الغرض فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے لوگ سابقین کے لیے بخشش کی دعائیں کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پروردگار! ہمارے دل میں ان کے لیے کھوٹ نہ رکھ۔

امام ابو حنیفہؒ کے استاد امام شعبیؒ نے دیکھا کہ بعض رافضی حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ تو یہودیوں سے بھی پیچھے رہ گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہودیوں سے پوچھا جائے کہ تمہاری جماعت کے بہترین لوگ کون ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی پوری امت ہیں۔ بہترین لوگ ہیں۔ اسی طرح جب عیسائیوں سے دریافت کیا جائے کہ تمہاری جماعت کے بہترین لوگ کون ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے حواری بہترین لوگ ہیں۔ جن کو آپ کی رفاقت نصیب ہوئی اور انہوں نے آپ کی مدد کی۔ فرماتے ہیں کہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اگر رافضی سے یہی سوال کیا جائے تو وہ اصحاب رسول کو بدترین لوگ بتائے گا۔ اُس کے زعم کے مطابق چار خلفائے راشدین میں سے تین خلفاء نعوذ باللہ ایمان سے ہی عاری تھے۔ رافضی ان کو منافق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ اہل بیت سے بغض رکھتے تھے۔ اس کے برخلاف حضور علیہ السلام کا فرمان یہ ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف بلا وجہ دل میں کھوٹ نہیں رکھنا چاہیے چہ جائیکہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لب کشائی کی جائے گی جن کا درجہ تو پوری امت کے لوگوں سے بلند ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے خطاب کر کے فرمایا  
 یابُنِیْ اے بیٹے! اگر تمہاری صبح اور شام ایسی گزرتے کہ تمہارے دل میں  
 کسی مسلمان کے خلاف کھوٹ نہ ہو تو اس پر کاربند رہو کیونکہ یہ میرا طریقہ ہے۔  
 اور جو میرا طریقہ اختیار کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا خاص طور پر صحابہ کرامؓ  
 امت کا بہترین طبقہ ہیں جن کے متعلق اللہ نے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے  
 رَکِبُوا قُرْآنَیْنِ جَبَلِجَہ مَوْجُوْدٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ  
 اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ان بزرگان نے دین کے  
 قیام، جماعت کے استحکام اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت و اطاعت میں  
 ہر چیز قربان کر دی، لہذا ان کے متعلق دل میں کھوٹ رکھنا منافقت ہی  
 ہو سکتی ہے۔

بہر حال اللہ نے ہم سے طبقے کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے کہ انصار و  
 مہاجرین کے بعد آنے والے تمام طبقات دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار!  
 بخش دے ہم کو ہماری غلطیاں اور کوتاہیاں، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی معاف  
 کر دے جو ہم سے ایمان میں سبقت کر چکے ہیں اور پھر تیری بارگاہ میں پہنچ چکے  
 ہیں۔ اے پروردگار! ہمارے دلوں میں ان بھائیوں کے لیے کھوٹ، نفرت،  
 یا عداوت نہ رکھ۔ رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اے ہمارے پروردگار  
 بیشک تو بہت ہی شفقت کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ جس طرح تو  
 نہایت ہی شفیق اور مہربان ہے اسی طرح ہمارے دلوں میں سابقین کے لیے  
 شفقت اور رحمت کر رکھ دے، ان کے لیے عداوت اور نفرت کو دور کر دے  
 ہم ان کا ذکر خیر اور ان کے لیے دعا ہی کریں اور ان کی تعریف ہی بیان  
 کریں۔ احادیث کی تمام کتب میں فضائل صحابہؓ اور فضائل امت کے ابواب  
 موجود ہیں۔ ان بزرگوں کے متعلق زبان سے اچھی بات ہی نکالنی چاہیے۔ اور ان  
 پر نکتہ چینی، عیب جوئی یا بدگوئی نہیں کرنی چاہیے۔ غرضیکہ اللہ نے بعد میں انہماکوں کا  
 دستور العمل بیان کر دیا ہے۔



قد سمع الله ۲۸  
درس ہفتم ،

الحشر ۵۹  
آیت ۱۱ تا ۱۴

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَخُرُجُنَّ  
مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ  
لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ⑪  
لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا  
لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُولَيَنَّ الْأَدْبَارُ  
ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ⑫ لَا أَنْتُمْ أَشَدُّ رَهَبَةً فِي  
صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا  
يَفْقَهُونَ ⑬ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قَرَى  
مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ حُجُرٍ بِأَسْهُمٍ بَيْنَهُمْ  
شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى  
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ⑭ كَمَثَلِ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهُمْ وَلَهُمْ  
عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑮ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ  
اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ



اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي  
النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝۱۷

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی عورت جو نفاق  
ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اپنے بھائی بندوں سے جنہوں نے  
کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تم نکالے گئے اپنے گھروں  
سے تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ اور ہم تمہارے  
بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے کبھی بھی۔ اور اگر  
وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں  
گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بیٹک یہ لوگ جھوٹے  
ہیں ۝۱۱ اگر وہ نکالے گئے تو یہ نہیں نکلیں گے اُن  
کے ساتھ۔ اور اگر انکو سے جنگ کی گئی تو یہ اُن کی  
مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد کریں گے بھی تو پشت  
پھیر کر بھاگیں گے، پھر کہیں بھی اُن کی مدد نہیں کی  
جائے گی ۝۱۲ (اے اہل ایمان) البتہ تم زیادہ شدید ہو  
ان کے سینوں میں خوف کے اعتبار سے بہ نسبت  
اللہ کے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ ایسی قوم ہے جو  
سمجھ نہیں رکھتی ۝۱۳ یہ نہیں لڑیں گے تمہارے ساتھ  
اکٹھے مگر بستیوں میں جو محفوظ ہیں یا دیاروں کے پیچھے  
سے۔ ان کی لڑائی آپس میں شدید ہے۔ آپ ان کو گمان  
کریں گے اکٹھے حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں یہ اس  
وجہ سے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ۝۱۴ جیسے اُن لوگوں  
کی مثال جو ان سے پہلے گزرے ہیں قریب زمانہ

میں۔ چکھا انہوں نے وبال اپنے معامے کا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۵) جیسا کہ مثال شیطان کی کہ جب کہتا ہے انسان کے لیے کہ تو کفر کر، پس جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ بیشک میں بنیرا ہوں تجھ سے۔ میں تو خوف کھاتا ہوں اللہ سے جو سب جانوں کا پروردگار ہے (۱۶) پس انجام ان دونوں کا یہ ہوا کہ وہ دونوں درخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور یہی ہے بدلہ ظلم کرنے والوں کا (۱۷)

منافقین کی  
اسلام دشمنی

گزشتہ درس میں بنی نضیر کے یہودیوں کی بدعہدی اور اُن کے محاسبے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں اُن منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہودیوں کو ہوشیاری پر اکسایا اور اہل ایمان کے خلاف اُن کی مدد کا وعدہ کیا۔ ترتیب تدریسی کے اعتبار سے واقعہ کا یہ حصہ پہلے آنا چاہیے تھا اور سورۃ کا پہلا کوع اس کے بعد۔ مگر واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں کی سازش کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اُن کے اسباب کا ذکر اب بعد میں آ رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جب مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا تو یہودی قلعہ بند ہو گئے اور اہل اسلام کی تمام تر کوشش کے باوجود وہ باہر نکل کر جنگ کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ جب یہ محاصرہ ذرا طویل ہو گیا تو اس دوران میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کو مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کا موقع مل گیا اُس نے بنی نضیر کو شہ دی کہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنا اور نہ ہی اپنی جلا وطنی قبول کرنا اگر مسلمان تمہیں ملک بدر کریں گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نکل کھڑے ہوں گے اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنا چاہیں گے تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ ایک اور قبیلہ بنی غطفان بھی مسلمانوں کا شدید مخالف تھا، منافقوں نے بنی نضیر کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں یہ قبیلہ بھی اُن کی مدد کے لیے پہنچے گا۔

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ الَّذِيْنَ تَاْفَقُوْا كَيْفَ تَمَّ لَہُمْ اِنْ مَنَافِقُوْنَ كِي طَرَفٍ نِّیْسٍ  
 دیکھا؟ منافقت کی تدریج سلسلہ میں شروع ہوئی۔ جنگ بدر کے قصور اس عرصہ بعد  
 اپنی سازشوں کی وجہ سے بنی قینقاع کے یہودی جلا وطن ہو چکے تھے۔ بنی نضیر جلا وطن  
 ہونے والا دوسرا قبیلہ ہے۔ تیسرا یہودی قبیلہ بنی قریظہ تھا جو اپنی ریشہ درانیوں کی  
 وجہ سے سلسلہ میں جنگ خندق کے بعد ہلاک کیے گئے۔ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا  
 اَنَّ لَوْگُوں کی طرف جو منافق ہوئے۔ یَقُوْلُوْنَ لَا خَوَانِہُمْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا  
 مِنْ اَہْلِ الْکِتَابِ وہ اہل کتاب میں سے کفر کرنے والے اپنے بھائی بندوں سے  
 کہتے ہیں۔ ان سے مراد بنی نضیر کے یہودی ہیں۔ منافقوں کے ان کے ساتھ تعلقات  
 اور پس دین تھا۔ اس لیے اُن کو بھائی بند کہا گیا ہے اِنْ یُّوْدِیُّوْنَ سَے منافقین نے  
 کَہَا لَیْنٌ اُخْرِجُوْکُمْ اِگر تمہیں تمہارے گھروں، زمینوں اور باغات سے نکالا  
 گیا لَئِنْ جِئَ مَعَكُمْ تَرٰہُمْ بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے وَلَا تُطِیْعُوْہُمْ  
 اَحَدًا اَبَدًا اور تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ نیز کہنے لگے  
 فَاِنْ قُوَّتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ اور اگر مسلمان تم سے جنگ کریں گے تو ہم  
 تمہاری مدد کریں گے۔ غرضیکہ منافقوں نے یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ مگر اللہ نے  
 فرمایا وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اَنَّهُمْ کَاذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے۔ کہ منافق  
 جھوٹے ہیں۔ یہ محض شر دینے والے ہیں، اگر یہودیوں پر کوئی افتاد پڑی تو وعدہ خلافت  
 کریں گے۔ لَیْنٌ اُخْرِجُوْا اِگر اُن کو ملک بدر کیا گیا۔ لَا یَخْرُجُوْنَ  
 مَعَهُمْ قَرِ مَنَافِقِ ہرگز اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ وَلَیْنٌ قُوَّتُمْ  
 لَا یَنْصُرُوْہُمْ اور اگر یہودیوں سے جنگ کرنے کا موقع آیا تو منافق اُن کی  
 کوئی مدد نہیں کریں گے۔ یہ اپنے دھوے میں جھوٹے ہیں۔ یہ یہودیوں کو اک کر مسلمانوں  
 سے لڑا دیں گے، خود پیچھے رہیں گے اور اُن کو سزا دیں گے وَلَیْنٌ نَّصَرُوْہُمْ  
 اور اگر کبھی یہ بادل خواستہ اُن کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوئے کیوں کر  
 اِلَّا ذِبَارَہُ توجھ پھیر کر بناگ آئیں گے۔ ثُمَّ لَا یَنْصُرُوْنَ پھر نہیں بھی اِنْ



کی مدد نہیں کی جائے گی اور ان کو کوئی جلتے پناہ نہیں ملے گی۔ یہ منافق سازشی لوگ ہیں اور محض سازشیں کرنا جانتے ہیں، یہ کسی کی مدد کرنے اور لڑنے مرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔

اہل ایمان  
کے لیے  
تسل

اللہ نے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے لَا تَتَمَنَّوْا اَسَدًا رَّهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ بِاَعْتِبَارِ خَوَافِ تَمَّ اَنَّ كَے سینوں میں اللہ کی نسبت زیادہ شدید ہو۔ حالانکہ مخلوق کے دل میں خاق کا خوف ہونا چاہیے۔ مگر یہ لوگ اتنا اللہ سے نہیں ڈرتے جتنا تم سے ڈرتے ہیں۔ ان کو اپنی گرفتوں کا علم ہے۔ اور جانتے ہیں اگر ان کا پردہ خاش ہو گیا۔ تو مسلمان ان کو نہیں چھوڑیں گے لہذا وہ دل میں سخت خوف محسوس کرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ اپنے نفع نقصان کو نہیں سمجھتے اور خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ جن کا ایک نہ ایک دن ظاہر ہونا لازمی ہے اور پھر یہ اپنی ریشہ دوازیوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے۔ اگر ان لوگوں میں نفاق کی بجائے اللہ کا خوف ہوتا تو ایسی شرارتیں نہ کرتے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں میں جرات کا جو مادہ پیدا ہوا ہے وہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ منافق لوگ یہودیوں کی کتنی بھی شرمے لیں لَا يُقَاتِلُوْكُمْ بِمُجِيعًا وَه سارے مل کر بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ اگر بادل ٹخواتے انہیں مقابلہ کرنا بھی پڑا تو کھل کر سامنے آنے کی جرات انہیں نہیں کریں گے۔ اِلَّا فِيْ قَرْيٍ مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَرَآءِ حُجُرٍ بلکہ محفوظ بستیوں یا دیوار کے پیچھے سے طلب یہ ہے کہ اگر ان پر جنگ تقویٰ ہی دی جائے تو یہ قلعہ بند ہو جائیں یا کسی دیوار، پہاڑ، یا درخت کی آڑے کر تیر چلتے رہیں گے۔ یہ لوگ میدان میں نکل کر دست بہ دست لڑائی نہیں لڑ سکتے کیونکہ ان کے دلوں میں تمہارا رعب بیٹھ چکا ہے۔ ان کے دلوں میں وہ ایمان کی روشنی ہی نہیں جو مسلمانوں کے پاس ہے۔ اہل ایمان تو ذاتی مفاد سے ہٹ کر خدا کی رضا کے لیے میدان میں اترتے ہیں، انہیں دین اسلام کی سرطنت کی مطلوب

ہوتی ہے اور وہ آخرت پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر یہودی ان چیزوں سے محروم ہیں اس لیے وہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ بے مثال جرات و بہادری کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے خلاف بہت سی جنگیں لڑی ہیں مگر یہ لوگ کبھی میدان میں نکل کر مقابلہ نہیں کرتے۔ صلاح الدین ایوبیؒ کا دور دیکھ لیں۔ عیسائیوں کا کردار سخت ظالمانہ تھا۔ یہ لوگ ترکوں کے ساتھ آنے سے سانسے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لہذا انہوں نے آتشیں اسلحہ تیار کیا تاکہ وہ چھپ چھپ کر ہی وار کھینے رہیں حضرت مولا شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اہل یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز آکر آتشیں اسلحہ اور سٹے سٹے طریق جنگ ایجاد کیے۔ چنانچہ آج دنیا میں جدید ترین ہتھیار از قسَم بدوق، توپ، راکٹ، میزائل، ایٹم بم اور طرح طرح کے کیمیائی ہتھیار ہیں جن کی زد میں آکر لاکھوں بے گناہ شہری لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ جرمنی، روس اور برطانیہ ہیتھتالوں پر ہم برباد کرتے رہے ہیں۔ امریکہ نے جاپان پر تاریخی کاہیلا ایٹم بم برباد کیا۔ یہ ظالم تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر بھی حملہ آور ہونے سے باز نہیں آتے۔ یہ سب دھوکے اور فریب کا کاروبار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کبھی آنے والے مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ دھوکے سے اوپر سے پتھر تیزاب یا بوتل بم پھینک سکتے ہیں۔ یہ کوئی بہادری کا کام نہیں بلکہ محض فتنہ و فساد ہے۔

یہودی  
اندر  
حکومت

فرمایا اندرونی طور پر ان کا حال یہ ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بَيِّنَاتٍ مِّن دُونِ اللَّهِ کی آپس کی لڑائی شدید ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے ہیں وَلَا يَخَافُهَا أَحَدٌ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ آپ گمان کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپس میں اکٹھے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں یہ بظاہر تو ایک دوسرے کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے دل نا اہوائی کا شکار ہیں۔ چونکہ ان کے مقاصد مختلف ہیں۔ لہذا یہ کسی معاملے میں متفق نہیں ہو سکتے۔ فرمایا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل و سمجھ سے عاری ہیں۔ یہ دین تو حید سے

محسوس ہیں اور آخرت کے متعلق بھی ان کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ ان کے پیش نظر محض دنیاوی عیش و عشرت یا حصول اقتدار ہے۔

فرمایا کَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا اِنْ يَوْمَئِذٍ لِّمَنْ قَرِيبُ زَمَانٍ  
 کے لوگوں کی سی ہے۔ قریب زمانے میں بنو قینقاع کی جلا وطنی کا واقعہ پیش آچکا تھا۔  
 انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تو انہیں اپنے گھربار اور اموال سے ہاتھ دھو بیٹھے  
 اس سے پہلے بدر کے مقام پر مشرکوں کا انجام بھی سب کے سامنے تھا۔ وہ بُری سچ درج  
 اور شان و شوکت کے ساتھ اہل ایمان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے تھے مگر  
 ان کا بدترین انجام تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو گیا۔ فرمایا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ  
 انہوں نے اپنے معاملے کا وبال کھچ لیا۔ انہوں نے اپنی اسلام دشمنی کا نتیجہ نہ صرف  
 اس دنیا میں پایا بلکہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ اُن کے لیے آخرت میں دردناک  
 عذاب بھی تیار ہے۔

منافقوں کی  
 مثال

اگلی آیت میں اللہ نے منافقوں کی مثال بھی بیان فرمائی ہے کَمَثَلِ الشَّيْطَانِ  
 اُن کی مثال شیطان کی سی ہے۔ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اٰكْفُرْ وہ انسان کو اکا ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرے فَلَمَّا كَفَرَ پھر جب انسان ایسا کر گزرتا ہے  
 قَالَ اِنِّیْٓ اِنِّیْٓ بِرِئَیْسٍ مِّنْكَ تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، تو جان اور تیرا کام۔  
 مجھے تیرے اس کفر اور اس کے نتیجے سے کچھ واسطہ نہیں برائی اَخَافُ اللہ رَبِّ  
 الْعٰلَمِیْنَ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار سے خوف کھاتا ہوں کہ کہیں اُسکی گرفت  
 میں نہ آجاؤں شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ آدمی کو بُرے راستے پر لگا دیتا ہے جب  
 وہ اُس پر چل نکلتا ہے تو آپ الگ ہو جاتا ہے اور اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا  
 ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شیطان کے تیلے ہوئے راستے پر چلے گا۔ وہ نقصان ہی اٹھائے گا۔  
 میدان بدر میں شیطان کی کارگزاری معلوم ہے۔ وہ سردارانِ قریش کے پاس  
 بنی کنانہ کے سردار کی شکل میں آیا اور انہیں جنگ پر اکسایا۔ پھر جب دیکھا کہ مسلمانوں  
 کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے اتر رہے ہیں تو دم دبا کر بھاگا، اور کہنے لگا کہ



مجھے خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں میری اپنی جان ہی نہ ضائع ہو جائے۔ مشترک پیچھے سے آوازیں دیتے رہے کہ کہاں جا رہے ہو، ادھر آؤ، مگر وہ بھاگ گیا۔ منافقوں کا بھی یہی حال ہے، جس طرح بوقت ضرورت شیطان بھاگ جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ مدنی دور میں کتنے ہی ایسے واقعات پیش آئے کہ منافق مسلمانوں کے سامنے مدینے سے نکلے مگر راستے سے ہی کسی بہانے سے واپس آ گئے۔ غزوہ احد کی مثال اس ضمن میں کافی ہے۔ عبد اللہ بن ابی تمین سوسائٹیوں کے ساتھ نکلا تھا مگر میدانِ احد میں پہنچنے سے پہلے ہی واپس لوٹ آیا۔

قرآن میں موجود ہے کہ قیامت والے دن جب لوگ شیطان کو ملامت کریں گے کہ تو نے ہمیں وسوسہ اندازی کر کے دھوکے میں ڈالا اور برائی پر آمادہ کیا، اب ہماری مدد کرو، تو وہ کہے گا کہ میں نے تمہیں کفر، شرک یا معصیت پر مجبور تو نہیں کیا تھا۔ میں نے تو صرف وسوسہ اندازی کی تھی، باقی غلط کام تو تم نے خود کیے۔ اب میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ فَلَا تَكُونُوا مَوْتًى وَلَوْ مَوْتًا أَنْفُسَكُمْ (ابراہیم - ۲۲) اب مجھے ملامت نہ کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کہ ہم نے شیطان کی بات کو کیوں مانا۔ شیطان اس وقت برأت کا اظہار کر دے گا۔

فرمایا منافقوں کی مثال شیطان کی ہے کہ جب وہ انسانوں سے کفر کروالیتا ہے تو ان سے برأت کا اعلان کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف ہے۔ اللہ نے فرمایا فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا بِسَانِ دُونِ عَيْنِ شَيْطَانٍ أَوْ مُنَافِقِينَ کا انجام یہ ہوا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ جَالِدِينَ یہ کہ دونوں جہنم رسید ہوئے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ فرمایا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ظلم کرنے والوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کفر اور شرک سب سے بڑے ظلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ - ۲۵۴) اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔

نیز فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمٰن - ۱۳) شرک بہت  
 بڑا ظلم ہے۔ تو فرمایا، ان ظالمین کا یہی انجام ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کی  
 آگ میں جلتے رہیں گے۔

---

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مِمَّا  
 قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِ  
 تَعْمَلُونَ ۝ (۱۸) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ  
 فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝  
 لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ  
 أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے،  
 اور چاہئے کہ دیکھے ہر نفس کہ اس نے آگے کل کے  
 لیے کیا بھیجا ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک  
 اللہ تعالیٰ باخبر ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو ۝ (۱۸)  
 اور نہ ہونا اُن لوگوں کی طرح جنہوں نے فراموش کر دیا  
 اللہ تعالیٰ کو، پس اللہ نے اُن سے اُن کی جانوں کو عطا  
 کیا۔ یہی لوگ ہیں نافرمان ۝ (۱۹) نہیں برابر دوزخ والے اور  
 جنت والے۔ جنت والے لوگ ہی کامیابی حاصل کرنے  
 والے ہیں ۝ (۲۰)

پہلے اللہ نے منافقوں اور اہل کتاب کا ذکر فرمایا کہ یہ دوزخ گروہ نافرمانوں  
 میں شامل ہیں، اور شیطان، کے بہکائے کا شکار ہو چکے ہیں۔ پھر اللہ نے نافرمانوں  
 کا انجام بھی بیان فرمایا اور اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ نافرمانوں کی روش سے



اپنے آپ کو بچائیں۔

آخرت  
کی فکر

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اتَّقُوا اللَّهَ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ مطلب یہ کہ منافق اور اہل کتاب تو خدا تعالیٰ اور آخرت سے بے خوف ہو چکے ہیں مگر تم ایسے نہ ہو جانا۔ اور دوسری بات یہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور ہر نفس کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل کیلئے کیا آگے بھیجا ہے۔ پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے اُن کاموں کی جو تم کرتے ہو اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ تمہارے ذرہ ذرہ عمل سے واقف ہے اور پھر اپنی اعمال کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ کریگا۔ اس آیت کریمہ میں اتَّقُوا اللَّهَ کا لفظ دو دفعہ آیا ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ پہلے تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈر کر اُس کی اطاعت اختیار کرو اور اس کے مقرر کردہ فرائض و واجبات کو ادا کرو اور دوسرے تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے معاصی سے بچ جاؤ۔ کفر، شرک، نفاق اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرو جو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا ہو۔ غرضیکہ پہلے تقویٰ میں اولیٰ و ثانی کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ کے احکام بجالاؤ اور دوسرے تقویٰ میں گناہوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تقویٰ کا  
مفہوم

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلا تقویٰ عام ہے یعنی عام لوگوں کے لیے حکم ہے کہ وہ حدود و شریعت کی حفاظت کریں، اور دوسرے تقویٰ خاص لوگوں کے لیے ہے جو عام منہیات سے بچنے کے علاوہ مشتبہات اور مکروہات سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو پہلی بات عوام کے تقویٰ کے لیے اور دوسری خواص کے تقویٰ کے لیے ہے بہر حال یہ بنیادی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کی جائے اور معاصی سے بچنے کی کوشش کی جائے اس میں ایک بات یہ بھی آتی ہے

کہ اللہ سے ڈرو اور نیکی کا کام صحیح طریقے سے انجام دو وگرنہ اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے بعض فرماتے ہیں کہ پہلا تقویٰ یہ ہے کہ اعمال حسنہ انجام دو اور بُرائی سے بچو، اور دوسرا تقویٰ یہ ہے کہ اعمال کو دیکھو کیونکہ وہی اعمال کارآمد ہوں گے جو صحیح اور کھڑے ہوں گے۔ کھوٹے اعمال کام نہیں دیں گے جن میں ریا، شہرت، بعقیدگی یا کفر و شرک کی آلائشیں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں کو دیکھ رہا ہے، وہ ان سب کو جانتا ہے، لہذا ہر نیک عمل خلوص نیت سے کرو تاکہ وہ مفید ہو۔

عربی زبان میں غدا کا معنی آنے والا کل ہے یعنی وہ وقت جس سے پہلے ایک رات آتی ہو۔ مثلاً آج کے دن کے بعد رات آئے گی اور رات کے بعد جو دن آئے گا۔ وہ آج کے لحاظ سے کل ہے۔ کبھی کل سے مراد مطلق آنے والا وقت ہوتا ہے یعنی عربی زبان میں غدا کا لفظ مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے عربی ادب میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً :-

لَمْ تَرَ جَوْا غَدًا قَدْ غَدَا كَمَا مَلَكْتُمْ  
فِي الْحَيَاةِ لَا يَذُرُونَ مَا تَلَدُّ  
تم کل کی امید رکھتے ہو مگر کل تو اس عالم  
عمرت کی طرح ہے جکے متعلق کچھ  
علم نہیں کہ وہ کیا بنے گی۔

وَأَعْلَمُ مَا فِي الْيَوْمِ وَالْأَمْسِ قَبْلَهُ  
وَلَيْكِنِّي عَنْ عِلْمِ مَا فِي غَدٍ عَمِيمٍ  
میں تو آج کی بات جانتا ہوں اور جو کل گزر گیا ہے اس کے  
بارے میں بھی۔ لیکن جو کل آنے والا ہے اُس کے علم سے بے خبر ہوں

أَعَاذُ مَا يَذُرُكَ رَبِّكَ مِنْ يَتِيٍّ  
آيَةُ سَاعَةٍ فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي صَحْفِ الْغَدِ  
مجھے علامت کرنے والو تم کیا جانتے ہو کہ میری موت کس گھڑی واقع  
ہوگی، آج یا کل دوپہر کے بعد آئے گی۔

كُلُّ بَنٍ اُنْثٰى وَاِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهُ  
لَا بُدَّ يَوْمًا عَلٰى اِلَهِ الْحَدْبَاوِ نَحْمُولُ

ہر عورت کا بیٹا اگرچہ اُس کی سلامتی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو، اُسے ایک  
نہ ایک دن ٹیڑھے آگے رجزازے کی چارپائی پر سوار ہونا ہے گویا شاعر نے موت  
کو کل کے لفظ سے دردناک لمحے میں بیان کیا ہے۔

يَا اَكْهَفَ نَفْسِيْ عَلٰى غَدٍ  
اِذْ رَاحَ اَصْحَابِيْ وَكَسَتْ رِجَاحُ

مجھے کل کے دن پر افسوس ہے جب کہ میرے ساتھی واپس  
آجائیں گے مگر میں پلٹ کر نہیں آسکوں گا۔

مَتٰى يَحْمِلُ رَاحَةً مِّنْ عُمُرِهِ  
يَوْمًا نَّيَوْمٌ قَلِيٌّ وَيَوْمٌ تَنَالِيْ

وہ آدمی راحت کی امید کب رکھ سکتا ہے اپنی عمر میں جس کی زندگی کے  
صرف دو دن ہیں ایک دن تو ناراضگی میں گزر جاتا ہے اور دوسرا جدائی میں۔

لَا اَمْسِيْ مِنْ عُمْرِ الزَّمَانِ وَلَا عَدَّ  
جُمَعَ الزَّمَانُ فَكَانَ يَوْمٌ رِّضًا

میری عمر میں نہ تو گزرے ہوئے کل کا کچھ اعتبار ہے اور نہ آنے  
والے دن کا۔ اگر زمانے کو اکٹھا کیا جائے تو وہی وقت صحیح ہو سکتا ہے جس  
میں تیری رضا حاصل ہو جائے۔

بہر حال غد کا لفظ کبھی تو مطلق زمانے پر بولا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق پناگے دن پر  
ہوتا ہے۔ تاہم اس آیت میں آمدہ کل سے قیامت کا دن مراد ہے اور قیامت کو کل کے  
ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح آنے والا کل یقینی ہے، اسی طرح قیامت کا  
آنا بھی یقینی اس لیے۔



مسلم اور سنا احمد میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی نے  
 ابن جریجہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے تھے اور ان کا ابتدائی  
 حصہ یعنی پہلا پہر تھا کہ کچھ لوگ ایسے وارد ہوئے جن کے تسموں پر پٹے پرانے کپڑے  
 تھے اور وہ پاؤں سے بھی برہنہ تھے۔ ان لوگوں نے اپنی تلواریں گلے میں لٹکائی  
 ہوئی تھیں۔ ان کی اکثریت قبیلہ مضر سے معلوم ہوتی تھی۔ یہ مسلمان مجاہد تھے۔ مگر  
 نہایت شکستہ حالت میں، ان میں پر کپڑا اور نہ پاؤں میں جوتا۔ حضور علیہ السلام  
 ان کو دیکھا۔ تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ یہ لوگ فاقہ زدہ معلوم ہوتے تھے۔ آپ  
 گھر تشریف لے گئے، پھر باہر آئے اور بلالؓ سے کہا، اذان کہو کیونکہ زوال کا وقت  
 ہو چکا تھا۔ اذان کہی گئی، پھر ظہر کی نماز ادا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے  
 خطبہ دیا۔ اور سورۃ النساء کی پہلی آیت تلاوت فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ**  
**الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔۔۔** الآية اے لوگو! اپنے پروردگار سے  
 ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا جن میں سے کچھ مرد بنائے اور کچھ عورتیں  
 اللہ سے ڈرتے رہو کہ وہ تم پر نگران اور محافظ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہی آیت  
 تلاوت فرمائی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ**  
**لِغَدِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ** پھر آپ نے لوگوں  
 کو ترغیب دلائی کہ ان مساکین کے لیے صدقہ پیش کرو۔ جس کے پاس درہم ہے  
 وہ درہم دے، جس کے پاس اناج ہے وہ ایک صاع اناج یا کھجوریں دے۔ انے یا  
 ترفیق ہے تو کپڑا لائے۔ چنانچہ جمع میں سے ایک شخص اپنے گھر سے نقدی کی ایک  
 تھیلی بھر لایا جس کو وہ بشکل اٹھارہ تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ڈھیر لگ گئے  
 ایک ڈھیر کپڑوں کا اور دوسرا اناج کا۔ صحابی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام  
 کا چہرہ مبارک چمک رہا تھا۔ جیسا کہ سورۃ کا ذکر ہوتا ہے۔ آپ خوش ہو گئے  
 کہ اب ان مجاہدوں کا کام بن جائے گا۔ اس طرح گریا حضور علیہ السلام نے انسانی  
 ہمدردی کا پودہ گرام سمجھا دیا۔

طبرانی نے ایک حدیث بیان کی ہے، جس کو امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ یہ دراصل حضرت ابو جبر صدیقؓ کا خطبہ ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے۔ لوگو! **أَمَّا تَعْلَمُونَ إِنَّكُمْ تَعْدُونَ وَتَوَحُّونَ لِأَجَلٍ مَّعْلُومٍ فَصَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَقْضَى الْأَجَلَ فِي عَمَلِ اللَّهِ فَلْيَقْضِ وَلَنْ تَنَالُوا ذَلِكَ إِلَّا بِاللَّهِ** کیا تم نہیں جانتے کہ تم صبح کہہ تے ہو اور پچھلا پہر کہہ تے ہو ایک مقررہ وقت کیلئے پس تم میں سے جو آدمی استطاعت رکھتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایسے اعمال انجام دے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں تو اُسے ایسا کر گزنا چاہیے کہ کیونکہ یہ مقررہ وقت ایک دن ختم ہو جاتا ہے اور تم یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر انجام نہیں دے سکتے۔ لہذا ہر وقت خدا تعالیٰ سے نیک اعمال کی توفیق طلب کرنا چاہیے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا **إِنَّ قَوْمًا جَعَلُوا أَجَالَهُمْ لِغَيْرِهِمْ** جن لوگوں نے اپنی زندگی کی پونجی اللہ کی رضا کی بجائے دوسرے کاموں میں صرف کر دی **قَدِمُوا عَلَى مَا قَدِمُوا** انہوں نے اپنی زندگی میں جو کچھ آگے بھیجا تھا، اُس کے بدلے میں اُن کے حصے میں شقاوت ہی آئے گی کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات کو ضائع کر دیا، اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا والے کام کیے وہ سعادت مند ہوں گے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا **إِنَّ الْجَبَّارُونَ الْأَوَّلُونَ** پانے جبار لوگ کہاں گئے۔ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے تھے اور اُن کے گرد دیواریں بنائیں مگر آج وہ پتھروں کے ٹپچے گڑھوں میں پڑے ہیں اور کوئی اُن کا پرسان حال نہیں کسی کو کچھ علم نہیں کہ عالم برزخ میں اُن کے ساتھ کیا معاملہ پیش آ رہا ہے۔ فرمایا لوگو! **هَذَا كَتَبَ اللَّهُ لَا تَفْنَى عَجَائِبُهُ فَاسْتَصِيدُوا مِنْهُ** یہ اللہ کی کتاب قرآن حکیم ہے جس کے عجائبات کبھی فنا نہیں ہوں گے لہذا اس کتاب سے روشنی حاصل کرو یعنی اس کی چمک اور اُس کے بیان سے قیامت کے تاریخی والے دن کے لیے روشنی حاصل کرو۔

فرمایا، اللہ نے قرآن میں حضرت زکریا علیہ السلام اور اُن کے گھرانے کا ذکر کیا ہے اور اُن کی تعریف فرمائی ہے **إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ**



وَيَدْعُونََنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ (الانبیاء - ۹۰)

یہ لوگ نیکوں میں سبقت کرنے والے تھے اور ہمیں پکارتے تھے رغبت رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، یاد رکھو! لَا خَيْرَ فِي قَوْلٍ لَا يُرَادُّ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ وَلَا خَيْرَ فِي مَالٍ لَا يُنْفَقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا خَيْرَ فِي مَنْ يَغْلِبُ جَهْلَهُ حِلْمَهُ ایسی بات میں کوئی بہتری نہیں جس سے اللہ کی رضا مراد نہ ہو۔ اور اُس مال میں کوئی بہتری نہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا جاتا، اور اُس آدمی میں کوئی بہتری نہیں جس کی حیثیت اُس کی برابری پر غالب ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا لَا خَيْرَ فِي مَنْ يَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَا يُحِمُّهُ اور اس شخص میں بھی کوئی بہتری نہیں جو اللہ کے معاملے میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف کھاتا ہے۔ اس خطبے میں مَا قَدَّمْتُ لِعَدِيٍّ تَشْرِيحَ أَكْثَرِ ہے کہ انسان کے ساتھ کل قیامت کو جو معاملہ پیش آنے والا ہے اُس نے اُس کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔

اگلے جہان کی تیاری

عَدُوِّ اس لحاظ سے بھی قیامت کا دِن کہہ سکتے ہیں کہ اس پوری دنیا کا کل زمانہ ایک دِن ہے، اور قیامت کا زمانہ ایک دِن ہے۔ اسی لیے بعض بزرگانِ دین نے فرمایا ہے الدُّنْيَا يَوْمًا یہ ساری دنیا ایک دِن کی مانند ہے جس دِن میں ہم نے روزہ رکھا ہوا ہے، یعنی جس طرح روزے کی حالت میں لغویات سے پرہیز کیا جاتا ہے اسی طرح اس دُنیا کی پوری زندگی میں برائیوں سے گریز کرتے ہیں۔ اگر آج یہ دنیا ہے تو کل آخرت آنے والی ہے۔ اور پھر یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ ہر شخص نے قیامت یعنی دو کے ملک کی طرف جا رہا ہے۔ کسی دو کے ملک میں جانا ہو تو اُس کے لیے پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت ہوتی ہے اور وہاں کے اخراجات کے لیے رقم بھی جمع کرانی پڑتی ہے تاکہ دوسرے ملک میں اخراجات کے لیے وہاں کی کرنسی حاصل کی جاسکے۔ فرمایا یاد رکھو! دو کے رحبان میں جانے کے لیے



پاسپورٹ اور ویزہ کلر ترجید اور ایمان ہے۔ اور پھر اگلے جہان کی کرنسی تقویٰ اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ یہ چیزیں اللہ کے خزانے میں جمع کراؤ تاکہ جب اگلے جہان میں پہنچو تو تقصیر و ہلاکت کی کرنسی حاصل ہو سکے۔ اگر یہاں کچھ جمع نہیں کراؤ گے تو وہاں بھی کچھ نہیں ملے گا، بلکہ اللہ سوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عالمِ برزخ تو ایک انتظار گاہ ہے جب کہ اصل منزل آگے آرہی ہے، دنیا کی زندگی کرب اور عمل کا نظام ہے یہاں پر جس قدر ہو سکے کمالو، اور یہاں جمع کرنے کے آگے خدا کے خزانے میں بھیج دو۔ تاکہ وہاں تمہیں آخرت کی کرنسی حاصل ہو سکے۔

اللہ نے قیامت کے لیے سامان تیار کرنے کی تعین کے بعد فرمایا وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۱۰۰﴾ تَمَّ اُنْ لَّوْگُوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کا ذکر اور اس کی طرف توجہ کرنا ہی چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَانْفُسَهُمْ اَنْفُسُهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے اُن سے اُن کی جانوں کو فراموش کر دیا یعنی وہ اپنی جانوں کے لیے بھلے کی کوئی بات نہ کر سکے۔ وہ دنیا میں ایسے کام کرتے رہے جن سے اُن کی اپنی جانوں کو کچھ فائدہ نہ ہو بلکہ وہ غیروں کے لیے کام کرتے رہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خطبے سے واضح ہوتا ہے۔

فَرَمَا اُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یٰۤا لَّوْگُ نافرمان ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں خدا تعالیٰ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے نفع نقصان کو ہی نہیں سمجھ سکتے، یہی لوگ فاسق ہیں

خدا فراموشی کی حالت

پھر فرمایا، یٰۤا لَّوْگُ کُھو! لَا یَسْتَوِیْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ط دوزخ والے اور جنت والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اور یقیناً جانور اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ جنت میں جانے والے لوگ ہی، مرد کو پہنچنے والے ہیں، آخرت میں یہی لوگ فٰزِ الْمَرَامِ ہوں گے، جب کہ جہنم میں جانے والے ناکام ہو کر ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

لَوْ أَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا  
مُّتَصِدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُوهَا  
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ :- اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر  
تو البتہ دیکھتے آپ اس کو خشوع کرنے والا اور پھٹ  
جانے والا اللہ کے خوف سے ۔ اور یہ مثالیں ہم بیان  
کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں ﴿۲۱﴾

پہلے اللہ نے نافرمانوں کا حال بیان کیا اور پھر ایمان والوں کی توجہ مستقبل اور قیامت  
کی طرف دلائی، اور آئندہ زندگی کے لیے سامان آگے بھیجنے کی تلقین کی۔ نیز فرمایا  
کہ ایمان کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ ان انوں کے تمام اعمال اس کی نگاہ میں  
ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل جنت اور اہل دوزخ برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ دوزخ والے  
ناکام اور جنت والے فائز المرام ہوں گے۔ آگے نافرمانوں کا شکوہ بیان ہو رہا ہے اور  
ایمان والوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے۔

قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے جس میں قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے  
راہ ہدایت موجود ہے مگر نافرمان لوگ اس کو سننے تو ہیں، اس کی طرف راغب  
نہیں ہوتے۔ حقیقت میں یہ سنگدلی کی علامت ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں  
کہ کافروں کے دل بڑے سخت ہیں۔ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے، حالانکہ  
قرآن کریم وہ کلام ہے کہ اگر بپاڑ بھی اس کو سمجھ جائیں تو اس کی عظمت و جلال  
کے سامنے دہ جائیں یعنی عاجزی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے لَوْ أَنزَلْنَاهُ

هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ اِگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو آیتہ  
خَاشِعًا مَتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَرَابٌ دیکھتے اُس کو عاجزی کرنے  
والا اور پھٹ جاتے والا الشّر کے خوف سے۔ یہاں پر لفظ جبل نکرہ لایا گیا ہے۔  
یعنی کوئی پہاڑ۔ پہاڑ بھی اور حقیر کا بہت بڑا ٹیڈ ہوتا ہے۔ بعض پہاڑ سرسبز ہوتے  
ہیں اور اس پر درخت، جھار پیاں اور جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں اور بعض پہاڑ بالکل خشک  
ہوتے ہیں۔ تاہم پہاڑ ایک جامہ چیز ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ  
اِگر ہم پہاڑ جیسی ٹھوس چیز پر بھی اپنا کلام نازل فرماتے تو یہ اللہ کی ہیبت و جلال  
کو برداشت نہ کر سکتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے علاوہ  
روئے زمین پر ۶۶ بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ ان میں سے  
کسی بھی پہاڑ پر وہ اپنا کلام نازل فرماتا تو اس کی یہی حالت ہوتی جو بیان کی گئی ہے۔  
انسانوں اور پہاڑوں میں یہ فرق ہے کہ پہاڑ ایک جامہ چیز ہے جو عقل و  
شعور اور حس و حرکت سے خالی ہے۔ اس کے برخلاف انسان کو اللہ تعالیٰ نے  
حواس خمسہ ظاہرہ اور حواس باطنہ، جس مشترک، وہم خیال، قوت متفکرہ اور عقل و شعور  
سے نوازا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر یہ چیزیں پہاڑوں میں بھی ہوتیں تو وہ کلام الہی  
کو سن کر عاجز و نیاز مندی کا اظہار کرتے اور خوفِ خدا سے ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر  
اس کے علی الرغم پہاڑوں کے اثر قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ  
کا فرمان ہے وَاِنَّ مِنْهَا لَمَنْ يَشْفِقُ فَيَخُجُّ مِنْهُ الْمَاءُ وَلَٰذِ مِنْهَا لَمَنْ  
يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (آیت ۴۰) کہ ان پہاڑوں کے پتھروں میں بعض ایسے  
بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں  
جو اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اگر پہاڑوں میں بھی انسانوں جیسا شعور ہوتا  
تو وہ اللہ کے کلام کو سن کر اس کے خوف سے دب جاتے مگر انہوں کا مقام  
ہے کہ صاحبِ شعور انسان کے دل پر اس قرآن کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

شاہ عبدالقادر نے لکھا ہے کہ کافر تو ایسے ہی سنگدل ہیں مگر عام طور پر

انسان کی  
سنگدلی



اہل ایمان بھی ایسے ہی ہیں کہ کلام الہی کو سن کر ان پر وہ اثر نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔  
 اللہ نے انسان کو عقل و شعور، فہم سے مزین کر کے بڑی باکمال ہستی بنایا ہے۔ مگر  
 اس پر کلام الہی کا اثر نہیں ہوتا۔ اس معاملہ میں ہنوز، یسوع، مجوس، نصاریٰ اور  
 مسلمانوں کی اکثریت برابر ہیں۔ بغیر اقوام کا تو قرآن پر ایمان ہی نہیں ہے۔ لہذا ان  
 پر اس کا اثر انداز نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن آج کا مسلمان بظاہر تو قرآن پاک کی  
 بڑی عزت و احترام کرتا ہے، ریشمی غلاف میں بند کر کے اور اس پر خوشبو  
 لگا کر اونچی جگہ رکھتا ہے، اس کی طرف پیٹھ نہیں کرتا، مگر اس سے اثر قبول نہیں  
 کرتا۔ اللہ کے کلام پر ایمان لانے والے اگر اس کو پڑھتے اور سمجھتے تو ضرور ان پر اثر  
 ہوتا اور پھر وہ اس پر عمل بھی کرتے، قرآن پاک کی اثر انگیزی کے نمونے قرونِ اولیٰ کے  
 مسلمان پیش کر چکے ہیں جن کی زندگیوں میں اس قرآن پاک کی وجہ سے عظیم انقلاب آیا  
 اگر آج کے مسلمان بھی اس کی طرف توجہ کریں اور اس کا اثر قبول کریں تو ان کی زندگی  
 میں انقلاب آسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمانِ حدیث میں موجود ہے: **إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ**  
**بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ** اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے  
 بعض لوگوں کو بامعروج پہنچاتا ہے اور بعض کو پست کر دیتا ہے۔ کتاب موجود  
 ہے مگر ایمان اور عمل صحیح نہیں، لہذا لوگ پستی میں جا رہے ہیں۔

مذہب  
 کی وجہ

شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم اور پیغمبر علیہ السلام  
 کی ذات مبارکہ کی مثال عمدہ قسیم کی غذا کی ہے۔ اگر یہ غذا تندرست جسم میں جا چکی  
 تو جسم میں مثبت اثرات پیدا کر چکی۔ جسم میں خوراک پیدا کرنے اور جسمانی قوی کی مضبوطی  
 کا باعث ہو گی۔ اس کے برخلاف اگر یہی غذا بیمار جسم میں جائے گی تو بیماری میں  
 اضافے کا باعث ہی بنے گی۔ اللہ نے منافقوں کے متعلق فرمایا ہے **فَنَادَتْهُمُ**  
**رَجْسًا الْحَٰبِ رَجْسًا** (التوبہ- ۱۲۵) یعنی قرآنی آیات ان کی پہلے سے  
 موجود گندگی میں اضافہ ہی کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ قرآن پاک کے متعلق مزید  
 شک و تردد میں پڑ جاتے ہیں اور بالآخر اس کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ

فرماتے ہیں قرآن اور پیغمبر کی ذات سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے انسان کی روح اور مزاج کو درست کرنا ضروری ہے۔ جب تک انسان کے جسم سے فاسد مادوں کو اس سال وغیرہ کے ذریعے انسانی جسم سے نکال نہ دیا جائے اس وقت تک کوئی نوائی جسم پر اثر نہیں کرتی۔ اسی طرح انسان کے دل و دماغ سے فاسد اخلاق و تعصبات، باطل عقائد، باطل رسوم اور جہالت کو نکالنا ضروری ہے۔ جب تک یہ چیزیں انسان کی روح میں موجود ہیں، اللہ کے کلام اور نبی کی زبان سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بھی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان خواہشات اور شہوات میں ڈوبا ہوا ہے اس وقت تک اس کے لیے قرآن مفید نہیں ہو سکتا۔ قرآن خدا کا کلام ہے اور برحق ہے۔ نبی کی زبان مبارک بھی پاک ہے مگر انسان خود اپنے برے اخلاق کی وجہ سے ان چیزوں سے مناسرت نہیں ہو پاتا۔

فائدہ کے  
راستے

پچاس برس پہلے بزرگوں میں دوسری تیسری صدی کے بزرگ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ فسادِ مہمستوں سے مخلوق میں آتا ہے۔ پہلا راستہ ہے ضعف النیۃ بعجل الآخرة یعنی آخرت کے اعمال کے بارے میں انسانوں کی نیت کمزور ہوتی ہے، حالانکہ وہ دنیا کے عمل تو پکی نیت سے انجام دیتے ہیں مگر آخرت والے کام بے یقینی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ فساد کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ انسانوں کے اجسام ان کی خواہشات کی ساریاں بنی ہوئی ہیں اور وہ خواہشات نفسانی کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ فساد کا تیسرا راستہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی تو مختصر ہے مگر وہ آرزو لمبی رکھتے ہیں اور لمبی سیکھیں بناتے ہیں۔ یہی چیز لوگوں کو بگاڑ میں ڈالے رکھتی ہے، اور وہ قرآن کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکتے۔ چوتھا راستہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں ان کو ہمیشہ ہی فکر لاحق رہتی ہے کہ لوگ ناراض نہ ہو جائیں خدا چاہے راضی ہو یا ناراض۔ پھر فرماتے ہیں کہ فساد کا پانچواں راستہ یہ ہے کہ لوگ خواہشات میں پڑ کر سنت نبویؐ کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اکثر لوگ خوشی اور غمی کے مواقع پر

سنت کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ خواہشات نفسانی کا ہی اتباع کرتے ہیں اور چھٹا یہ ہے کہ اکثر لوگ سلع کی معمولی سی لغزش کو بھی اپنے لیے بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور ان کی خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہودیوں نے اسی لیے انبیاء پر اعتراضات کیے تاکہ لوگ ان کو بُرا نہ کہیں۔ جب لوگ ان کی برائیوں پر اعتراض کرتے تو وہ کہتے کہ اللہ کے نبی بھی تو ایسا کرتے رہے ہیں اللہ اگر ہم نے ایسا کام کر لیا تو کون سا حد ہو گیا۔ بہر حال حضرت ذوالنون مصریؒ نے انسانی اخلاق و اعمال میں فساد کے ان چھ ذرائع کی نشاندہی کی ہے۔

شاہ ولی اللہ  
کافہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان اس دنیا میں رہتا ہے اس پر مادیت غالب رہتی ہے۔ اور اس مادیت کے اثر سے انسان بالکل اسی طرح بیہوش رہتا ہے جس طرح کسی آدمی کو کلوروفارم سوختھا دیا گیا ہو۔ ایسا کرنے سے انسان بے حس ہو جاتا ہے اور پھر اگر آپریشن کر کے اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ بھی دیا جائے تو اسے محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان پر مادیت کا کلوروفارم چڑھا ہوا ہے جب تک اس کا اثر باقی ہے انسان کو بُرے اعمال کی وجہ سے اس کی ملکیت پر ہمنے والا دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ اس بے حسی کو ختم کرنے کے لیے دو طریقے ہیں۔ اگر انسان کی طبعی صورت واقع ہو جائے تو مادیت کا خول اتر کر اصلی انسان ظاہر ہو جاتا ہے اور پھر اس کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ انسان عبادت و ریاضت کے ذریعہ مادیت یا حیوانیت کے اثر کو کم کرنے تک کہ بے حسی ختم ہو کر اصلی چیز ظاہر ہو جائے۔ اسی لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی زندگی کے دوران بہیمیت اور ملکیت کی کشمکش جاری رہتی ہے اور انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی بہیمیت کمزور ہو کر ملکیت میں اضافہ ہو، یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کے لیے ہم کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اگر کوئی محنت کرتے بھی ہیں تو وہ اس قدر قلیل مقدار میں ہوتی ہے کہ بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان پر مادیت کا خول غالب ہے۔



اُس پر قرآن کی آواز اور نبی کا فرمان اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

غور و فکر  
کی دعوت

الغرض ! اللہ تعالیٰ نے انسان کے متعلق یہ شکوہ کیا ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ

تمام کمالات کے باوجود اس قدر سنگدل واقع ہوا ہے کہ وہ قرآن حکیم کا اثر قبول

نہیں کرتا۔ فرمایا اگر ہم یہ قرآن سپاڑوں پر نازل کرتے اور ان میں انسانوں جیسا

شعور ہوتا تو وہ اس کو سن کر ریزہ ریزہ ہو جاتے یعنی اللہ کے خوف سے ڈر جاتے

فرمایا وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ يَذَكِّرْ بِهِمُ لَوْ كُنُوا عَاقِلِينَ

بیان کرتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں بتا دے کہ وہ غور و فکر کریں

اور اللہ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آگے سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی

صفات بیان ہو رہی ہیں۔ تاہم اس دوس میں نافرمانوں کا شکوہ ہی بیان کیا گیا ہے

کہ ان پر کلام الہی کی عظمت کا اثر نہیں ہوتا اور وہ اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ  
 الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ②۲ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ  
 الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْحَبِيبُ  
 الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ②۳ هُوَ اللَّهُ  
 الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ  
 لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ②۴

ترجمہ :- وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق  
 نہیں۔ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کو۔ وہ بڑا  
 مہربان اور رحم کرنے والا ہے ②۲ وہی اللہ ہے جس کے  
 سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بارشاہ، پاک، سلامتی  
 والا، امن دینے والا، نگرانی کرنے والا، زبردست، دباؤ  
 ڈالنے والا اور عظمت کا مالک ہے۔ پاک ہے اللہ  
 ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اس کا شریک بناتے  
 ہیں ②۳ وہی اللہ ہے جو پیدا کرنے والا، بنانے والا،  
 تصویر کھینچنے والا ہے۔ اس کے نام ہیں بھلے۔ پاک  
 بیان کرتی ہے اس کے لیے جو چیز ہے آسمانوں میں اور  
 زمین میں۔ وہ زبردست اور حکمتوں والا ہے ②۴

نبی نصیر کی غداری کے نتیجہ میں اہل ایمان نے اُن کو جلا وطن کر دیا ربط آیات

اور ان کی زمینوں، باغات اور گھروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس سلسلہ میں مال فنی کی تقسیم کا قانون بیان ہوا۔ پھر آخر میں اللہ نے ان لوگوں کو جزائے عمل کی طرف متوجہ کیا۔

اہل جنت اور اہل جہنم لوگوں کے متعاقبات ہونے کا ذکر ہوا۔ اللہ نے لوگوں کی عظمت اور کوتاہی پر تنبیہ کی اور کتاب الہی کی عظمت اور اس کی تاثیر کو بیان کیا۔ فرمایا کہ اگر یہ قرآن پاٹروں پر نازل ہوتا تو وہ بھی خشیت الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں مگر ان میں چٹکی اکثریت اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ نیک نکل ہیں کہ اللہ کے کلام کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

معرفت الہی

کتاب اللہ کی عظمت بیان کرنے کے بعد اب اللہ نے اپنی عظمت اور صفات کا تذکرہ فرمایا ہے کیونکہ قرآن حکیم کو نازل کرنے والا خود وہی ہے۔ مفسرین کو اہم یہ بات اس طرح سمجھاتے ہیں کہ انسان سعادت مند یا نیک بخت اس وقت ہوتا ہے جب اس کی قوت نظری یا عقلی اور قوت عملی بھی صحیح ہو۔ اس کے بغیر انسان کو سعادت مندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور قوت نظری اس وقت صحیح ہوتی ہے جب انسان اپنے پروردگار کو پہچانتے اور اس کی توحید کو ماننے لگے۔ جس شخص کی قوت عقلی صحیح نہیں ہے وہ بہ بخت ہوگا۔ اس لیے اللہ نے سورۃ کے آخر میں اپنی عظمت اور صفات کا ذکر کیا ہے اور انہی صفات سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

توحید خداوندی

ارشاد ہوتا ہے ھُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مستحق عبادت ہونے کے لیے بعض صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً عبادت کے لائق وہ ذات ہو سکتی ہے جو واجب الوجود ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا وجود مستعار ہے یعنی کسی کا دیا ہوا ہے تو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ وہ ہوگا جس کا وجود خود بخود ہے۔ الٰہیت کے لیے دوسری صفت خلق ہے یعنی وہ ہر چیز کا خالق ہو اور خود کسی کا پیدا کردہ نہ ہو۔ پھر وہ رب ہو یعنی اس میں صفت ربوبیت پائی جائے۔ وہ ہر چیز کو بتدریج درجہ کمال تک پہنچانے والا ہو۔ اور چوتھی صفت تدبیر ہے کہ وہ ہر چیز کا مدبر ہو۔ اُسے ہر چیز پر تصرف حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔



اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر-۶۲) وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس صفت کو ہر لوگوں کی ایک قلیل تعداد کے علاوہ تمام مذاہب وائے قلم کرتے ہیں تو اللہ کی ذات ہی وہ واحد ذات ہے جس میں الوہیت کی تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ اُس کے سوا ساری مخلوق عاجز و ناتوان اور اُسی کے حق کی سوا ہی ہے۔ لہذا اسحق عبادت بھی وہی ہے، اور کوئی نہیں۔

علم ہر چیز  
خالق

فَرَمَا عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والا ہے۔ لفظ غیب مخلوق کے اعتبار سے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اُس کے لیے تو ہر چیز ظاہر ہے۔ بہر حال اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہے خواہ وہ کائنات کے کسی بھی کونے میں ہو۔ اللہ کا فرمان ہے وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (النس-۶۱) زمین و آسمان کی کوئی ذرہ بھر چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ فرشتے ہوں یا جنات، انسان ہوں یا عالم بالا کی کوئی اور مخلوق کوئی بھی غیب دان نہیں ہے۔ انسانوں سے ملائکہ اور جنات غائب ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار ایسی اشیاء ہیں جو انسان کی عقل یا آنکھ نگاہ میں نہیں آتیں۔ مگر پروردگار کے علم محیط سے کوئی بھی باہر نہیں ہے۔ غرضیکہ محسوسات اور غیر محسوسات، مادی اور غیر مادی اشیاء سب کی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اسی واسطے فرمایا کہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ  
صفا

هُوَ الْغَنِيُّ وہ نہایت مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہی کا کہنہ ہے۔ کہ اس نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے اور پھر آخر میں قرآن کریم نازل کیا کہ اُسے قیامت تک کے لیے قابل عمل بنا دیا۔ یہ بھی اُس کی مہربانی ہے کہ اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بے شمار پیغمبر بھیجے اور پھر آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت بند کر دیا۔ اُس نے سعادت مندی کے حصول کے

تمام اسباب مہیا کیے۔ اور پھر اگر خود انسان ہی اُن سے استفادہ حاصل نہ کرے تو اس کی اپنی بد بختی ہے۔ وہ اللہ اگر کجیر یعنی نہایت رحم کرنے والا بھی ہے

وہ اپنی صفت رحیمیت کی وجہ سے اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اس جملے کو اپنے ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ معبودِ برحق صرف اللہ کی ذات ہے ان صفات کی حامل کوئی دوسری ذات نہیں۔ لہذا عبادت کے لائق بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ اس توحید کے بغیر نہ انسان کو کمال حاصل ہو سکتا ہے اور نہ نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر نجات کا دروازہ ہی بند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نام الْمَلِکُ بھی ہے۔ وہ بادشاہ ہے اور حقیقی بادشاہت اُنہی کی ہے۔ دنیا کی بادشاہت ناپائیدار ہے مگر جس کو یہ حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کے سامنے اکٹرا جاتا ہے اور اسے نسل بعد نسل چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ کوئی سلطنت کتنی بھی مضبوط ہو۔ بالا آخر زوال پذیر ہو جاتی ہے اور حقیقی بادشاہ وہی ہے جس کی بادشاہت ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گی، دنیا کی عارضی حکومت اور اقتدار وہی تقسیم کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس عارضی اقتدار کو کسی دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے مَلِکُ الْمَلِکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ (آل عمران - ۲۶) وہ جس کو چاہتا ہے حکومت، ملک اور سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ سو لینی اپنے زمانے کا بہت بڑا ڈکٹیٹر تھا مگر جب اس کو زوال آیا تو لوگوں نے اُس کی لاش کو کنوئیں کی طرح گھسیٹا۔ قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں ختم ہو گئیں، دنیا کا فاتح سکندر نہ رہا۔ فرعون کی بادشاہت خاک میں مل گئی۔ یہ سب اُسی وعدہ لا شریک کا کا نام ہے جس کی سنش ہی کو کبھی زوال نہیں، حقیقی ملک اور بادشاہ وہی ہے۔

فرمایا اس کی ذات الْقُدُّوسُ ہے یعنی وہ تمام محبوب اور ناقص سے پاک ہے۔ وہ الْمَلِکُ یعنی سلامتی والا ہے۔ خود قائم و دائم ہے اور دوسروں کو سلامتی عطا کرتا ہے اور سلامتی میں رکھتا ہے۔ وہ الْمُؤْمِنُ یعنی امن دینے والا اور تصدیق کرنے والا ہے۔ وہ اپنے نبیوں اور ایمانداروں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ

پرندوں کو بھی اس دیتا ہے کہ احرام کی حالت میں کوئی شخص جانور دل یا پرندوں کے ساتھ  
 پھیڑ پھاڑ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ اَلْعَزِيزُ بھی ہے اسی صفت کی بنا  
 پر وہ ہر چیز کی نگرانی کرتا ہے اور اُس کی حفاظت میں رکھتا ہے وہ اَلْعَزِيزُ ہے  
 یعنی زبردست ہے اور کمال قدرت کا مالک ہے۔ فرمایا وہ اَلْجَبَّارُ بھی ہے  
 جس کا معنی دباؤ ڈالنے والا بھی آتا ہے اور تلافی کرنے والا بھی۔ وہ جس پر چاہتا  
 دباؤ ڈالتا ہے اور جس چیز کی چاہتا ہے تلافی کر دیتا ہے۔ انسان دغا کرتے ہیں  
 مولا کریم وَاجِبُوْنِ یعنی میری شکستگی کی تلافی فرمائیے اور میری کمزوریوں کو دور فرما۔  
 اُس معبودِ برحق کی ایک صفت اَلْمُتَكَبِّرُ بھی ہے۔ ساری بڑائی اسی  
 کی شان کے لائق ہے جب کہ ساری مخلوق دساندہ اور عاجز ہے۔ تجر، بڑائی اور  
 عظمت اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا  
 کہ عظمت میری چادر ہے اور کبریائی میرا تہنہ ہے۔ جو ان کو ابد صاف ہے گا۔ میں  
 اُس کو ذلیل کر دوں گا۔ یہ چیز انسان یا کسی بھی مخلوق کے لائق نہیں۔ سعدی صاحبؒ  
 نے بھی کہا ہے۔

مزا او را دستد کبریا و منی

کہ عکس قدیم است و ذاتش غنی

بڑائی اور عظمت تو اسی ذات کے لائق ہے جس کی بادشاہی پرانی ہے اور اُس کی  
 ذات بے نیاز ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو بھی یہی حکم دیا ہے وَرَبُّكَ فَكَبِّرْ  
 (المذثر-۳) اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو۔

فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں  
 سے جن کو یہ اُس کا شریک بناتے ہیں۔ بعض لوگ مثلاً مجوسی یاثنوی وغیرہ اللہ تعالیٰ  
 کی ذات میں شریک بناتے ہیں اور دریا زیادہ خداؤں کو تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ  
 کا عقیدہ بھی باپ، بیٹا اور روح القدس کا ہے یعنی وہ تین خداؤں کو مانتے ہیں  
 بعض دو خدا مانتے ہیں۔ ایک حیر کا اور دوسرا شرکا۔ ایک نور کا اور ایک



خلقت کا، علیٰ ذلہ القیاس، البتہ اکثر و بیشتر لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کا شریک بناتے ہیں۔ بعض علم میں دوسروں کو شریک کہتے ہیں اور بعض قدرت میں۔ بعض اللہ کی دیگر صفات میں اس کا شریک بناتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ وہ تمام محبوب و نقائص اور ہر قسم کے شرکیوں سے پاک ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ نہ کھانا چیتا ہے اور نہ سونا اور نہ گھٹتا ہے۔ اس میں کمزوری والی کوئی بات نہیں پائی جاتی بلکہ وہ صفات کمال کا مالک ہے اور تمام شرکاء سے پاک ہے۔

مزید صفات  
الکلیہ

پھر فرمایا هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ وہ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس صفت کو تمام مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں البتہ وہ بنانے والا ہے یعنی کسی چیز کو پھیل تراش کر خوبصورت شکل و صورت میں بنادیتا ہے۔ یہ تراش تراش کا مادہ صفت باری کے ساتھ مخصوص ہے۔ درخت کے ایک پتے کو ہی دیکھ لیں یا کسی پتھر کو ملاحظہ کر لیں، اللہ نے اس کی بناوٹ کس انداز سے کی ہے ایک درخت کے تمام پتے بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں اور ان کی کاٹ چھانٹ میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی اسی صفت کا شاہکار ہے۔

فرمایا اس کی ذات الْمُصَوِّرُ بھی ہے۔ وہ انسانوں، جانوروں، چرندوں اور پرندوں سب کی شکلیں کمال مجھے کی بناتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مصور خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اسی لیے کسی انسان کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ کسی جاندار کی تصویر بنائے اگر ایسا کرے گا تو خدا تعالیٰ کی صفت مصور کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس چیز کی تصویر بنائی ہے۔ اب اس میں جان بھی ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو ہر تصویر کے بدلے سخت سزا دیے گی۔ ہاں اگر کوئی تصویر بنانا ہی چاہتا ہے تو بے جان چیز پہاڑ، درخت، عمارت وغیرہ کی تصویر بنا سکتا ہے جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ کہ یہ اللہ کی صفت مخصوص ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَعَنَ اللَّهُ

المُصَوِّرِينَ مَصُورِينَ پر خدا کی نعمت ہے، مگر آج کی دنیا میں تصویر کے بغیر کوئی کام ہی نہیں چلتا۔ تصویر کے بغیر تو لوگ اخبار نہیں پڑھتے اور اب ٹیلیوژن نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ اب تو علماء کی تقریروں اور مجلسوں کی بھی وڈیوز بن رہی ہیں، اگر یا تصویر زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔ یہ سب ملعون چیزیں ہیں۔ اصل مصور تو اللہ ہے **هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ** (آل عمران - ۶) جو شکم مادر میں تمہاری تصویر کشی کرتا ہے اور جس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جو شخص اللہ کی اس صفت کے ساتھ مشابہت پیدا کرے گا وہ مجرم محض ہے گا۔

فرمایا کہ **الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى** اللہ تعالیٰ کے بھلے نام ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ **قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ۚ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى** (آیت - ۱۸۰) اللہ تعالیٰ کو اس کے ذاتی اسم اللہ کے ساتھ پکار دیا اسم رحمان کے ساتھ، جس کے ساتھ بھی پکارو اس کے سارے ہی نام بھلے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نانوائے نام ہیں۔ ان میں سے جس نام کے ساتھ کوئی اللہ کو یاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی آتا ہے **إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا ۖ مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ** اللہ تعالیٰ کے نانوائے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو ان کو زبانی یاد کرے گا۔ جنت میں داخل ہو گا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا **يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** پاک بیان کرتی ہے اُس کے لیے جو چیز بھی ہے آسمانوں اور زمین میں، انان جن، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، سمندر کی مچھلیاں یا آسمانی مخلوق اللہ کے فرشتے سب کے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ **وَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ** (آیت - ۲۲) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے

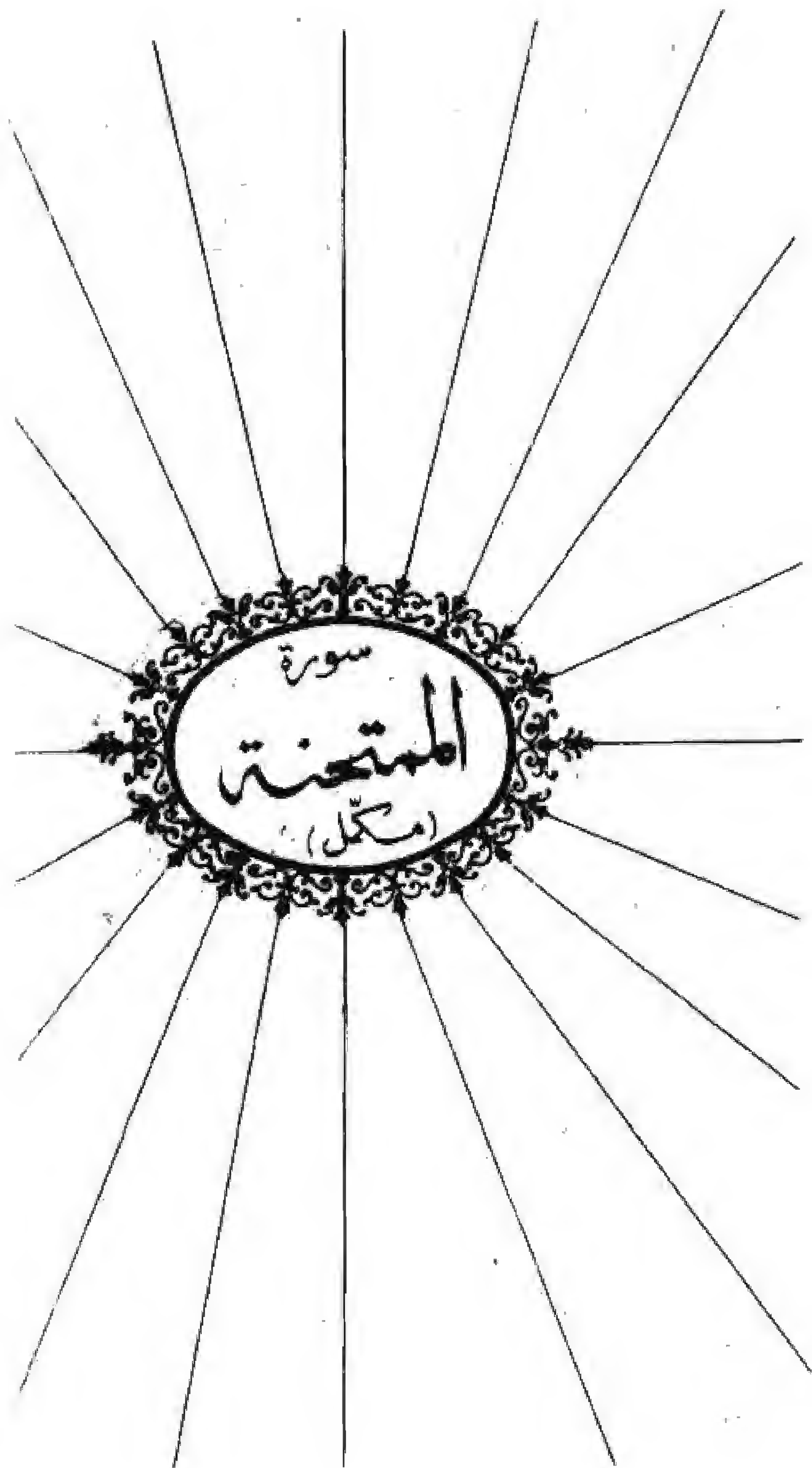
ابتر ان لوگوں میں اگر دو گروہ بن جاتے ہیں۔ بعض تو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جیسے اہل ایمان۔ اور بعض شرک کرتے ہیں، حالانکہ ان کے سامنے خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان کے اعضاء و جوارح خدا کی تسبیح بیان کرتے ہیں مگر خود ناشکر گزار ہی سمجھتے ہیں۔

فرمایا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے۔ پھر حال آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں سے غالب اور حکمت والا ہونا بیان کیا ہے۔ پہلی صفت اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے جب کہ دوسری کی بنیاد کمال علم پر ہے۔ ان دو صفات کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ وعدہ لاشریک ہے۔

فیصل آیات  
آخرہ

مسند احمد اور ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ اس سورۃ مبارکہ کی آخری تین آیات بڑی فضیلت والی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص صبح و شام اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ تین دفعہ پڑھیگا، اور پھر تین آیات سورۃ حشر کی آخری پڑھیگا۔ بشرطیکہ عتیدے میں فساد نہ ہو بلکہ صبح ایماندار ہو، تو اگر وہ رات کو ان آیات کی تلاوت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کرے گا جو اس کے لیے صبح تک دعائیں کرتے رہیں گے۔ اور اگر وہ اس دوران سرگیا تو شہادت کا درجہ پائے گا۔ اور جو شخص ان آیات کو صبح کے وقت پڑھیگا اس کا بھی یہی مرتبہ ہوگا۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان آیات کو اپنا ورد بنائے اور صبح شام تین تین دفعہ پڑھ لیا کرے۔





سُورَةُ الْمُحْتَشَنَةِ مَدِينَةُ قَوْحَى ثَلَاثَ عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا الْكُوفَةُ عَانَ  
سورة المحتشنة مدنی ہے۔ اور یہ تیرہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا اور مہربان ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ  
أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا  
جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ  
تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا  
فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ  
بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ  
يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①  
إِنْ يَتَّقُواكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَسْطُوا إِلَيْكُمْ  
أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ②  
لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ③ يَفْصِلُ  
بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ④

توجہ:۔ اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو درست۔ ڈالتے ہو تم ان کی طرف دوستی کا پیغام حالانکہ انہوں نے کفر کیا ہے اس چیز کے ساتھ جو تمہارے پاس آئی ہے حق سے۔ نکاتے ہیں وہ اللہ کے رسول کو اور تمہیں بھی (اپنے گھروں سے) اس وجہ سے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم نکلے ہو جہاد کرنے کے لیے میرے راستے میں اور میری رضا کی تلاش کے لیے تو پھر تم کسی طرح پریشیدہ طور پر ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں اس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور تم میں سے جس نے یہ کام کیا، پس بیشک وہ بہک گیا میرے راستے سے ① اگر وہ قابو پالیں تم پر تو وہ تمہارے دشمن ثابت ہوں گے، اور پھیلاؤں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو برائی کے ساتھ۔ اور وہ پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کسی طرح کفر کرنے لگ جاؤ ② ہرگز نہیں فائدہ پہنچائیں گے تم کو تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولادیں قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو ان کو دیکھتا ہے ③

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المستعینہ ہے جو کہ امتحان کے مادہ سے ہے۔ اس سورۃ کی آیت نمبر ۱ میں ان عورتوں کو بیعت لینے سے پہلے اچھی طرح جانچ لینے کا حکم ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تاکہ پتہ چل سکے کہ ان کی ہجرت کا مقصد اسلام لانے کے سوا کوئی اور تو نہیں۔ اس کا خلاصہ اس



سورۃ کا نام سورۃ ممتحنہ رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں صلح حدیبیہ کے بعد شہر کے قریب نازل ہوئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس سورۃ کی تیسرہ آیت اور مذکور کوع ہیں اور یہ سورۃ ۳۴۸ الفاظ اور ۱۵۱۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

پچھلی سورۃ میں اللہ نے کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا تھا۔ خواہ وہ خدا کے دشمن یہودی ہوں یا نصاریٰ۔ یہاں پر بھی اللہ نے کافروں سے عدم دوستی اور منافقوں کی چال بازیوں سے ہوشیار بننے کا حکم دیا ہے یہ لوگ دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس سورۃ میں اللہ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی ذکر فرمایا ہے اور ان کا اسوہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

شان نزول

ابتدائی آیات میں کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معاہدہ حدیبیہ دس سال کی مدت کے لیے کیا گیا تھا مگر مشرکین اُسے ایک سال تک بھی نہ نباہ سکے۔ اور اس کی خلافت ورزری شروع کر دی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان عجمی لشکروں کو سبق سکھانے کا ارادہ کیا۔ اور اس بات کو عام لوگوں تک پہنچے بغیر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام کی خواہش تھی کہ مکہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے تاکہ مشرکین کو تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ اس دوران حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت عاطب ابن ابی بلتعہؓ سے ایک شدید غلطی ہو گئی۔ یہ صحابی خانہ ان قریش میں سے تو نہیں تھے مگر مکہ کے باشندے تھے۔ یہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے مگر ان کے یہودی بچے اور مال و اسباب مکہ ہی میں تھے۔ اکثر نہاجریں کے رشتہ دار تو مکہ میں موجود تھے جو ان کے مفادات کی نگرانی کرتے تھے۔ مگر عاطبؓ کا کوئی رشتہ دار بھی مکہ میں نہیں تھا جو ان کے بچوں اور اموال کی نگہداشت کرتا۔

چنانچہ انہوں نے قریش کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ان کو مسلمانوں کے ارادے سے بذریعہ خط آگاہ کرنا چاہا۔ ابن دؤن بنو عبد المطلب کی ایک آزاد کردہ لونڈی مدینہ آئی ہوئی تھی۔ جب وہ واپس کے جانے لگی تو حضرت حاطبؓ نے اُسے قریش مکہ کے نام خط لکھ کر دے دیا۔ اس خط میں مسلمانوں کے بعض راز افشائے گئے تھے۔ جن میں مکہ پر حملہ کا ذکر بھی تھا۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں یُحْبِذُ بَعْضُ أُمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي اس خط میں حضور علیہ السلام کے بعض امور کی خبر دی گئی تھی۔ بہر حال مسلمانوں کے مکہ پر حملہ کی اطلاع کر دی گئی مگر ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر حضور علیہ السلام تنہا بھی آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو غالب کر دے گا۔

جب وہ عورت خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعے مطلع کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ و حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو اس عورت کے پیچھے جانے کا حکم دیا، اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ وہ عورت تمہیں روضہ خدخ پر لے گی، اس سے وہ خط لے آؤ یہ حضرت گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب اُس مقام پر پہنچے تو عورت کو جالیا۔ اُس سے خط کا مطالبہ کیا تو اُس نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے سختی سے کہا کہ اگر تو نے ہمیں یہ خط خود بخود نہ دیا تو تمہاری جامہ تلاشی لینا پڑے گی۔ وہ عورت خوفزدہ ہو گئی۔ اُس نے اپنے بالوں کے نیچے چھپایا ہوا خط لے دیا۔ جسے لاکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

خط کا مضمون پڑھ کر حضور علیہ السلام نے حضرت حاطبؓ کو طلب کیا اور اس کے سامنے خط کھول کر رکھ دیا اور باز پرس کی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور! اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کر دوں مگر آپ نے منع کر دیا۔ حضرت حاطبؓ کہنے لگے کہ حضور! جلدی نہ کریں، پہلے میری بات سن لیں اس کے بعد جو چاہیں حکم دیں۔ حضرت حاطبؓ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے

عرض کیا کہ جب سے میں ایمان لایا ہوں اس کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سوچی۔ میں نہ کافر ہوا ہوں، نہ مشرک اور نہ مرتد بلکہ اللہ کے دین پر پوری طرح قائم ہوں۔ بات یہ ہے کہ قریش مہاجرین کے تو کے میں عزیز و اقارب ہیں جن کی وجہ سے کے لئے ان کا لحاظ کرتے ہیں مگر میرا دل کوئی عزیز نہیں ہے جس کی بنا پر مجھے خطرہ ہے کہ وہ میرے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے کے والوں کو ممنون احسان بنانے کے لیے یہ خط لکھا ہے، اگر نہ مجھے اسلام کی حقانیت میں کوئی شبہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ اللہ آپ کو ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ لہذا آپ میری خطا کو معاف کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے صحابی کی اس صفائی کو قبول کیا اور فرمایا کہ یہ بدی صحابی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کافران ہے کہ میں نے ان کی لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا۔

دشمن سے دوستی کی ممانعت

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے صحابی کو سخت ڈانٹ پلائی۔ اور کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا چاہے کسی کی نیت ٹھیک ہی کیوں نہ ہو۔ اور ساتھ یہ بھی کہ قرابتداری کی وجہ سے ایمان میں ضعف نہیں آنا چاہیے بلکہ ایمان کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیے، ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ کافر خدا کے بھی دشمن ہیں کیونکہ اس کی توجہ نہ نہیں ملنے اور تمھارے بھی دشمن ہیں کیونکہ تمھاری جان کے روپے ہیں۔ لہذا ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اس قسم کے احکام سورۃ آل عمران، سورۃ توبہ اور بعض دیگر سورتوں میں بھی دیے جا چکے ہیں کہ کسی کافر کو دلی دوست نہ بناؤ۔ ان کے ساتھ تجارت اور دیگر معاملات کیے جاسکتے ہیں اخلاق کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ رازداری کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے دین کے نقصان کا خطرہ ہے۔ فرمایا تَلْقَوْنَ آلَ الْيَهُودِ بِالْعُودَةِ تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، اور مسلمانوں کے راز کی بات ان تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ملک و قوم سے غداری کے مترادف اور یہ کام



کسی مکان کے لیے ہرگز مناسب نہیں

عدم دیو  
و جہل

فرمایا یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَ كُمْ مِنَ الْحَقِّ  
کہ انہوں نے اس دین حق کا انکار کر دیا جو تمہارے پاس آچکا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے دشمن  
ہیں اس کے نازل کردہ دین کے بھی دشمن ہیں۔ ان کی کاروائی یہ ہے يُخْرِجُونَ  
النَّسْلَ وَآيَا كُفْرِهِ رسول کو بھی نکالتے ہیں اور تمہیں بھی۔ یہ واقعہ ہجرت کی طرف  
اشارہ ہے کہ کافروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ کے نبی کو جلا وطن کر دیا یا قید کر  
دیا جائے یا پھر قتل ہی کر دیا جائے بالآخر قتل پر اتفاق ہوا اور لوگ تمہاری سونے سے حضور  
علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ مگر اللہ نے وحی کے ذریعے  
کفار کی اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم  
دیے۔ اس طرح مکہ میں رہتے ہوئے تمہارے اوپر بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا  
جس کی وجہ سے تم بھی ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اور تمہارا اس کے سوا کیا جرم تھا۔ کہ  
أَنْ تَوَفُّنَا بِاللَّهِ دَبَّكُمْ تم اللہ پر ایمان لائے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اسی  
جرم کی پاداش میں وہ تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ ذلت ناک سلوک  
کرتے تھے حتیٰ کہ کتنے ہی مسلمان مرد اور عورتوں کو شہید کر دیا گیا۔ آخر تمہارا کیا قصور تھا؟  
یہی کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اصحاب الاخذہ کے واقعہ میں بھی اسی طرح بیان  
فرمایا وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ  
(البروج - ۸) ان بیماریوں کا اس کے سوا کیا قصور تھا کہ وہ اللہ عزیز و حمید  
پر ایمان لائے تھے۔ اسی طرح تمہارا بھی یہی قصور ہے جس کی بنا پر کفار مکہ نے  
تمہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

پھر اللہ نے براہ راست حضرت ماطب کے خط کی طرف اشارہ کیا۔ إِنْ  
كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي اگر تم جہاد کرتے  
ہوئے میرے راستے میں نکلتے ہو، اور میری خوشنودی کی تلاش میں ہو، تو پھر تم  
تَسْرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ کس طرح پوشیدہ طور پر ان کی طرف دوستی کا

پیغام بھیجتے ہو۔ تم اُن کے ساتھ کئی معرکوں میں جنگ بھی کر چکے مگر پھر اس دوستی کے پیغام کا کیا مقصد؟ اللہ نے فرمایا وَإِنَّا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ حالانکہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، وہ تو تمہارے سینوں کے رازوں اور نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے، تم اُن کے ساتھ دوستی کیسے کرتے ہو؟ بہر حال اللہ نے صحابی کو سخت ڈانٹ پلائی تاہم اُس کا عذر بھی قبول کیا کہ اُس کا مقصد جاسوسی نہیں بلکہ اپنے بچوں کی حفاظت کا انتظام کرنا تھا۔ فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ تم میں سے جس نے کبھی ایسا کام کیا تو سمجھ لو کہ وہ صراطِ مستقیم سے ہٹ گیا۔

کافروں کی  
اسلام دشمنی

فرمایا تم تو اُن کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتے ہو، مگر اُن کافروں کا حال یہ ہے إِنْ يَتَّقَوْكُمْ يُكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً کہ اگر خدا نخواستہ وہ تم پر قابو پالیں تو پھر تمہارے دشمن ہی ثابت ہوں گے۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری جلد بازی سے وہ تمہارے دوست بھی بن سکتے ہیں۔ نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔ وَيَسْطَوْا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَسْطُوهُم بِالسُّوءِ اُنہوں نے ہاتھ اور زبانیں تمہاری ایذا رسانی کے لیے ہی بڑھاتے رہیں گے۔ کیونکہ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ان کا مقصد یہ ہے کہ تم کسی طرح ایمان کو ترک کر کے کفر میں واپس آ جاؤ۔ کافر خواہ یہودی کی شکل میں ہو یا نصرانی کی شکل میں، مشرک ہو یا دھرم کوئی بھی نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں۔ اُن کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ اگر مسلمان کافر یا مشرک نہ بھی ہوں تو کم از کم دینِ اسلام پر بھی قائم نہ رہیں۔

لوگ سخت دھوکے میں ہیں جو سمجھتے ہیں کہ امریکہ ہمارا خیر خواہ ہے یا برطانیہ ہماری مدد کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی باطل طاقتیں مسلمانوں کو کبھی پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ سب لوگ، خدا، اُس کے رسول، قرآن، اسلام حتیٰ کہ اللہ نیت کے بھی دشمن ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو اُن پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے

ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر مسلمان دین پر قائم رہیں گے تو مادی کمزوری کے باوجود اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے گا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان مادی قوت نہیں بلکہ ایمانی قوت کی بدولت غالب آئے تھے اور قیصر و کسری جیسی عظیم طاقتیں بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکیں، یہ دین، ایمان، اخلاص اور خدا پر بھروسے کا نتیجہ تھا۔ حضور ﷺ کے پاس ہر کے میدان میں کون سی مادی طاقت تھی؟ آپ نے دعا کی کہ مولا کریم! جو کچھ مختصری پونجی ہمارے پاس تھی، وہ ہم نے پیش کر دی ہے۔ اگر یہ چھوٹی سی جماعت مغلوب ہوگئی تو دنیا پر تیرا نام لیا کوئی نہیں ہوگا۔ پھر کیا ہوا؟ اللہ نے فرشتوں کے ذریعے مدد بھیج دی اور کافر تمام تر مادی قوت اور سر و سامان کے ساتھ مغلوب ہو گئے انوس کا مقام ہے کہ آج مسلمان بھی مادی طاقت کے ذریعے کفار پر غالب آنا چاہتے ہیں جو کہ ممکن نہیں۔ تم جتنی بھی ترقی کر لو وہ تم سے پچاس سال آگے ہی رہیں گے مقصد یہ کہ اگر دین کا غلبہ چاہتے ہو تو قوتِ ایمانی پیدا کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو، وہ ضرور تمھاری مدد کرے گا۔ کامیابی کا راستہ ایک ہی ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کافران ہے **وَ اَنْتُمْ اِلٰهَکُمْ اَنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** اگر ایمان پر قائم رہو گے تو تم ہی غالب رہو گے **دَالَ عَمْرَان - ۱۳۹**

آخر  
کام  
کا

ارشاد ہوتا ہے **کَنْ تَنْفَعُکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ تَحَارِی** قرابتداری اور اولاد ہر گز تم کو فائدہ نہیں پہنچائیگی **یَوْمَ الْقِیَمَةِ** قیامت والے دن۔ تم بیوی بچوں کی خاطر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کام کرتے ہو مگر آخرت میں یہ تمھارے کچھ کام نہ آسکیں گے۔ **وَمَا لَکُمْ اِیَّانِیْ نِکَی اَخْلَاصَ نِیَّتِ** ترجید اور صداقت ہی کام آئے گی۔ **یَقْضِیْ بَیْنَکُمْ اَسْ وَنَ اللّٰہُ تَعَالٰی** تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ جس طرح تم اس دنیا میں لوگوں کو دھوکہ دے لیا کرتے تھے۔ وہاں بھی کوئی ایسا حیلہ باز چل جائے گا۔ نہیں، بلکہ **وَاللّٰہُ یَبْکُ مَا تَعْمَلُوْنَ** بَصِیْرٌ تم جو کچھ کر رہے ہو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ اس سے کوئی چیز



مخفی نہیں ہے۔ قیامت والے دن وہ تمہارے تمام اچھے اور برے اعمال تمہارے  
 سامنے رکھ دیے گا۔ اور اپنی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

---

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِ  
 مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُكُمْ وَمِمَّنْ  
 تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا  
 بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِآ  
 وَحْدَةِ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ  
 وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ  
 تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④ رَبَّنَا  
 تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفُ رِلْنَا رَبَّنَا إِنَّ اللَّهَ  
 أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ آئَةٌ  
 حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ  
 وَمَنْ يَتَوَكَّلْ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥

ترجمہ :- تحقیق تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام  
 اور اُن لوگوں میں جو اُن کے ساتھ تھے۔ جب کہا انہوں  
 نے اپنی قوم سے تحقیق ہم بری ہیں تم سے اور اُن چیزوں  
 سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم نے انکار  
 کیا ہے تمہارا اور ظاہر ہو گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان  
 دشمنی اور نفرت ہمیشہ کے لیے جب تک کہ تم ایمان

لاؤ اللہ پر جو اکیلا ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کی بات جو  
 اُن کے باپ کے لیے تھی کہ میں ضرور بخشش کی دعا  
 کروں گا تیرے لیے ، اور میں نہیں مالک تیرے لیے  
 اللہ کے سامنے کسی چیز کا۔ اے ہمارے پروردگار ! ہم  
 تجھی پر بھروسہ کرتے ہیں ، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے  
 ہیں ، اور تیری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے ④  
 اے ہمارے پروردگار ! نہ بنا ہم کو آزمائش اُن لوگوں کے  
 لیے جنہوں نے کفر کیا ، اور بخش اُن سے ہم کو اے ہمارے پروردگار  
 بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے ⑤ البتہ تحقیق  
 تمھارے لیے اُن میں اچھا نمونہ ہے اس شخص کے  
 لیے جو امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن  
 کی اور جس نے نہ پھیرا پس بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز  
 اور تعریفوں والا ہے ⑥

رابطہ آیات

سورۃ نہا کی پہلی تین آیات میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ  
 کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے مشرکین کو اُن پر مسلمانوں کے حملے کی تیاری کے  
 سلسلے میں خط لکھا تھا۔ مگر اس کی اطلاع اللہ نے حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی  
 کر دی تو آپ نے وہ خط راستے سے ہی واپس لے لیا۔ جب اس صحابیؓ سے  
 کوتاہی کی وجہ دریافت کی گئی تو اُس نے عذر پیش کیا کہ اُس نے یہ کام اپنے  
 بچوں کی حفاظت کی غرض سے مشرکین کو اعتماد میں لینے کے لیے کیا تھا۔ اللہ  
 نے اس بات کا سخت نوٹس لیا اور اہل ایمان کو سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ کہ  
 آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ فرمایا کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور تمھارے بھی،  
 لہذا اُن کے ساتھ دوستانہ رکھنا سخت نقصان دہ ہوگا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا  
 کہ تم کفار کے ساتھ کتنا بھی ہمدردی کا اظہار کرو، اگر وہ تم پر غالب آگئے تو



سخت دشمنی کا سلوک کریں گے اور اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے تمہیں نقصان پہنچا دیں گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ کفر میں داخل ہو جاؤ۔ اس قسم کی تنبیہ سورۃ توبہ میں بھی موجود ہے۔ وہاں اللہ نے فرمایا ہے: وَإِن يَظْهَرْ عَلَيْكُمْ أَن يَنْفِثُوا فِيكُمْ كُرْالًا وَلَا ذِمَّةً - آیت ۸۔ اگر تم پر غلبہ پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد و پیمان کا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اہل ایمان کی دلی دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ محض بیوی بچوں کی خاطر کافروں سے دوستانہ کرنا اور انہیں راز کی بات بتانا بہت بری بات ہے۔ اللہ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور فرمایا کہ جس اولاد کی خاطر تم نے یہ کام کیا ہے۔ قیامت میں دن وہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کا نمونہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کی خاطر ہر چیز کی قربانی پیش کر دی۔ ارشاد ہوتا ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي الْأَبْنَاءِ الَّذِينَ مَعَهُ البتہ تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اختیار کی۔ إِذْ قَالُوا لَقَوْمُهُمْ إِنَّا بَنُوكُمْ وَأَمْشِكُمْ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم بیزار ہیں تم سے وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ اور ان چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کا وطن مالوف عراق تھا۔ جہاں وہ اپنی بیوی اور بھتیجے سمیت رہتے تھے۔ یہ تہذیبی ایماندار تھے۔ باقی ساری قوم بادشاہ سے لے کر ادنیٰ پھر رہا ہے۔ ہم سب کافر اور مشرک تھے، ان کی اکثریت ستارہ پرست تھی۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پہلی آیت میں گزر چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا لَوْ أَنِ إِنْ كَرِهْتَ الْبَنَاءُ یہ عَدُوئی وعدہ دیکھو میرے بھی دشمن ہیں اور تمہارے

بھی۔ سورۃ ابراہیم میں آپ کی دعا کا ذکر بھی ہے جس میں عرض کیا، پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بتوں سے دور رکھ۔ رَبِّ اَنْهِنِ اَصْلَکُنْ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ (آیت ۱۳) پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ لہذا ہم ان بتوں سے بھی بڑی ہیں۔ اور ان کی پوجا کرنے والوں سے بھی بیزار ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کَفَرْنَا بِکُمْ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں۔ تم نے اللہ کی توحید کا انکار کیا ہے، ہم تمہارے عقیدہ اور عمل کا انکار کرتے ہیں مطلب یہ کہ ہم تمہارے طریقہ کی ذرہ بھر بھی حمایت نہیں کر سکتے۔ تمہاری اس غلط روش کی وجہ سے وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا ہے حَتّٰی تَوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ یَاۡتِیْکُمْ کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ ہماری اور تمہاری دوستی کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اگر اُسے مان لو تو بہترینہ تمہارے اور ہمارے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار کھڑی ہو چکی ہے۔

اسوہ ابراہیمی

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک عراق میں رہے تکالیف برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کو آگ میں پھینک دیا گیا مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور آپ توحید خداوندی پر جمے رہے۔ آپ کو سات سال تک قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، ساری قوم دشمن ہو گئی۔ باپ نے دھکے دیکر گھر سے نکال دیا مگر آپ نے ایمان پر کبھی سوجے بازی نہیں کی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بچاؤ، جب وہ عراق سے نکلے تھے تو پھر واپس نہیں گئے۔ مگر تم بیوی بچوں کی خاطر کافروں کے ساتھ دوستی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ قوم برادری، رشتہ داری، وطن سب ثانوی چیزیں ہیں اور ایمان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کافروں کے ساتھ عمدہ و پیمان، لین دین یا احسان کی بات آگے آرہی ہے۔ مگر جو لوگ کفر کا برملا اظہار کرتے ہیں ان کے ساتھ دوستی یا محبت ہرگز ممکن نہیں، ابراہیم علیہ السلام



کے اسوہ سے یہی بات سامنے آتی ہے۔

بکے لیے  
بخشش  
کی دعا

جب ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے آپ کی دعوت قبول نہ کی تو آپ نے ان سے علیحدہ ہوتے وقت اَلَا قَوْلَ رَبِّهِمْ لَا يُبَدِّلُ اپنے بات سے یہ بات ضرور کی تھی لَا سَتُغْفِرَنَّ لَكَ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کروں گا۔ اور یہ سیری سرخداشت ہوگی وگرنہ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ میں مٹائی ہو مگر میں اللہ سے تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں کیونکہ مالک تو اللہ ہے وہ پہلے تو دعا کو قبول کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ قبول کرے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عداوت اور دشمنی کے باوجود ابراہیم علیہ السلام میں شفقت کا مادہ موجود تھا۔ اور یہ شفقت اس لیے تھی کہ کسی طرح آپ کا باپ ایمان قبول کرے۔ تاہم یہ دعا بھی محدود طریقے پر تھی۔ سورۃ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا مانگنا ایک وعدے کا سبب تھا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ رَأَيْتُ (۱۱۴) پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ یہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پہلے توقع تھی کہ شاید وہ ایمان قبول کرے گا، مگر جب امید بالکل ختم ہو گئی کہ اب یہ ایمان نہیں لائے گا تو آپ نے اس سے اعلان برأت کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کا یہی اسوہ مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیے، کسی کافر مشرک باپ، بھائی، بہن کے لیے بخشش کی دعا کرنا بھی جائز نہیں۔ بھلا جس کے لیے دعا نہیں ہو سکتی اس کے ساتھ دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو دین کے پروگرام کو مغلوب کر کے کفر کے پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ اہل ایمان کو مالی، جسمانی اور ذہنی ہر طرح کی اذیت پہنچانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اور اگر وہ اہل ایمان پر غالب آجائیں تو دشمنی کا پورا پورا حق ادا کریں، تو ایسے لوگوں سے دوستی کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟

دعا ابراہیمی

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بچے پیروکار یہی کہتے ہیں رَبَّنَا عَلَيْنَا نَوَكُلْنَا



اے ہمارے پروردگار! ہم تیری ہی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ وَإِلَيْكَ أَسْتَشْئِرُ اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ اور سب کی تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ یہ بات بھائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے مکے سے ہجرت کی ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی بابل سے ہجرت کی تھی اور پھر انہوں نے کبھی اپنی قوم کی

طرف رنج نہیں کیا۔ اب وہی کام تم بھی کرو۔ اب مدینہ کو ہی مستقل ٹھکانا بنا لو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت تک باپ کے لیے دعا کی جب تک ان پر حقیقت حال واضح نہیں تھی۔ پھر جب معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہو گا۔ تو پھر آپ نے بخشش کی دعائیں کی۔ لہذا تمہیں بھی پہلے کہ اپنے شرک والدین یا عزیز و اقارب کے لیے بخشش کی دعا نہ کرو کہ اسوۂ ابراہیم ہی ہے۔

آپ نے یہ دعا بھی کی۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کافروں کا تختہ مشق بن جائیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچاتے رہیں۔ مولا کریم! ہمیں اس آزمائش میں نہ ڈال کیونکہ آزمائش میں پورا اترنا بڑا مشکل کام ہے۔ وَاعْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ بے شک تیرا زبردست اور حکمت والا ہے۔

آج کل مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی آزمائش آئی ہوئی ہے۔ جبکہ آثار یوں کی میخا رہی ہے اُس وقت سے اکثر و بیشتر ممالک کے مسلمان کافروں کے تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ اسرائیل کی فلسطینیوں پر زیادتیاں سب کے سامنے ہیں۔ برما کے دو تین لاکھ مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا گیا ہے اور ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں ہیں۔ فلپائن کے مسلمان بالکل قلیل تعداد میں ہیں مگر سخت مشکلات میں گرفتار ہو چکے ہیں روسی مسلمان کھل کر اپنے مذہب کا اظہار بھی نہیں کر سکتے۔ ہندوستان میں تقسیم کے بعد ہزاروں مسلم کش فساد ہو چکے ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پاڑ توڑے

مسلمانوں کی  
زبوں حالی

جائے ہیں۔ الغرض! کافر کوئی بھی ہوں الْكَفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کے صدق سب مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہیں۔ مسلمان کتنا عرصہ تک انگریزوں کے مصائب جھیلے ہے ہیں اور ان کے پیدا کردہ مصائب آج تک جان نہیں چھوٹی۔ آج پوری دنیا میں مسلمان مغلوب ہیں، ان کی کوئی آواز نہیں، کوئی آزادانہ حیثیت نہیں۔ ہر جگہ سپر طاقتوں کا تسلط ہے اور وہ پس ماندہ ملکوں کو آپس میں لڑاتے رہتے ہیں۔ مگر یہ بچلے کچھ نہیں کر سکتے۔ ایران، عراق، جنگ، افغانستان پر بیرونی طاقت کا قبضہ جس کے نتیجے میں بیس لاکھ افغان ہلاک اور پچاس لاکھ بلا وطن ہو چکے ہیں سب سپر طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہے بڑی طاقتوں کو محض اپنا مفاد عزیز ہے اور وہ چھوٹے ملکوں کو نمرود کی طرح چلاتے رہتے ہیں آج کی دنیا میں مسلمان خاص طور پر تختہ مشق بنے ہوئے ہیں جو کہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے۔

آخر میں دوبارہ تاکید ہو رہی ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ البتہ تحقیق تھا ہے یے ان لوگوں یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں میں اچھا نمونہ ہے مگر یہ اس شخص کے یے لِمَنْ كَانَ يَنْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ جو خدا کی ذات اور قیامت کے دن جزائے عمل کی امید رکھتا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کا ڈر رکھتا ہے۔ اے لوگوں کے یے ابراہیم علیہ السلام کی ذات اور ان کے پیروکاروں میں اچھا نمونہ ہے جس کو لوگ اختیار کر کے ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ ایسا شخص کفر اور شرک سے بیزاری کا اظہار کرے گا۔ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے گا لہذا وہ اس نمونے سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اور جو شخص روگردانی کرے گا۔ اس اسوے سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے اس کو کسی کی پروا نہیں ہے روگردانی کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ البتہ ایسا شخص خود ہی گمراہی میں رہے گا۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ  
 مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٢﴾  
 لَا يَنْهٰكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ  
 وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا  
 إِلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ يَحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩٣﴾ إِنَّمَا يَنْهٰكُمْ  
 اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ  
 مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ  
 وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٩٤﴾

ترجمہ:- امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بنا دے گا تمہارے درمیان  
 اور اُن لوگوں کے درمیان جن سے تمہاری عداوت ہے  
 اُن کی طرف سے دوستی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا  
 ہے، اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۹۲﴾  
 نہیں منع کرتا اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں سے جو تم سے  
 نہیں لڑے دین کے معاملہ میں اور تمہیں نہیں نکالا تمہارے  
 گھروں سے کہ تم اُن سے نیکی کا سلوک کرو۔ اور ان کے  
 ساتھ انصاف کرو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے  
 انصاف کرنے والوں کو ﴿۹۳﴾ بے شک منع کرتا ہے تم  
 کو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے جو لڑے ہیں تم سے دین



کے معاملہ میں اور نکالا ہے تم کو تمہارے گھروں سے، اور  
مرد کی ہے انہوں نے تمہارے نکالنے میں، کہ تم ان سے  
دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا پس یہی لوگ

ہیں ظالم ۹

حضرت علیہ السلام کے صحابی سے غلطی ہوئی اور اُس نے مسلمانوں کے راز  
مشترکین تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سخت  
تنبیہ کی کہ — ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اللہ نے کافروں کے  
ساتھ مقابلہ کا حکم دیا اور ان کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت فرمادی۔ فرمایا اللہ  
کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح دوستی نہیں ہو سکتی، نہ انہیں اپنا راز دار بنایا جاسکتا ہے  
کیونکہ جو بھی انہیں موقع ملے گا وہ مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچائیں گے۔ اللہ نے فرمایا  
کہ وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے اہل ایمان کو اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ فرمایا تم نے تو یہ  
کام اپنے بری بچوں کی مصلحت کے لیے کیے کیسے مگر قیامت والے دن رشتہ دار  
اولاد اور مال کسی کے کام نہیں آئیں گے۔ تمہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ  
اختیار کرنا چاہیے۔ جنہوں نے اپنی قوم پر برادری حتیٰ کہ اپنے باپ سے بھی بیزاری کا  
اظہار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک تم اللہ و وحیہ لا شریک پر ایمان نہیں لاؤ گے ہمارے  
اور تمہارے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار حائل ہے گی۔ درمیان میں اللہ نے اہل ایمان  
کی دعا کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنائے اور کسی آزمائش میں نہ لے  
اب آج کے درس میں اللہ نے کافروں سے دوستی نہ کرنے کی حکمت بیان  
کی ہے اور اس کے ساتھ ایک قسم کی پیشین گوئی کی ہے اور ساتھ تو قیاس بھی دلائی ہے  
کہ دشمنی کا سلسلہ ہمیشہ تو نہیں ہے گا۔ خدا تعالیٰ چاہے تو وہ اس دشمنی کو دوستی میں  
تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ  
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوْدَّةً ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی کی فضا پیدا کرے اور وہ تمہارے دوست

کتاب  
دوستی  
اور

بن جائیں۔ مگر جب تک درمیان میں کفر کی دیوار کھڑی ہے، وہ ہمیشہ نقصان پہنچانے کے ہی درپے رہتے ہیں، ایسی حالت میں ان کے ساتھ دوستی نہیں ہو سکتی۔ تم اس قانون کی پابندی کرو۔ مگر نا اُمید نہ ہو، شاید کہ تمہارے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ دوستانہ تعلقات قائم کر دے۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے بدترین دشمنوں کے دلوں کو بھی پھیر دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ فتح مکہ کے دن مشرکین مکہ میں سے کوئی شاذ آدمی ہی رہ گیا ہو گا۔ جس نے ایمان قبول نہ کیا، سو اس ضمن میں ابوسفیانؓ کی مثال ملے ہے وہ کل تک بدترین دشمن تھا مگر آج جان نثار بن چکا تھا، مکے کے بعض خاندان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوسفیانؓ وغیرہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے مگر جب انہوں نے اور ان کی بیوی ہندہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو کہنے لگے حضور! آج سے پہلے ہمارے نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ مستغرض دنیا میں کوئی گھر نہیں تھا، اور ہماری تمنا ہوتی تھی کہ آپ کو سب سے زیادہ ذلت حاصل ہو۔ مگر آج معاملہ بالکل برعکس ہے۔ آج ہمیں آپ کا گھر تمام گھروں سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جذبہ ابھی مزید بڑھے گا۔ اللہ آپ کو مزید اخلاص عطا فرمائے گا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق بعض بدترین دشمن اسلام قبول کر کے بہترین دوست بن گئے۔

ابوسفیانؓ کی درخواست

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ نے حضور علیہ السلام سے تین چیزوں کی درخواست کی۔ پہلی یہ کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں اسلام کے خلاف لڑا تھا۔ اب اجازت دیں کہ اس سے بڑھ کر کافروں کے ساتھ جہاد کروں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے چنانچہ فتنہ مرتدین کے سلسلہ میں سب سے بڑے مرتد ذاکھار کینخلاف ابوسفیانؓ نے ہی جہاد ملت کیا۔ بعد کہ یہ سوک تاریخ اسلام کا بہت بڑا معرکہ ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیش آیا اور جس میں دشمن کی تعداد دو لاکھ تھی۔ ابوسفیانؓ اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے اور جہاد میں ایک آنکھ بھی ضائع ہو چکی تھی۔ مگر اس کے

باوجود اس سحر کہ میں شرکت کی۔ آپ مجاہدین کو خطاب کرتے اور ان کو حوصلہ دلاتے  
 مطلب یہ ہے کہ ایک وقت آیا جب اسلام کے بدترین دشمن بہترین دوست  
 بن گئے۔

ابو سفیانؓ نے دوسری درخواست یہ پیش کی کہ اُن کے بیٹے کو کاتب بنالیا جائے  
چنانچہ حضور علیہ السلام نے اُن کی یہ درخواست بھی قبول کر لی۔ تیسری گزارش یہ تھی مجھے  
اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں وہی عزت  
واحترام حاصل ہونا چاہیے جو ایسے باپ کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی بیٹی کا نکاح خود  
اپنے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے۔ یاد ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ بہت پہلے ایمان  
لا کر ابو سفیانؓ کی مرضی کے خلاف حضور علیہ السلام کے عقد میں آچکی تھیں۔ بہر حال  
نبی علیہ السلام نے ابو سفیانؓ کی یہ درخواست بھی قبول کر لی اور فرمایا کہ تمہیں اسی  
عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جائے گا جیسے کوئی باپ خود اپنی بیٹی کا نکاح کرتا  
اللہ نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں کافروں سے دوستی نہیں ہو سکتی۔ انبیاء ہے کہ  
اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دیں گے جس سے تمہارے اور اُن کے درمیان دوستی  
کی فضا قائم ہو جائے۔ واللہ قَدِیْرُ الشَّرِّ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ واللہ عَزِیْزٌ  
رَحِیْمٌ وہ سننے والا مہربان ہے۔ جب کوئی شخص تائب ہو کر اس کے دروازے پر  
آ جاتا ہے تو وہ سابقہ تمام خطائیں معاف کر کے اُس کے ساتھ نہایت مہربانی کا سلوک  
کرتا ہے اور اُس کو دنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ کسی شخص کو مایوس نہیں ہونا  
چاہیے کیونکہ اس کی رحمت اور مہربانی بڑی وسیع ہے۔

پہلے عام کافروں کا ذکر تھا کہ انکے ساتھ دوستی نہیں ہو سکتی۔ اب اللہ نے  
غیر حربی کافروں کا ذکر کیا ہے یعنی وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ نہ  
ہوں یا وہ ذمی بن کر اسلامی قوانین کا احترام کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے متعلق  
فرمایا لَا يُنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ اِلَّا  
لوگوں کے متعلق منع نہیں کرتا جو تم سے جنگ نہیں کرتے دین کے معاملہ میں وَلَمْ



يُخْرِجُكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور تمہیں تمہارے گھروں سے بھی نہیں نکالتے۔ فرمایا  
 اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے منع نہیں کرتا اَنْ تَبْذُرُوهُمْ کہ تم ان کے ساتھ نیکی کا  
 سلوک کرو۔ وَتَقْسِطُوا اِلَيْهِمْ اور ان سے انصاف کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ  
 غیر حربی اور ذمی کافروں کے ساتھ انصاف کا حکم بھی دینا ہے کیونکہ مَرَّانَ اللّٰهُ حَيْثُ  
 الْمُقْسِطِينَ وہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی جان، مال اور عزت مسلمانوں  
 کی جان، مال اور عزت کی طرح محفوظ ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس اصول کے تحت  
 اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کافر کو قتل کرے گا۔ تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ایک  
 مسلمان کے ہاتھ سے دو کافر مارے گئے تھے تو حضور علیہ السلام نے ان کے لیے  
 مسلمانوں کے لیے مقرر کردہ دیت سو سواؤنٹ دلالتے تھے۔ فرمایا، ہمارا ان کے ساتھ  
 معاہدہ تھا اور ان کو امن حاصل تھا، لہذا ان کی دیت ادا کی جائیگی۔

صلح حدیبیہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مطلقہ بیوی اور  
 اسٹاؤ کی والدہ قلیلہ بنت عبد العزیٰ مدینہ آئی تو حضرت اعمام بنت ابو بکر کو تردد ہوا۔  
 کہ آیا میں اپنی مشرکہ والدہ کی خدمت کر سکتی ہوں یا نہیں؟ انہوں نے اس سلسلہ میں  
 حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرا اُس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟ میں نے  
 تو ابھی تک اُسے اپنے گھر میں بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ کیا میں اُس کے ساتھ صلہ رحمی  
 کا سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، تم اُس کو اپنے ہاں بٹھا سکتی ہو، اور  
 اُس کے ساتھ نیکی کا سلوک بھی کر سکتی ہو۔ اگر وہ مادر ہے تو اُس کی مالی اعانت بھی کر  
 سکتی ہو۔ تو فرمایا کہ جو کافر تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرتے تم ان کے ساتھ نیکی اور  
 احسان کر سکتے ہو اور ان کے ساتھ بھی انصاف کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے  
 کے ساتھ انصاف کرتے ہو۔

البتہ اللہ نے حربی کافروں کے ساتھ عدم دوستی کی پھر تاکید فرمائی اور کہا۔  
 اِنَّمَا يَنْهٰكُمْ اللّٰهُ عَنِ الذِّينَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّينِ بے شک اللہ تعالیٰ

حربی کفار سے  
 دوستی کی ممانعت

منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جو تم سے دین کے معاملے میں لٹے ہیں وَاٰخِرُ حُجَّتُكُمْ  
مِنْ دِيَارِكُمْ اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے وَضَآهُرُوا عَلٰی اٰخِرِ حُجَّتِكُمْ  
 اور انہوں نے تمہارے نکلنے میں دوسروں کی مدد کی ہے تو اللہ تمہیں منع کرتا ہے  
اَنْ تَوَلَّوْا لَهُمْ کہ ان سے دوستی کرو۔ یہ حربی کافر اور دشمن خدا، دشمن رسول اور  
 دشمن دین ہیں لہذا ان سے کوئی راہ و رسم جائز نہیں۔ زکوٰۃ تو ایسے ہی کافروں کو نہیں  
 دی جاسکتی، ایسے حربی کافروں کو صدقہ دینا بھی روا نہیں۔ البتہ غیر حربی کافروں کو صدقہ  
 کی ادائیگی کی اجازت اللہ نے قرآن میں دے دی ہے، اور ایسے لوگوں کے ساتھ دوسرا  
 احسان بھی کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ اسی بنا پر اللہ نے غیر حربی کافر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے  
 سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی جنگ میں حصہ لیتا ہے یا کوئی عورت سپاہیوں کی معاون  
 ہوتی ہے تو پھر وہ بھی گمراہ دن زدنی شمار ہوگی۔ راہب قسم کے لوگ جو جنگ میں حصہ  
 نہ لیتے ہوں، ان کی جان کو بھی امن حاصل ہے بلکہ ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم  
 ہے۔ البتہ جو کافر تمہیں گھروں سے نکلے ہیں یا نکلنے میں مدد دیتے ہیں جیسا کہ  
 بنو خزاعہ نے عید شکنی کر کے دوسروں کی مدد کی تھی۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی  
 نہیں بلکہ جنگ ہوگی۔

فرمایا اس حکم کے برخلاف وَمَنْ يَتَوَلَّهِمْ جو شخص ایسے لوگوں کی طرف  
 دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ تو اللہ کے نزدیک یہ لوگ  
 ظالم شمار ہوں گے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ  
فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۚ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ  
مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ  
لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَاتُّوهُنَّ مِمَّا أَنْفَقُوا  
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ  
أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُوفَارِ وَسَلُّوْا مَا  
أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ أَنْفَقُوا ۚ ذَلِكَ حُكْمُ اللَّهِ بِحُكْمِكُمْ  
بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑩ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ  
مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ  
ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ⑪

ترجمہ :- اے ایمان والو ! جب تمہارے پاس آئیں ایمان والی  
عورتیں ہجرت کر کے تو ان کا امتحان کرو۔ لو۔ اللہ خوب جانتا  
ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تم جان لو ان کو کہ وہ  
ایماندار ہیں، پس نہ پٹاؤ ان کو کافروں کی طرف۔ نہ تو  
وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر)  
ان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ اور ادا کرو ان (کافروں)



کو جو خرچ کیا انہوں نے ۔ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر کہ تم اُن عورتوں سے نکاح کرو جب کہ تم سے دو اُن کو اُن کے سر ۔ اور نہ روک رکھو اپنے پاس ناموس کافر عورتوں کا ۔ اور مانگ لو تم جو خرچ کیا ہے تم نے ۔ اور وہ (کافر) لوگ بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا ہے ۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ۔ وہ فیصلہ کرتا ہے تمہارے درمیان ، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ⑩ اور اگر چلی جائیں تمہاری بیویوں میں سے کچھ کافروں کی طرف ، پس تم گرفت کرو تو دو اُن لوگوں کو جن کی بیویاں گئی ہیں اُس کے مثل جو انہوں نے خرچ کیا ہے ۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ⑪

گزشتہ درس میں اللہ نے غیر حربی کافروں کے ساتھ احسان کرنے کی اجازت دی اور حربی کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا ۔ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کافروں کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ آجائے گا تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے ، اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی بھاگ جائے گا ۔ ترکہ اُسے واپس نہیں کریں گے ۔ یہ معاہدہ تو مردوں کے لیے تھا مگر جب کچھ عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئیں اور اُن کے اقربا اُن کے پیچھے آئے تو سوال پیدا ہوا کہ ان کو غنیمت یا واپس کرنے کے متعلق کیا احکام ہیں ؟ مشرکین مکہ نے عورتوں کو بھی مردوں پر محمول کیا اور اُن کی واپسی کا مطالبہ کیا کیونکہ معاہدہ میں واپسی کی شرط موجود تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی مذکورہ شرط صرف بال (مردوں) کے لیے تھی اور عورتوں پر یہ شرط عام نہیں ہوتی تھی ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں احکام نازل فرمائے جو اُن کے درس میں بیان ہوئے ہیں ۔

ارشاد ہوتا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

مساہد عورت  
کے متعلق

مُهَاجِرَاتٍ فَأَمَّا جَنُوهُنَّ ۖ لَیَ اَیْمَانُ وَاَلُوۤا۟ اِجَابَ مُتَعَارَفٍۭ لِّیۤ اَسْ یُؤْمِنُ عَوْرَتِیۡنِ بِهَاجِرَتِ  
 کر کے آئیں تو ان کا استمکان سے لیا کرو، اور اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہ وہ کن حالات  
 میں مکہ سے مدینہ آئی ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَیْمَانِہُمْ ۚ اَللّٰہُ تَعَالٰی تو ان کے ایمان کو  
 خوب جانتا ہے مگر تمہارا بھی فرض ہے کہ اچھے طریقے سے جانچ لو کہ کیا وہ واقعی دین  
 کی خاطر آئی ہیں یا پس پردہ کوئی دوسرا مقصد کار فرما ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے  
 خاوند سے ناراض ہو کر چلی آئی ہو جسے وہ تنگ کرنا چاہتی ہو یا کسی دوسرے شخص کی محبت  
 میں گرفتار ہو کے آئی ہو یا کسی لالچ کی وجہ سے آگئی ہو۔ تو فرمایا اپنے طریقے پر تحقیق کر  
 لیا کرو کہ ان کا مقصد دین کی محبت ہے یا کوئی اور مقصد ہے۔ چنانچہ اس حکم کے  
 مطابق حضور علیہ السلام نے خود بھی بعض عورتوں سے سوال جواب کیے اور حضرت عمرؓ  
 کو بھی اس کام پر مامور کیا۔

پھر فرمایا کہ تحقیق کرنے کے بعد فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ اَکْثَرُ مَا  
 یعنی اس نتیجے پر پہنچو کہ یہ واقعی مومنہ ہیں اور انہوں نے محض دین کی خاطر  
 ہجرت کی ہے فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَیَّ الْکُفَّارَ تَوْبِعْنَہُمْ اِنَّمَا یَاۤتِیْہُمُ الْکَافِرُوۤنَ مِنْ  
 مرت لوٹاؤ۔ بلکہ اپنے ہاں پناہ دو کیونکہ لَاہُنَّ جِلْدٌ لَّہُمْ اَبَیْہِ الْکَافِرُوۤنَ کے  
 لیے حلال نہیں ہیں۔ وَلَاہُمْ یُجْزَوْنَ لَہُمْ ۚ اور نہ وہ کافران عورتوں کے لیے  
 حلال ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان عورتوں کا نکاح کافروں کے ساتھ ختم ہو چکا ہے  
 ہاں اگر خاوند بھی مسلمان ہو جائے یا اس کی توقع ہو تو پھر ایسی عورت اپنے خاوند کی  
 طرف پٹا دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا عمل ہمارے سامنے موجود ہے  
 آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ مسلمان تھی جب کہ اس کا خاوند ابو العاصؓ مشرکین  
 مکہ میں سے تھا۔ حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئیں، پھر کئی سال بعد  
 جب خاوند بھی مسلمان ہو کر آگیا تو آپ نے اپنی صاحبزادی کو خاوند کے پاس جانے  
 کی اجازت دیدی۔ اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں مسئلہ تباہی و بربادی بھی پیدا ہوتا ہے۔ اگر مومنہ عورت کافر خاوند کو

چھوڑ کر دارالاسلام میں آجائے تو اس کا سابقہ نکاح تو ختم ہو گیا۔ کیا نکاح ثانی کے لیے اسے عدت گزارنا پڑے گی یا نہیں؟ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ نہ ہو تو اسے عدت گزارنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر وہ حاملہ ہے تو پھر وضع حمل تک عدت پوری کرنا ہوگی۔

اب یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ جب کوئی عورت ایمان لا کر دارالاسلام میں آجائے <sup>میرکا</sup> یا کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر دارالکفر میں چلی جائے تو نکاح ثانی کے لیے ان کے نہر کا کیا حکم ہے، اور جو مرد پہلا خاوند اور اگر چاہے اس کا کیا بنے گا؟ اس سلسلے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی عورت کافر خاوند کو چھوڑ کر تمھارے پاس آجائے وَأَنفَقُوا تو کافروں کو وہ مرد وغیرہ کا خرچہ جسے وہ جو انہوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنے وقت کیا تھا۔ اور پھر اگر تم ان سے نکاح کرنا چاہو وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْنَهُنَّ أَجُورَهُنَّ تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کو مرد اور دو۔ گویا نکاح ثانی کے لیے تمہیں پھر مرد اور کرنا ہوگا۔

اس کے برعکس اگر کوئی مسرت عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے۔ وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِكُمْ اگر تو کافر عورتوں کے ناموس کو اپنے پاس مت رکھو، کیونکہ مرتد ہونے کے بعد ان کا مومن آدمی کے ساتھ نکاح خود بخود نسخ ہو گیا ہے لَئِنِ اتَّخَذْتُمُوهُنَّ كُفْرًا فَهُنَّ حُرُمٌ البتہ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ تم نے ان عورتوں پر میر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو۔ اور کوئی کافر خاوند کی بیوی ایمان لا کر تمھارے پاس آجاتی ہے وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَنكِحُوهُنَّ تو چاہیے کہ وہ بھی مانگ لیں جو انہوں نے ایسی عورتوں پر خرچ کیا ہے۔ یہ دوطرفہ معاملہ ہے اگر کوئی عورت ایمان لا کر آگئی ہے تو اس کے کافر خاوند کو اس کا خرچہ اور اگر وہ اور اگر بیاں سے کوئی عورت مرتد ہو کر دارالکفر میں چلی جاتی ہے تو اس پر کیا گیا خرچہ مسلمانوں کو ملنا چاہیے۔

فرمایا ذَلِكَ حُكْمُ اللَّهِ یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، اور اس



پر عمل درآمد ضروری ہے چنانکہ دینتِ محمدؐ اُس نے تمہارے درمیان فیصلہ کیا ہے۔ واللہ  
علیہم السلام۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا اور حکمتوں والا ہے۔

عدم ازبجلی  
مورث میں

مسلمان تراشہ تعالیٰ کے اس حکم کے پابند تھے مگر سوال یہ ہے کہ کیا کافر بھی اس قسم  
کے تبادلہ ہر کے لیے تیار تھے؟ ہو سکتا ہے کہ جو عورت مرتد ہو کر ان کے پاس چلی جائے  
وہ اس کا خرچہ ادا نہ کریں۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے اللہ نے فرمایا وَإِنْ فَاتَكُمْ  
نَسِيَةٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمُ إِلَى الْكُفَّارِ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کچھ کفار کا طرف  
چلی جائیں فَعَاقِبْتُمْ پس تم گرفت کرو یعنی اگر اوصرت کوئی عورت مسلمان ہو کر  
آجائے جس کا خرچہ تم پر کافروں کو واجب الادا ہو تو اس کو رد کر دو فَأَتُوا الَّذِينَ  
ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا اور یہ رقم ان لوگوں کو ادا کرو جو جن کی  
بیویاں مرتد ہو کر چلی گئی ہیں اور کافر ان کا خرچہ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ عَاقِبْتُمْ یعنی گرفت کرو کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں  
کے خلاف جہاد کرو اور وہاں سے حاصل ہونے والا مال بیت المال میں جمع کرو اور  
پھر اس بیت المال میں سے اس شخص کا خرچہ ادا کرو جو اس نے اپنی مرتد ہو جانے  
والی بیوی پر کیا تھا۔ وَأَنْفَقُوا اللہ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کے قوانین کی خلاف ورزی  
نہ کرو۔ بلکہ صلح و جنگ کے ہر قانون کی پابندی کرو۔ اس اللہ سے ڈرو الَّذِي أَنْشَأَكُمْ  
فِي دُنْيَاكُمْ جس پر تم ایمان لائے ہو۔ اسی نے اپنے رسول اور کتا میں نازل  
فرما کر احکام نازل فرمائے ہیں۔ اس سے ڈرو اور قانون پر عمل درآمد کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايَعْنَكَ عَلَى أَنْ  
لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا  
يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِمُهْتَكَنٍ يَفْتَرِيهِ بَيْرَ  
أَيْدِيَهُنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ قَابِلٍ  
وَأَسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑬ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ  
يَسُوءُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبِيسُ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ  
الْقُبُورِ ⑭

ترجمہ :- اے نبی ! جب آئیں آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت  
کرنے کے لیے اس شرط پر کہ وہ نہیں شریک ٹھہرائیں گی  
اللہ کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ چوری کریں گی ۔ اور نہ وہ  
ہیکاری کریں گی اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں گی ۔ اور نہ  
لائیں گی وہ بہتان جس کو گھڑیں وہ اپنے ہاتھوں سے اور  
پاؤں سے ۔ اور نہ وہ نافرمانی کریں گی آپ کی نیکی کے  
کام میں ۔ پس آپ ان کو بیعت کر لیں ، اور بخشش طلب  
کریں ۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت  
بخشش کرنے والا مہربان ہے ⑬ اے ایمان والو ! نہ  
دوستی کرو اس قوم سے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو رہے

تحقیق مایوس ہو گئے ہیں وہ آخرت سے جس طرح کہ کافر  
لوگ مایوس ہو گئے ہیں ان لوگوں سے جو قبروں میں جا پڑتے

ہیں (۱۳)

رابطہ آیات

گزشتہ آیات میں الشریعہ نے مہاجر عورتوں کے امتحان کا قانون بیان فرمایا کہ  
اگر کوئی عورت کے سے ہجرت کر کے دین پر پلٹے تو بیعت کرنے سے پہلے ان کی  
ابھی طرح جانچ پڑتال کر لیا کر دے کیا واقعی انہوں نے دین کی خاطر ہجرت کی ہے یا  
اس سے کوئی دیگر دنیوی مفاد و البتہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خاوندوں سے ناراض ہو  
ہو کر آئی ہوں یا وہ کسی دوسرے شخص کی محبت کی وجہ سے آگئی ہیں لہذا ان کے متعلق  
تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ اگر قرآن سے معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محض دین کی  
خاطر ہجرت پر مجبور ہوئی ہیں تو پھر ان کو اپنے ہاں رکھ لو اسے واپس کافروں کی طرف  
نہ بھیجو۔

عورتوں کے  
لیے بیعت

اب آج کے درس میں الشریعہ نے عورتوں کی بیعت کی شرائط کا ذکر کیا ہے۔  
سورۃ الفتح میں گزر چکا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر اب عورتوں سے بیعت لینے کا قانون بیان ہو رہا ہے  
اگر عورتیں مذکورہ شرائط پر پورا اتریں گی تو کامیابی سے ممکن ہوگی وگرنہ حلالی  
بیعت بے سود ہے

شاہ ولی الشریعہ محدث دہلوی نے بیعت سے متعلق اقوال اجماع نامی کتاب  
تحریر فرمائی ہے۔ جس میں بیعت کی مختلف شرائط اور اس کے کرنے کا طریقہ بیان کیا  
گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بیعت کرنا کوئی فرض واجب نہیں بلکہ سنت  
ہے، اور حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ اور خیر القرون میں بیعت کرنے کا طریقہ  
واجب تھا، ہاں، اگر کوئی شخص ایمان کی تمام صفات پوری کرتا ہے مگر کسی کی بیعت  
نہیں کرتا تو اس پر اعتراض بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بیعت کی  
قسمیں

بیعت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں ایک بیعت



بیعت اسلام کہلاتی تھی۔ یہ وہ بیعت تھی جو کوئی شخص کوئی غیر مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ حضور علیہ السلام کے بعد بیعت خلافت ہوتی تھی۔ اس کے ذریعہ لوگ احکام الہی کی انجام دہی اور خلیفہ کی پیروی کا اقرار کرتے تھے۔ ہر خلیفہ کے انتخاب پر یہ بیعت ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ ایک بیعت بیعت ہجرت ہوتی تھی جس کے ذریعے لوگ اقرار کرتے تھے کہ وہ اللہ کے راستے میں ہجرت کریں گے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں جہاد کے لیے بھی بیعت ہوتی تھی۔ حضور علیہ السلام سے تقویٰ اور سنت کی اتباع کی بیعت بھی ثابت ہے۔ اسی طرح اگر کلام اسلام کی پابندی کرنے کے لیے بیعت بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔

بعض آدمیوں سے تکرار بیعت بھی ثابت ہے۔ حضرت سلمہ بن لاکوہؓ بڑے بہادر آدمی تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر آپ سے تین دفعہ بیعت لی گئی اور یہ بیعت بھی درست ہے کہ کوئی اقرار کرے کہ میں سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے بعض عورتوں سے جو بیعت لی تھی اُس میں یہ وعدہ بھی شامل تھا اَنْ لَا تَحْنَنَّ کہ وہ زور نہیں کریں گی، یعنی کسی کی موت پر نہ بین کریں گی، نہ کپڑے پھاڑیں گی اور نہ چہرہ زیبیں گی۔ حضور علیہ السلام نے بعض فقراء مہاجرین سے یہ بیعت بھی لی تھی اَنْ لَا يَسْأَلُوْا اَحَدًا یعنی وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ اس قدر محتاط ہو گئے تھے کہ سواری پر سوار ہو کر جاتے وقت اگر ہاتھ سے چھڑی وغیرہ گر پڑتی تو کسی کو پکڑانے کے لیے نہیں کتے تھے، بلکہ خود سواری سے نیچے اتر کر پکڑتے تھے۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ بھائیؓ نے حضور علیہ السلام سے اس بابت بیعت کی تھی کہ میں نماز کی پابندی کروں گا اور کراۃ احتیاط سے ادا کروں گا وَالْتَصَمْتُ بِسُكَّالٍ مُّسْلِمٍ اور ہر مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کروں گا۔

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں نے اس عہد پر بیعت کی اَنْ لَا يَخَافُوْا لَوْمَةً لَا يَسْمَعُ مِنْ رَّهْ اَللّٰهِ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کھائیں گے وَاَنْ يَقُوْلُوْا الْحَقَّ اِنْ مَا كَانُوْا

اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں سچی بات ہی کہیں گے، خواہ اس کے لیے کتنا بھی خطرہ مول لینا پڑے۔ ایسے لوگ کسی بڑے سے بڑے جابر کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔

بیعت کی ایک قسم بیعتِ توبہ بھی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے اور پھر وہ کسی مرشدِ برحق کے پاس جا کر اقرار کرتا ہے کہ میں اپنے کردہ گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ توبہ بھی درست ہے۔ بہت سے لوگ یہ بیعت بھی کرتے ہیں جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بیعت یوسفؑ سے ہے۔ بعض دفعہ **پچھلے پچھلے** کوئے کو **حضرت علیہ السلام** کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے کہ حضور! ان کو بیعت کر میں۔ آپ علیہ السلام ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تھے اور بعض سے تبرکاتِ بیعت بھی لے لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زہیرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے والدین نے ان کو سات آٹھ سال کی عمر میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے برکت کے لیے ان سے بیعت لی۔ اس قسم کی بیعت بھی حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ بعض بزرگانِ دین کے سلسلے میں شامل ہونے کے لیے بھی بیعت کی جاتی ہے۔

شاہ رفیع الدینؒ نے بیعت کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک بیعت وسیلہ ہے جو کسی سلسلہ میں منسلک ہونے کے لیے کی جاتی ہے۔ دوسری قسم کی بیعت، احکامِ شریعت کی پابندی اختیار کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ تیسری قسم کی بیعت یہ ہے کہ انسان درود و وظائف پر پابندی اختیار کرنے کے لیے بیعت طریقت کرتا ہے۔ اور اگر انسان صاحبِ مہمت ہو، محنت کر سکتا ہو تو وہ مشاہدات حاصل کرنے کے لیے چوتھی قسم کی بیعت بیعتِ حقیقت کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان تربیت کے بغیر خود بخود درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ مذکورہ تربیت اصولاً درست ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں مگر اس کے ساتھ شرائط بھی ہیں جن کا پایا جانا مرشدِ کامل

مرشدِ کامل کے  
ادب



میں ضروری ہے۔ چنانچہ بیعت اُس شخص کی کرنی چاہیے جس میں یہ اوصاف پائے جائیں۔ فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب السنہ اور سنت رسول کا علم رکھتا ہو۔ اُس نے اُستاز سے تعلیم حاصل کی ہو، اور اگر یہ نوبت نہیں آئی تو کم از کم اہل علم کے پاس بیٹھ کر اور ان سے سن کر کتاب و سنت کا علم حاصل کیا ہو۔ اگر کسی نے ان میں سے کسی ذریعہ سے بھی علم حاصل نہیں کیا تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست نہیں۔

فرماتے ہیں کہ دوسری شرط یہ ہے کہ بیعت کنندہ میں عدالت، تقویٰ، پائے جائیں یعنی وہ فاسق نہ ہو، تقویٰ کے خلاف کوئی کام نہ کر رہا ہو۔ بہت سے اجتنب کرتا ہو اور صفائے پیر نہ ہو۔ قسری شرط یہ ہے کہ بیعت کرنے والا آخرت میں رغبت رکھتا ہو اور دنیا سے بے رغبت ہو، اس کے بغیر وہ بیعت کے قابل نہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو۔ اور پانچویں شرط یہ ہے کہ اُس نے یہ طریقہ مشائخ اور بزرگوں سے سیکھا ہو، نہ کہ خود بخود پیر بن کر بیٹھ گیا ہو۔ یہ پانچ شرائط ہیں۔ اگر یہ کسی شخص میں پائی جائیں تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست ہے البتہ یہ بات فہم نشین ہوئی چاہیے کہ اس قسم کی بیعت کو سنت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی وجہ سے معصیت سے بچاؤ ہوگا اور ترقی جلدی نصیب ہو جائے گی۔ بایں ہمہ یہ بیعت کوئی فرض یا واجب نہیں ہے۔

بعض لوگ ظاہری شکل و صورت سے تو اچھے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ حقیقت سے خالی ہوتے ہیں۔ رومی صاحبؒ نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا،

اے بنا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دست نہ باید داد و دست

بعض لوگ انسانِ ناشیطان ہوتے ہیں لہذا بلا سوچے سمجھے ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے۔ دیکھنا چاہیے کہ بیعت کنندہ میں مذکورہ بالا شرائط پائی جاتی



ہیں یا نہیں۔ ایسے بیعت کنندہ سے اجتناب کرنا چاہیے جو محض رسوماتِ باطلہ اور بدعاتِ انجام دینے کی تلقین کرتا ہو۔

ناقابلِ بیعت  
پیر

آج تو انحطاط کا زمانہ ہے۔ نویں صدی کے بزرگ خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اپنے مکتوبات میں اپنے دور کا شکوہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ہیات ہیات امروز بد روز ما است کہ جہاں از پیری و مریدی پُر شدہ و ایچ خبر مسلمانان نیست "افسوس! آج ہمارا زمانہ کتنا برا ہے کہ جہاں پیری و مریدی سے بھرا ہوا ہے مگر مسلمان کی کسی کو خبر نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ایمان، اسلام اور دین کیا ہے؟ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ "افسوس! آج ہماری بد نصیبی کا یہ عالم ہے کہ پیری و مریدی بت پرستی اور خود پرستی بن چکی ہے اور درویشی لقمہ فروشی کا نام بنا ہوا ہے۔ ہم بد نصیب لوگ دُعا کریں گے کہ خدا تعالیٰ ایسی درویشی اور دین فروشی سے توبہ کی توفیق دے"۔ اول بار مسلمان درست کنیم بعدہ درویشی، یعنی پہلے ہم اسلام اور مسلمان تود درست کر لیں، درویشی اور پیری و مریدی توجہ کی بات ہے؛ اس وقت جتنی گدیاں اور پیر ہیں ان میں سے اکثر خلاف شرع کام کرتے ہیں فاسق، فاجر ہیں، شرکیہ اور بدعتیہ رسوم انجام دیتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے لوگ قطعاً بیعت کے لائق نہیں۔ ان سے بیعت کرنے میں فائدے کی بجائے اٹانقصان ہوگا۔

عورتوں کی  
بیعت کے  
لیے شرائط

اب آج کی پہلی آیت میں عورتوں کی بیعت سے متعلق شرائط کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اذْأَجَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبَايِعُكَ جب آپ کے پاس عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں علیٰ اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی یعنی وہ نہ تو اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرائیں نہ صفات میں اور نہ افعال میں گویا کسی طرح کا بھی شرک نہیں کریں گی۔ اور دوسری بات یہ کہ وَلَا يَسْرِقْنَ اور وہ چوری نہیں کریں گی وَلَا يَزْنِينَ اور بدکاری نہیں کریں گی وَلَا يَقْتُلْنَ اولاد دھن اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ اپنی بیویوں

کو عار کی وجہ زندہ درگور کر دیتے تھے اور بعض فخر کے ڈر سے بھی بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ تم خود رائق بن سہے ہو حالانکہ ہم ان بچوں کو بھی بوزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بہر حال اس قسم کا ظلم بھی ہوتا رہا ہے جسے بیعت کی شرائط میں داخل کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ اس شرط پر بھی بیعت کریں وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهِمَا نَا يَفْتَرِيَنَّ بَيْنَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلِهِمْ اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بتان نہ باندھیں گی۔ مطلب یہ کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو اپنے خاندانوں کی طرف منسوب نہیں کریں گی۔ اس بتان میں جھوٹی قسم، جھوٹا دعویٰ اور جھوٹا الزام بھی آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ وہ نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ فرمایا اگر بیعت کے لیے آنے والی عورتیں ان شرائط پر پوری اترتی ہوں فَبَايَعْنَهُنَّ تو آپ ان سے بیعت کر لیں۔

مفسرین اس آخری شرط پر کلام کرتے ہیں کہ اللہ نے معروف یعنی نیکی کے کام میں نافرمانی نہ کرنے کی شرط کیوں لگائی ہے جب کہ اللہ کا نبی تو ہمیشہ نیکی کا حکم ہی دیتا ہے اور کبھی برائی یا غلط بات کی دعوت دے ہی نہیں سکتا۔ امام ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا نبی کبھی غلط کام کا حکم نہیں دیتا۔ مگر یہ شرط اس لیے لگائی ہے تاکہ کوئی شخص اس کو غلط اطاعت کے لیے بہانہ نہ بنا سکے۔ عام طور پر لوگ امراء، سلاطین اور مطلق العنان لوگوں کی غلط کام میں اطاعت کے لیے عذر پیش کرتے ہیں کہ امیر جیسی تھی یا ہم مجبور تھے اور اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اللہ نے معروف کی شرط لگا کر غلط کام میں اطاعت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ جب اللہ کے موصوم نبی اور افضل البشر کا اتباع بھی صرف نیکی کے کام میں ہو سکتا ہے تو کسی عام انسان کی برائی کے کام میں اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی بادشاہ، خلیفہ حاکم، امیر یا استاد کسی خلاف شرع کام کا حکم دے گا تو اس کی اطاعت نہیں ہوگی کیونکہ لَنْ تَمَّا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ اور اطاعت تو نیکی کے کام میں ہی ہو سکتی ہے۔ وَإِذَا أَمَرَ



بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ اور جب کسی گناہ یا نافرمانی کا حکم دیا جائے گا تو نہ اُس کو سنو اور نہ اُس کی اطاعت کرو۔

عورتوں کے  
بیعت کا  
طریقہ

فرمایا اگر ان شرائط پر عورتیں بیعت کرنا چاہیں تو آپ ان کو بیعت کر لیں مردوں سے بیعت لینے کا طریقہ تو یہ ہے کہ مرشد اپنے مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ مگر عورتوں کے لیے یہ طریقہ نہیں ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بیعت کے لیے کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ ایک عورت نے مصافحہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ میری بات ایک عورت یا سوعورتوں کے لیے مکمل ہے یہ جو بات زبان سے کرنا ہوں اُس کی پابندی کرو، یہی کافی ہے۔ ہاں اگر تبرک کے لیے ضروری کچھ کرنا ہو تو کسی برتن میں پانی ڈال کر بیعت لینے والا اس پانی میں ہاتھ ڈالے۔ اور پھر اسی پانی میں عورت بھی ہاتھ ڈالے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی کپڑا لے کر اُسی کا ایک کنارہ پیر کپڑے اور دوسرا کنارہ عورت کپڑے۔

فرمایا آپ ایسی خواہشمند عورتوں سے بیعت بھی لیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللہ اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے بخشش کی دعا بھی کریں کہ مالک الملک اُن کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمے إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ آپ کی دعاؤں کو پذیرائی بخشنے گا۔

مغضوب علیہم  
سے دوستی  
کی ممانعت

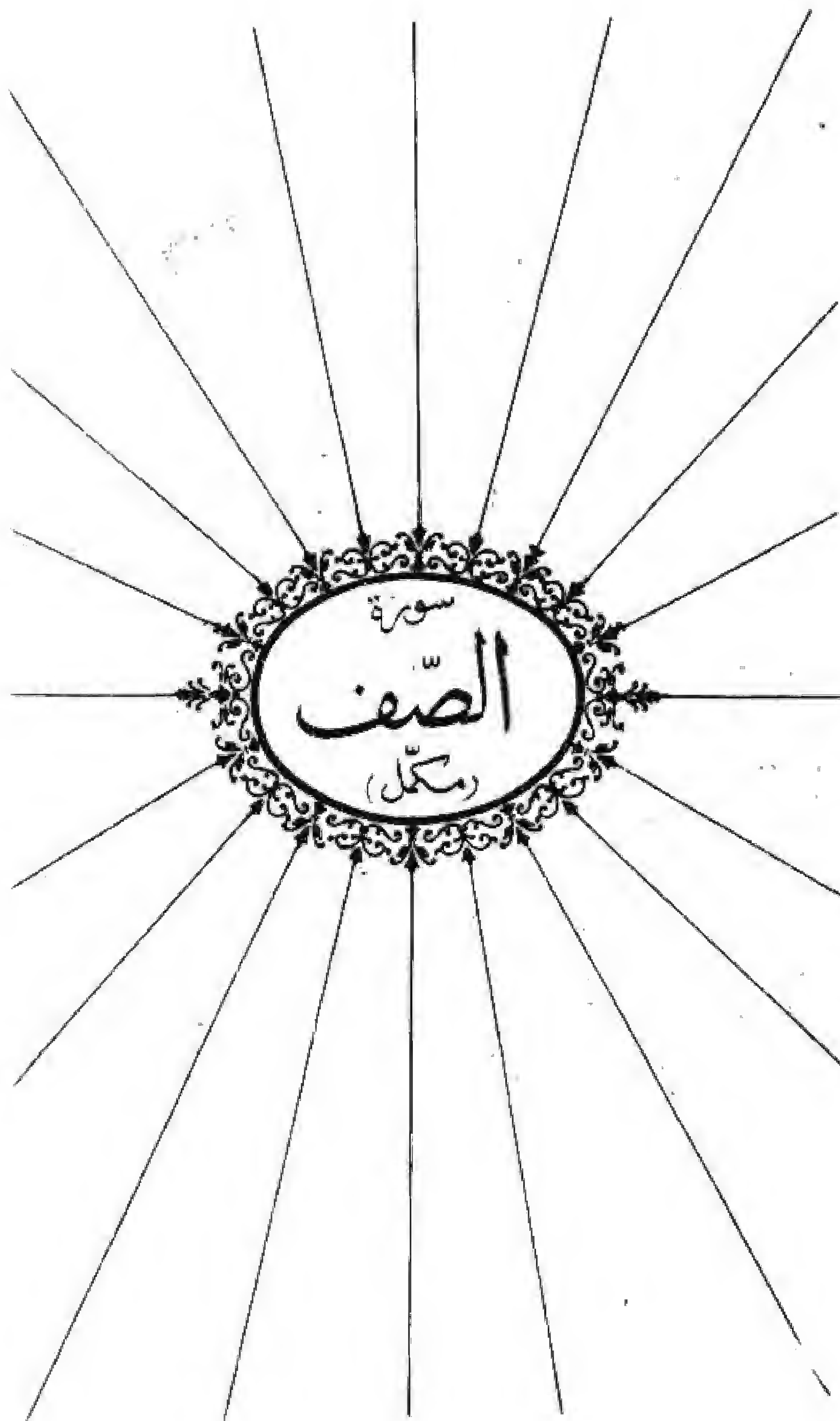
جو مضمون سورۃ کی ابتدا میں بیان کیا گیا تھا، اب آخر میں اُسی کو دہرایا جا رہا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ اے ایمان والو! نہ دوستی کرو اُن لوگوں سے جن پر اللہ ناراض ہوا۔ یہ حکم خاص طور پر مدینے کے اطراف میں آباد یہودیوں کے لیے ہے۔ ان پر اللہ کا غضب ہوا اس لیے سورۃ فاتحہ میں یہ دعا سکھلائی گئی ہے کہ اے مولا کریم! ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا، اور نہ اُن لوگوں کی راہ پر غلبیٰ المغضوب



عَلَيْهِمْ جَنِّ پر تیرا غضب ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم مغضوب علیہ لوگوں سے دوستی کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرح تم پر بھی ناراض ہوگا۔ اس کے علاوہ مطلق کفر اور شرک بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

فرمایا ان لوگوں کا حال یہ ہے قَدْ يَسُوءُ مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبِيسُ الْكُفَّاءُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ کہ یہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کافر لوگ قبروں میں جا پڑنے والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کافر مردوں کی دوبارہ زندہ گی اور جزائے عمل سے مایوس ہیں کہ نہ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے اور نہ ان کا حساب کتاب ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ خود بھی دوبارہ نہیں اٹھیں گے اور نہ کوئی جنائے عمل کی منزل آئے گی۔ یہودی اہل علم تھے اور آخرت کا تصور بھی رکھتے تھے مگر غافل ہو کر وہ بھی کافروں کی طرح ہی ہو گئے۔ آج کے دور میں اکثر و بیشتر مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے۔ آخرت کے بارے میں ان پر بھی مایوسی چھائی ہوئی ہے۔ وہ کوئی کام پورے یقین کے ساتھ نہیں کرتے کہ یا کہ انہیں حساب کتاب کے لیے اللہ کے حضور پیش ہی نہیں ہونا۔







سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ الرَّبْعُ عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ  
سورة الصف مدنی ہے، اور یہ چودہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ  
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ  
تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ  
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ  
الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًّا ۚ كَاَنَّهُمْ  
بُنْيَانٌ مَّرْصُوعٌ ④

ترجمہ:- پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو  
کچھ بھی ہے آسمان میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ اور  
وہ زبردست اور حکمت والا ہے ① اے ایمان والو!  
کیوں کہتے ہو تم وہ بات جو کرتے نہیں ② بڑی  
ہے نفرت کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ بات  
کہ تم کہو وہ جو تم نہیں کرتے ③ بیشک اللہ تعالیٰ

پسند کرتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں اُس کے رُتے  
میں صفت باندھ کر گویا کہ وہ ایک سیہ پلائی ہوئی مضبوط

دیوار ہیں ⑤

نام اور کُلف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الصّٰف ہے جو اس کی چوتھی آیت میں آمدہ  
لفظ الصّٰف سے موسوم ہے۔ صفت قطار کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں  
جہاد کے لیے صفت بندی کا ذکر ہے، لہٰذا اس سورۃ کا نام الصّٰف رکھا گیا ہے  
مفسرین بیان کرتے ہیں کہ مدنی زندگی میں یہ سورۃ — سورۃ التغابن کے بعد نازل  
ہوئی حالانکہ ترتیب تلاوت کے لحاظ سے یہ اُس سے پہلے ہے۔ اس سورۃ مبارکہ  
کی چودہ آیات اور دو رکوع ہیں امد یہ سورۃ ۲۲۱ الفاظ اور ۹۲۶ حروف پر مشتمل ہے  
گذشتہ سورۃ الممتحنہ میں خدا، اُس کے رسول، اُس کے دین اور اُس کی طرف  
سے آمدہ پروگرام کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت کی گئی تھی۔ اس واقعہ کا پس منظر  
یہ ہے کہ ایک صحابی رسول سے یہ غلطی ہو گئی تھی کہ اُس نے اپنے بیوی بچوں کی تحفّت  
کی خاطر کفار مکہ کو مسلمانوں کے راز سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ نے  
اس ضمن میں سخت تنبیہ فرمائی کہ یہ لوگ تمھارے کبھی دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر  
انہیں کبھی تم پر تسلط حاصل ہو گیا تو یہ تمھیں تمھارے ایمان کی سزائے میں کوئی  
کسر نہیں چھوڑیں گے۔ فرمایا غیر حربی کافروں سے تو احسان کیا جاسکتا ہے۔ مگر وہ  
حربی کافر جو تمھیں ہجرت پر مجبور کرتے ہیں اُن کے ساتھ کسی طرح بھی دوستی نہیں  
ہو سکتی۔ اب اس سورۃ میں ایک قدم اور بڑھ کر اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ  
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اسلام کے پروگرام کی مخالفت کرتے  
ہیں۔ اور دینِ حق کو مٹانا چاہتے ہیں اُن کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے۔ تاکہ  
اس فتنہ کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ گویا اس سورۃ میں جانبازی اور سرِ فرودشی  
کا حکم دیا گیا ہے۔

توحید بیان

سورۃ کا آغاز توحید کے بیان سے ہوتا ہے جو دین کی جڑ بنیاد ہے اور

جس کے ذریعے انسانی فکر صحیح ہوتی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان کو جتنی نصیب ملتی ہے۔ اگر توحید میں کوئی غلط واقع ہو جائے تو انسان کا کوئی عمل اور کوئی نیکی قابلِ اعتماد نہیں ہوتی اور نہ ہی اُس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے توحید کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پاکیزہ بیان کرتی ہے جو مخلوق بھی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ تیس کا معنی تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک، کمزوری، عیب اور احتیاج سے پاک ہے، غرضیکہ اللہ کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ جب ہم لفظ اللہ بولتے ہیں تو اُس میں یہ ساری حقیقت آجاتی ہے۔ علم عقائد و اسے سمجھاتے ہیں کہ اللہ سے ملو ایک ایسی ذات ہے، جو ازلی، ابدی، قائم اور دائم ہے۔ اُس کا وجود بذاتہ ہے اور وہ تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ جب کوئی مسلمان اپنی زبان سے سُبْحَانَ اللّٰهِ کہتا ہے یا مَسْبُوحٌ لِلّٰهِ کہتا ہے تو اس کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ ذاتِ خداوندی تمام صفات کمال کے ساتھ محروف ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ آتا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ خدا کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ کوئی اللہ کی ذات میں شریک بناتا ہے، کوئی صفات میں، کوئی عبادت میں، کوئی نذر و نیاز میں، کوئی نام رکھنے میں، کوئی رہائی دینے میں، کوئی پکارنے میں، کوئی انتہائی تعظیم کرنے میں۔ یہ سب کفر اور شرک کی باتیں ہیں۔ کسی مخلوق کے سامنے ایسی تعظیم کرنا جو صرف خداوندِ قدوس کے لائق ہے، سرقِ شرک ہے۔ دنیا میں شرک کی مختلف قسمیں رائج ہیں۔ اللہ نے سورۃ الانعام میں ان تمام قصوں کو بیان کر دیا ہے۔ کبھی مال میں شرک ہوتا ہے، کبھی افعال میں اور کبھی عقائد میں۔ خدا تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ کو مخلوق میں ثابت کر کے لوگ مشرک بن جاتے ہیں لہذا شرک کی ہر قسم سے بیزاری کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ پہلی سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کا یہ اعلان گزر چکا ہے اِنَّا بُرْءُؤْا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ



مِنْ دُونِ اللَّهِ (الممتحنہ - ۴) ہم تم سے بھی بیزار ہیں اور اُن سے بھی جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ اور ہماری یہ بیزاری اس وقت تک قائم رہے گی حتیٰ تَوُفُّنَا بِاللَّهِ وَحُذَّاهُ بِيَاں تک کہ تم خدا سے واسطہ پر ایمان لے آؤ۔

خدا تعالیٰ کی تائید

فرمایا کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح یعنی تنزیہ بیان کرتی ہے۔ قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ شجر، حجر، آسمانی کرے، جانور، کیڑے مکوڑے غرضیکہ مخلوق کی ہر شے خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ البتہ انسان میں آکر دو گروہ بن جاتے ہیں ان میں سے ایک گروہ تو دوسری اشیاء کی طرح تنزیہ بیان کرتا ہے جب کہ دوسرا گروہ شرک کرنے لگتا ہے۔ تسبیح سان حال سے بھی ہوتی ہے۔ اور لسانِ قال سے بھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی وضع اور شکل و صورت اور اس کا کام بتلاتا ہے کہ اللہ وعدہ لا شرک ہے۔ خدا کے ساتھ کسی چیز میں کوئی شریک نہیں ارض و سما کی ہر چیز کی حالت ہی بتا رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے قرآن نے اس بات کی تصریح کر دی ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ رَبِّهِ اسْرٰی (۴۲) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ جب ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے تو انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی تنزیہ بیان کریں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ غرضیکہ اس سورۃ کی ابتدا میں ہی اصول سمجھایا گیا ہے فرمایا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ خدا تعالیٰ زبردست اور غالب ہے ۔

کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے، اور اُس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہے ایک ذرے سے لے کر بڑے بڑے سیارے تک، اُس نے ہر چیز کمال حکمت اور خاص مصلحت کے ساتھ قائم کر رکھی ہے۔ جس میں کوئی عیب اور نقص نہیں سورۃ الملک میں اللہ نے فرمایا ہے کہ قَدْ جَعَلَ الْبَصَرَ هَلْ قَوْلًا مِنْهُ فُطُوْر (آیت - ۳) آسمان کی طرف بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھ لو مگر تم اُس میں کوئی نقص یا عیب نہیں پاؤ گے۔ یہ اس کمال قدرت اور کمال حکمت کے مالک

خداوند تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا۔

شانِ نزول

آگے سورۃ کا اصل موضوع آرہا ہے یعنی خدا کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت اُن کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم۔ اس سورۃ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم بعض صحابہؓ بیٹھے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے، کاش ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے اچھا عمل کون سا ہے تاکہ ہم اس پر عمل کر سکیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے کسی شخص کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں نہ بھیج سکے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود ان آدمیوں کو طلب فرمایا اور پوچھا کیا تم نے یہ بات کی ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے یہ ساری سورۃ اُن کو سنادی جس کا مطالبہ یہ تھا کہ اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

قرآنِ فعل کا تضاد

بعض فرماتے ہیں کہ جب تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ اجازت دے تو ہم دشمنوں کے خلاف جہاد کریں۔ پھر جب جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو بعض لوگوں نے کمزوری دکھائی لہذا اللہ نے اُن کی سخت مذمت بیان کی۔ چنانچہ یہاں اسی بات کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ اگر انسان کوئی دعویٰ کرے اور پھر اس پر پورا نہ اترے تو یہ بہت بُری بات ہے جو کہ قابلِ مذمت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں کبھی مقتدا عند اللہ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ اللہ کے نزدیک یہ بات باعثِ نفرت ہے کہ تم وہ کچھ کہو جو خود نہیں کرتے۔ جب ایک چیز کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر اُس کے مطابق عمل بھی کر کے دکھاؤ۔ اگر جہاد کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے تو پھر بذریعہ نہ دکھاؤ حقیقت میں قول و فعل کا یہ تضاد منافقت کی علامت ہے۔ اس بات کا مفصل ذکر آگے سورۃ المنافقین میں آئے گا۔ چنانچہ علی منافق جو دنیا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں وہ اسی تضاد کا شکار ہوتے ہیں۔ انصاف سے دیکھا جائے

تو ہم اسلام کے دعویدار بھی علی منافق ہیں۔ کوئی اکاد کا آدمی اس فرست میں نہ آتا ہو مگر  
 مجموعی طور پر ہماری یہی حالت ہے۔ حضور علیہ السلام نے منافق کی یہ علامت بیان فرمائی  
 ہے اِذَا حَدَّثَكَ كَذَبَ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اس کا عمل  
 اس کے قول کے مطابق نہیں ہوتا۔ حکومتوں کی پالیسیاں، ان کے بیانات، تقریریں  
 تحریریں ان کے اعمال سے بالکل مختلف ہیں۔ جن چیزوں کا پراپیگنڈا کیا جاتا ہے  
 اُن کا تو نام و نشان بھی ہماری زندگیوں میں نہیں ملتا۔ سب زبانی کلامی بات ہے،  
 عمل کچھ بھی نہیں۔ اجتماعی کام سارے منافقت پر مبنی ہیں۔ کہتے ہیں کہ مغرب ختم  
 کر دیں گے، تعلیم عام کر دیں گے، لٹی بی ختم کر دیں گے مگر علی طور پر کچھ بھی نہیں  
 کرتے، مغرب اُسی طرح ہے بلکہ بڑھ رہی ہے، بے روزگاری عام ہے، ہسپتالوں  
 کا نظام ناگفتہ بہ ہے۔ سکولوں، کالجوں میں داخلے نہیں ملتے، بھلا ان کے دعوؤں  
 کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ زبانی باتیں کرتے ہیں، عملی ثبوت کوئی نہیں پیش  
 کرتے۔ حدود آرڈیننس تو جاری ہو گیا۔ گڑا غورا، بدکاری اور بے حیائی تو اسی طرح  
 ہے۔ کیا جرائم ختم ہو گئے ہیں؟ کیا لوگ آرام کی بند سوہے ہیں؟ کیا دن درہائے  
 ڈاکے نہیں پڑے ہیں۔ اگر یہ باتیں درست ہیں تو پھر تمہارے دعوے کہاں گئے  
 جن میں کہتے ہو کہ ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنادیں گے، بے روزگاری ختم ہو  
 جائے گی، کوئی بچہ تعلیم کے بغیر نہیں رہے گا اور ہر مریض کو علاج معالجے کی  
 سہولتیں حاصل ہوں گی۔ یہی تضاد بیانی ہے اور اسی کا نام منافقت ہے۔ جو  
 ہر فرد میں پائی جاتی ہے اور بحیثیت مجموعی ہر جماعت اور ہر حکومت میں عیاں ہے  
 اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں؟

منافقت سے تکالیف دور نہیں ہوتیں بلکہ مصائب کا علاج بچائی کے  
 ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تضاد بیانی غیر مسلم اقوام میں تو ہے ہی، روس، امریکہ، جاپان،  
 جرمنی، برطانیہ، فرانس سب تضاد بیانی کا شکار ہیں، نہ کوئی کافر اس سے بچا ہوا  
 ہے، نہ یہودی، نہ نصرانی، نہ دہریہ اور نہ مسلمان۔ سارا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے





جنگ میں مجاہدین کی صفیں اور مسجد میں نمازیوں کی صفیں خود سیدھی فرمایا کرتے تھے تاکہ کوئی رخنہ باقی نہ رہے۔

صفت بندی کے عنوان سے دراصل نظم و نسق کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام کام نظم و ضبط کے ساتھ انجام پانے چاہئیں۔ یہاں پر جہاد کے لیے صفت بندی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے تاکہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے مجاہدوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ کے راستے میں صفت باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمٍ لِّمَ تُوذُونِي وَقَدْ  
تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ  
قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ⑤

ترجمہ ۱۔ اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے  
اے میری قوم کے لوگو! مجھے تم کیوں ستاتے ہو حالانکہ  
تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔  
پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ نے ان کے دلوں کو  
ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو  
نافرمانی کرنے والی ہو ⑤

رابطہ آیات

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و تنزیہ کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان سے  
فرمایا کہ ان کی زندگی میں قول و فعل کا تضاد نہیں ہونا چاہیے یعنی کوئی ایسی بات  
نہ کرے جس پر خود غفلت پیرا نہ ہو یہ بات اللہ کے نزدیک بہت ہی بری اور مغبوض  
ہے۔ سچے ایمانداروں کا یہ شیوہ ہرگز نہیں ہو سکتا یہ تو منافقوں کی روش ہے  
اس کے بعد اللہ نے اُس کے راستے میں جہاد کرنے کا ذکر کیا اور اس کو احب الاعمال  
یعنی پسندیدہ کام بتلایا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اُس کے راستے میں صف باندھ کر  
جہاد کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جہاد کی اہمیت

اس سورۃ مبارکہ کا مرکزی مضمون دین کی خاطر جانی اور مالی قربانی پیش  
کرنا ہے۔ پچھلی سورۃ میں دشمنانِ خدا، دشمنانِ رسول، دشمنانِ کتاب اور دشمنانِ  
دین کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کیا گیا تھا، اور اس سورۃ میں اللہ کی راہ میں



جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **دُرُودُ** **سَلَامِ الْجَمَادِ** اسلام کی کرمان کی بلند جہاد ہے۔ جس طرح کوٹان اونٹ کے جسم کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے، اسی طرح اسلامی احکام میں بلند تر حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اسی کی وجہ سے اہل ایمان کو عزت حاصل ہوتی ہے اور دین کو عزت، وقار اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے بھی جہاد ضروری ہے کیونکہ دشمن ہمیشہ دین کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا ہے اس سے یہ سمجھنا مقصود ہے۔ کہ جو کمزوری موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں پیدا ہو گئی تھی وہ کمزوری حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نہیں آئی چاہیے۔ جس طرح قوم موسیٰ اپنے نبی کے حکم کی تعمیل میں پس و پیش کرتی تھی اس طرح مسلمانوں کو نہیں کرنا چاہیے بلکہ نبی کے ہر حکم کی مکمل اطاعت کرنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں مماثلت

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام قوم کے نبی بھی تھے اور حاکم بھی۔ آپ کو اللہ نے ایک عظیم الشان کتاب بھی عطا فرمائی تھی۔ اللہ نے آپ کو اٹھ دُرُود کی سب سے بڑی طاقت فرمون کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے ابتدا میں بڑے مصائب برداشت کیے اور ان پر صبر کیا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قوم کی طرف رسول تھے **إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (الفرل-۱۵)** ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔

پھر آپ کو بھی اللہ نے حکومت عطا فرمائی۔ اللہ نے آپ کی طرف آخری اور سب سے عظیم کتاب نازل فرمائی۔ آپ کو بھی قریش مکہ جیسی سرکش قوم سے واسطہ پڑا جو فرعون

سے بھی زیادہ تکبر تھی۔ جس وقت فرعون غرق ہو رہا تھا تو اس نے ایمان لانے کی کوشش کی۔ اور کہنے لگا۔ اَمَلْتُ بِہِ بَنُوٓاۤءِۤیۡسَآءِۤیۡلَ وَاَنَا مِّنَ الْمُسْلِمِیۡنَ (یونس - ۹۰) یعنی میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا اور میں فرمانبرداروں میں ہوں مگر اللہ نے فرمایا اَلْکٰثِرَ وَقَدْ عَصٰیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُنٰفِقِیۡنَ (آیت - ۹۱) اب ایمان لاتے ہو ساری عمر تو نافرمانی اور غنڈہ گردی کرتے رہے اور اب جب کہ موت کے فرشتے نظر آگئے اور عین کا پردہ اٹھ گیا تو ایمان لاتے ہو، اب یہ ایمان قابل قبول نہیں ہے۔

قریش مکہ کا سفردار و تکبر بھی اس سے کم نہیں تھا۔ جنگ بدر میں ابو جہل کو درو فوج والوں نے قتل کر دیا۔ وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اس کی گردن اتارنے کے لیے اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ اس عالم میں بھی ابو جہل کا سفردار اس درجہ کا تھا کہ کہنے لگا کہ تو تو بڑی اور بچی گھائی پر چڑھ گیا ہے وہ بد بخت کہ رہا تھا کاش کہ کوئی کاشتکار مجھے قتل نہ کرتا، کوئی میری حیثیت کا آدمی مجھے مارتا تو مجھے حسرت نہ رہتی۔

حضرت علیہ السلام کو کسری جیسی سپر طاقت کے ساتھ بھی واسطہ پڑا۔ اس کے سفردار و تکبر کے اظہار کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ حضور علیہ السلام نے مکہ کے قریب مختلف بادشاہوں کو بذریعہ خطوط اسلام کی دعوت دی۔ ان میں ایک خط کسری ایران کے بادشاہ خسرو پر وینہ کی طرف تھا۔ جب یہ خط حضرت عبداللہ ابن عذافر نے بادشاہ کو پیش کیا تو وہ پڑھ کر غصے میں آگیا اور خط کو پھاڑ دیا، کہنے لگا، اب عرب کے بدو بھی ہمیں دعوت نامے بھیجنے لگے ہیں ہم ہزاروں سال پرانی بادشاہی کے مالک ہیں۔ بعد ازیں ہمیں کیا دعوت دیں گے؟ اس بد بخت نے حضرت عبداللہ کی تذلیل کی مٹی کہ ان کے سر پر مٹی کا ٹوکرا اٹھا دیا۔ آپ بڑے ذہین آدمی تھے، جب اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان کو خوشخبری دی کہ دیکھو لو کسری نے ایران کی سرزمین خود میرے سر پر رکھ دی ہے

کسری کا  
سفردار

پھر جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ہی وہ آپس میں لڑنے لگے اور یہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سلطنت مکمل طور پر فتح ہو گئی۔ یہ مجوسی مذہب کہتے تھے۔ جن میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔

بنی اسرائیل یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام میں ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ اپنے نبی کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے تھے بلکہ مال مٹول سے کام لیتے تھے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے ایک قتل کے سرخ کے لیے ان سے کہا کہ ایک گلے زنج کر دو اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم کو لگاؤ تو وہ تمہیں اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے گا۔ مگر بنی اسرائیل نے طرح طرح کی حجت بازی کی۔ پہلے کہنے لگے کہ لے ہوئی! کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے۔ جب انہوں نے یقین دلایا کہ یہ مذاق نہیں بلکہ حقیقت ہے تو کہنے لگے بتاؤ وہ گائے کیسی ہوئی چاہیے۔ اس کا رنگ کیا ہو، وغیرہ۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اس ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا کرے گا۔ تو وہ کہنے لگے کہ لے ہوئی! ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ قوم عاتقہ وہاں موجود رہے لہذا اَفَاذْ هَبْتَ اَنْتَ وَرَبِّكَ فَقَاتِلَا اِذَا هُمْ نَاقِعِدُونَ (المائدہ: ۲۴) (لو اور تیرا رب جا کر ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔

ان کی ایک بہت بڑی غصہ یہ بھی تھی کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ النساء آیت ۴۶ میں موجود ہے یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا یہ لوگ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے مگر مانا نہیں۔ جب اسرائیلی فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تو انہوں نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کوئی قانون ہونا چاہیے۔ جس کی ہم پابندی کریں۔ اللہ

قوم موسیٰ  
کا بھگڑ



نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ چالیس دن کوہ طور پر اعتکاف کرو تو تمہیں کتاب عطا کی جائے گی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر لی تو اللہ نے قرأت عظیم الشان کتاب عطا فرمائی جس میں حلت و حرمت وغیرہ کے تمام قوانین موجود تھے۔ جب یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو پیش کی تو وہ اسی میں مندرج احکام کی تعمیل میں پس پیش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر اللہ نے فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ کہ ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو اٹھا کر رکھا کہ دیا اور حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے دی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو، اور جو تمہیں حکم ہوتا ہے۔ اُس کو سنو۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ہم نے سُن تو لیا ہے مگر مانتے نہیں (البقرہ ۹۲)۔

الغرض! بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ نے فرمایا وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (المائدہ ۱۳) ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ پھر یہی خرابی بڑھتے بڑھتے اُن کی گمراہی کا ذریعہ بن گئی اور وہ مضروب ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس قوم کی اصلاح کے لیے ہزاروں نبی آئے۔ مگر انہوں نے ان نبیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

قوم موسیٰ کے برخلاف حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی جاں نثاری کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ بدر کے موقع پر حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار دونوں سے خطاب کیا تاکہ جنگ سے متعلق اُن کی رائے دریافت کی جائے مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے اچھی بات کہی۔ پھر حضرت مقداد بن عمروؓ اٹھے اور عرض کیا کہ حضور! اللہ نے آپؐ کو جبراً دکھائی ہے، آپ اس پر رواں دواں رہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے۔ جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
پر صحابہؓ کی  
جاں نثاری

حضور علیہ السلام بار بار فرماتے تھے کہ لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کا اشارہ انصار کی طرف تھا۔ چنانچہ انصار میں سے حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے اور گواہی دی ہے کہ جو کچھ آپ نے کر کے ہیں وہ برحق ہے۔ اگر آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنے گھوڑے مندر میں ڈال دیں گے۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے، اور ہر مشکل سے مشکل ہم پر جانے کے لیے تیار ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور آپ نے جنگ کا فیصلہ کر لیا۔

موسیٰ کا  
قوم سے  
شکرہ

بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی پے در پے نافرمانیوں سے تنگ آکر ان کا شکوہ بیان کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا يَقُومُوا لِي تم ٹوڑو مٹی کے لوگو! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ اَلَيْسَ كَمَا لَكُمْ تَقَم جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ ان تکالیف کا قرآن میں اجمال طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَوْا مُوسَىٰ (الاحزاب - ۶۹) حضور علیہ السلام کے امتیوں سے خطاب ہے کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکالیف پہنچائیں۔

صحیحین کی حدیث میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی باحیا انسان تھے۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے کبھی برہنہ نہیں ہوئے تھے۔ اس پر اسرائیلیوں نے پراپگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کو آذرہ کی بیماری ہے جس میں انسان کے فرط پھول جلتے ہیں۔ کبھی ان میں پانی بھر جاتا ہے اور کبھی چربی آجاتی ہے جس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کو ایسی کوئی بیماری نہیں تھی بلکہ وہ توحیداری

کی وجہ سے ہمیشہ باپردہ نہاتے رہتے تھے۔ تاہم فَبَرَّاهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا (الاحزاب ۶۹) اللہ نے آپ کو اس الزام سے بھی بری کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے برادر زادے قارون نے آپ پر بدکاری کا الزام لگایا (العیاذ باللہ) مگر اللہ نے اسی کو ذیل کیا حتیٰ کہ وہ بمع مال و دولت زمین میں دھنس گیا۔ اس قسم کی اذیتیں تھیں جو اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیتے رہتے تھے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو۔ الا انکم تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ایسا ہی واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں بھی ملتا ہے۔ جنگ ختین کے موقع پر مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک شخص نے کہا، اللہ کے رسول! آپ انصاف کریں۔ اس پر آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں اور کون انصاف کرے گا۔ خدا کے فرشتے اور خود اللہ تعالیٰ بھی مجھے امین سمجھتا ہے مگر تم مجھے غائن سمجھتے ہو۔ کس قدر ظلم کی بات ہے آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوسٰی لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرٍ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اُن کو تو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ الغرض! موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم مجھے تکلیف دیتے ہو حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

بہر حال بنی اسرائیل کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے قَلَمًا زَاغُوا جب وہ لوگ کج رفتار ہو گئے یعنی ٹیڑھا چلنے لگے اِذَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا۔ جب کوئی شخص کسی بد عملی پر اصرار کرتا ہے۔ تو پھر وہ اس میں پختہ ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک چھوٹا سا سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے تو وہ داغ دھل جاتا ہے۔ اور اگر اس گناہ پر اصرار کرتا ہے تو داغ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (البقرہ - ۷) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں صحیح چیز کو

دلوں کی  
کج روی



قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اور ان نیک کی توفیق سے محروم ہو جاتا۔  
 حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کسی گناہ کو حقیر نہ جانو کیونکہ تنکا تنکا جمع ہو کر  
 بھی پہاڑ بن جاتا ہے۔ اسی طرح کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ اگر مسیح  
 سے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینک دو تو یہ بھی ایک نیکی ہے۔ نیکیاں اور برائیاں ساری  
 جمع ہوتی رہتی ہیں، ان کو حقیر نہ جانو کیونکہ یہ آگے چل کر پہاڑوں کی صورت میں  
 نظر آئیں گی۔

بنی اسرائیل نے اپنی کجروی کی وجہ سے اپنے نبی کو ایذا پہنچائی تو ان کے دل  
 ٹیڑھے ہو گئے اور آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی وہ تنگ دل اور سیاہ  
 باطن ہی ہیں مسیح علیہ السلام کے ساتھ بھی اسرائیلیوں نے بدترین سلوک کیا حتیٰ کہ آپ  
 کی جان کے درپے ہو گئے۔ آپ کو دجال کہتے اور منہ پر قھوکتے تھے، پتھر پارتے  
 الزام تراشی کرتے اور گالیاں دیتے تھے۔ ان کے دل بھی ٹیڑھے ہو گئے اور  
 ان میں نیکی کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہی۔ ایسے لوگ برائیاں لے کر ہی اگلے جہان  
 میں جاتے ہیں ان حالات میں اصول یہ ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ  
 کہ اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کی راہنمائی نہیں کرتا۔ جب تک کوئی شخص کفر، شرک  
 فسق، بدعت اور معصیت کرتا رہے نہیں کرتا اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنَىٰ إِسْرَءِيلَ إِنِّي  
رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مَّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ  
التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ  
أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ  
مُبِينٌ ⑥

ترجمہ :- اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل !  
بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ میں تصدیق کرنے  
والا ہوں اُس کی جو میرے آگے ہے تورات۔ اور میں  
خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کے ساتھ جو آنے والا  
ہے میرے بعد اور جس کا نام احمد ہے۔ پس جب آئے  
اُن کے پاس وہ کھلی نشانیاں لے کر تو کہنے لگے وہ لوگ  
کہ یہ تو کھلا جادو ہے ⑥

پہلے اللہ نے اپنی توحید اور تشریح کا ذکر کیا اور پھر قول اور فعل کے تضاد  
کو رفع کرنے کے لیے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس  
کو کرتے نہیں۔ یہ تو اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی والی بات ہے۔ فرمایا اللہ  
کے نزدیک پسندیدہ عمل دشمنوں کے ساتھ صفت بستہ ہو کر جنگ کرنا ہے  
پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا حال بیان کیا۔ اور اُن کی نافرمانی اور عصیت  
کا شکوہ کیا۔ کہا تم مجھے کیوں تکلیف دیتے ہو۔ حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مگر  
وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کرتے اور ان کو اذیتیں پہنچاتے رہے جس کا نتیجہ

ربط آیت

یہ ہوا کہ اُن کے دل ٹیڑھے ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے نافرمانوں کو ہر اہمیت نصیب نہیں ہوتی۔ یہ ذکر کر کے اللہ نے آخری رسول کی آخری امرت کو تنبیہ کی ہے کہ وہ قوم موسیٰ جیسے کام کر کے اپنے نبی کو اذیت نہ پہنچائیں ورنہ ان کے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے اور وہ نیکی سے محروم ہو جائیں گے۔

سابقہ کتب  
کی تصدیق

موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے جس میں آپ کے دو فرائض کو بیان کیا ہے۔ پہلا یہ کہ آپ سابقہ کتب کے مصدق ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ آخری نبی کی بشارت سنانے والے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اور اس بات کو دھیان میں لاؤ جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا۔ قرآن حکیم میں مسیح علیہ السلام کو عیسیٰ ابن مریم کہہ کر ہی خطاب کیا گیا ہے آپ کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ تو آپ نے کہا يٰبَنِيَّ اسْرَءٰیْلُ اے بنی اسرائیل! یہ وہی لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء نے کرام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو آپ نے کہا الّٰہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ الْکَکُمِّ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور میں کسی چیز کو مٹانے کے لیے نہیں آیا بلکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْ مِنَ التَّوْرٰتِ میں اپنے سے پہلے آنے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ وہ اللہ کی عظیم الشان اور برحق کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

یہ سلسلہ اصول ہے کہ ہر نبی اپنے سے پہلے آنے والے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں اگر کوئی حکم اللہ تعالیٰ منسوب کرنا چاہتا ہے تو اس کو اگلے نبی کی زبان سے واضح کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان ہے جس کو اللہ نے سورۃ آل عمران میں نازل فرمایا ہے۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْ مِنَ التَّوْرٰتِ وَلَا جِلَّ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ (آیت: ۵)





معصیت سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ نے آپ کے ذریعے ان قباحتوں کو ختم کیا، اور پھر دنیائے دیکھا کہ صرف پچاس سال کے عرصہ میں دنیا کا نصف سے زیادہ حصہ اسلام کے زیر تسلط آپکا تھا اور باقی نصف دنیا میں بھی لوگ اسلام سے روشناس ہو چکے تھے۔ غرضیکہ آپ کا نام ہمارے (مٹانے والا) اس لیے ہے کہ اللہ نے آپ کے ذریعے کفر و شرک کا قلع قمع کیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرا نام عاشر ہے۔ میرے سامنے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ اللہ نے دنیا میں بھی مختلف اقوام کو آپ کے سامنے جمع کیا، اور قیامت والے دن جب مقام محمود پر فائز ہونے کا وقت آئے گا تو ساری کائنات آپ کے سامنے اکٹھی ہو جائیگی۔ فرمایا میں عاقب یعنی سب سے بعد میں آنے والا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دعا خلیل  
اور توبہ بجا

منذ احمد کی روایت میں آتا ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا، حضور! اپنی نبوت کی ابتداء کے متعلق کچھ فرمائیں، تو آپ نے فرمایا اَنَا دَعَوْتُ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ یعنی میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہوں آپ نے دعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ (البقرہ: ۱۲۹) پروردگار! اس امت میں ایک عظیم الشان رسول برپا کر۔ یہ اُس وقت کی دعا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی لہذا اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو رکھنے کی بے آب و گیاہ زمین میں آباد کیا تھا آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی والدہ کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری ولادت سے پہلے میری والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ اُن کے پیلو سے ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی ہے۔ جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ خواب بھی پورا ہوا۔ اور آپ کے ذریعے سے کفر و شرک کے اندھیرے دور ہوئے اور مشرق و مغرب میں ایمان اور توحید کی روشنی پھیلی۔

انگریزوں کے زمانے میں برصغیر کے مسلمانوں کی حالت بڑی اتر تھی۔ ہر شریف

آدمی کو ذیل کیا جاتا تھا۔ سورۃ النمل میں بھی آتا ہے۔ اِنَّ الْمُلُوكَ اِذَا دَخَلُوا  
 قَرْیَةً اَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا اَعْنٰةَ اَهْلِهَا اِذْلًا (آیت ۳۴) جب  
 ملوک کسی بستی یا ملک میں داخل ہوتے ہیں تو فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے ہیں، قتل و غارت  
 ہوتا ہے اور وہاں کے شر فساد کو ذیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ صغیر میں بھی ایسا ہی ہوا۔  
 لوگوں کو منہ لٹے موت دی گئی، بعض کو کالے پانی بھیجا گیا، جیلوں میں ڈال دیا گیا اور  
 جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو کھنڈر کیا اور ہندوؤں کو آگے لانے  
 کی کوشش کی۔ اس دوران میں پانی پت میں مولانا حالی پیدا ہوئے ۱۸۵۶ء میں  
 دہلی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ مولانا قاری عبدالرحمان پانی پتی کے شاگرد  
 تھے جو مولانا شاہ اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ بعد میں  
 مولانا حالی نے بڑی شہرت پائی۔ انہوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذکر اپنی  
 مشہور زمانہ نظم مد و جزیر اسلام میں کیا۔ یہ نظم سب سے حالی کے نام سے مشہور ہے  
 اس میں آپ نے حضور علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

ہوئی پہلے آمنے سے ہویدا

دعاے خلیل و نویر مسیحا

اصل انجیل سریانی زبان میں تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ مسیح علیہ السلام نے کہا  
 اے لوگو! میں اپنے پروردگار کے پاس جاؤں گا۔ اور وہاں سے تمہارے پاس  
 فارقلیط آئے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے گا اور جس کی شریعت دائمی ہوگی۔  
 فارقلیط احمد کا ہم معنی لفظ ہے یعنی تعریف والا استودہ صفات اور خدا تعالیٰ  
 کی بہت تعریف کرنے والا۔ پچھلی صدی تک انجیل میں یہ لفظ موجود تھا۔ مگر آج  
 کل جو محمد نامہ جدید اور محمد نامہ قدیم ہے، اس میں یہ لفظ نکال کر اس کی جگہ پر گا  
 یا شفیع کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فارقلیط کے لفظ سے دین اسلام کی  
 صداقت ظاہر ہوتی تھی جو عیسائیوں کے لیے قابل قبول نہیں لہذا انہوں نے  
 تحریف کر کے یہ لفظ ہی نکال دیا۔ انجیل میں یہ پیشین گوئی بھی موجود تھی کہ فارقلیط

انجیل میں  
 شہر قیامت



دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ قازان کی چوٹیوں سے کئے گئے چنانچہ فتح منکر کے دن یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی۔ حضور علیہ السلام دس ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے۔ چونکہ اس سے بھی دین اسلام کی صداقت ظاہر ہوتی تھی لہذا عید کے لئے اس مقام پر بھی دس ہزار کی بجائے موجودہ انجیل میں لاکھوں کا لفظ لکھ دیا ہے۔ خود قرآن نے شہادت دی ہے کہ یہ بڑے غلط کار لوگ ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب کے ہر آیت میں کوئی نہ کوئی تحریف کر دی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عیسائی حضور علیہ السلام کو بھی اس طرح نبی تسلیم نہیں کرتے جس طرح یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کسی ایک کا انکار بھی کفر کے مترادف ہے۔

بہر حال مسیح علیہ السلام کا ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت سنا دیتے تھے۔ مگر ہوا کیا؟ قُلْنَا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَجِبِ وہ اللہ کا آخری نبی کھلی نشانیاں لے کر آیا قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ جَاءَ مَسِيحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ جب مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان کی تکذیب کر دی اور جب حضور خاتم النبیین تشریف لائے تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ وہ رسول نہیں ہے جس کی بشارت سابقہ کتب میں دی گئی ہے۔ اسی طرح قریش مکہ نے بھی آپ کی رسالت کا انکار کیا بلکہ آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے، کبھی کاہن کہا، کبھی شاعر اور کبھی جبروتا (العیاذ باللہ) کبھی کہتے کہ یہ شخص کسی عجیب

غلام سے سیکھ کر آتا ہے اور چارے سامنے قرآن بنا کر پیش کر دیتا ہے جب انہوں نے شوق القمر بیا واضح معجزہ دیکھا تو کہنے لگے سِحْرٌ مُّبِينٌ (تقریر ۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے، پہلے بھی چلتا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔

الغرض! حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر کمرہ کے اہل ایمان کو بات  
 سمجھائی گئی ہے کہ وہ اُن انبیاء کی قوموں کی طرح نہ ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ  
 تمھارے دل بھی سیاہ ہو جائیں اور ہدایت سے ہی محروم ہو جاؤ۔ اس سلسلے کا ذکر  
 آگے بھی آ رہا ہے۔

---

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ  
يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾  
يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ  
مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٦﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ  
رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينٍ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى  
الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٧﴾

۱  
۶۱  
۹

ترجمہ :- اور اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس  
نے اللہ پر جھوٹ باندھا، اور اس کو دعوت دی جا رہی  
ہے اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ظالم  
قوم کو ﴿۵﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے  
نور کو اپنے مومنوں کی پھونکنوں سے، اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے  
والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں ﴿۶﴾  
وہ وہی اللہ کی ذات ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول  
کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کر دے  
تمام ادیان پر، اگرچہ اس کو ناپسند کرتے ہیں مشرک  
کمرے والے ﴿۷﴾

پچھلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا تاکہ لوگ آپ کے نقش قدم  
پر چلتے ہوئے اللہ کے راستے میں آنے والی تکالیف کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت  
رہیں۔



کہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قوم سے خطاب اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی بعثت کی بشارت کا ذکر ہوا۔ مگر جب حضور علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ یہ بات خود مسیح علیہ السلام پر بھی صادق آتی ہے کہ جب انہوں نے بھی نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی تو انہوں نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ آپ کو جھوٹا درجال کہا۔ یہ حال اشر نے تکبرین کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے اور اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ وہ دین حق پر ثابت قدم رہیں۔ خواہ اس لئے میں کتنے بھی مصائب برداشت کرنا پڑیں۔

نہجاشی کا  
قبول اسلام

جب حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی تو مشرکین مکہ نے صاف انکار کر دیا اور آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچانا شروع کر دیں حتیٰ کہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں نہجاشی والی حبشہ کی طرف روانہ کیا کیونکہ وہ ایک منصف مزاج آدمی تھا۔ چنانچہ تقریباً اسی مردوں اور کچھ عورتوں کا قافلہ حبشہ کی طرف چلا گیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضور علیہ السلام کی صاحبزادی رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ جب یہ لوگ حبشہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے ان کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دو آدمیوں عمرو بن العاصؓ اور عمار بن ولیدؓ کو حبشہ بھیجا تاکہ وہاں کے بادشاہ کو بلا پیلا کر مسلمانوں کے اخراج پر آمادہ کیا جاسکے۔ یہ دونوں اشخاص اُس وقت اسلام اور مسلمانوں کے سخت مخالف تھے تاہم حضرت عمرو بن العاصؓ بعد میں جاں نثاران اسلام میں شامل ہو گئے۔

حبشہ کے بادشاہ کا نام اصمہ اور نہجاشی لقب تھا۔ جب یہ دونوں نہجاشی کے دربار میں پہنچے تو اس کو سجدہ کیا اور پھر دائیں بائیں بیٹھ کر کہنے لگے کہ ہمارے

کچھ آدمی آپ کی سرزمین میں بھاگ آئے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمارا پرانا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے، لہذا ان کو ہمارے ساتھ واپس کیا جائے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں تو کہنے لگے کہ آپ کے ملک میں فلاں جگہ مقیم ہیں اپنے آدمی بھیج کر بلوائیں، چنانچہ مسلمانوں کو بلوایا گیا۔ ان کے نمائندہ کے طور پر حضرت جعفرؓ آگے بڑھے مگر نجاشیؓ کو مسجد کے بغیر دربار میں چلے گئے، بادشاہ نے پوچھا تم نے یہاں کے قانون کے مطابق مجھے مسجد کیوں نہیں کیا؟ تو حضرت جعفرؓ نے کہا اللہ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جس نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے لیے مسجد روا نہیں ہے اللہ کے اس نبی نے ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اتنے میں مشرکین کے نمائندوں نے کہا کہ بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ نجاشیؓ نے پوچھا کہ بتاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہم تو جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے فرمان کے مطابق ہی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ کا کلمہ میں جس کو اس نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک کر بغیر باپ کے پیدا کیا۔ گویا وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک روح ہے جو مریمؑ کے گریبان میں ڈالی گئی جب کہ مریمؑ دو شیرہ لقمی۔ نجاشیؓ نے یہ بات سن کر زمین سے ایک تشکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ حبشہ والوں سن لو، اللہ کی قسم ہے جو کچھ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے وہ اس سے اس تشکے کے برابر بھی بڑھ کر نہیں۔ پھر نجاشیؓ نے حضرت جعفرؓ کو مہربان کیا اور اسے ہستی کر بھی جس کی طرف سے وہ آئے تھے۔ کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے جس ہستی کا ذکر کیا ہے وہ واقعی خدا کا رسول ہے اور وہ وہی ہے جس کی بشارت انجیل میں موجود ہے۔ پچھلے دس میں گزرا چکا ہے وَمَبَشِّرْهُم بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (آیت ۶) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہیں اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دیتے والا ہوں جس کا نام ناجی احمد ہوگا اور یہ وہی ہے یَحْدُوْنَهُ مَكْنُوْنًا عِنْدَ هَرَقِي

التَّوْبَةُ وَالْإِحْسَانُ (الاعتراف - ۱۵۷) جس کا نام اہل کتاب تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ بہر حال ساری بات سن کر نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور آپ کے ساتھیوں سے کہا کہ تم میرے ملک میں جہاں چاہو رہ سکتے ہو، تم پر کوئی پابندی نہیں۔ اُس نے مشرکین مکہ کے مطالبے کو کچھ وقعت نہ دی اور جو تحائف انہوں نے بھیجے تھے وہ بھی واپس کر دیے۔ اس طرح مشرکین مکہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔

نجاشی معتدل مزاج اور سلیم الفطرت آدمی تھا۔ اُس نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بادشاہی کا کاروبار میرے ذمے نہ ہوتا تو اللہ کی قسم میں اُس پیغمبر کے پاس جاتا، اس کے جوتے اٹھاتا، اس کے پاؤں دھوتا اور اس کو دھو کر آتا۔ پھر کئی سال بعد جب نجاشی فوت ہوا تو اللہ نے حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دی کہ نجاشی فوت ہو گیا، اس کا جنازہ پڑھا جائے۔ حضور علیہ السلام لوگوں کو باہر عید گاہ کے میدان میں لے گئے اور پھر نجاشی کا جنازہ پڑھا گیا۔ یہ نجاشی کی خصوصیت تھی۔ بہر حال منصف مزاج لوگ حق بات کو قبول کر لیتے ہیں مگر ظالم قبول نہیں کرتے۔

آج کی آیات بھی گزشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہیں۔ پچھلے درس میں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو نبی آخر الزمان کے آنے کی خوشخبری سنائی مگر جب وہ اللہ کا آخری نبی آگیا یا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے تو لوگوں نے گھلا جادو کہہ کر انکار کر دیا۔ اب ایسے منکرین کی مذمت بیان ہو رہی ہے وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا وَهُوَ يَدْعِي إِلَى الْإِسْلَامِ حالانکہ اُسے اسلام کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ اُسے یہ حقیقت بتلائی جا رہی ہے کہ یہ سچا دین ہے جو سارے نبیوں کا دین ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دین پر کار بند تھے۔ یہ وہی توحید، عقائد اور ایمانیات ہیں۔ جو شروع سے چلے آ رہے ہیں۔ زمانے کے لحاظ سے بعض انبیاء کے ادوار میں بعض فرامات میں کچھ رد و بدل ہوتا رہا ہے مگر نہ اصول دین میں تو سارے نبی متفق ہیں۔ اللہ

منکرین اسلام  
کے لیے وعید



نے سارے نبیوں سے یہ فرمایا ہے اِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً (الانبیاء) ۹۲  
 کہ یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ فرمایا یہ لوگ تو بہت دھرمی  
 ضد اور عناد پر قائم ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ  
 بے انصاف قوم کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ جب تک کوئی شخص ظلم اور نا انصافی کو ترک  
 نہ کرے اُسے راہِ راست نصیب نہیں ہو سکتا۔

فرمایا يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ لوگ اپنے  
 مونہوں کی چھوٹوں سے اللہ کے نور کو بجھا دینا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ  
 اللہ کا دین چار دانگ عالم میں روشنی نہ پھیل سکے بلکہ یہیں ختم ہو جائے، اسی لیے  
 وہ سابقہ کتب میں آنے والی پیشین گوئیوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ  
 لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ وَاللّٰهُ مُسَيِّرُ نُوْرِهِ اللہ تعالیٰ  
 اپنے نور کو پورے کرنے والا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ اگرچہ کافر لوگ اس کو  
 ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ چنانچہ مخالفوں کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں اور وعدے کے  
 مطابق اللہ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔

تعلیمِ دین  
 کی بشارت

اگلی آیت میں غلبہ دین کی بشارت سنائی جا رہی ہے۔ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ  
 رَسُوْلَكَ بِالْحَقِّ وَدِيْنِ الْحَقِّ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے  
 رسول کو ہدایت اور دینِ حق سے کر بھیجا۔ یہ آیت سورۃ توبہ اور سورۃ فتح میں  
 بھی آچکی ہے جو کہ حضور علیہ السلام اور دینِ اسلام کی صداقت کی دلیل ہے اللہ  
 نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین کے لیے بھیجا ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ  
 كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ تاکہ اسے تمام ادیان کے مقابلے میں غالب کرے  
 اگرچہ مشرک کرنے والے ناپسند کرتے ہیں۔ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب  
 مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی اور تعداد بھی بالکل کم تھی۔ ایسی حالت میں اسلام  
 کے تبلیغ کا دعویٰ کرنا شانِ خداوندی ہی کے لائق ہے۔ پھر حضورؐ سے ہی عرصہ میں  
 اللہ نے دینِ حق کو عروج عطا فرمایا اور اس قدر مستوحات حاصل ہوئیں کہ دنیا

کی کوئی طاقت متعلقہ میں آنے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ یہ عمومی غلبہ تھا جو حضور علیہ السلام کی نبوت کے دلائل میں سے ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت دنیا میں عام تھی۔ کہیں صاحبزادے کا دین تھا اور کہیں ہندوستان میں بت پرست بھی تھے۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو باقی تمام ادیان کی روشنیوں نے پڑ گئیں اور اس آیت کے مطابق مسلمانوں کو عمومی غلبہ حاصل ہو گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں یہ غلبہ صرف ملک عرب تک محدود رہا، باقی ممالک خلفائے راشدین کے زمانہ میں مشرق بہ اسلام ہوئے، خلفائے راشدین نبی علیہ السلام کے اصحاب و خوارج کی مانند تھے جنہوں نے آپ کے مشن کی تکمیل کی۔ خلفائے راشدین کے زمانے کی کامیابیاں بھی حضور علیہ السلام کی طرف ہی منسوب کی جاتی ہیں کیونکہ یہ ایک عام اصول ہے کہ جب کوئی فوج ملک فتح کرتی ہے تو وہ فتح بادشاہ یا خلیفہ کی طرف ہی منسوب کی جاتی ہے جس نے مذکورہ فوج کشتی کا فیصلہ کیا ہو تب ہے۔ اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حاصل ہونے والا غلبہ بھی دراصل حضور علیہ السلام اور دین حق کا غلبہ ہی سمجھا جائے گا۔ غرضیکہ اللہ نے دین کے عمومی غلبے کا وعدہ پورا فرما دیا۔

عمومی غلبے کے متعلق مفسرین کرام تین باتیں بیان کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے لے کر واقعہ صفین تک پچاس سال کے عرصہ میں تقریباً نصف دنیا پر اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ اسلام کو دوبارہ عمومی غلبہ اس وقت حاصل ہو گا۔ جب مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ آپ زمین پر حضور علیہ السلام کے ایک نائب اور امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمام باطل ادیان کو ختم کر دیگا اور صرف دین اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ درمیانی عرصہ میں اب اسلام کو سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہے اگرچہ دلیل اور برطان کے لحاظ سے ہمیشہ غالب رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں میں کمزوری آگئی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا تسلط قائم نہیں رہا۔ اس سلسلے میں

عمومی غلبے  
کیئے شرائط

تیسری بات مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ عمری غلبہ اسلام کے لیے اللہ نے سورۃ نور میں یہ شرط لگا دی ہے۔ **يَعْبُدُونَنِي وَلَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا (آیت - ۵۵)** کہ اہل ایمان خالص خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ اگر مسلمان یہ شرط پوری کریں گے تو ان کو تمام اقوام عالم اور ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ جب تک مسلمان اس معیار پر قائم ہے ان کو دنیا پر سیاہی غلبہ حاصل رہا۔ مگر جب بے عملی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ تو اللہ نے عمری غلبہ سے بھی محروم کر دیا۔ مسلمانوں پر زوال آنا شروع ہو گیا حتیٰ کہ انگریزوں کے عروج کے زمانہ میں خلافت کا ڈھانچہ بھی ختم ہو گیا اور دنیا بھر کے مسلمان انتقار کا شکار ہو گئے آج وہ غالب ہونے کی بجائے مغلوب اور مقہور ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو ترک کر چکے ہیں۔

مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ مسلمان قوم اور ان کے حکمرانوں کا فرض تھا کہ وہ اسلام کے عمری غلبے کو قائم رکھتے۔ غلبہ چھین جانے کی کوئی ترجمہ خدا کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگی۔ اگر ہم دین اسلام کے اصولوں پر قائم نہ رہے اور جس کے نتیجے میں یہ غلبہ ہمیں چلے گا تو اس میں قصور ہمارا ہے لہذا ہم سب عند اللہ مجرم بن جائیں گے آج نفاذ اسلام کا دعویٰ تو کیا جارہا ہے کہ اس کو جتنی نافع کریں گے مگر عملی طور پر کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ دراصل موجودہ دنیا کے مسلمان حکمران بھی نفاذ اسلام میں مخلص نہیں ہیں۔ یہ تو منافقت ہے کہ دعویٰ اسلام کا کیا جارہا ہے مگر ہر حکومتی معاملہ میں سیور و نصاریٰ اور دہریے وغیل ہیں۔ اس وقت مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کا نہ عقیدہ درست ہے نہ ایمان اور نہ اخلاق۔ دراصل انہیں اسلام کی حقانیت پر یقین ہی نہیں ہے اسی لیے تو روس امریکہ، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے نظام کو پند کیا جاتا ہے اور ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے حالانکہ اسلام کا اپنا نظام حیات ہے جس کو اپنانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس ضمن میں جبرائیل سے کام لے کر اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ ورنہ درمیانی راستہ کوئی نہیں ہے۔ جس

مسلمان حکمرانوں  
کی ذمہ داری



پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ رہا ہیت بالغہ کے تمام مسئلے بند کرنا ہونگے  
 اصول کی پابندی ہر چھوٹے بڑے کے لیے یکساں کرنا ہوگی، اسلامی عبادات کا  
 نظام رائج کرنا پڑے گا، اقتصادی طور پر اغیار کی غلامی سے نجات حاصل کرنا ہو  
 گی، تب جا کر نفاذ اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔ بعض اچھی باتیں تو غیر  
 مذاہب اور لاد مذہب لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں، محض ان پر بھروسہ کر کے اسلام  
 نافذ نہیں کیا جاسکتا تمام مسلمانوں کی عمومی اور حکمرانوں کی خصوصی ذمہ داری ہے کہ  
 وہ علیہ اسلام کے لیے عملی کوشش کریں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب  
 کہ نظام اسلام مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے۔

بہر حال اللہ نے ابتدائی دور میں علیہ اسلام کا وعدہ پورا کر دیا جس کو بعد میں  
 خود مسلمانوں نے ضائع کر دیا۔ احادیث کی کتابوں اور علمائے کرام کی زبانوں سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آخری دور میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر پھر  
 پورا ہوگا۔ جب دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ  
 مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ⑩ تُوْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَ  
 تَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ  
 ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ  
 ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
 الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَٰلِكَ  
 الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑫ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ  
 اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ⑬ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ⑭

ترجمہ :- اے ایمان والو! کیا میں تمہاراں تم کو ایسی تجارت  
 جو تم کو بچائے دردناک عذاب سے ⑩ ایمان لاؤ  
 اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ  
 میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۔ یہ بہتر ہے تمہارے  
 لیے اگر تم جانتے ہو ⑪ وہ بخش دے گا تم کو  
 تمہارے گناہ ، اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن  
 کے سامنے نہریں بہتی ہیں ، اور پاکیزہ گھروں میں رہنے  
 کے باغوں میں ۔ یہ ہے کامیابی بڑی ⑫ اور ایک  
 دوسری چیز بھی تم کو حاصل ہو گی جس کو تم پسند  
 کرتے ہو ، مدد اللہ کی طرف سے اور جلد ہی فتح ۔ اور

خوشخبری منا دو ایمان والوں کو (۱۳)

رابط آیات

پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ اللہ نے اپنے برگزیدہ رسول کو ہدایت اور  
سچا دین دے کر مبعوث فرمایا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان کے مقابلے میں  
غالب کر دے خواہ مشرک لوگ اس کو ناپسند ہی کریں۔ اللہ کے نزدیک سچا دین  
یہی دین اسلام ہے لہذا منسلکے خداوندی یہی ہے کہ یہ دین باقی تمام ادیان پر غالب  
ہو۔ یہ غلبہ باعتبار دلیل اور برہان تو ہر وقت حاصل رہا ہے، اور موجودہ دور میں  
بھی یہ غلبہ قائم ہے۔ مگر جس غلبہ کی بات یہاں ہو رہی ہے اس سے ظاہری غلبہ مراد  
ہے یعنی اسلام کے نظام اور قانون کو بھی تمام ادیانِ عالم اور قوانین کے مقابلے میں  
غالب قرار دیا جائے۔۔۔ اور اس کو برتری حاصل ہو۔ اب اس مقصد کے حصول  
کے لیے عملی جدوجہد کرنا اللہ کے نبی اور اس کے پیروکاروں کا کام ہے چنانچہ  
سورۃ الفتح میں اللہ نے اس برگزیدہ جماعت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جنہوں نے  
اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ  
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ (آیت ۲۸) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ  
کے برگزیدہ سچے اور آخری رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی صحابہ کرام  
کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ اولین جماعت صحابہ کرام  
کی تھی۔ جس نے کفر کا مقابلہ کر کے دین اسلام کو ظاہری طور پر بھی غالب بنایا۔ اور پھر  
ان کے بعد یہ ذمہ داری جماعت المسلمین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ دین حق کو دوسرے  
ادیان پر غالب رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم مقصد کے لیے بڑی جدوجہد اور جانی و مالی  
قربانی کی ضرورت ہے۔ ابتدائی دور میں اللہ نے دین اسلام کو ہر لحاظ سے دوسرے ادیان  
پر غالب کر دیا مگر جب انحطاط پیدا ہوا تو مسلمانوں میں کمزوری آگئی اور دین کو عمومی غلبہ  
حاصل نہ رہا۔ چنانچہ انحطاط کا یہ دور آج تک چل رہا ہے۔

اب اسی عمن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دو باتوں کی تلقین فرما کر باور کرایا  
ہے کہ اگر تم یہ دو کام کر لو گے تو تم ہمیشہ کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ ان دو امور



میں سے ایک ایمان ہے جس سے انسان کی انفرادی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے، اور دوسرا جہاد فی سبیل اللہ ہے جس سے اجتماعی اصلاح اور غلبہ دین حاصل ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اءِ اِيْمَانُ وَالْوَاھِلُ اَدُلْكُمُ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اِلَيْهِ كَمَا يُمْسِيْنَ اِيْمَانِ اِيْسِي تِجَارَتِ بتلاؤں جو تمہیں آخرت کے دردناک عذاب سے بچائے؟ یہ ایک ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا بلکہ انسان کامیاب و کامران ہو جائے گا۔ اس نفع بخش تجارت کا پہلا اصول یہ ہے تَوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر پختہ طریقے سے یقین کرو اور قلب کی گہرائیوں سے تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود، خالق، مالک، مدبر، الہ اور مستحق عبادت ہے۔ وہ تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہے اور تمام عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے۔ اُس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وہ علیم کل، قادر مطلق، نافع و ضار ہے وہ اپنی ساری کائنات کا مالک، مختار اور بلا شرکت غیرے متصرف ہے۔

ایمان کا دھڑلہ جزو ایمان بالرسول ہے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔ اللہ نے آپ پر عظیم کتاب قرآن کریم نازل فرمائی ہے۔ آپ پوری کائنات کے سردار اور تمام بنی آدم اور ملائکہ مقربین سے افضل ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب اور صاحب مقام محمود ہیں۔ اسی طرح تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ نے ہر دور میں مخلوق کی ہدایت کے لیے نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ تمام انبیاء اور رسل اللہ کے برگزیدہ بندے اور معصوم ہیں، ہر ایک نے فریضہ رسالت مکمل طور پر ادا کیا اور اس میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے علاوہ ملائکہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کائنات کے نظام کو چلانے اور بنی نوع انسان کی

اللہ اور  
رسول پر  
ایمان

مصلحت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔  
 کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، سب اللہ تعالیٰ  
 کے علم اور اس کی مشیت سے ہو رہا ہے، اور پھر آخر میں قیامت کے برحق ہونے پر ایمان لانا  
 بھی ضروری ہے۔ بعثت بعد الموت برحق ہے۔ جزا و سزا کی منزل آنے والی ہے  
 جس سے ہر انسان دوچار ہوگا۔

جہاد فی  
 سبیل اللہ

نفع بخش تجارت کا پہلا اصول اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول  
 پر ایمان لاؤ۔ اسے دوسرا اصول جس پر علمہ دین کا دار و مدار ہے، وہ یہ ہے کہ  
 تَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ كَمَا اللَّهُ كَمَا رَسَمَ  
 میں جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ کہ یہ بھی عذاب الیم سے  
 بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہر مسلم الفطرت انسان کی انتہائی تمنا یہی ہو سکتی ہے کہ وہ  
 دوزخ کے عذاب سے بچ جائے اور اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں داخل ہو  
 جائے۔ اللہ نے سورۃ آل عمران میں واضح طور پر فرمادیا ہے فَسَمَنَ رَحْمَتِ  
 عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ قَازَ (آیت ۱۸۵) جو شخص دوزخ سے  
 بچا لیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ بلاشبہ انسان کی حقیقی  
 کامیابی یہی ہے۔ نیز ضیکہ یہ کامیابی دو چیزوں کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے یعنی ایمان باللہ  
 اور جہاد فی سبیل اللہ سے ایمان کے ذریعے انسان کو نفسی یا روحانی ترقی نصیب  
 ہوتی ہے۔ جب کہ جہاد کے ذریعے تکمیلِ خیر یا اصلاحِ عالم کا مقصد حاصل ہوتا  
 ہے۔ یہ دونوں پروگرام اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں واضح کر دیے ہیں۔  
 دنیاوی اعتبار سے جہاد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی نظام درست  
 نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر نہ ارتقا فات معاشیہ صحیح ہوں گے اور نہ معاشرہ کی  
 حالت درست ہو سکتی ہے۔ حدود و تعزیرات کا قیام شر و فساد سے بچنے کے  
 لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی واسطے اللہ نے جہاد کی غرض و غایت اس طرح بیان  
 فرمائی ہے۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ

(البقرہ - ۱۹۳) اُن سے اُس وقت تک لڑتے رہو حتیٰ کہ فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور ملک میں صرف خدا کا دین قائم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ فتنہ و فساد فرو ہو کر دین کا قیام عمل میں آنا چاہیے اور پھر اس دین پر عمل کرنے والوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہونی چاہیے۔ لوگوں کے درمیان ظلم و زیادتی اور جبر و عدوان اسی طریقے سے ختم ہو کر عدل و انصاف کی فضا قائم ہو سکتی ہے، اور لوگوں کے پر امن زندگی گزارنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقی میں فرماتے ہیں کہ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ جہاد کی دو قسمیں

یعنی دفاعی جہاد (DEFENSIVE WAR) اور اقدائی جہاد (WAR OFFENSIVE) دفاعی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے اسواں کرنے سے بچایا جائے، اُن کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بننے سے بچایا جائے، لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے اور قتل و غارت گری سے اُن کا دفاع کیا جائے اس کی مثال بنی اسرائیل کے حالات میں ملتی ہے۔ اُن کو بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اُن کے اہل و عیال کو بے آبرو کیا گیا، تو انہوں نے اپنے دور کے نبی کی خدمت میں عرض کیا اِذْقَالُوا لِنَبِيِّنَا لَہُمْ اَبْعَثْ لَنَا مَدْعًا نَقَاتِلُ فِيْ سَبِيلِ اللّٰہِ (البقرہ - ۲۴۶) کہ ہمارے لیے کوئی کمانڈر مقرر کر دیں۔ جس کی سرکردگی میں ہم دشمن کا مقابلہ اور اپنا دفاع کر سکیں۔ ہم اپنے ظالم دشمنوں سے ٹکرا جانا چاہتے ہیں تاکہ اپنے دین، مذہب اور عزت و آبرو کو اُن کی دست برد سے بچا سکیں

اقدائی جہاد وہ جہاد ہے جو انسانی سوسائٹی کے گندے عناصر کے قلع قمع کے لیے عمل میں لایا جائے۔ جب درندہ صفت لوگ اپنی درندگی کا اظہار اپنی قبیح حرکات اور شنیع افعال سے کرنے لگیں، اپنی شہوانی خواہشات کو غلط ذریعہ سے پورا کرنے کی کوشش کرنے لگیں تو اُن کی سیرت بگڑ جاتی ہے اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ نے کتابیں نازل فرمائیں



اور اپنے انبیاء کے ذریعے انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ پھر اگر ایسے لوگوں کی اصلاح کسی صورت میں بھی ممکن نہ ہو تو انہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگوں کی مثال انسانی جسم میں پیدا ہونے والے فاسد مادہ از قسَم پھوڑا وغیرہ کی ہوتی ہے کہ جب کاٹنا ضروری ہو جاتا ہے وگرنہ سائے جسم کے متاثر ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس طرح باقی جسم کو بچانے کے لیے جسم کے متاثرہ عضو کو کاٹ ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے سے ناپسندیدہ عناصر کا قلع قمع بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ یہ عنصر باقی معاشرے کی خرابی کا باعث نہ بنے۔ یہی اقدامی جہاد ہے جس سے معاشرہ کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ذریعے معاشرے سے نابود کر دیا جاتا ہے تاکہ انسانی سوسائٹی میں مزید بگاڑ پیدا نہ ہو۔ اللہ نے سورۃ الحج میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (آیت - ۴۰) اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو علیائوں کے گرجے، ایودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں ظالموں کی دست برد سے محفوظ نہ رہتیں۔ اسی لیے اللہ نے اہل ایمان سے فرمایا ہے کہ ایسے شریکوں کا مقابلہ کرتے رہو تاکہ زمین شر و فساد سے پاک ہے اور انسانی سوسائٹی امن کا گوارہ بن جائے۔ یہ اقدامی جہاد کی برکت ہے کہ مسلمانوں کو غلبہ اور عزت حاصل ہوتی ہے، ورنہ وہ غلام بن کر عذاب الیم کا مزا چکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب بھی مسلمانوں میں جذبہ جہاد کمزور پڑ جاتا ہے وہ اسی قسم کے حالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انصاف سے دیکھا جائے تو ساتویں صدی ہجری کے بعد تاتاریوں کی بلغار نے لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور ان کی تہذیب و تمدن کے بیشتر آثار مٹا دیے۔ اُس وقت سے لے کر دورِ حاضر تک دنیا کے اکثر خطوں میں مسلمان غلامی کے بدترین اودار سے گزر رہے ہیں۔ تاتاریوں کے بعد یورپ اور مغرب کی عیسائی طاقتوں نے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں وہ تاریخ کے صفحات پر

مسلمانوں  
کی زبوں حالی

محفوظ ہو چکے ہیں۔ آخری دور میں انگریزوں کے لامعتوں مسلمانوں پر زوال آیا۔ اور ان کی کمزوری رہی سہی خلافت بھی معدوم ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا بھر کے مسلمان پر اگندہ اور منتشر ہو کر غلامی کی سخت ترین زنجیروں میں جکڑے گئے جب انگریزوں کو زوال آیا ہے تو ان کا جانشین امریکہ بھڑا۔ بظاہر تو وہ یہودیت اور نصاریت کا دم بھرتا ہے مگر حقیقت میں وہ تمام سفاکوں سے بڑھ کر سنگدل اور ظالم ہے۔ مسلمانوں کی دنیا میں کم و بیش پچاس ریاستوں کے باوجود یہ لوگ دنیا میں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کا دینی اور ملی تشخص ختم ہو چکا ہے اور یہ اغیار کے دست نحر بن کر رہ گئے ہیں۔ اب پوری دنیا کے مسلمان سیاسی، معاشرتی اور معاشی لحاظ سے عیسائیوں، یہودیوں یا دہریوں کے غلام بن چکے ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل دہریت اور اشترائیت ہے۔ جس نے گزشتہ ستر سال سے اللہ کی مخلوق کا بے دریغ خون بہایا ہے اور اس ضمن میں انہوں نے بیعت، سفاکی اور درندگی کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن بالآخر یہ بھی اپنے انجام کی طرف رواں دواں ہے، اُدھر برطانیہ، فرانس اور امریکہ جیسی سپر طاقتیں اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے کے لیے دائرہ پیچ کھیل رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں قوت ایمانی اور جذبہ جہاد پیدا کر دے اور ان ظالموں اور سفاک طاقتوں کو نیست و نابود کر دے۔ آمین۔

بہر حال فرمایا کہ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے۔ وہ سوداگری یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو ذلک خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ یہی چیز تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو فرمایا اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ گناہ معاف کر دے گا وَيُخْلِكَمُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں

آخرت میں  
کامیابی



وَمَسْلُكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّتٍ عَذْرَىٰ دِلِّهَا تَمَارُ يَلِي سُبْحَانَ كَيْسِ الْبُغَا  
 میں پاکیزہ محلات ہوں گے جو ہمیشہ رہیں گے یعنی یہ انعامات ختم نہیں ہو جائیں  
 گے بلکہ دائمی ہوں گے۔ ذَلِكُ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور یہ بہت بڑی کامیابی  
 ہے جس خوش بخت کو نصیب ہو جائے۔

فَرَمَا وَأَخْرَجَ حَبِيبُهَا اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جس  
 کو تم پسند کرتے ہو۔ اور وہ ہے نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے نصرت اور قریب الحاصل فتح۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
 خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اگر وہ دنیا میں ایمان اور جہاد کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل  
 بنالیں گے۔ تو پھر انہیں دنیا میں بھی غلبہ حاصل ہوگا اور آخرت میں تو انعامات  
 کا لائق ہی سلسلہ ہوگا۔ جو ان کو حاصل ہونے والا ہے اور یہ چیز اہل ایمان کے  
 حق میں یقیناً کامیابی و کامرانی ہے۔ فَرَمَا وَكَبِيرُ الْمُؤْمِنِينَ آپ اہل ایمان  
 کو اس بات کی خوشخبری سنادیں کہ ایمان اور جہاد کے اصول وہ اپنالیں، تو  
 ان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ذمہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ  
مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ  
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ  
وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ  
فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ۝۱۴

۱۴۰

ترجمہ :- اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار جیسا  
کہ کہا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہ کون ہے  
میرا مددگار اللہ کے راستے میں، تو کہا حواریوں نے کہ ہم  
اللہ کے مددگار ہیں۔ پس ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل  
میں سے اور کفر کیا ایک گروہ نے۔ پس ہم نے تائید  
کی ان لوگوں کی جو ایمان لائے، ان کے دشمنوں کے مقابلے  
میں پس ہو گئے وہ غالب آنے والے ۝۱۴

ربط آیت

گزشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ نے دین اسلام کو تمام ادیان  
پر غالب کرنے کے سلسلے میں فرمایا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق  
دے کر بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اس کے ساتھ ساتھ  
یہ شرط بھی لگا دی کہ غلبہ ان لوگوں کو حاصل ہو گا جو صرف اسی کی عبارت  
کہیں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مٹھرائیں گے۔ پھر اللہ نے  
ایک ایسی تجارت کا ذکر کیا جس میں خسارے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ اس  
میں ابدی فائدہ ہے۔ فرمایا یہ تجارت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور

راستے میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ فرمایا اس تجارت کا فائدہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ پر ہوگا۔ آخرت کا فائدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر کے تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا، جہاں پاکیزہ مکانات ہیں ہر طرح کا آرام و آسائش حاصل ہوگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ پھر اللہ نے دنیاوی فائدے کے متعلق فرمایا کہ اللہ کی مدد تمہارے شامل حال ہوگی اور تمہیں دشمن کے مقابلے میں فتح حاصل ہوگی۔

انصار اللہ  
کا گروہ

کج کے درس میں اللہ نے ایمان والوں سے خطاب فرمایا ہے کہ اگر تم نفع بخش تجارت کے خواہشمند ہو تو پھر اللہ کے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَالْوَالِدُونَ! كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ ہو جاؤ اللہ کے مددگار۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار بن کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرو۔ اور دین کی تائید و تقویت، اُس کی نشر و اشاعت اور قیام و بقا کے لیے محنت کرو۔ تو انصار اللہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے دین کی خاطر اُس کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔

آگے اللہ نے اس گروہ سے متعلق عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کے راستے میں میرا کون مددگار ہے؟ اس کے جواب میں قَالَ الْحَوَارِيُّونَ خُنَّ أَنْصَارُ اللَّهِ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اللہ کے دین کے مددگار بن کر عیسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق دین کی تائید اور نشر و اشاعت کرتے تھے تو اللہ نے آخری امت کے ایمان والوں کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دین کے مددگار بن گئے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام  
کے حواری

حواری حواری کے مادہ سے ہے۔ عربی میں حور سفیدی کو کہتے ہیں حور عین کا

تعلق بھی اسی مادے سے ہے۔ حواری اُس مخلص آدمی کو کہتے ہیں جس کے دل میں صفائی ہو اور وہ پاکیزہ محبت رکھتا ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مالدار لوگ نہیں تھے بلکہ غریب غریبا لوگ تھے، البتہ مخلص ضرور تھے۔ حواری آٹے سے نکالے ہوئے میدے کو بھی کہتے ہیں جو چھلکے وغیرہ سے پاک اور سفید ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا حواری میرا چھوٹا زاد بھائی زبیر بن عوامؓ ہے جو بڑا سادہ آدمی تھا اور جس نے اسلام کے لیے بڑی قربانیاں پیش کیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ حواری تو مچھلیاں پکڑنے والے تھے۔ جب آپ اُن کے پاس سے گزرے تو فرمایا، تم مچھلیاں کیا پکڑتے ہو آؤ میں تمہیں انسانوں کا پکڑنا سکھا دوں۔ اسی طرح حواریوں میں سے کچھ لوگ دھوبی تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں انسانوں کے دلوں کی صفائی کرنا سکھا دوں۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواری بہت مشہور ہوئے ہیں۔ یہ بڑے مخلص لوگ تھے، آپ نے انہی کے ذریعہ اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ ان کو اسرئیلیوں کے پاس بھی بھیجا گیا اور یونانیوں کے پاس بھی۔ کلمہ حق سنانے کی پاداش میں لوگ اُن کو مارتے تھے حتیٰ کہ بعض کو قتل بھی کر دیا گیا۔ غرضیکہ ان لوگوں نے بڑی تکالیف اٹھائیں۔ مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد بھی یہ لوگ تبلیغ کا کام کرتے رہے تاہم بعد میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بڑی محنت کاوش سے دین کی آبیاری کی اور دین کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ حضور علیہ السلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی وہی کام کیا جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کیا۔ بہر حال سمجھنا یہ مقصود ہے کہ فائدہ مند تجارت کے لیے نبی کے حواری بننا ضروری ہے تاکہ دین کی اشاعت کا کام جاری رہ سکے۔



حضور علیہ السلام کے ساتھی آپ کے صحابہ کرام کہلائے۔ انہوں نے دین حق کی خاطر وہ قربانی، ایثار اور خلوص پیش کیا جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی نہ پیش کر

سکے، خود عیسائی مؤرخ سر ولیم مورسٹ (LIFE OF MUHAMMAD) نے

میں صریح طور پر اعتراف کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور حضور علیہ السلام کے صحابہ کا کوئی تقابل نہیں، کیونکہ صحابہ کرام حواریوں سے ہر کام میں آگے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں حضور علیہ السلام اور دین اسلام کی سخت مخالفت کی گئی۔ آپ تبلیغ حق کے لیے منیٰ، عکاظ یا ذوالحجاز وغیرہ مقامات پر لگنے والی مندھیوں اور سیلوں میں جاتے۔ آپ باہر سے آنے والے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مکے والوں کی سخت مخالفت کے پیش نظر باہر کے لوگوں کو کہتے کہ کون ہے جو میری حفاظت کرے گا۔ تاکہ میں خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں۔ اس کے جواب میں بعض لوگ آپ کی مدد کے لیے تیار بھی ہوتے مگر قریش مکہ ان کو روک دیتے اور وہ خوفزدہ ہو کر چلے جاتے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ کو اس کام پر مامور فرمایا۔ وہ حج کے موقع پر مکہ آئے تو انہوں نے کہا کہ وہ آپ کی ہر طریقے سے مدد کریں گے۔ کہنے لگے کہ ہم اسود و احمر کے مقابلہ میں آپ کی تائید کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اہل مدینہ نے آپ کی پوری پوری مدد کی۔ اُدھر مکے کے مہاجر بھی تھے ان سب نے حضور کی تائید کی اور آپ کے حواری بن گئے۔

عیسائی فرقہ

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا جب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا تو دین میں بگاڑ شروع ہو گیا اور آپ کے پیروکار مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقے نے مسیح علیہ السلام کو خدا کہہ دیا، یہ فرقہ یعقوبی کہلایا۔ دوسرے فرقے نے کہا کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے۔ وہ ہمارے درمیان کچھ عرصہ کے لیے آئے اور پھر چلے گئے۔ یہ فسطوری فرقہ تھا۔ تیسرا فرقہ تثلیث کا



قائم ہے گا۔ مگر اجتماعی غلبہ اس وقت حاصل ہو گا جب اہل اسلام وہ شرط پوری کریں گے جس کا ذکر اللہ نے سورۃ نور میں کیا ہے کہ وہ خالص میری ہی عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اسلام کے اجتماعی نظام کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدینؓ، پیغمبر تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین نے بڑی کوشش کی مگر بعد میں اجتماعی نظام میں ملکیت دخل ہو گئی جس کی وجہ سے یہ نظام خراب ہو گیا اور آج تک اپنی اصلی حالت پر نہیں آسکا۔

آج دنیا میں مسلمانوں کی پچاس ریاستیں ہیں لیکن ان میں اسلام برائے نام ہی ہے۔ اسلام کا مکمل نظام کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ تمام ملکوں میں کافروں، دہریوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے نظام حکومت چل رہے ہیں۔ موجودہ حکمران اسلام کے نظام کو پسند ہی نہیں کرتے۔ غیر اقوام کی دیکھا دیکھی یہ بھی کہنے لگے کہ اسلام کا نظام فرسودہ ہو چکا ہے اور یہ موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نظام سے بہتر دنیا میں کوئی نظام نہیں مگر یہ لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ دین کو سمجھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ عجلانی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ اختیار کے نظام کو ہی بہتر خیال کرتے ہیں اور اس کو رائج کرتے ہیں۔ اس دور میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا حضور علیہ السلام کے صحابہ اور سلف صالحین کی بات کہیں پر نہیں ہے۔ اس وقت بالعموم نہ ہمارے امام درست ہیں، نہ علماء دین، نہ پیر، نہ دولت مند اور نہ صاحب جاہ و ائمتہ، سب کے سب بگڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کے لشکر میں شامل ہونے اور اللہ کے دین کے مددگار بننے والی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اختیار کو ہم پر شب خون مارنے کا زیادہ موقع مل رہا ہے۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں ظاہری غلبے سے محروم کر دیا ہے بلکہ وہ ہمارے ایمان پر بھی مسلسل حملے کر رہے ہیں۔ کہیں عیسائیت کو ترقی حاصل



ہو رہی ہے۔ اور کہیں اشتراکیت چھا رہی ہے۔ بہر حال بے دینی اور الحاد کا دور دورہ ہے کیونکہ کُتے میدان خالی ہے۔ مسلمان اپنی اپنی اغراض کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، کسی کا مقصد دولت کمانا ہے اور کسی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ والا تو مقصد ہی فرت ہو چکا ہے۔ اب نہ وہ ایمان باقی رہا ہے اور نہ یقین۔ نہ ہمارا عمل صحیح ہے اور نہ جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان حالات میں نہ کوئی انصار الشریعہ شمولیت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ اُسے تائیدِ خداوندی حاصل ہو سکتی ہے۔

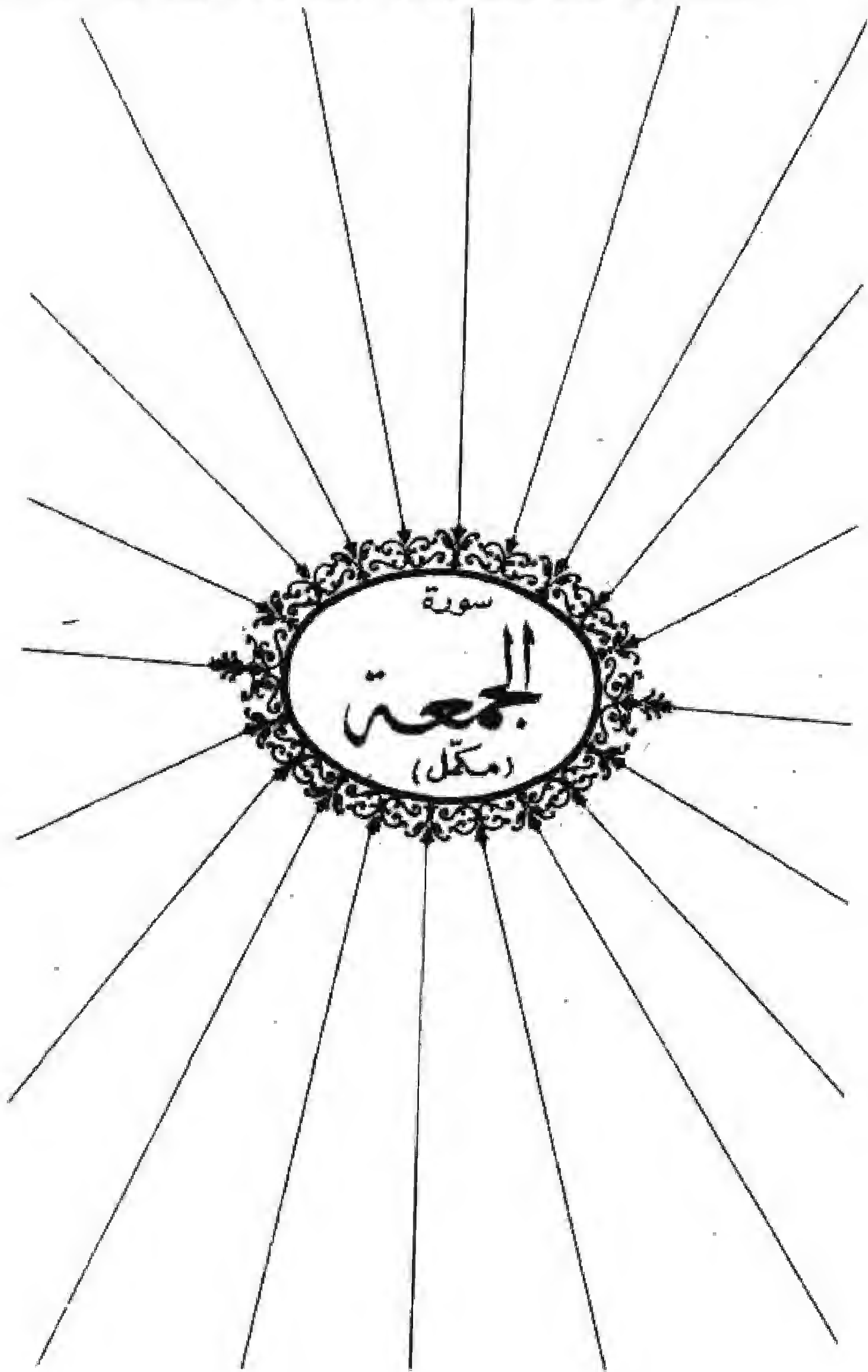
بہر حال الشریعہ نے ترغیب دی ہے کہ اگر ابدی فلاح حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر الشریعہ کے گروہ میں شامل ہو کر سرِ دھڑکی بازی لگانا ہوگی۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کے حواریوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ نے محنت اور کوشش کی، دین کی خاطر قربانیاں پیش کیں تو دنیا میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ جب سے مسلمانوں نے انصار الشریعہ کی رکنیت ترک کر دی ہے ان پر اجتماعی زوال طاری ہو گیا۔

۲۸۰

۱۴

۱۳

۱۲





سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَكْنِيَّةٌ وَهِيَ أَحَدُ عَشْرَةِ آيَاتٍ فِيهَا رُكُوعَانِ

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيٌّ هِيَ اُورِیہ گیارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكُ

الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي

الْأُمَمِ رُسُلًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ

كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ② وَآخَرِينَ

مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ③ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ⑤

ترجمہ: تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کے لیے جو کچھ  
ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں، جو بادشاہ  
پاک، زبردست، حکمتوں والا ہے ① وہ وہی ہے جس نے

بھیجا اُمیوں میں ایک رسول انہی میں سے۔ پڑھتا ہے ان پر اُس کی آیتیں، تزکیہ کرتا ہے اُن کا اور سکھاتا ہے اُن کو کتاب اور حکمت اور بے شک وہ تھے۔ اس سے پہلے البتہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے (۴) اور (بھیجا ہے اُس نے رسول کو) دوسروں کے لیے جو نہیں لیے ان سے۔ اور وہ غالب اور حکمتوں والا ہے (۵) یہ اللہ کا فضل ہے دینا ہے وہ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (۶)

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجحد ہے۔ کیونکہ اس میں بعض دیگر اہم باتوں کے علاوہ نماز، جمعہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی یہ گیارہ آیتیں اور دو رکعت ہیں۔ یہ سورۃ ۱۸۰ الفاظ اور ۴۸ حروف پر مشتمل ہے۔ پچھلی سورۃ میں اللہ نے یہودیوں کی ایذا رسانی کا ذکر کر کے اہل ایمان کو خبردار کیا تھا۔ کہ تم بھی اُن جیسے نہ ہو جانا۔ اور اب اس سورۃ میں یہودیوں کی نافرمانی کی وجوہات یعنی اُن کی بیماری کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پچھلی سورۃ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو فرائض کا ذکر تھا، ایک تورہ تورات کی تصدیق کرتے تھے اور دوسری آخر الزمان کی بعثت کی خوشخبری سناتے تھے، اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے اُس نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو اُمیوں میں پیدا فرمایا۔ پچھلی سورۃ میں اللہ نے دین حق کو باقی اویان پر غالب کرنے کا ذکر کیا، اور اس سلسلے میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے اور اللہ کے دین کے مددگاروں کے گروہ میں شامل ہونے کی تاکید فرمائی، اس سورۃ میں ان چیزوں کی تائید آ رہی ہے اس کے علاوہ اس سورۃ میں اہل علم کے فرائض بیان ہو رہے ہیں اور علم پر عمل کرنے کا طریقہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

نام اور  
کوائف

سابقہ سورۃ  
کے ساتھ  
رابطہ

گزشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتداء بھی مسئلہ توحید سے ہوتی ہے۔ کیونکہ دین کا اصل الاصول مسئلہ توحید ہی ہے، جب تک کسی شخص کا عقیدہ توحید پر کامل ایمان نہ ہو اس کی کوئی نیکی بھی کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے قرآن حکیم میں یہ مسئلہ بالوضاحت سمجھایا گیا ہے۔ سورۃ محمد میں ہے: **فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (آیت-۱۹) خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آجکل لوگ بڑے مصروف ہیں دنیا کے کاروبار سے فرصت نہیں ملتی مگر سب ضروری بات یہ ہے کہ انسان کا ایمان درست ہو۔ ہر شخص کو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرنی چاہیے تاکہ اس کے لیے دائمی کامیابی کی صورت پیدا ہو سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر سورۃ کی ابتداء، انتہاء، یا درمیان میں توحید کا مسئلہ ضرور سمجھایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** پاکي بيان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو کچھ بھی ہے آسمان میں اور جو کچھ ہے زمین میں ہے۔ زمینی مخلوق میں شجر و حجر، پہاڑ، دریا، سمندر، نباتات، چرند اور پرند ہیں، یہ اور ان کے علاوہ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اس بات کا ذکر اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں بھی کیا ہے **وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ** (آیت-۳۳) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ غریبکہ پتہ پتہ، مہنی مہنی، ستارے اور یارے سب اللہ کے ثنا خواں ہیں۔ لہذا انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ اللہ کی پاکي بيان کریں۔ تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی بیوی ہے نہ بچے، وہ بے نیاز ہے اور اُس کو کسی چیز کی حاجت نہیں جب کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ لہذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اور ہر وقت اس کی تسبیح اور تہنیز یہ بیان کرنی چاہیے۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد خداوندی ہے۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ فَاِذَا كُنْتُمْ اٰمِنٌ ۙ وَبِحُكْمِهِ يُكْرَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ اَوْ يَّكُوْا** (آیت-۳۲) اے ایمان والو! اللہ



کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اور اُس کی صبح و شام تنزیہ بیان کرو۔ فرشتے اور کائنات کی ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے۔

یعنی صفات  
خداوندی

اُس البشیر تعالیٰ کی جو الْمَلِکُ یعنی بادشاہ ہے پوری کائنات میں بادشاہی اسی کی ہے۔ دُنیا کی بادشاہی عارضی ہے اور یہ اُس رب العزت کی عطا کردہ ہے۔ لوگ اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے جاہ و اقدار اپنی قابلیت، ہوشیاری، چالاکی اور ڈپلومسی کی بناء پر حاصل کیا ہے حالانکہ یہ لُزخہ اتقا کا انعام ہے اور اُس کی طرف سے ایک امانت ہے۔ حقیقی شہنشاہ وہی ہے۔ الْقُدُّوس وہ ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ بیوی بچوں، کھانے پینے، ہونے اور نکلنے اور ہر احتیاج سے پاک ہے۔ الْعَزِیزُ وہ کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے۔ الْحَکِیْمُ حکمتوں کا مالک ہے یعنی اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ تعریف کے مقام میں ان الفاظ کو اکٹھا بھی بیان کیا جاتا ہے یعنی البشیر تعالیٰ کی ذات کو الْمَلِکُ الْقُدُّوسُ الْعَزِیزُ الْحَکِیْمُ بھی کہہ سکتے ہیں۔

بعثت نبی  
آخر الزمان

فرمایا کہ اس کی مہربانی اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِي الْأُمَمِ رُسُلًا فَهُمْ دَرَسُوا وہی ذات ہے جس نے مبعوث کیا اُمیوں میں ایک رسول انہی میں سے امیین سے مراد عرب کے لوگ ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ناخواندہ ہونے کی وجہ سے اُمی کہلاتے تھے۔ ان میں ذوقِ فیض سے زیادہ پٹھے کھے لوگ نہیں تھے، اولادِ اسماعیل سینکڑوں ہزاروں شاخوں میں بٹ کر پورے عرب، حتیٰ کہ ایران، خراسان اور دیگر دور دراز علاقوں تک پھیل گئی۔ اشر کی یہ حکمت تھی کہ اُس نے اپنا آخری نبی انہی میں سے بھیجا حالانکہ ارد گرد کے ممالک ایران، روم، شام اور مصر وغیرہ میں پڑھے لکھے لوگ موجود تھے اور ان کے اپنے دفتری نظام تھے، ان کے ہاں کتابیں بھی تھیں اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی

جاری تھا۔ ادھر عربوں میں نہ کوئی سکول نہ کالج نہ مدرسہ۔ کوئی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا ساری یادداشت زبانی رکھی جاتی تھی۔ تو اللہ نے انہی میں سے بنی بھی امی مبعوث فرمایا اُس نے بھی کسی سے تعلیم حاصل نہ کی تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ بقول شیخ سعدیؒ

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست  
کتب خانہ چند ملت پشت

ایک ایسا یتیم جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ اُس نے دنیا کی ملتوں کے سارے کتب خانے دھو ڈالے مطلب یہ کہ علم و حکمت کے وہ موتی بکھیرے کہ تمام قوموں کے کتب خانے ماند پڑ گئے گویا کہ انہیں پانی سے دھو ڈالا گیا۔ پھر فرماتے ہیں

نگار من کہ بکرتب نہ رفت مخط نہ نوشت  
بحیر تم کہ بہ غمرہ آموخت صد مدرس شد

میرا محبوب عجیب ہے کہ اُس نے پڑھنا لکھنا تو سیکھا نہیں۔ بس وہ اشائے کے ساتھ ہی سیکھ کر ساری کائنات کا صد مدرس بن گیا، گویا کہ دنیا میں اُس جیسا معلم کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے بُعِثْتُ مُعَلِّمًا مَجِّمًا سَبَّ سَبَّ بَرِّ الْمَعْلَمِ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ غرضیکہ فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے ایسوں میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا۔ اور پھر ان ایسوں کو وہ علم و حکمت نصیب ہوا۔ جو دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہو سکا۔

آگے اللہ نے اُس عظیم الشان رسول کے فرائض بھی بیان کیے ہیں۔ يَتْلُو عَلٰیہُمْ اٰیٰتِہٖ وہ اپنی امی قوم کو خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کرتا ہے اور خود ان کو فرائض و منیات سے روشناس کراتا ہے وَيُنْزِلُہُمْ اور ان کا تذکیہ کرتا ہے۔ اُن کو بُرے خصائل سے پاک کر کے اُن کو سنوارتا ہے اور اچھے کاموں کی تربیت دیتا ہے وَيُعَلِّمُہُمْ الْکِتٰبَ وہ انہیں کتاب کا علم سکھاتا ہے۔ تعلیم سے مراد صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ اُس کو سمجھنا، اس کے رموز و نکات سے واقف ہونا اور پھر اس کے احکام پر عمل

کرنابھی شامل ہے۔ فرمایا وہ نبی اُن کو کتاب سکھاتا ہے وَالْحِکْمَةُ اور حکمت یعنی دانشمندی کی باتیں بھی۔

حکمت کی  
تعریف

قرآن اور سنت سارا حکمت پر مبنی ہے۔ قدیم زمانے میں فلسفے کو بھی حکمت میں شمار کرتے تھے۔ یونانیوں کے نزدیک حکمت کا مطلب ہے مَعْرِفَةُ الْأَشْيَاءِ بِقَدَرِ طَاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ یعنی کسی چیز کی حقیقت کو انسانی طاقت کے مطابق سمجھنا حکمت ہے۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں یعنی حکمت نظری اور حکمت عملی۔ قدیم یونانی تقسیم کے مطابق حکمت نظری میں فلکیات (ASTRONOMY)، عناصر (ELEMENTS) اور الہیات سے تعلق چیزیں آتی ہیں اور حکمت عملی سے مراد وہ حکمت ہے جس کا تعلق تدبیر منزل یعنی ملکی سیاست اور انسانی اخلاق کی تہذیب سے ہوتا ہے۔ اس میں ریاضی، طب، نجوم وغیرہ جیسے علوم شامل ہیں۔ پرانے زمانے کے دانشور بقراط اور جالینوس طب میں مشہور تھے۔ اُن کو دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ سقراط اور افلاطون ارسطو، ذی مقراطیس، دیوجانس کلبی، فیثاغورث وغیرہ یونانی دور کے حکماء ہیں جنکی کتابیں آج بھی پڑھی جاتی ہیں، چنانچہ افلاطون کی کتاب ”جمہوریت“ آج بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ارسطو کی سیاست سے تعلق کتاب بھی بعض جگہ کالجوں کے نصاب میں شامل ہے۔ انگریزوں نے انہی پرانے نظریات کو ترقی دے کر اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پھر مسلمانوں کے علوم کے تراجم کر کے ان کو لگے بڑھایا ہے۔ بہر حال اس قسم کی چیزیں حکمت کہلاتی ہیں۔

البتہ اسلام اور شریعت کی رو سے حکمت وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی پہچان ہو سکے۔ حدیث شریف میں آتا ہے دَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ حکمت کی جڑ بنیاد خوفِ خداوندی ہے۔ اور خوف اس شخص کو ہوگا۔ جو اللہ کی پہچان رکھتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ابتدا اور انتہا کو جاننا بھی حکمت میں شامل ہے۔



نیز نبوت و رسالت اور احکام شرع کا علم حاصل کرنا اور اس کے علوم و معارف کو جاننا، تزکیہ نفس والی چیزوں کو جاننا اور ان قوانین کا علم حاصل کرنا جن سے انسان میں طہارت، عدل، اخبات اور سماحت والے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، بھی حکمت کہلاتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے الْحِكْمَةُ ضَلَالَةُ الْمُؤْمِنِ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں سے ملے لے لیتا ہے۔ بہر حال دین، سنت اور احکام شریعت کی معرفت، انسان کی تہذیب نفس اور مہذبہ اور معاد کو جاننا حکمت میں داخل ہے۔

قبل از نبوت

فرمایا اللہ کا نبی لوگوں پر آیتیں پڑھتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور کتابِ حکمت کی تعلیم دیتا ہے وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ اور بیشک وہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔ جب پیغمبر آخر الزمان کی بعثت ہوئی تو عرب کے خانہ سے فیصد لوگ کفر اور شرک میں ڈوبے ہوئے تھے باقی دنیا پر بھی اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور پاکیزہ عقیدے والا کوئی اکا دکا آدمی ہی ملتا تھا۔ مشرکین عرب کی حالت یہ تھی کہ اصل ملت ابراہیمی سے بہک چکے تھے، اور فسق و فجور اور کفر و شرک کا نام ملت ابراہیمی رکھ لیا تھا۔ اخلاقی طور پر جنگ و جدل اور شراب نوشی اُن میں عام تھی۔ البتہ اُن میں بعض خوبیاں بھی تھیں۔ وہ بڑے جفاکش بہادر، وفادار اور انتہائی زمہین لوگ تھے۔ اللہ نے اپنے آخری نبی کی بعثت کے لیے خطہ بھی وہ منتخب کیا جو لَا مَشْرِقِيَّةٌ وَلَا غَرْبِيَّةٌ نہ وہ مشرقی ہے نہ مغربی بلکہ زمین کا وسطی خطہ ہے۔ پھر اس خطہ سے تہذیب و تمدن کے سمندر بہانے اور تہذیب کے اصول اٹھائے، اللہ نے ان ایسوں کو علوم و معارف اور حکمت کا راز داں بنایا۔ یہی لوگ دانشور بنے اور اللہ کے آخری نبی کی تربیت حاصل کر کے ساری دنیا کے معلم بن گئے۔

بعد میں نبی کے

پھر فرمایا وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ اور اللہ کا یہ آخری رسول اُن لوگوں کے لیے بھی مبعوث ہوا ہے جو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام سے

نہیں ملے۔ اس سے مراد عجی لوگ ہیں جن کی ملاقات عربوں سے نہیں ہوئی۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرب و عجم سب کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ کس یلحقوا کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو فضیلت اور عمل کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کے اولین مخاطبین سے نہیں ملتے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ غیر عرب اور صحابہ کرامؓ کے بعد میں آنے والے لوگ صحابہؓ کی فضیلت کے برابر نہیں ہوں گے۔ مگر رسول اللہ کی بعثت ان کی طرف بھی ویسی ہی ہے جیسی عربوں اور بالخصوص صحابہ کرامؓ کی طرف ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ غیر عربوں نے بھی دین کی بہت خدمت کی ہے اور دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ اسی محنت کی وجہ سے ایسے لوگ اللہ کے ہاں بھی سرخرو ہوئے ہیں جیسا کہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اول عربوں کو پیدا کیا۔ جنہوں نے اس دین کو تمام لیا، اور پھر ان کے بعد عجم میں ایسے لوگ اٹھے جنہوں نے دین کی آبیاری کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ صحاح ستہ کے مؤلفین محدثین کرامؓ سب عجی تھے جنہوں نے حدیث کی کتابیں تدوین کر کے دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور جن سے قیامت تک کے لوگ مستفید ہونگے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ قیامت کب آئیگی؟ آپ نے اٹا سوال کیا کہ تو نے قیامت کے لیے تیاری کیا کی ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے کوئی بڑا سامان تو تیار نہیں کیا، البتہ اتنا ضرور ہے اُحِبُّ اللہَ وَرَسُولَهُ کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اَنْتَ مَعَ مَنْ اُحْبِبْتَ تم آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گے جس کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ یہ سن کر حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اُحِبُّ اللہَ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ محبت ہے اگرچہ میں ان جیسے کام نہیں کر پایا۔ فرمایا وَكُھُو الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ وہ اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے جس نے ان اوصاف کے ساتھ اپنے آخری نبی کو عرب و عجم کی طرف مبعوث فرمایا۔

فرمایا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء فیہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے  
 عطا فرمائے۔ ایمان، علم، حکمت، تزکیہ نفس، عقیدے اور فکر کی درستگی اور اچھا  
 اخلاق اللہ کا فضل ہے جسے نصیب ہو جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر جسے قرآن مجیدی  
 عظیم کتاب اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی اور رسول مل جائے اس جیسا فضل  
 کون سا ہو سکتا ہے؟ فرمایا ایسا کیوں نہ ہو جب کہ واللہ ذو الفضل العظیم  
 اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ جب وہ کسی پر مہربانی کرنا چاہتا ہے۔ تو  
 اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آ سکتی۔



مَثَلُ الَّذِينَ حَمَلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا  
كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ  
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ⑤

ترجمہ: مثال اُن لوگوں کی جن پر بوجھ رکھا گیا تھا تو را  
کا، پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال  
ہے جو اٹھاتا ہے کتابوں کا بوجھ۔ بڑی بے مثال  
اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو، اور  
اللہ تعالیٰ نہیں راہ راست دکھاتا ہے انصاف لوگوں کو ⑤

ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہ بیان ہوئی۔ پھر اللہ کے آخری نبی کی  
امیوں کی طرف بعثت اور اُن کے فرائض کا ذکر ہوا۔ اللہ نے امیوں کے علاوہ  
لوگوں کی طرف بھی اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔ گذشتہ سورۃ میں اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ  
نے بنی اسرائیل سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے  
کیوں تکلیف پہنچاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ اس  
میں اہل ایمان کے لیے تنبیہ ہے کہ کہیں وہ بنی اسرائیل کی طرح اپنے نبی کے لیے اذیت  
کا باعث نہ بنیں۔ اہل کتاب ہونے کے باوجود اُن میں خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جس کی وجہ  
سے وہ اللہ کے پیغمبروں کو ستاتے تھے، لہذا اللہ نے اُن کا شکوہ بیان کیا۔

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تورات کے ماننے والے یہودیوں کی بری خصلت کو  
ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ حَمَلُوا التَّوْرَةَ  
حاملین تورات کی مثال

مثال ان لوگوں کی جن پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا۔ اس سے مراد یہودی ہیں جو حاملینِ تورات ہیں۔ یہ کتاب امتِ موسیٰ کی خواہش پر ان کو دی گئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے قانون کی کوئی کتاب ہوئی چلیے جس پر ہم عمل کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے کوہ طور پر چالیس دن تک اعتکاف کیا تو اللہ نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ اور ساتھ حکم دیا خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ (البقرہ ۶۳۰) اس کو مضبوطی سے پکڑ لو، اگر یا تم اس کتاب کے محافظ ہو، اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو یاد کرو، اور اس کے مطابق عمل کرو۔ ان لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالنے کا یہی مطلب ہے کہ یہودیوں کو اس کی حفاظت اور اس پر عمل درآمد کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت تھی مگر اہل کتاب نے اس کی قدر نہ کی۔

اس لیے فرمایا کہ جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا۔ ثُمَّ لَمْ يَحْتَفِظُوا پھر انہوں نے اس بوجھ کو اٹھایا نہیں یعنی اس کی حفاظت اور اس پر عمل درآمد کی ضروری کو پر نہیں کیا۔ كَمْثَلِ الْجَمَادِ يَحْتَمِلُ اسْفَادًا ان کی مثال اُس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ جس طرح گدھا کتابیں اٹھانے سے عالم فاضل اور کتابوں کا حامل نہیں بن جاتا۔ اسی طرح وہ انسان بھی گدھے کی مانند ہیں۔ جن کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے۔ مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کی فکر کتاب کے مطابق ہے، نہ اخلاق اور نہ عمل۔ ان کی حیثیت تو گدھے پر کتابیں لانے سے زیادہ نہیں ہے۔

گدھے کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ سورۃ النمل میں بھی گدھے کا ذکر آیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (آیت ۸) اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے ہیں تاکہ تم ان پر سوار ہو کرو اور یہ تمھارے لیے زینت کا سامان بھی ہیں۔ گھوڑا سب سے زیادہ پاکیزہ، وفادار اور خوبصورت جانور ہے۔ انسانی تاریخ میں اس نے تمام جانوروں سے زیادہ

کام کیا ہے خاص طور پر دوران جنگ اس کی خدمات بڑی مفید ثابت ہوئی ہیں اور یہ زینت میں بھی سب جانوروں سے آگے ہے۔ پھر گھوڑے کی نسبت کم تر خصوصیات کا حامل ہے مگر اس میں بھی زینت کا سامان ہے اور گدھا اس سے بھی کم تر ہے۔ شکل و صورت اور قد کاٹھ کے لحاظ سے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لہذا اس کی زینت بھی کم ہی ہوتی ہے۔ البتہ بار برداری کے لیے یہ جانور زیادہ کارآمد ہے مگر بیوقوفی میں بھی مشہور ہے۔ بیوقوف آدمی کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور اس معاملہ میں یہ ضرب المثل بن چکا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب حلال و حرام کی تمیز نہیں تھی تو گدھے کا گوشت اُس دور میں بھی نہیں کھایا جاتا تھا کہ کہیں اس کو کھانے والا بھی بیوقوف نہ بن جائے۔ بیوقوف ہونے کے علاوہ گدھے کی آواز بھی بڑی بھیک ہوتی ہے۔ اللہ نے انسانوں کو بھی بھدی آواز نکالنے سے منع فرمایا ہے سورۃ لقمان میں ہے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: **وَأَعِظُكَ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ كَصَوْتُ الْحَمِيرِ** (آیت ۱۹) اپنی آواز کو پست رکھو، کیونکہ بدترین آواز گدھے کی ہے۔ اللہ نے جنہی لوگوں کی جینے و پکار کو زفر اور شقیق کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ گدھے کی ابتدائی بلند آواز کو زفر اور آخری رسمی آواز کو شقیق کہتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے بھی کہا ہے :-

نہ محقق شدی نہ دانش مند

چار پایہ بروکتا ہیں چند

ز وہ تحقیق کرنے والے بنے اور نہ ان میں عقلندی کی بات آئی۔ بس وہ گدھے

کی مانند ہیں جن پر کتا ہیں لادی ہوئی ہیں۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے۔

لَعَقَ بِمَا شَدَّتْ حَجْدَ الْأَصَارِ

صَمَّ أَسْفَارًا حَجْدَ حِمَارًا

گدھے کی آواز نکالو، کوئی نہ کوئی مددگار تو مل ہی جائے گا۔ کتا ہوں کا دفتر باز ہو



کیونکہ اٹھانے کے لیے گدھا تو مل ہی جائے گا۔

گدھے کی مثال کے علاوہ سورۃ الاعراف میں اللہ نے کتے کی مثال بھی بیان کی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بلعم بن باعور نامی بڑا عابد زاہد اور مستجاب الدعوات شخص تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اس شخص کے علاقے میں پہنچے تو وہاں کے بادشاہ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے علاقے پر قبضہ ہی نہ کر لیں۔ اُس نے بلعم بن باعور کو کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بددعا کرے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ پہلے تو اُس شخص نے ایسا کرنے سے است واصل کیا۔ پھر بادشاہ نے اُس شخص کو مال و دولت اور عورت کا لالچ دیا تو وہ بددعا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اگرچہ وہ شخص ایسی بددعا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، تاہم اللہ نے فرمایا فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف ۱۷۶) ایسے شخص کی مثال کتے کی ہے جس کو ڈانٹ دو یا چھوڑ دو، وہ ڈانٹا ہی رہتا ہے۔ کتے میں بھی یہی دو خصلتیں ہیں، ایک تو وہ لالچی ہوتا ہے اور دوسرے شہوت پرست، تو اللہ نے ایک یہ کتے کی مثال بھی بیان کی ہے۔ اسی طرح اللہ نے کافروں اور مشرکوں کو جانوروں کی طرح بیان کیا ہے۔ اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ (الاعراف ۱۷۹) وہ جانوروں کی طرح ہیں۔ جانوروں کا مقصد حیات بھی کھانا پینا اور شہوت رانی ہے اور کفار و مشرکین کی زندگی کا مقصد بھی اس سے زیادہ نہیں، لہذا ان کی مثال جانوروں کی ہے۔

بہر حال یہاں پر اللہ نے حاملین تورات کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہو مگر اُن سے مستفیہ نہیں ہوتا۔ یہ مثال صرف اسرائیلیوں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص علم رکھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کی مثال گدھے کی ہے، جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعائیں سکھایا ہے اَللّٰهُمَّ رَاقِيَ اَعْوَدِيْكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ اِنَّ اللّٰهَ اَمْسَأَلَ عِلْمَ سَيِّئِيْهِ تَعْرِىْ بِنَاهُ جَاهِلًا ہوں جو غیر مفید ہو۔

دورانِ خطبہ  
کلام کی  
ممانعت

مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت حضور علیہ السلام نے مکمل خاموشی کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ درود شریف پڑھنے کا حکم بھی نہیں ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص امام کے خطبے کے دوران بات چیت کرتا ہے ہو کہ مثل الجمار یجزل أسفارا وہ اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتا بول کا دفتر لاد ہوا ہو، نیز فرمایا کہ جو شخص کسی بولنے والے شخص کو کہتا ہے کہ خاموش رہو، وہ بھی جمعہ کا مخصوص ثواب حاصل نہیں کر سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس حکم پر عمل درآمد کے لیے کسی دوسرے شخص کو بول کر تلقین بھی نہیں کی جاسکتی، یہ اتنا نازک مسئلہ ہے۔

مسجدوں میں عام طور پر خاموشی اختیار کرنے کا بھی یہی حکم ہے، ہمارے ہاں لوگ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لے آتے ہیں جو شور کر کے مسجد کے احترام کو خراب کرتے ہیں ہاں جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز سکھانے کے لیے مسجد میں لانے کی اجازت ہے۔ مسجد کے مذکورہ اندرونی شور کے علاوہ بیرونی شور و شر بھی نماز میں خلل انداز ہوتا ہے ایک مسجد میں نماز ہو رہی ہے تو دوسری مسجد میں لاڈلیکری پر درس ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، مگر بلند آواز سے درس دینے والوں کا مقصد محض یہ ہے کہ ان کے فرقے کی بات غالب آجائے۔ یہ کرنی نیکی کی بات نہیں ہے بلکہ حدیث کے خلاف عمل ہے ایک دوسرے کے سامنے تو قرآن کی آواز بھی بلند نہیں کرنی چاہیے۔ تاکہ دوسروں کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔

مولانا رومی  
اور علم

مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں دین کے حقائق طرح طرح کی مثالوں کے ذریعے سمجھائے ہیں۔ اس میں عقیدے، عمل اور اخلاق کی باتیں بھی ہیں۔ آپ نے علم سے متعلق بھی بعض بہت اچھی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً

علم ہائے اہل دل عالی شان

علم ہائے اہل تن حایل شان

ترجمہ: جن کا علم دل پر اثر انداز ہوتا ہے وہ اُس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں مگر جن لوگوں کا علم جسم تک محدود ہوتا ہے، وہ ان پر بوجھ ہی ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ اہل بدعت اور باطل فرقوں والے قرآن تو پڑھیں گے مگر وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی اُس کا اثر دل پر نہیں ہوگا۔

علم چوں بہ دل زندہ یاکے بود

علم چوں برتن زندہ بارے بود

ترجمہ :- جس علم کا اثر تمھارے دل پر ہوگا۔ وہ تمھارا دوست بنے گا۔ اور جس علم کا اثر صرف جسم تک ہوگا۔ وہ تو محض بوجھ ہی ہوگا جس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔

چوں بہ دل خوانی زحق گیری سبق

چوں بہ رگل خواہی شماری ورق

ترجمہ :- جس چیز کو دل سے پڑھو گے تو حق کی جانب سے سبق حاصل ہوگا۔ اور اگر گارے یعنی جسم سے ہی پڑھو گے تو محض ورق گردانی ہوگی۔ فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ شیخ سعدیؒ نے بھی علم کی تعریف اس طرح کی ہے۔

سعدی بکشوئے دل لوح از نقش غیر دوست

علمی کہ راہ بحق نہ نماید ضلالت است

ترجمہ :- اے سعدیؒ دل کی تختی کو اپنے دوست کے نقش کے سوا ہر چیز سے صاف ڈال۔ کیونکہ جو علم حق کی راہ نہیں دکھاتا۔ وہ تو گمراہی ہے۔

ظاہر ہے کہ حقیقی دوست تو اللہ تعالیٰ ہے جیسے اُس کا فرمان ہے۔ اَللّٰهُ

وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اللّٰهُ تَعَالٰی اٰہلِ اَیْمَانِ کا دوست ہے، وہی رفیق اور کارساز

ہے، وہی الہ اور معبود بہ حق ہے، اُس کے نقش کے سوا دل کی تختی کو دھو ڈال۔

غرضیکہ اللہ نے یہ مثال کے طور پر فرمایا ہے کہ جن کو حاملینِ تورات قرار

دیا گیا تھا۔ اور انہوں نے اُس کا حق ادا نہیں کیا تو اُن کی مثال گدھے کی ہے جو

کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو آج ہم

بھی اس مثال پر پورے اترتے ہیں۔ ہم قرآن کے حاملین ہیں مگر بے عملی کی وجہ سے

گدھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گدھا کتابوں سے کیا فائدہ اٹھا سکے گا۔ یہ تو محض بوجھ



اٹھانے والی بات ہے۔

فرمایا بِشَرِّ مَثَلِ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ بَرِيءٌ مِمَّا  
 اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اگر اسے شیعوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا  
 تو آج کے مسلمان بھی اُن سے کم نہیں۔ یہ بھی اپنے عقیدہ، اخلاق، عقل اور زبان غرضیکہ  
 ہر طریقے سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو جھٹلاتے ہیں۔ بڑے بڑے  
 دعوے اور پھر اُن کی تائیدیں کرتے ہیں اور اس طرح کتاب سنت کی تکذیب کرتے  
 ہیں۔ فرمایا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ اللہ بے انصاف لوگوں کو  
 ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ البتہ ان چیزوں سے تو بہ کر لینے کی صورت میں ہدایت  
 نصیب ہو جاتی ہے بشرطیکہ کوئی شخص ہدایت کا طلبگار ہو، ضد، عناد، ہٹ دھرمی  
 اور بے انصافی پر قائم نہ رہے۔ ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی انسان منزل مقصود  
 تک پہنچ سکتا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنْكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ  
 مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑥  
 وَلَا يَتَمَنَّوْنَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ  
 عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ⑦ قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ  
 مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ  
 مِنَ اللَّهِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ کو کہنے لے وہ لوگو جو یہودی بنے ہو، اگر  
 تم دعوٰی کرتے ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو۔ دوسرے لوگوں  
 کے سوا، پس تم خواہش کرو موت آتی اگر تم سچے ہو ⑥  
 اور نہیں تمنا کریں گے یہ موت کی کبھی بھی اُن کاموں کی  
 وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور اللہ  
 تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ⑦ آپ کہہ  
 دیجئے بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، پس  
 وہ یقیناً تم سے لٹنے والی ہے۔ پھر تم لوٹائے جاؤ گے  
 اس پروردگار کی طرف جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے  
 پس وہ ظاہر کر دے گا تمہارے سامنے جو کام تم کیا  
 کرتے تھے ⑧

رابط آیات

اللہ تعالیٰ کی تشریح اور تفسیر بیان کر دیتے ہیں یہ آخر الزمان

کی بعثت کا ذکر ہوا۔ یہ بعثت عرب کے امیوں کی طرف بالخصوص اور باقی لوگوں کیلئے بالعموم ہے۔ پھر اہل کتاب میں سے یہودیوں کا ذکر ہوا، جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ اللہ نے ان کی مثال گرجے کے سامنے دی جس پر کتا بول کا دفتر لدا ہوا ہے مگر وہ ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح یہودی بھی اللہ کی کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور اس کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے بے انصاف لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

اہل کتاب کا دعویٰ تھا کہ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَلْاَمَنُ كَانَ هُوَ ذَا  
اَوْ تَصَارَىٰ (البقرہ - ۱۱۱) یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے۔  
 اور نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ صرف اور صرف وہی جنت کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ  
 نے اس دعویٰ کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اِنِّي خَيْرٌ اَبَدِي  
رِس يَا يٰهَا الَّذِيْنَ هَادَوْا اِنِّي اَمَرْتُ بِسَمْعِ  
اَنكُمْ اَوَّلِيَا لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اگر تم دوسروں کے سوا اللہ کے  
 دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ صرف تم ہی جنت کے وارث  
 ہو فَاَتَمَنُّوا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے  
 دعویٰ میں سچے ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد ہی جنت میں جا سکتا ہے۔ اگر  
 خدا تعالیٰ کے پیار سے ہو تو موت کی تمنا کرو تاکہ تم جلدی جنت میں پہنچ جاؤ۔

اللہ نے سامعہ ہی یہ بتا دیا کہ یہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں لہذا وَلَا يَتَمَنَّوْنَهَا  
اَبَدًا یہ کبھی بھی موت کی خواہش نہیں کریں گے بِمَا قَدْ مَتَّ اٰبَادِيْنَهُمْ ان  
 کاموں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں سے آئے ہیں۔ ان کی سیاہ کاریاں ان  
 کے سامنے ہیں اور یہ جلتے ہیں مرنے کے بعد انہیں کبھی جنت نصیب نہیں ہو سکتی  
 بلکہ یہ جہنم کے آندوؤں کا تراش ہیں گے۔ اللہ نے سورۃ البقرہ میں فرمایا۔ بَنِي اِسْرٰٓءٰلَ  
 سے بھی زیادہ حرام ہیں اور چاہتے ہیں کہ لَوْ لَغَصْرُ الْاَلْفِ سَنَةٍ آیت ۹۹



کہ انہیں ایک ہزار سال زندگی مل جائے، بھلا یہ موت کی تمنا کیسے کر سکتے ہیں؟ حقیقت ہے کہ جو آدمی اپنے دعوئی میں سچا ہو گا وہ موت سے نہیں ڈرے گا۔ **الْمَوْتُ جَسَدٌ يُؤْصِلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ** کیونکہ موت تو ایک پل ہے جو دوست کو دوست کے ساتھ ملائے۔ مگر یہ لوگ بزدل اور غلط کار ہیں۔ نہ ان میں کبھی محبت ہے اور نہ یہ موت کی تمنا کریں گے۔

موت سے  
محبت

حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی موت سے محبت کے متعلق بہت سی باتیں منقول ہیں۔ وہ جہاد میں بخوشی شریک ہوتے اور کہتے **غَدًا نَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ** کل ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے گروہ کے ساتھ جا ملیں گے۔ وہ شہادت میں خوشی محسوس کرتے اور کہتے **يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتَرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَمَاءُ بَارِدٌ شَرَابُهَا كَيَا هِيَ** اچھی ہے جنت اور اس کا قُرب پاکیزہ ہے اور ٹھنڈا پانی اس کا مشروب ہے، وہ لوگ موت کو قریب آتے ہوئے دیکھ کر کہتے تھے **حَبِيبٌ جَاءَ عَلَيَّ فَاقَّةٌ** فاقہ کی حالت میں موت آرہی ہے اور یہ کتنی پیاری چیز ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا وہ خط تاریخ میں موجود ہے جو انہوں نے اپنے مقابل عراقی طاقت کو لکھا تھا۔ آپ کے اس خط میں تنبیہ کی تھی کہ یاد رکھو: ہمارے نزدیک موت اس قدر محبوب ہے کہ تمہارے نزدیک اتنی محبوب شراب بھی نہیں ہے، ہمیں اپنی جانوں کی ہلاکت کی کوئی فکر نہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید، اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا **يَا بُنَيَّ لَا يُبَالِي أَبُولُ أَنْ سَقَطَ عَلَيَّ الْمَوْتُ أَوْ سَقَطَ عَلَيَّ** بیٹے تیرا پاس بات کی پروا نہیں کرتا کہ موت اس پر گر جائے یا وہ موت پر جا کرے۔ یہی بات حضور علیہ السلام کی دعا مبارکہ میں بھی پائی جاتی ہے **لَوْ دِدْتُ أَنِّي أَقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْيٰ ثُمَّ أَقْتُلُ** میری خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ

کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔ یہ چیز موت سے  
محبت کی علامت ہے کیونکہ اس کے بدلے میں جو کچھ آگے ملنے والا ہے اس کا  
اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ  
اِلٰی مَنْ يَّغْفِرُ لَكَ اَنْ يَّحْكَمَ رَسُوْلُهُ لَكَ اَللّٰهُمَّ! موت کو اس شخص  
کے نزدیک پسندیدہ ٹھہرا دے جس کو یقین ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے  
رسول ہیں۔ موت ایک بھیانک چیز ہے۔ لہذا اہل ایمان کو آخرت میں ملنے  
والے آرام و راحت کے پیش نظر فرمایا لَا يَدُوْكَوْنَ الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةُ  
الْاُولٰٓئِ اَنْ كُوْطِلِيْ مَوْتَ كَيْعْلَاوَهُ مَوْتَ كِي دَوْبَارَهُ تَلْحٰی نٰہیں آگے گی۔ نیز فرمایا  
فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحِیْنَ مَوْتَ كِي مَصِیْبَتِ یٰعْنٰی اس کی تلخی پہنچنے  
والی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سکھایا اَللّٰهُمَّ كِهَوْنٌ عَلٰی  
سَكَاَتِ الْمَوْتِ وَعَنْفَرَاتِ الْمَوْتِ پُروردگار! مجھ پر موت کی غشی اور اس  
کی تلخیاں آسان فرما دے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ  
الْمَوْتَ (آل عمران - ۱۸۵) کہ ہر جان نے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور اس  
سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ البتہ سچا اور ایماندار آدمی دنیا پر حرص نہیں اور نہ وہ موت  
سے ڈرتا ہے۔

ایک دفعہ ابو جہل نے کہا تھا کہ اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس  
نماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا۔ جب یہ بات حضور علیہ  
کو معلوم ہوئی تو فرمایا لَوْ فَعَلْتُ لَا خَذَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ عِيَانًا، اگر وہ  
بہشت آیا کر گزرتا تو اللہ کے فرشتے اُسے فوراً پکڑ کر ٹھٹھے ٹھٹھے کر دیتے۔ اسی  
بات کا اشارہ اللہ نے سورۃ العلق میں فرمایا ہے اَوْدَعٰ يَتَ الَّذِي يَنْهٰی ⑨  
عَبْدًا اِذَا صَلَّی ⑩ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ایک بندے کو نماز  
پڑھنے سے روکتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک روایت میں یہ بھی فرمایا ہے



لَوْ أَنَّ الْيَهُودَ تَمَنُّوْا الْمَوْتَ لَمَاتُوا وَلَآؤَا مَقَارِعَهُمْ مِنَ  
النَّارِ اگہ یہودی موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا ٹھکانا جہنم میں دیکھ لیتے۔  
یہ بد بخت حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا عربوں  
میں نبوت کہاں سے آگئی، یہ تو ہمیشہ سے ہمارے خاندان کے ساتھ وابستہ ہے۔  
اسی طرح داؤد علیہ السلام کی نسل کے لوگ بھی کہتے تھے کہ یہ کہاں کے بنی بن گئے، نبوت  
تو ہمیشہ کے لیے داؤد علیہ السلام کی نسل میں رہی ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو  
جنت کا حقدار ثابت کرتے تھے اور خدا کے محبوب بنتے تھے، بہر حال فرمایا کہ  
اگہ یہودی موت کی خواہش کرتے تو فوراً ہلاک ہو جاتے اور سیدھے دوزخ میں پہنچ جاتے۔  
سورۃ آل عمران میں یہ واقعہ موجود ہے کہ نجران کے کچھ عیسائی حضور علیہ السلام  
سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے تھے جب وہ بحث مباحثہ کے ذریعے ملنے پر  
آمادہ نہ ہوئے تو حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے انہیں مباہلہ کی دعوت دیدی  
مگر وہ بھاگ گئے حضور علیہ السلام نے فرمایا اگہ وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لیتے،  
لَرَجِعُوْا وَّلَا يَجِدُوْنَ اَهْلًا وَّلَا مَالًا تو وہ اس حال میں واپس جاتے کہ  
کہ ان کے اہل و عیال تباہ ہو جاتے اور ان کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔ بہر حال فرمایا  
کہ یہ لوگ موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے، کیونکہ انہیں اپنی گرفتوں کا علم ہے۔ وَاللّٰهُ  
عَلِيْمٌ بِالظَّالِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جانتا ہے، وہ ان  
سے ذرے ذرے کا حساب لے لیگا۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہیں اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ  
تَفِرُّوْنَ مِنْهُ ہے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو فَاِنَّهُ مُلْقِيْكُمْ  
وہ یقیناً تم سے ملنے والی ہے تم موت سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے، موت  
کی آمد تمہاری خواہش کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ یہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور آجائی  
طبرانی شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ موت سے بھاگنے والے  
شخص کی مثال اس لوطی کی ہے جس نے زمین کا قرض ادا کرنا تھا۔

موت سے  
مفر نہیں



جب زمین نے اُس سے قرضہ واپس طلب کیا تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی تاکہ کہیں دوسری جگہ چلی جائے جہاں زمین قرضہ طلب نہ کر سکے، مگر وہ جہاں بھی جاتی زمین پر ہی ہوتی اور زمین اُس سے قرضہ طلب کرتی۔ لومڑی بھاگتے بھاگتے تھک مار کر ہلاک ہو گئی۔ مگر زمین سے باہر نہ نکل سکی اور زمین برابر اُس سے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کرتی رہی۔ موت سے بھاگ جانے والے کی مثال بھی ایسی ہے کہ وہ خواہ کہیں بھی چلا جائے موت تو اُسے مل کر رہے گی اور ضرور واقع ہوگی۔ موت کے اٹل ہونے کے متعلق بعض شعراء نے بھی بات سمجھائی۔

مَنْ هَابَ اسْبَابَ الْمَنَآيَا يَنْدَلَهُ

وَلَوْ رَامَ اسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلْمٍ

جو شخص موت کے اسباب سے بھاگتا ہے وہ تو اُس کو بچڑھی لیتے ہیں اگرچہ وہ سیڑھی لگا کر آسمان پر ہی کیوں نہ چلا جائے۔

لَيْلَتٌ شِعْرِي وَهَمُّ الْمَرْءِ يَنْصِبُهُ

وَلَيْسَ لَهُ فِي الْعَيْشِ حَزَنٌ يَرَى

کاش کہ مجھے علم ہوتا کہ انسان کی فکر مندی اُس کو غم میں مبتلا کرتی ہے، اور انسان کو موت سے بچانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ موت کا کوئی علاج نہیں ہے۔

خود موت طلب کرنے کا بھی ایک مسئلہ ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ موت سے ڈرنا تو نہیں چاہیے مگر مصیبت سے تنگ آکر موت کے لیے دُعا کرنا بھی درست نہیں۔ آپ نے فرمایا لِضُرِّ نَزَلِ بِهِ خدا انھیں راستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے، بیماری لاحق ہو جائے، مال ضائع ہو جائے، اولاد باقی نہ رہے، تو ایسی پریشانی سے تنگ آکر موت نہیں مانگنی چاہیے۔ ہاں اگر دین کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر موت کی تمنا کی جاسکتی ہے۔ آپ نے یہ دُعا بھی سکھائی ہے اللَّهُمَّ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّي فَاحْشِنِي پھر درگاہِ اجب تک تو جانتا ہے کہ

موت کے لیے  
دُعا کا مسئلہ

دنیا کی زندگی میرے لیے بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ، اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو پھر وہ عطا کر دے۔

امام ابو بکر حباصؓ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور قرآن کریم کی حقانیت پر دلیل بھی ہے۔ اللہ نے یہاں پر فرمایا ہے کہ اگر یہودی سچے ہیں تو وہ موت کی دعا کریں اور ساتھ پیشین گوئی بھی کر دی کہ وہ ہرگز ایسی دعا نہیں کریں گے، یہ دونوں چیزیں واقع نہیں ہوئیں نہ تو یہودیوں نے موت کی دعا کی اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو سچا ثابت کیا، لہذا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ثابت ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں جس قدر باطل نظریات اور رسوم کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ ساری قباحتیں آج مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہودیوں نے جھوٹے عقیدے بنا رکھے ہیں، باطل رسوم نکالی ہوئی ہیں، ایمان سے خالی ہیں، ان میں مشرکوں سے بڑھ کر عناد پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ ہدایت کو قبول کرتے ہیں۔ وگرنہ اکثریت اس سے محروم ہی رہتی ہے۔ یہی چیزیں مسلمانوں میں بھی موجود ہیں، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تم بھی یہود کے نقش قدم پر چلو گے، جو بزدلی، خیانت اور باطل رسوم اس وقت یہودیوں میں پائی جاتی ہیں وہی تمہارے اندر بھی آجائیں گی۔ یہودیوں کی طرح تم بھی اللہ کی کتاب اور دین کو پس پشت ڈال دو گے، جس طرح ان کی مثال اللہ نے گدھے کے ساتھ دی ہے تمہارا حشر بھی وہی ہو گا۔ چنانچہ انصاف کی بات یہ ہے کہ یہود و مشرکین میں پائی جانے والی تمام فاسد رسوم آج مسلمانوں میں بھی موجود ہیں، یہ ان کے مزاجوں میں راسخ ہو چکا ہے اور یہ انہیں کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کا خصوصی مظاہرہ خودشی اور غمی کے مواقع پر ہوتا ہے جب اسلامی طریقے کے برخلاف لوگ غیر اسلامی قبیح رسوم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر ان پر اصرار کرتے ہیں۔

مفسر حقانیؒ لکھتے ہیں کہ مولانا عبید اللہ آف پاٹل آج سے تقریباً ڈیڑھ

مسلمان یہود  
کے نقش قدم  
پر

ہندو و نہرو  
مسلمانوں میں



سورسال پہلے مسلمان ہوئے، آپ برہمن تھے۔ پھر دین کی تعلیم حاصل کی اور مشرقی پنجاب میں سینکڑوں ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ انہوں نے "تختہ الہند" نامی کتاب لکھی ہے جس میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جو آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ اس کتاب میں انہوں نے اُن تمام رسومات باطلہ کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے اخذ کی ہیں۔ برہمنوں نے اپنے لالچ کی خاطر ہندوؤں میں بہت سی رسوم جاری کر دیں۔ وہ مرنے والے کے وارثوں سے کہتے کہ تمہارا مردہ ترک (دوزخ) میں پھنسا ہوا ہے۔ اگر اُسے دلوں سے رہائی دلانی ہے تو ایک گائے دان (صدقہ) کرو تاکہ مرنے والا اُس کی دم پٹہ کر دوزخ سے باہر نکل سکے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ چارے ہاں بھی قتل، تیجا، دسواں سالوں، چالیسواں وغیرہ جیسی باطل رسم کل آئی ہے جن پر پھل اور کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے، کپڑے، ٹوٹا، مصلے، برتن، اناج وغیرہ دیا جاتا ہے تاکہ مولوی کا پیٹ بھرے اور مرنے کے لیے ختم پڑھ کر دعا کرے تو اُس کی جان چھوٹے۔ یہ سب برہمنوں کی جاری کردہ رسوم ہیں جو مسلمانوں نے اپنائی ہیں۔ اس کے برخلاف ملت ابراہیمیہ کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مرنے والے ایسا نذر آدمی کو صدقہ خیرات، دُعا، استغفار وغیرہ فائدہ دینا ہے۔ اگر قرآن کریم پڑھ کر بچا جائے تو اس کا بھی فائدہ ہوگا۔ تاہم اگر معاوضہ دے کہ پڑھایا تو وہ رسم ہوگئی اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور خرچ کردہ مال بالکل راستے میں ضائع ہو گیا۔

اسی طرح ہندوؤں نے دھرم کے ستوار پر ہنومان کی شبیہ بنائی تو مسلمانوں نے محرم کے موقع پر اُن کی نقالی کر لی، ہندوؤں نے دیوالی پر چراغاں کیا تو مسلمانوں نے شبِ برات اور موہراج کے موقع پر لائٹس نکائیں، آتش بازی کی اور جھنڈیاں وغیرہ لگا کر اُن کی ہاں میں ہاں ملا دی بعض جگہوں پر مرنے والے کی میت پر سرخ دھیرہ ڈالا جاتا ہے جو کہ ہندو اندر رسم ہے، خاص طور پر میت پر قرآن پاک کی آیات سے مزین چادر ڈالنا تو قرآن کی توہین کے مترادف ہے جس سے قرآن کا تقدس



مجرد ہوتا ہے۔ یہ بھی یہودیوں کا سکھایا ہوا سبق ہے۔ قرآن کا حق تو یہ ہے کہ خود  
پٹھ کر مردے کو ثواب پہنچائے یا قرآن خرید کر کسی محتاج کو دے دے کہ وہ پڑھے اور  
مرنے والے کو اس کا فائدہ پہنچے۔

مسلمانوں کا بوسہ ہر فرقہ کراچی، بمبئی، کاتھیاوار اور مدراس وغیرہ میں بہتے ہیں  
اُن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے مولوی سے چھٹی لکھو کر دے کے کفن میں رکھ دیتے ہیں  
یہ چھٹی بھائی جبرائیل (علیہ السلام) کے نام ہوتی ہے کہ یہ مرنے والا ہمارا آدمی ہے اس  
کو مانج، کھجور، پھل وغیرہ دینا تا کہ یہ کسی چیز سے محروم نہ رہے۔ غرضیکہ اس قسم کی روایت  
یہودی اور ہندو ادا کرتے ہیں تو اُن کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی شروع کر دی ہیں۔  
بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہودی تو زندگی پر پے در پے کے حریص ہیں۔ یہ کبھی  
موت کی تمنائیں نہیں کریں گے، مگر جس موت سے یہ بھل گئے ہیں وہ اگر رہے گی۔ فرمایا  
ثُمَّ تَرْدُونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ يَصْطَلِحُونَ بِمَا لَهُمْ فِيهَا وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ عِلْمٍ  
یہ دروکار کی طرف لوٹے جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ اس زندگی میں انجام دیے  
گئے اعمال کی جزا کے لیے ہر ایک کو موت کی گھاٹی پر لازمی چڑھنا ہے۔ اور اس  
سے کسی طور پر بھی راہ فرار اختیار نہیں کی جاسکتی۔ سورۃ آلہ السجدۃ میں بھی اللہ  
کا فرمان ہے۔ قُلْ يَتُوفُّكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرْتُمْ ثُمَّ يَرْجِعُكُمْ  
إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ (آیت ۱۱) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اللہ کا مقرر کردہ  
موت کا فرشتہ تمہیں وفات دیگا۔ اور پھر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف جزائے محل  
کے لیے جانا ہوگا۔ فَيُذِتُّكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ پھر وہ تمہیں بتلا دے گا  
جو کچھ تم کام کیا کرتے تھے۔ تمہارے سارے اعمال اُس کے ہاں محفوظ ہیں جن  
کو نکال کر وہ تمہارے سامنے رکھ دے گا اور پھر تمہیں اُن کی جو آبدہی کرنا ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ  
فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ  
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑨ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا  
فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑩

ترجمہ:- اے ایمان والو! جس وقت اذان پکاری جائے  
نماز کے لیے جمعہ کے دن، پس کوشش کرو اللہ کے  
ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو خرید و فروخت، یہ بہتر ہے تمہارے  
لیے اگر تم کچھ سمجھ سکتے ہو ⑨ پس جب پوری کر  
لی جائے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ  
کے فضل سے، اور یاد کرو اللہ کو کثرت سے تاکہ تم  
فلاح پا جاؤ ⑩

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحجۃ اسی لیے ہے کہ اس کے دو سر رکوع  
میں جمعہ کے مسائل بیان ہوئے ہیں جمعہ کے دن اور اس کی نماز کو دین میں خصوصیت  
حاصل ہے۔ نماز جمعہ نماز ظہر کے قاتمقام پر پھی جاتی ہے۔ تاہم یہ ظہر سے زیادہ نازل  
ہے۔ جمعہ کے دن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفید الاکم فرمایا ہے اور قیامت  
وائے دن یہ بڑی نمایاں حیثیت میں ظاہر ہوگا۔ یوم الحجۃ کے فضائل کے ضمن میں  
حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو  
تخلیق فرمایا، اسی دن آپ کو جنت میں داخل کیا اور اسی دن وہاں سے نکالا

معدنی  
فضیلت

قیامت بھی بروز جمعہ ہی برپا ہوگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک آئینہ دکھایا گیا جس کے درمیان میں ایک نقطہ تھا۔ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ جمعہ ہے۔ جمعہ کی رات اور جمعہ کا دن دونوں بابرکت ہیں۔ لَيْلَةُ مُبَارَكَةٍ وَيَوْمُهُ أَظْهَرُ اسکی رات بابرکت اور دن بڑا نمایاں ہے۔

جمعہ کے دن ایک ایسی مبارک گھڑی آتی ہے کہ اس دوران ایماندار آدمی حونا جات کرتا ہے یا دعا کرتا ہے۔ وہ قبول ہوتی ہے۔ مسلم شریف کی روایت سے مسدوم ہوتا ہے کہ یہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک کے وقفہ میں ہوتی ہے۔ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کھف کی تلاوت کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ دس دن تک روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ سین سے آسمان تک روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں فتنہ جہاں سے خفایت کا سامان پیدا کرے گا۔ اگر ساری سورۃ کی تلاوت نہ کر سکے تو اس کی پہلی اور آخری دس آیات ہی پڑھ لے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پہلی دس آیات یا کم از کم: آیات ہی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ پھر بھی مختلف درجات عطا فرمائے گا۔ بہ حال اس تلاوت کی فضیلت کا تعلق جمعہ کے دن سے ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور حضور علیہ السلام نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ درود تو ہر دن اور ہر وقت باعث فضل و رحمت ہے۔ جمعہ کے دن اس کی خاص فضیلت ہے۔ نماز جمعہ کے لیے جلدی آنے کی بھی حضور علیہ السلام نے بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جو شخص جمعہ کی نماز کے لیے سب سے پہلے مسجد میں آتا ہے تو فرشتے اس کے لیے اونٹ صدقہ کرنے کے برابر ثواب لکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے منبر پر آنے والے کے لیے گائے صدقہ کرنے کا ثواب، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ مرغی اور اندھے تک کی فضیلت رہ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب اہم خطبہ شروع کر دیتا ہے تو فرشتے نام لکھتا بند کر دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔



جمعہ کی  
اذان

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ إِذَا نَادَيْتُمُ لِلصَّلَاةِ  
مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ جس وقت اذان پکاری جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن  
عام نمازوں کے لیے ایک ہی اذان ہوتی ہے مگر نماز جمعہ کے لیے دو اذانیں کہی جاتی  
ہیں۔ پہلی اذان امام کے خطبہ مینے سے کافی پہلے دی جاتی ہے جب کہ دوسری  
اذان اس وقت ہوتی ہے جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ دوسری  
اذان ہی دی جاتی تھی، تاہم حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب آبادی بڑھ گئی تو  
مدینہ کے مقام زور را پر پہلی اذان مینے کا حکم ہوا، اور دوسری اذان وہی قائم رہی  
جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے ساتھ ہی کہی جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ  
راشد تھے۔ اور انہوں نے ہی دوسری اذان کا طریقہ جاری کیا مگر کسی صحابی نے  
اعتراض نہیں کیا کہ یہ نیا کام شروع ہو گیا ہے، لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اذان  
تمام صحابہؓ کے اتفاق سے شروع ہوئی۔ ویسے بھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے  
کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو کیونکہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔  
تو اس لحاظ سے بھی خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کی جاری کردہ اذان درست ہے  
شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں۔

جمعہ کے  
بعض مسائل

نماز جمعہ تمام مسلمان مردوں پر فرض ہے، البتہ عورتیں، مسافر، بیمار یا عذر  
آدمی سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اندھے کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر اُس کو پکڑ  
کر مسجد میں لانے والا آدمی موجود ہے تو نماز جمعہ اس پر بھی فرض ہوگی، جو لوگ جمعہ کی  
نماز ادا کر لیں گے اُن کے لیے ظہر کی نماز باقی نہیں رہے گی۔

جمعہ کی نماز کے لیے خطبہ شرط ہے، اگر خطبہ نہیں ہوا تو نماز جمعہ نہیں بلکہ ظہر  
کی نماز ادا کی جائیگی، خطبہ میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جاتی ہے، قرآن کی کوئی آیت  
تلاوت کی جاتی ہے، مسلمانوں کو کوئی وصیت کی بات کی جاتی ہے اور آخر میں  
دُعا کی جاتی ہے۔ یہ خطبے کے اجزاء ہیں۔ اگر نماز جمعہ کے لیے جانے میں دقت پیش  
آجائے مثلاً سخت بارش ہو رہی ہے، تیز آندھی یا طوفان اٹھ رہا ہو تو پھر جمعہ کے

یہ حاضر ہونا ضروری نہیں رہتا بلکہ اپنے ٹھکانے پر نماز ادا کی جائے گی۔

حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جمعہ کا خطبہ مکمل خاموشی کے ساتھ سنا چاہیے جو شخص خطبہ کے دوران کلام کرتا ہے اُس کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادیا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کلام کرنے والے شخص کو بول کر کہتا ہے کہ خاموش رہو تو اس کا جمعہ بھی باطل ہو جاتا ہے (یعنی جمعہ کی نماز کا مخصوص اجر و ثواب اس کو حاصل نہیں ہوگا۔) لہذا خطبہ کے دوران مکمل خاموشی لازمی ہے اگر کوئی شخص دوران خطبہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو دوسرا منہ فرماتے ہیں کہ دو رکعت ہلکی نماز پڑھ لے، تاہم امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اُس وقت کوئی نماز نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ خطبہ سنے۔

نماز جمعہ کسی شہر یا اُس کے شاملات، کسی بڑی بستی یا قصبہ میں درست ہے البتہ کسی بادیہ، گھاٹ، کنوئیں، جنگل یا صحرا میں جمعہ کی نماز ادا کرنا درست نہیں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امت نے یہ بات معنوی طور پر سمجھ لی ہے کہ جمعہ کیلئے کسی نہ کسی درجے میں تمدن کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جہاں چالیس آدمی اکٹھے ہو جائیں وہاں جمعہ درست ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہر، قصبہ، بڑی بستی، بازار یا مندری ہونی چاہیے۔ خواہ آبادی کم ہی کیوں نہ ہو۔

جمعہ ظہر کے وقت میں ہی ہو سکتا ہے۔ اگر ظہر کا وقت نکل گیا تو پھر جمعہ نہیں ہوگا۔ شہر کے متعدد مقامات پر بھی جمعہ پڑھنا روا ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ تاہم ہر مسجد میں بلا ضرورت جمعہ کرنا درست نہیں کیونکہ یہ اسلام کی اجتماعیت کے خلاف ہے۔ اسلام نے تو اجتماعیت کا درس دیا ہے۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ دھڑا بندی کی وجہ سے ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، سواک کرنا، حجامت بنوانا، ناخن تراشوانا مسنونہ اعمال ہیں جن کی تاکید آئی ہے۔

فرض نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت ظہری کی طرح مؤکدہ ہیں، البتہ فرض کے بعد والی سنن میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق فرض کے بعد چھ رکعت سنت ہیں، بعض چار پڑھتے ہیں اور امام احمدؒ دو پڑھتے ہیں تاہم صحیح بات یہ ہے کہ چھ رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

نماز جمعہ کے  
لیے اہتمام

فرمایا جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کسی جائے فاسعوا الی ذکر اللہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ امام ابو جبر جصاصؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر دوڑنے سے مراد بھاگ کر جانا نہیں بلکہ اللہ کے ذکر کے لیے کوشش کرنا مراد ہے۔ نماز کے لیے دوڑ کر جانا تو ایسے ہی مکروہ ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب نماز کے لیے جاؤ تو نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ چل کر جاؤ۔ اسی طرح نماز کا جتنا حصہ جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کرو اور جو رہ جائے اُسے بعد میں پڑھ لو۔ فاسعوا سے مراد خواہش کرنا، کوشش کرنا، دوسرے کرنا، کپڑے بدلنا، سواری کا انتظام کرنا۔ یا نماز سے متعلقہ دیگر امور انجام دینا بھی ہے۔ اس کے علاوہ باقی ہر کام کو ترک کر دو۔

امام غزالیؒ پانچویں صدی میں ہوئے ہیں۔ ان کے زمانے میں نماز جمعہ کا جہاں تک کیا جاتا تھا صحیحی کہ لوگ دس بجے ہی گھروں سے نکل کھڑے ہوتے تھے اور گلیاں لوگوں سے پُر ہو جاتی تھیں۔ مگر آجکل حالت یہ ہے کہ لوگ گھروں میں بیٹھے گیس مانتے بہتے ہیں ایسے دیکھتے بہتے ہیں، ریڈیو یا ٹیلیوژن پر گانے سنتے بہتے ہیں۔ پھر جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی نماز میں کیا برکت آئے گی اور اللہ کی کیا خوشنودی حاصل ہوگی؟ فاسعوا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ بہر حال یہاں پر ذکر سے مراد خطبہ اور نماز جمعہ ہے۔

فرمایا اذان ہونے پر نماز جمعہ کا اہتمام کرو وذر و البیع اور خرید وخت کو چھوڑ دو۔ مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف خرید و فروخت کا ترک کر دینا مقصود نہیں بلکہ نماز کی تیاری کے علاوہ تمام کاموں کو چھوڑ دینا مطلوب ہے۔



کوئی شخص کھیتی باڑی کرتا ہے، صنعت و حرفت کا کام کرتا ہے، ملازم ہے غرضیکہ ہر کام کو چھوڑ کر مسجد میں آجاؤ اور خطبہ سنو اور پھر نماز ادا کرو۔ اس وقت میں خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے منبر پر بیٹھنے اور اذان ہونے کے بعد اگر کوئی شخص خرید و فروخت کرے گا تو وہ بالکل ہی ناجائز ہوگی۔ اس وقت میں نکاح پر مصلحت بھی درست نہیں بلکہ بعض ائمہ قریبے حرام قرار دیتے ہیں اور تجدید نکاح کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ نکاح جمعہ کے وقت نہ رکھا جائے۔ ہمارے ہاں بھی عجیب حال ہے اذان اذان ہوئی ہے تو ارادہ نکاح پر مصلحت شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جموعہ کی اذان سے لے کر اختتام نماز تک نماز کے اہتمام کے علاوہ باقی تمام کاموں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اذان سے پہلی اذان مراد ہے یا دوسری جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا ہے اس سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام مولانا بشیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اس اذان سے دوسری اذان مراد ہے۔ اس کی توجہ یہ ہے کہ پہلی اذان تو حضرت عثمانؓ کے دور سے شروع ہوئی۔ جب کہ مذکورہ حکم نزول قرآن کے زمانہ کا ہے، تاہم دیگر امور کے علاوہ خرید و فروخت کی ممانعت پہلی اذان سے لاگو ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں اذانوں کی علت ایک ہی ہے۔ البتہ دوسری اذان (خطبہ والی) کا حکم قطعی ہے جب کہ پہلی اذان کا حکم ظنی ہے۔

فرمایا ذلکم خیر لکموان کنتم تعلمون یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ سکتے ہو۔ اس بہتری سے مراد آخرت کی بہتری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص دنیا کا نفع بخش کاروبار چھوڑ کر اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے آجائے گا۔ نماز پڑھے گا، وعظ و نصیحت سنے گا، مسلمانوں کے خیر و شر میں شریک ہوگا تو یہ چیزیں دنیا کے فوائد سے بلند تر ہوں گی، اسی لیے فرمایا کہ اگر تم میں شعور کا مادہ ہے تو نماز کی دعوت پر بیک کناہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

نماز جمعہ  
کے بعد

ارشاد ہوتا ہے **فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ** اور جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ زمین میں پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ بازار میں جا کر کام کاج کرو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں جا کر یہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو ایک لاکھ نیکو عطا فرمائے گا، ایک لاکھ چھوٹی موٹی غلطیاں معاف فرمائے گا۔ اور ایک لاکھ درجات بلند کرے گا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**۔ بہر حال فرمایا نماز ختم کرنے کے بعد اپنی اپنی دلوں پر چلے جاؤ۔ کوئی شخص جو بھی کام کرتا ہے اسے اجازت ہے کہ اب وہ کام شروع کر سکتا ہے۔ یہودیوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ ہفتے والے دن وہ سوائے عبادت کے اور کوئی کام نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے چولہے بھی ٹھنڈے پڑے رہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یہ آسانی پیدا فرمادی ہے کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنے کام پر جا سکتے ہیں۔ البتہ جمعہ کی اذان سے سے نماز ختم ہونے تک کاروبار بند رکھنے کا حکم ہے۔

فرمایا زمین میں پھیل جاؤ **وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ** اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے مراد اسباب معیشت ہیں۔ چنانچہ طلبِ رزقِ حلال اللہ کے فضل میں داخل ہے۔ علماء کی مجلس میں جا کر علمی استفادہ حاصل کرنا، کسی کی بیمار پرسی کرنا، جنازہ پڑھنا، مومنوں سے ملاقات کرنا، حصولِ علم وغیرہ سب چیزیں فضل میں داخل ہیں۔ جملہ اجتماعی امور میں سے ایک اہم اصول یہ ہے۔ جب لوگوں کا اجتماع ہو تو پھر مسلمانوں کے عام مفاد یعنی تبلیغ، تنظیم اور جہاد کی بات چیت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّجَعُوا لِي يَوْمَئِذٍ** پر اللہ کا دستِ شفقت ہوتا ہے یعنی باہمی مشورہ سے کام کرنے میں بڑی برکت ہوتی ہے اور یہ موقع جمعہ کا اجتماع بخوبی دیا کرتا ہے لہذا اس لیے کام کج چھوڑ کر اس اجتماع میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر اک ابن مالک غٹ نماز پڑھ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور پھر یہ دعا پڑھتے **اللَّهُمَّ أَحْبَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيضَتَكَ وَأَنْتَ تَشَرُّتُ كَمَا أَمَرْتَنِي وَأَرْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ** اے اللہ میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، تیری مرض نماز ادا کی، اور اب میں تیرے حکم کے مطابق منتشر ہوتا ہوں، پس مجھے اپنے فضل سے روزی عطا فرما کہ تو بہتر روزی عطا کرنے والا ہے۔

ذکر الہی

فرمایا نماز کے بعد رزقِ حلال کی تلاش میں نکل جاؤ۔ اور ساتھ ساتھ وا ذکرُوا اللہَ کَثِیْرًا اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ ذکر کی کوئی حد نہیں۔ جتنا چاہیں اور جس وقت چاہیں اللہ کا ذکر کریں۔ ذکر کی آسان ترین صورت ذکرِ لسانی ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت، درود شریف، استغفار اور اللہ کی تسبیح و تہلیلہ کرتا شامل ہے امام جہزی فرماتے ہیں **کُلُّ مُطِيعٍ لِلَّهِ ذَاکِرٌ لِّیْکِی** اور اطاعت کا کام کرنے والا ہر آدمی ذاکر ہے۔ تاہم زبانی ذکر کے یہ چار کلمات بہت پسندیدہ ہیں **مُبِّحًا لِلَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ** لسانی ذکر کے علاوہ ذکرِ قلبی اور روحی بھی ہوتا ہے جو بزرگانِ دین سکھلاتے ہیں۔ الغرض! فرمایا کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرو **لَعَلَّكُمْ تُسْلِحُونَ** تاکہ تم فلاح پا جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عذاب سے بچانے والی چیزوں میں ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے ذکر کرنے سے اللہ راضی ہو کر عذاب سے بری کر دیتا ہے۔



وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا  
 قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ  
 خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝۱۱

۱۱

ترجمہ :- اور جب دیکھتے ہیں یہ لوگ تجارت یا کھیل  
 تماشے کو تو متفرق ہو جاتے ہیں اس کی طرف اور چھوڑ  
 دیتے ہیں آپ کو کھڑا ہوا۔ آپ کہہ دیجئے جو اللہ کے  
 پاس ہے بہتر ہے کھیل تماشے اور تجارت سے۔ اور  
 اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ۝۱۱

رابط آیات

گزشتہ دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے احکام بیان فرمائے۔ جن میں  
 جمعہ کی فرضیت، اذان کا مسئلہ، اجتماع المسلمین، خطبہ سنا، نماز ادا کرنا اور نماز  
 سے متعلقہ امور کے علاوہ تمام کاموں کو ترک کر دینا وغیرہ شامل ہیں۔ غلظہ کے  
 اختتام پر اللہ نے اجازت دے دی کہ زمین میں پھیل جاؤ یعنی اپنے کاروبار یا محنت  
 مزدوری پر چلے جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ فرمایا جمعہ کے اجتماع  
 میں شرکت کرنا، اس کے فیوض و برکات سے مستفید ہونا اور ممکن حد تک اللہ  
 کا ذکر کرنا باعثِ نجات ہے۔

شان نزول

سورۃ کی اس آخری آیت میں اللہ نے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا  
 ہے اور یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے، مدنی زندگی کا ابتدائی دور تھا۔ جب  
 کہ نماز جمعہ فرض ہو چکی تھی، حضور علیہ السلام جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے یہاں  
 پر قدرے اختلاف ہے کہ نماز جمعہ ادا ہو چکی تھی یا ابھی ہونے والی تھی۔ بعض فرماتے  
 ہیں کہ ابتدا میں جمعہ کا خطبہ عیدین کے خطبے کی طرح نماز کے بعد ہوتا تھا اور اس طریقے

کے مطابق نازا ادا ہونے کے بعد خطبہ پور ہوتا تھا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ ہمیشہ ناز سے پتلے ہی رہا ہے اور اس موقع پر بھی خطبہ پور ہوتا تھا اور نماز بھی ادا ہوتی تھی۔ اس دوران میں ایک تجارتی قافلہ آگیا۔ بعض روایات کے مطابق یہ قافلہ حضرت دجیہ ابن خلیفہ کلبی کا تھا جو شام سے اناج لے کر آیا تھا، اس زمانے میں مدینہ میں اناج کی قلت تھی اور مطلوبہ مال کا آہٹا لوگوں کے لیے غیر معمولی کشش کا باعث بن گیا۔ رواج کے مطابق اس قسم کے قافلوں کی آمد یا روانگی کے وقت رسول وغیرہ پیٹے جاتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے اور وہ اپنی اشیائے ضرورت کی خرید و فروخت کر سکیں۔ اس موقع پر بھی جوہنی قافلے کی آمد کا تقارہ بجا تو خطبہ سننے والے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور قافلے کی طرف چلے گئے جو مسجد کے قریب ہی اتر اٹھا۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ تمام لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے، حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت جابرؓ بھی شامل تھے۔ جانے والوں کو خطبہ جمعہ کی اہمیت کا علم نہیں تھا یا انہوں نے اس کو عید کے خطبے کے حکم پر محمول کیا اور اس کی فرہیت کو نہ جانا حالانکہ خطبہ جمعہ کا سننا واجب ہے۔ اس آیت کے ذریعے اللہ نے صحابہؓ کی اس لغزش پر تنبیہ فرمائی ہے۔

بعض روایات میں حضور علیہ السلام سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر سارے لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے جاتے تو سب پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہو جاتا، اور ایسی آگ بھڑک اٹھتی جس میں سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ بہر حال اس تنبیہ کے بعد صحابہؓ نے ایسی غلطی پہرہ کبھی نہیں کی۔

ارشاد ہوتا ہے: **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا** اور جب یہ کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا کہ یہ تجارت کی بات ہی تو تھی کہونکہ تجارتی قافلہ غلے کر

خطبہ جمعہ  
اور تجارت

آیات اور کھیل تماشا ایسے کہ وہاں ٹھول پٹا جا رہا تھا یا کوئی نقار بج رہا تھا جو کہ لہو و لعب میں شمار ہوتا ہے۔ تو فرمایا لوگ اُدھر چلے جاتے ہیں وَتَرْكُوْكَ قَائِمًا اور آپ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ خطبہ جموع سننا ضروری ہے اور دوسری یہ کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بنی مروان کا ایک گورنر بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا کہ حضرت کعب ابن عجرہؓ نے اس کا سخت نوٹس لیا اور فرمایا، اس غیث کی طرف دیکھو جو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف سنت ہے اور یہ معذور بھی نہیں ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَتَرْكُوْكَ قَائِمًا یہ لوگ آپ کو کھڑے ہوئے پھوڑ جاتے ہیں، گویا خطبہ کھڑے ہو کر دینا ہی سنت ہے۔ جب نبی علیہ السلام خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو آپ پر اس قدر جوش طاری ہو جاتا تھا گویا کہ آپ کسی شکمے سے ڈالے ہیں

فَرَمَا يَاقُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَوَمِنَ الْجَنَّةِ وَاللَّهُ خَيْرٌ  
الذَّرِيقَيْنِ اے پیغمبر! آپ ان خطبہ چھوڑ کر چلے جانے والوں سے کہہ دیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ تجارت اور کھیل کو دے سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ ظاہر ہے۔ وعظ ونصیحت سننے، ذکر و اذکار کرنے اور نماز جمعہ ادا کرنے سے اللہ کے ہاں جو اجر ملنے والا ہے۔ اس کے سامنے اس دنیا کی تجارت یا لہو و لعب کی کوئی حیثیت نہیں۔ لوگ اناج لینے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے تھے حالانکہ رزق تو ہر ایک نفس کے لیے اللہ نے خود مقدر کر رکھا ہے جو اُسے مل کر رہے گا۔ اس کے لیے نماز کو ترک کر دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دنیا کو اچھے طریقے سے طلب کرو کیونکہ ہر ایک کو اتنا حصہ ہی ملے گا جتنا اللہ کے علم میں اُس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ امام سرخسیؒ نے "المبسوط" میں روایت بیان کی ہے کہ طلب تو ضروری ہے، لیکن ایسے موقع پر نہیں کہ آدمی خطبہ اور نماز چھوڑ کر روزی کے پیچھے بھاگ جائے۔

روزی ضرور ہے



حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے أَطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خُبَايَا الْأَرْضِ زمین کے کونے کونے سے روزی تلاش کرو۔ اللہ نے رزق کے بہت سے اسباب پیدا کر رکھے ہیں لہذا أَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ روزی اچھے طریقے سے تلاش کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْمَالِ وَلَكِنْ غِنَى النَّفْسِ مال کی کثرت سے تو نگرہی نہیں آتی بلکہ اصل غنا نفس کا ہے جسے حاصل ہو جائے۔ اگر انسان کا نفس ہی بھوکا ہے، تو وہ شخص غنی نہیں ہوگا۔ نیز فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُعْطِي عَبْدَهُ مَا كُتِبَ لَهُ اللہ تعالیٰ بندے کو وہی کچھ دیتا ہے جو اُس نے اُس کے لیے لکھ دیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ خُذُوا مَا حَلَّ وَدَعُوا مَا حَرَّمَ حلال چیز کو لے لو اور حرام چیز کو چھوڑ دو۔ فرمایا إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ الْأَجَلُ بے شک روزی بندے کو اسی طرح تلاش کرتی ہے۔ جس طرح موت اُس کو تلاش کرتی ہے جو دانہ کسی کی قیمت میں لکھا ہے وہ اُسے مل کر رہے گا۔ اسی طرح جتنے بھی چلے کر رہے، کہیں بھاگ جاؤ، موت ضرور آپکڑے گی۔ آسودہ حال لوگ لکھن، امریکہ اور پتہ نہیں علاج کے لیے کہاں کہاں جاتے ہیں مگر انسان جہاں بھی ہو موت اس کو تلاش کر لیتی ہے اور اسی طرح روزی بھی انسان کو پہنچ جاتی ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ آواز سے ہو اور بہتر روزی وہ ہے جو کفایت کر جائے۔ لوگ ذکر یا بھر بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ افضل نہیں کیونکہ اس میں ریاکاشائے پایا جاتا ہے اور دوسروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اب لاؤ ڈسپیکر پر درود شریف پڑھنے کا عام رواج ہو گیا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو تکلیف ہوگی تو درود شریف مقبول ہوگا ورنہ نہیں۔ رزق بھی وہی بہتر ہے جس سے لازمی ضروریات پوری ہو سکیں۔ بسا اوقات زیادہ مال و دولت غلط راستے پر ڈالنے کا باعث بنتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا مَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاللَّهِ

جو تھوڑا ہو اور کفایت کر جائے وہی بہتر ہے اُس سے جو زیادہ ہو اور انسان کو غفلت میں ڈال دے۔ ایسے زیادہ رزق کا کیا فائدہ ہے جو ذکرِ الہی میں رکاوٹ بن جائے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لیے یہ دعا کی **اللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوَّامًا** اے اللہ! خاندانِ محمد کو وہ روزی عطا فرما جس سے وقت بسر ہو جائے۔ آپ نے رزق کی کشادگی کی دعا نہیں کی بلکہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ پروردگار! مجھے اس قدر عطا فرما کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور دوسرے دن فاقہ کروں۔ پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ تو تیرا شکر کروں گا اور بھوکا رہوں گا تو صبر کروں گا۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کو اللہ نے اختیار دیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے بظہا کے پہاڑ سونے کے بنائے جائیں مگر آپ نے یہی عرض کیا تھا۔ **أَسْتَبْعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا** یعنی ایک دن پیٹ بھر کر ملے اور ایک دن بھوکا رہوں۔

روزِ اور  
موت

روزِ اور موت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے بس میں بالکل نہیں ہیں۔ شاعر لوگ کہتے ہیں۔

دو چیز آدمی راکش زور زور  
یکے آب و دانہ دگر خاکِ گور

دو چیزیں آدمی کو زبردستی کھینچ کر لے جاتی ہیں، ایک رزق اور دوسری قبر کی مٹی حدیث میں آتا ہے کہ جہاں انسان کی موت مقدر ہوتی ہے۔ اللہ کسی نہ کسی جہان سے اُسے وہاں لے جاتا ہے اور وہیں اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے، حضرت عاصم ابن ابی النعمان محدث کا قول ہے۔

لَا بُدَّ لِلْمُؤْمِنِ هَمَّانِ هَمُّ الْمَعِيشِ وَهَمُّ الْمَعَادِ

مومن کے لیے دو فکر بہت ضروری ہیں، ایک معیشت کی فکر یعنی روزی کمانے کا مسئلہ اور دوسری قیامت کی فکر۔ اسی لیے ایک روایت میں آتا ہے **طَلَبُ الرِّزْقِ قَدِیْضَةٌ مِّنْ بَعْدِ الْفَوَاضِلِ** اللہ کے مقرر کردہ فرائض کے بعد رزق حلال



کی تلاش بھی ایک فرض ہے۔ تمام اسبابِ رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، وہ کسی نہ کسی ذریعہ سے انسان کو روزی پہنچا دیتا ہے۔ جو لوگ ناجائز ذرائع سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنے مقدر رزق سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ ناجائز ذریعہ اختیار کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی ضرور مول لے لیتے ہیں۔

توکل علی اللہ

ملا معین الدین صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک مجذوب بزرگ حضرت بہلولؒ تھے گویا ”دیوانہ بکار خود ہوشیار“ نیکی میں بہت کامیاب مگر لوگوں کی نظر میں مجذوب ہے کیونکہ ان کی حرکتیں ہی ایسی تھیں۔ انہوں نے راستہ چلتے روٹی کھانا شروع کر دی۔ قریب سے امام ابو حنیفہؒ کا گزر ہوا تو فرمایا، بھائی کھڑے کھڑے کیوں کھا ہے ہو، کہیں بیٹھ جاتے تو اچھا تھا۔ حضرت بہلولؒ نے فوراً پوری سند کے ساتھ حدیث پڑھی اور کہا حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ عَنِ آدَمِي كَأَمَالِ مَطُولٍ كَمَا ظَلَمَ هُوَ۔ اگر کسی کا حق دینا ہے تو فوراً دے دینا چاہیے۔ چنانچہ جس وقت مجھے کھانا ملا میں نے اس کا حق ادا کرنا شروع کر دیا۔ امام صاحبؒ مکرانے کہ اس کی نظر بہت وسیع ہے۔

ایک دفعہ حضرت بہلولؒ غسل خانے میں نہا رہے تھے کہ کسی نے پگڑی یا ردال اٹھایا۔ باہر نکلے تو کپڑا موجود نہیں تھا، وہاں سے دوڑے اور سیدھے قبرستان میں جا بیٹھے، کسی نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے میرا کپڑا کوئی شخص چوری کر کے لے گیا ہے، اس کی تلاش میں ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اپنے چور کو کہیں گلی محلے میں تلاش کرتے، یہاں قبرستان میں کہاں ملے گا۔ کہنے لگے کہ میں اس لیے یہاں اس کے انتظار میں بیٹھا ہوں کہ بالآخر اُسے یہیں آنا ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ وقت نے حضرت بہلولؒ سے کہا کہ اگرچہ تو میں تمہارا کچھ وظیفہ مقرر کر دوں تاکہ آپ معاش کے معاملہ میں بے فکر ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ اس معاملہ میں تم نے تین غلطیاں کی ہیں، اگر یہ نہ ہوتیں تو میں تمہاری پیشکش قبول کر لیتا۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ مجھے کس چیز کی ضرورت



ہے مگر پیش کنی کر دی ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ تمہیں یہ بھی علم نہیں کہ مجھے کیا چاہیئے اور تمہیں یہ کہ مجھے کتنا چاہیئے۔ اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور وہی عطا بھی کرے گا۔ نیز اس میں یہ خدشہ بھی ہے کہ اگر تم کسی وقت مجھ سے ناراض ہو گئے، تو وظیفہ بند کر دو گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو کبھی کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ مشرک، کافر، دہریہ، آتش پرست سب اس کے وظیفہ خواہ ہیں۔

کب رزق  
کے افضل  
پیشے

طہرانی شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ بہترین پیشہ جہاد فی سبیل اللہ ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے میری رضی نیز سے کچھ رکھی ہے۔ اسی لیے مالِ غنیمت، الطیب الاموال یعنی سب سے پاکیزہ مال ہے۔

فرمایا دوسرے نمبر پر افضل پیشہ تجارت کا ہے، ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِ وَالشَّهِيدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قِيَامَتُ يَوْمِ نَبَا اور امانت دار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی قطاریں کھڑا ہو گا۔ فرمایا تیسرے نمبر پر بہتر پیشہ زراعت ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے صدقہ کے بغیر صدقے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان آدمی کوئی درخت یا پودا لگا دے یا کوئی فصل بوتا ہے اور پھر اس میں سے جانور، پرندے، اکیڑے، مکوڑے وغیرہ کھاتے پیتے ہیں اور مالک اگرچہ اُن کو روکتا ہے، اڑاتا ہے مگر پھر بھی وہ جس قدر کھا جاتے ہیں، اُن کے بدلے میں اُسے صدقے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

گانے بجانے  
کی حرمت

اللہ نے تجارت اور سود و لعب کی بات کی ہے کہ اللہ کے ملائے والا اجر ان سے کہیں بہتر ہے۔ تجارت اور پھر روزی سے متعلقہ بعض باتیں میں نے عرض کر دیں۔ باقی رہی دوسری چیز تو قرآن پاک کے مطابق گانا بجانا اور تمام آلات موسیقی ہوں داخل ہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ يُعْلِمُ عِلْمًا بَاطِلًا (۶) اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ ان کے ہدیے

لوگوں کو گمراہ کر سکیں۔ یہ ڈراے، رقص و سرود کی مجلسیں آلات موسیقی معنیٰ کہ ان آلات کے ساتھ گانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں لہو لہو کھڑکھڑ میں شامل ہیں۔ اللہ نے قرآن کرنے والی اور گانے والی آواز کو شیطانی آواز قرار دیا ہے۔ بخاری شریف کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آخری دور میں ایسے لوگ ہوں گے يُحْمِلُونَ الْخَمْرَ وَالْحَبِيرَ وَالْمَخَازِفَ جو شراب ریشم اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے، کہیں گے کہ یہ قورس کی غذا ہے، مولوی بھی ان کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں بیان کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شراب ایک قطعی حرام چیز ہے، جس کا بنانا، خریدنا اور فروخت کرنا بھی حرام ہے۔ اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے۔ اور آلات موسیقی کے تعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مجھے ان کو مٹانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ سب شیطانی کاروبار ہیں۔ سب سے پہلے رقص کرنے والا شیطان ہے۔ پھر سہری کے ساتھیوں نے بکچڑا بنا کر اس کی پروا کی اور اس کے گرد رقص کیا۔ سب سے پہلے گانے والا بھی شیطان ہے۔ خواجہ علی ہجویری اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ رقص کا جواز نہ شریعت میں ہے اور نہ عقل میں غرضیکہ گانا بجانا اور رقص و سرود سب حرام ہیں۔ البتہ گانا اگر اچھا ہو تو غیر موسیقی کے گانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر عورتیں گائیں اور مرد نہیں تو یہ تو سخت بے حیائی کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب پوری دنیا اس قباحت میں مبتلا ہو چکی ہے اور ریڈیو اور ٹیلیوین نے گھر گھر میں رقص و سرود کے اڈے کھول دیے ہیں۔

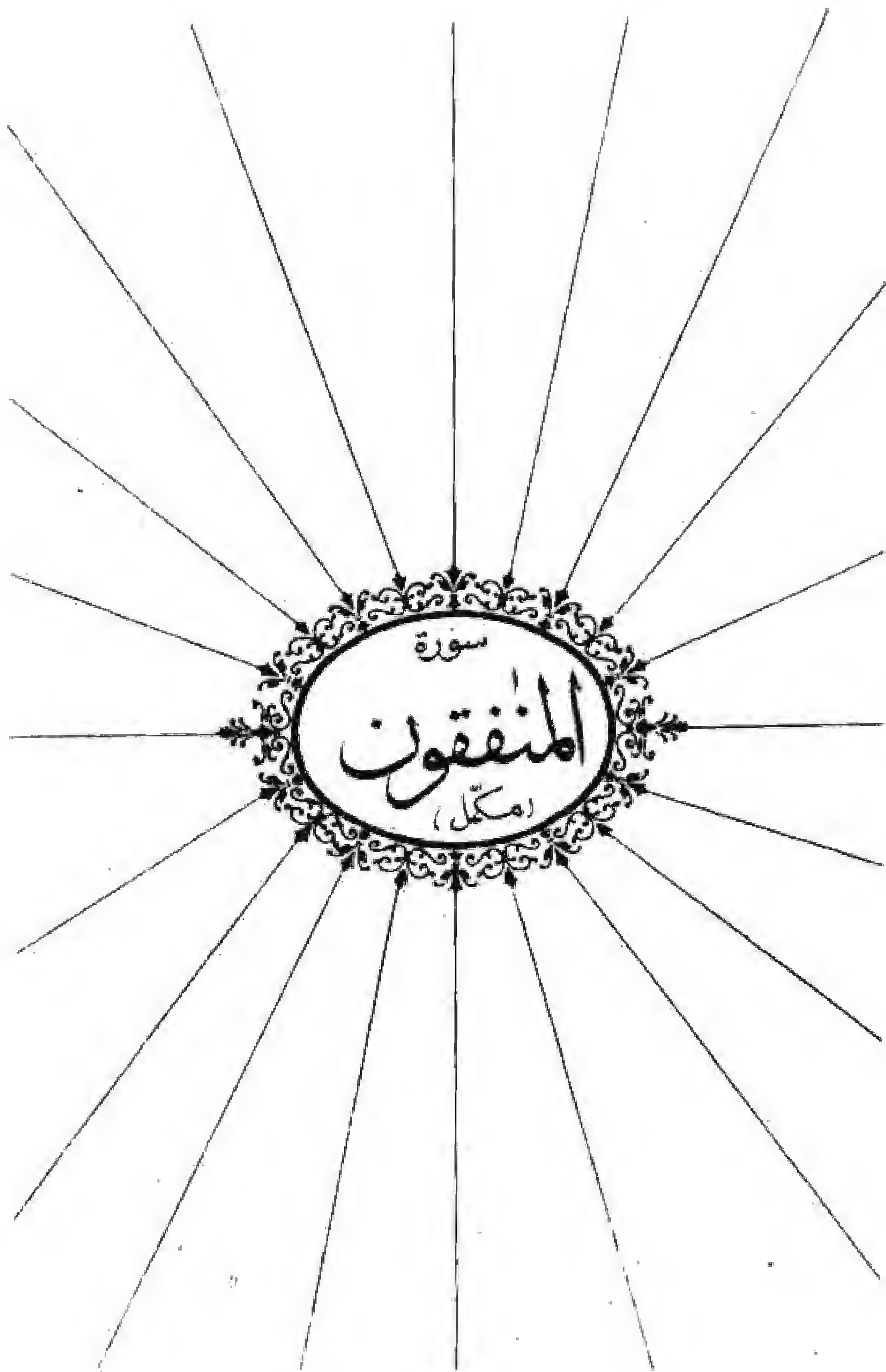
بہر حال ڈھول کی آواز کو اللہ نے ہوسے تعبیر کیا اور فرمایا کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ خطبہ سنو، نماز پڑھو، ذکر کرو، رزق حلال تلاش کرو کیونکہ اللہ بہتر روزی رسال ہے۔ وہ تمہیں تمہاری معذور روزی ضرور عطا کرے گا اور اگر اس نے کسی چیز سے محروم رکھنا ہے۔ تو ساری دنیا مل کر بھی ایک دانہ تک تمہیں نہیں دے سکتی۔ حضور علیہ السلام نے

وَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا بِهِ اللَّهُ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا  
مَنْعْتَ لَكَ الشَّرُّ! جو چیز تو دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دینا چاہے  
اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ سورۃ حمد اور سورۃ منافقین حضور علیہ السلام جمعہ کی نماز میں  
تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الفاشیہ کا ذکر بھی آتا  
ہے کہ آپ اکثر جمعہ کی نماز میں پڑھتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے پڑوس میں ڈیڑھ  
سال تک اقامت پذیر ہونے والی ایک صحابیہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام  
جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تھے تو سورۃ قیٰ بکثرت تلاوت فرماتے تھے۔  
کہتی ہیں کہ یہ سورۃ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سُن کر یاد کر لی تھی  
اگرچہ نماز میں کوئی بھی سورۃ پڑھی جا سکتی ہے، تاہم بعض سورتوں کو حضور علیہ السلام  
کی اتباع میں پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔



۲۲۲



سُورَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً وَفِيهَا اَرْكَوْنَ

سورۃ المنافقون مدنی ہے اور یہ گیارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

وَإِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ  
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّكَ لِرَسُوْلِهِ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ  
لَكَذِبُوْنَ ① اخْذُوْا اِيْمَانَهُمْ جَنَّةً فَصَدُوْا عَنْ  
سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ  
بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ  
لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ  
وَإِنْ يَقُوْلُوْا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خَشَبٌ  
مُّسَدَّدٌ ④ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوْ  
فَاخْذِرْهُمْ قَاتِلْهُمْ اِنَّهُمْ اَنَافِيْ يُؤْفَكُوْنَ ⑤

ترجمہ: جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں کہ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ البتہ اللہ کے رسول ہیں



اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق البتہ جھوٹے ہیں ① یا یا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال، پس روکا ہے انہوں نے اللہ کے راستے سے۔ پس بے شک یہ لوگ، بڑا ہے وہ کام جو کرتے ہیں ② یہ اس وجہ سے کہ وہ ایمان لائے، پھر کفر کیا انہوں نے، پس مہر کر دی گئی ان کے دلوں پر، پس وہ نہیں سمجھتے ③ اور جب آپ دیکھیں گے ان کو تو تعجب میں ڈالیں گے آپ کو ان کے جسم اور اگر وہ بات کہیں گے تو آپ ان کی بات کو سنیں گے، مگر یا کہ وہ کھڑیاں ہیں ٹیک ٹیک گھٹی ہوئیں۔ گمان کرتے ہیں وہ ہر چیخ کو اپنے برخلاف یہی ہیں دشمن۔ پس ان سے بچتے رہیں۔ اللہ ان کو تباہ کرے، یہ کہہ کر پھیرے جا رہے ہیں ④

نام اور کثرت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المنافقون ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ میں اللہ نے منافقوں کی مذمت بیان کی ہے لہذا یہ سورۃ انہیں کے نام پر موسوم ہے۔ پچھلی سورۃ کی طرح یہ بھی چھوٹی سورۃ ہے، جس کی عبادہ آیت اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۸۰ الفاظ اور ۶۷ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں منافقوں کی قیامت، ان کی سازش اور بندی کا بیان ہے۔ اللہ نے ان منافقوں کی بد اعمالیوں کی قلمی اس سورۃ میں کھولی ہے اور حضور علیہ السلام کو ان کی سازشوں سے آگاہ کیا ہے۔ اس سورۃ کے علاوہ سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ مائدہ، سورۃ توبہ، سورۃ احزاب اور بعض دیگر سورتوں میں بھی منافقوں کا حال بیان ہوا ہے۔ ان منافقوں سے مراد بالعموم اعتقادی منافق ہیں۔ کافروں میں سے ایک قسم اعتقادی منافقوں کی ہے بلکہ یہ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ جزائے عمل کے متعلق اللہ کا فرمان ہے: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ

الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء - ۱۴۵) منافق لوگ جہنم کے سب سے نیچے اور خطرناک ترین گڑھے میں ہوں گے۔

بعض اصطلاحات

شریعت میں بعض اصطلاحات ہیں جو کسی شخص کے عقیدے پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً کفر کا معنی انکار کرنا ہے اور کافر وہ شخص کہلاتا ہے جو خدا تعالیٰ کی توحید و رسالت، کتب سماویہ، ملائکہ مقربین اور بعثت بعد الموت کا انکار کرتا ہے۔ اور جو شخص مذکورہ چیزوں کا اقرار کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں شریک ٹھہراتا ہے۔ وہ مشرک کہلاتا ہے۔ پھر جو اللہ کا کلام پڑھ کر اس کا غلط مطلب اخذ کرتا ہے جیسا موجودہ زمانہ کا پرویز، تو ایسا شخص ملحد کہلاتا ہے اور اتحاد کفر کی بدترین قسم ہے۔ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرے دین اختیار کرے یا دہریہ بن جائے، اسے مرتد کہیں گے۔ فاسق کا اطلاق دو قسم کے آدمیوں پر ہوتا ہے، جو کفر میں حد سے بڑھ جائے یا جو دل سے مانتے ہوئے اس پر عمل نہ کرے۔

اعتقادی منافق

اسی طرح منافق بھی ایک اصطلاح ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں یعنی اعتقادی منافق اور عملی منافق۔ جن منافقین کا ذکر اس سورۃ میں آ رہا ہے یا دیگر سورتوں میں ہوا ہے وہ منافقوں کی اعتقادی قسم ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں زیادہ تر اعتقادی منافق تھے جنہوں نے دل سے تو اسلام کو قبول نہ کیا مگر اپنی اغراض اور مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کے لیے ایسے لوگ زبان سے کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ بظاہر نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ اور بارگاہِ نخواستہ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر ایمان ان کے دلوں میں نہیں اترتا تھا۔ لہذا وہ منافق کہلاتے تھے۔

سورۃ البقرہ کی ابتداء میں اس قسم کے منافقوں کا تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ... آیت - ۸ تا آیت ۲۰ مکمل تیرہ آیتوں میں منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم یمن میں مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ یمن نہیں بلکہ دھوکا باز ہیں اور ابدی جہنمی ہیں۔

عملی منافق یہ تو اعتقادی منافق تھے۔ بلکہ دوسری قسم عملی منافقوں کی ہے۔ یہ ایمان تو رکھتے

ہیں۔ دل سے توجیہ، رسالت اور قیامت کی تصدیق بھی کرتے ہیں مگر عمل اس کے خلاف ہے۔ یہ قول اور فعل کا تضاد ہے۔ حدیث میں انہی عملی منافقوں کی بعض نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ایسا منافق تجھ کو آکر یا تو گالی گلوچ پر اتر آئے گا، اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے گا، جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، وعدہ کرے گا تو خلاف کرے گا۔ اب اعتقادی منافقوں کا ترپہ نہیں چل سکتا کیونکہ غیب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کسی کے دل میں کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کو ایسے منافقوں کی اطلاع بذریعہ وحی کس دی جاتی تھی۔ تاہم آج عملی منافقوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ ان کو اخلاقی منافق بھی کہا جاتا ہے۔

بخاری شریف، ترمذی شریف اور بعض دوسری کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی مصطلق کے خلاف جہاد کے سلسلے میں مدینے سے باہر سفر پر تھے، راستے میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی کے معاملہ میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں مہاجر نے انصار کو لکھائی کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ انصاری نے مرد کے لیے انصار کو پکارا تو مہاجر نے مہاجرین کو بلایا۔ زخمی انصاری رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے خاندان کا آدمی تھا۔ اُس نے اس واقعہ کو خوب اچھالا اور مہاجرین کے متعلق کہا کہ ہم واپس مدینہ پہنچ کر ان ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ یہ باتیں ایک کم سن صحابی زید بن ارقم نے سن لیں اور اپنے چچا کے سامنے بیان کر دیں۔ چچا نے یہ باتیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیں۔ آپ نے عبد اللہ بن ابی کو طلب کر کے اس واقعہ کی تصدیق چاہی مگر وہ صاف منکر گیا کہ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ حضور علیہ السلام نے اُس کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے حضرت زید بن ارقم کو سخت سست کیا کیونکہ وہ اپنی بات ثابت نہیں کر سکے تھے۔ اُن کے چچا نے بھی ملامت کی کہ تم نے ایسی بات کر کے ہمیں شرمار کیا ہے۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں مگر ثابت نہ کر سکے۔ یہ سخت پریشان ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ دورانِ سفر رات کے وقت



حضور علیہ السلام میرے پاس سے گزے تو میرا کان مروڑا اور مسکرائے، اور پھر آگے چل دیے۔  
 پیچھے سے حضرت ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام نے تجھ سے  
 کیا بات کی ہے۔ میں نے کہا بات تو کچھ نہیں ہوئی۔ البتہ میرا کان مروڑا ہے اور مسکرا  
 کر آگے نکل گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: زید! تمہیں خوشخبری ہو۔ تھوڑی دیر کے  
 بعد حضرت عمرؓ کا بھی گزر ہوا تو انہوں نے بھی مجھ سے وہی سوال کیا جو حضرت ابو بکرؓ  
 نے کیا تھا اور میں نے اُن کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکرؓ کو دیا تھا۔ پھر انہوں نے  
 بھی مجھے بشارت دی اس کے بعد صبح کے وقت حضور علیہ السلام نے اپنے پاس بلا کر فرمایا،  
زید! اللہ نے تمہاری تصدیق کے لیے قرآن میں سورۃ نازل فرمائی ہے پھر آپ نے یہ سورۃ  
مجھے پڑھ کر سنائی۔

حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے میرے کان کو ہاتھ لگایا  
 تھا اور مسکرائے تھے تو اس وقت مجھے اس قدر راحت حاصل ہوئی کہ اُس کے مقابلے  
 میں ساری دنیا بھی سچ ہے۔ بہر حال اللہ نے اس سورۃ کے ذریعے منافقوں کی برائیوں  
 کو ظاہر کر دیا تاکہ سچے مسلمان ان سے بچ سکیں۔

منافقوں کی  
کذب بیانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ اَبْغِمْ اِجْبِ بِمَنَافِقِ  
آپ کے پاس آتے ہیں قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ تَوَكِّجْتُمْ هُمْ  
گو اہی دیتے ہیں کہ بے شک البتہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ نے فرمایا،  
یہ جملہ معترضہ ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّكَ لِرَسُولِهِ تَوَكِّجْتُمْ هُمْ  
آپ البتہ اللہ کے رسول ہیں۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَذِبُونَ۔ اور  
اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین البتہ جھوٹے ہیں۔ وہ نہ تو اللہ کی وحدت  
کو مانتے ہیں اور نہ آپ کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، صرف  
زبان سے کہہ رہے ہیں، اُن کے دلوں میں تو کفر ہی بھرا ہوا ہے۔ یہ اعتقادی منافق  
ہیں۔ جن کے نفاق کی اللہ تعالیٰ شہادت دے رہا ہے۔ ان کے دل اور زبانیں متضاد  
ہیں، انہیں محض مالی غنیمت یا دیگر مفادات سے غرض ہے، اس لیے یہ ظاہر

میں کمر پڑھتے دگر نہ دل سے کافر ہی ہیں۔

صافغور کی  
اسلام دشمنی

ارشاد خداوندی ہے اِغْزَوْا اٰیْمَانَهُمْ جَنَّةَ اِن لُّوْکُوْنَ نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ قسمیں اٹھا کر اہل ایمان کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم پکے پختے مسلمان ہیں۔ گویا ان قسموں سے وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور عام طور پر اہل ایمان مان لیتے ہیں کہ یہ واقعی سچے مومن ہیں۔ ایک تو ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے اور دوسری بات یہ فَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ کہ وہ در سکر لوگوں کو بھی اللہ کے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اسلام کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کر کے نئے مسلمان ہونے والوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سورۃ توبہ کے آٹھویں رکوع میں اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ منافق ایسی سورۃ کے نزول سے خوف کھاتے ہیں جو ان کے دھول کے پور کھول دے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہیں کہ اب تو بھاگ کر لو، مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ فرمایا جب ان سے پوچھا جائے کہ تم ایسی قبیح حرکات کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں اِنَّمَا کُنَّا نَخَوُّصْ وَنَلْعَبُ (التوبہ: 75) کہ ہم تو بات چیت اور دل لگی کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّهُمْ سَاءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بہت ہی بُرا کام ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا اِنَّکَ یَا نَبِیُّہُمْ اَصْنَوْنَہُ کُفْرًا وَّ اِنَّ کِیْہِ کَاذِبًا اس وجہ سے ہے کہ پہلے انہوں نے ایمان کا اظہار کیا، اور پھر کفر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَطَبَعَ عَلٰی قُلُوْبِہُمْ کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں، لہذا اب ان کے دلوں میں ایمان، نیکی اور حق ساریت نہیں کر سکتا۔ ان کے دل ہر اچھے عقیدہ اور اچھے عمل سے بند ہو چکے ہیں۔ ان میں حق کو تسلیم کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔ فَہُمْ لَا یَفْقَہُوْنَ پس یہ سمجھتے ہی نہیں۔

فرمایا وَ اِذَا رَاٰہُمْ یُعْجِبُکَ اَجْسَامُہُمْ جب آپ ان کی طرف دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو ہلے بھلے معلوم ہوں گے۔ ان کی ظاہری شکل بدل

اور وضع قطع بالکل ٹھیک ٹھاک اور متاثر کن ہے۔ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ  
اور ان کی بات چیت بھی ایسی ہے کہ آپ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ اور  
آپ ان کی بات سُنتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ لوگ وہ کچھ نہیں جہ ظاہر میں نظر آتے  
ہیں۔ فرمایا اُن کی مثال ایسی ہے۔ كَأَنَّهُمْ خُشْبٌ مَّسَدَةٌ گویا وہ ایک  
لکڑی ہیں جسے دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا گیا ہو، وہ لوگ عقیدے اور ایمان کے  
لحاظ سے باطن سے اس قدر کھوکھلے ہیں کہ بغیر سہارے کے کھڑا بھی نہیں ہو سکتے،  
حالانکہ یہ اوپر سے بالکل ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے لکھا ہے كَأَنَّهُمْ جَالَا أَجْمَلُ شَيْءٍ یہ لوگ شکل و صورت  
کے لحاظ سے خوبصورت تھے، مگر اندر سے بالکل فراڈیے۔ اس قسم کے لوگ آج  
بھی دنیا میں با آسانی مل جاتے ہیں۔ جو خوش وضع، خوش لباس اور خوش گفتار ہوں گے  
مگر اندر سے زہرے دھوکہ باز جو لوگوں کو اپنی بارعب شخصیت سے مرعوب کر لیتے  
ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ منافقوں کا بھی یہی حال ہے کہ اُن کے ظاہر اور باطن میں کوئی  
مطابقت نہیں پائی جاتی۔

فرمایا منافق لوگ اندر سے کھوکھلے ہیں اور اس قدر بزدل ہیں کہ يَخْشَوْنَ  
كُلَّ صَيْعَةٍ عَلَيْهِمْ وہ ہر چیز کو اپنے خلاف ہی گمان کرتے ہیں۔ پہلے  
بیان کیا جا چکا ہے کہ منافقوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی سورۃ  
نازل کر کے اُن کا کچا چھٹانہ کھول دے۔ مسلمانوں کو تو وہ بظاہر دھوکہ دیتے  
سہتے تھے مگر جب اُن کی ریشہ دوانیاں بڑھ جاتیں تو اللہ تعالیٰ قرآن میں آیات نازل  
فرما کر اُن کی سازشوں سے آگاہ کر دیتا۔ اور اس طرح اُن کی سکیم ناکام ہو جاتی۔ شاعر لوگ  
بھی یقین کرتے ہیں کہ ظاہر ہی شکل و صورت دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

لَا يَخْدُكَ اللَّعْمَى وَلَا الصُّوْرُ

رَسْعَةُ أَعْشَارٍ مَنْ تَرَى بَقَرًا

یہ دڑھیاں اور ظاہر ہی شکل و صورتیں تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں کیونکہ انسان کے

ہر وقت کھٹکا



دس برس سے نو چھ گائے بیل کی طرح ہیں یعنی وہ انسانیت سے عاری ہیں۔  
اور منافقوں کی بزدلی کا حال یہ ہے۔

مَا زِلْتَ تَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ بَعْدَهُمْ  
خَيْلاً تُكْرِعُهُمْ وَرَجَالاً

جب شکست بد حالی اور زوال آجائے، تو پھر آدمی ہر چیز کو ہی خیال کرتا ہے کہ میرے  
خلاف گھوڑوں اور آدمیوں کا لشکر آرہا ہے۔ مطلب یہ کہ ذرہ سی آہٹ پائی تو سمجھے  
کہ اب ہماری تباہی و بربادی آئی۔ متنبی شاعر نے بھی ایسے لوگوں کی بزدلی کے متعلق کہا ہے  
صَافَتِ الْأَرْضُ حَتَّى صَارَ هَارِبُهُمْ  
إِذَا رَأَتْ شَيْئاً ظَنَّتْهُ رَجُلاً

ایسے لوگوں پر زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اگر خیالی صورت بھی زمین میں آجائے تو بھاگنے  
والا ایسی خیال کرتا ہے کہ اس کے پیچھے آدمی لگے ہوئے ہیں۔

منافقوں کے  
بچنے کا ضرور

فرمایا ان منافقوں کا بھی یہی حال ہے۔ هُمْ الْخَدَوِيُّ يَسْلُمُونَ کے پکے  
دشمن ہیں فَاحْذَرُهُمْ لَئِنْ سَمِعْتَهُ رَمَوْا سَنَدَ اسجد میں حضرت ابوہریرہ سے  
روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کی کچھ علامات بیان کی ہیں جن کے  
ذریعے ان کو پہچانا جاسکتا ہے۔ فرمایا ایل ملاقات کے وقت ان کی زبان پر برائی ہی ہوتی  
ہے، اچھی کا کھانا لوٹ مار کا ہوتا ہے یعنی حلال نہیں ہوتا۔ وہ غیبت کے مال میں خیانت  
کرتے ہیں، نماز کے لیے مسجد کی طرف نہیں آتے بلکہ نماز ہو چکنے کے بعد محض نمازیوں  
میں نام لکھوانے کے لیے آتے ہیں۔ جماعت کا خیال نہیں کرتے، نماز کی فکر نہیں ہوتی  
مغفور ہوتے ہیں۔ بھائی بندوں سے الفت نہیں ہوتی۔ رات کو خشک لکڑی کی طرح  
سوئے بہتے ہیں اور دن کے وقت شور و شر کرتے ہیں۔

فرمایا منافق اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ اِنَّ كَرَامَتَ كِبَرِ  
الْحَيُّ يُؤَفِّكُمُوْنَ یہ کہ ہر پیرے جلسے ہیں، نہ سوچتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں اور نہ ان کی کوئی  
بات ٹھیک ہوتی ہے۔ بہر وقت دھوکہ فریب، خود غرضی اور جھوٹی تعظیم ان کا معمول ہے

ان میں حق کو سمجھنے کی ذرا بھی تمیز نہیں۔ انہیں سابقہ اعمال سے توبہ کر کے حق کو قبول کر لیا چاہیے۔

---

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا  
رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ⑤  
سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ  
لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ⑥  
هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ  
اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ⑦ يَقُولُونَ لَبِئْسَ  
رَجْعًا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ  
وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ  
لَا يَعْلَمُونَ ⑧

۱۳۴

ترجمہ :- اور جب کہا جاتا ان (منافقین) کے لیے کہ آؤ  
بخشش طلب کریں تمہارے لیے اللہ کے رسول تو وہ مڑتے  
ہیں اپنے سروں کو اور آپ دیکھیں گے ان کو کہ وہ ٹپکتے  
ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ⑤ برابر ہے ان کے  
لیے ان پر کہ آپ ان کے لیے بخشش طلب کریں  
یا نہ طلب کریں، اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے  
گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا نافرمان لوگوں کو ⑥



یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو اُن پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ وہاں سے متفرق ہو جائیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے، لیکن منافق لوگ سمجھ نہیں رکھتے ④ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹیں گے مدینے کی طرف تو ضرور نکلے گا عزت والا اُس میں سے ذلت والوں کو، حالانکہ اللہ کے لیے عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے ⑤

ربط آیا

اللہ نے منافقین کے فریب اور جھوٹ کی قلعی کھولی ہے اور ان کی بزدلی کا حال ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا کر بات کرتے ہیں اور پھر جھوٹی قسم اٹھا کر انکار کہہ دیتے ہیں۔ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور اللہ کے رسول کو رسول جانتے ہیں، مگر یہ بات اُن کے دل میں نہیں ہوتی۔ اظہار ایمان کے بعد دل میں کفر کرنے کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دلوں پر پھٹے لگا دیے ہیں۔ انہیں سمجھ ہی نہیں ہے۔ یہ لوگ ظاہری ڈیل ڈول اور شکل و صورت کے اعتبار سے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن اندر سے اس طرح کھوکھلے ہیں جیسے کسی دیگ خوردہ لکڑی کو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔ یہ لوگ پرے درجے کے بزدل بھی ہیں۔ جو نہی کوئی پیچ آتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ وہ اس سے تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقوں سے بچنے کی تعلیم دی ہے آج کے درس میں اللہ نے منافقوں کی بعض دوسری برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد

معافی کی درخواست  
اعراض

ہوتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمہارے لیے اللہ سے بخشش طلب کرے كُتِبَ لَهُم مَّا عَصَوْا اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ کہتے ہیں وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ اور وہ غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ منافقین کے فائدے کی بات کی جاتی ہے کہ تمہاری شرارتیں، کذب بیانی،

خیانت وغیرہ کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان غلطیوں کو معاف کرے تو وہ اکثر دکھاتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور بعض بد بخت تو صاف طور پر کہہ دیتے ہیں، کہ ہمیں دعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سورۃ نسا میں اس بات کو اللہ نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے، پھر اگر تمہارے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتا تو جَدُّوا لِلّٰہِ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (آیت ۶۴) تو وہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔ مگر یہ لوگ اس قدر مغرور تھے کہ کہنے کے باوجود نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی طلب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

نبی کی دعا

حقیقت یہ ہے کہ نبی کی دعا بہت بڑی چیز ہے۔ آپ کے صحابہ بڑے خوش قسمت لوگ تھے جن کے لیے اللہ کے نبی نے بخشش کی دعائیں کیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات میں ان کیلئے پچیس مرتبہ دعا مانگی۔ اسی طرح باقی صحابہ بھی حضور علیہ السلام کی دعا کرنے کے لیے کامیابی کا زینہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے سورۃ نور میں فرمایا۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَکُمْ کَدًّا ۚ بَعْضُکُمْ بَعْضًا (آیت ۶۳) لوگو! نبی کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو۔ نبی کی دعا اللہ کے ہاں زیادہ مقبول ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ منافقوں کی ایک قبیح حرکت یہ بھی ہے کہ جب انہیں اللہ کے نبی کے پاس مغفرت کی دعا کے لیے بلایا جاتا ہے، تو وہ اعراض کرتے ہیں۔

منافقین کے لیے عدم معافی کا اعلان

پھر اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ سَوَاءٌ عَلَیْہُمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَہُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ اِنَّہُمْ اَنْ کَانَہُمْ اَوْ لَمْ یَکُنْہُمْ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ ۚ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنہِیْ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اللہ نے اپنے نبی پر بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ ایسے بد بخت لوگ ہیں کہ اگر وہ لوگ آپ



کے پاس آج بھی جائیں اور آپ اُن کے لیے دعا بھی کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہ کرے گا کیونکہ اس کا قانون یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔ یہ لوگ ضدی، عنادی اور دل کے کھوٹے ہیں، وہ اس حالت سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے، اس واسطے اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

خرچ کرنے  
سے اعراض

حضور علیہ السلام اکثر نادار مہاجرین کی مالی اعانت کی تلقین فرمایا کرتے تھے ایک سفر کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ منافقین نے آپس میں مشورہ کیا ہم خوا مخواہ مہاجرین کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، ذرا ان سے ہاتھ روک کر رکھو، یہ ہمارے گلے پڑ گئے ہیں۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولٍ اِلَّا حَتّٰی يَنْفَضُوْا یہ وہی منافق ہیں جو کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان لوگوں پر جو اللہ کے رسول کے پاس بیٹھے ہیں حتیٰ کہ یہ متفرق ہو جائیں یعنی ادھر ادھر چلے جائیں۔ اللہ نے اُن کی اس بات پر بھی مذمت فرمائی اور انہیں باور کرایا کہ جو مال تمہارے پاس ہے اور جس کو تم خرچ کرنے سے اعراض کرتے ہو، یہ تمہارا نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے چھین لے، اُس کی حکمت میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ فرمایا حقیقت یہ ہے وَلِلّٰهِ خَزَايِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے تو اللہ کے پاس ہیں۔ اگر تم مستحقین پر خرچ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو دے دیگا جو اس کے حکم کے مطابق خرچ بھی کریں گے۔ فرمایا وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ مگر منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے درنہ وہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کے لیے وافر روزی کا بندوبست کر دے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان کو بڑی تکالیف آئیں۔ انہوں نے لغیر کے طعنے سنے، جسمانی تکالیف برداشت کیں، فاقے کاٹے مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ بیشمار مال اور دولت، حکومت اور اقتدار اللہ نے دیا حتیٰ کہ ایک وقت ایسا





مہاجرین کو وہاں سے نکال دیں گے۔ یہ بات کسی صحابی نے سُن لی اور اس کا ذکر حضور علیہ السلام کے سامنے ہوا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اُتار دوں۔ آپ نے فرمایا: **لَا يَحْدُثُ النَّاسُ أَنْ مُحَمَّدًا يَقْتُلَ أَصْحَابَهُ** اس کو چھوڑ دو، لوگ پرانے گمراہ کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کر رہے ہیں اور یہی چیز اسلام کے راستے میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

حضرت عبد اللہؓ کی حق پرستی

حضرت عبد اللہؓ بن ابی رہیں المنافقین کا بیٹا اور مخلص مسلمان تھا۔ اس کا اصلی نام حباب تھا جس کا معنی شیطان ہوتا ہے۔ تاہم جب وہ اسلام میں داخل ہوا، تو حضور علیہ السلام نے اُس کا نام عبد اللہؓ رکھ دیا۔ اُس نے عرض کیا، حضور! اگر آپ اجازت دیں تو میں خود اپنے باپ کا سر اُتار کر پیش کر دوں جس نے ایسے غلط کلمات کہے ہیں۔ آپ نے اُس کو بھی منع کر دیا کہ ایسا نہ کرنا، جب تک یہ بد بخت ہمارے ساتھ ہے ہم اس سے اچھا سلوک ہی کریں گے، پھر جب یہ سب لوگ واپسی پر مدینہ شہر کے قریب پہنچے تو بیٹا تلوار سونت کر باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ **وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰی تُقَرَّ اَنَّكَ ذَلِيلٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ عَزِيزٌ** اللہ کی قسم میں تجھے اُس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ جب تک تو اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور اللہ کے رسول باعزت ہیں۔ جب باپ نے دیکھا کہ بیٹا اس معاملہ میں سنجیدہ ہے تو اُسے یہ اقرار کر کے جان چھڑانا پڑی۔

عصبیت کے جو نعرے اس واقعہ میں بلند ہوئے اور جو اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بکثرت بلند ہوتے تھے، وہ کسی نہ کسی شکل میں آج بھی دنیا میں بلند ہو رہے ہیں۔ اس زمانے میں بھی وطن، زبان، قومیت، رنگ اور نسل کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر بے تبری جھگڑائی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ سب گندے اور بدبودار نعرے ہیں۔ اگر خود مسلمان جو ایک خدا ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کلمہ کو پڑھنے پڑے ہیں، ایسے نعرے لگانا شروع

عصبیت کے نعرے

کہہ دیں تو اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کیا نکل سکتا ہے۔ دیکھ لیں بنگالی اور غیر بنگالی کے  
 نعرے نے کیا گل کھلائے، آدھا ملک ہی جدا ہو گیا۔ اب باقی ماندہ ملک پاکستان  
 میں بھی بلوچی، سندھی، پشتون اور پنجابی کے نعرے لگنے لگے تو اس ملک کا کیسے گا  
 مصر، شام اور یمن میں مختلف قومیتوں کے نعرے بلند ہوئے، نتیجہ یہ ہے کہ ایک  
 دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح صوبائیت کے نعرے بھی تباہ کن ہو  
 سکتے ہیں، اہل پاکستان کو فرقہ واریت سے بچا ہو گا۔ ورنہ ہر صوبہ میں نقصان  
 ظہور اسلام ہی کا ہو گا۔ عصبیت، کہ یہ نعرے نفاق کی علامت ہیں اور بھائی کو بھائی  
 سے جدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس وقت دنیا میں کالے اور گورے کی تفریق پائی جاتی ہے۔  
 امریکہ اور جنوبی افریقہ میں گوروں اور کالوں کے ہوٹل، سکول اور ہسپتال الگ الگ ہیں۔  
 کسی گورے کے ہوٹل میں کرنی کالی نسل کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔ اسمبلی میں گورے اور کالے  
 یکجا نہیں بیٹھ سکتے۔ حتیٰ کہ گوروں کے سکولوں اور کالجوں میں کسی کالے کو داخل نہیں مل سکتا۔  
 یہ سب جاہلانہ عصبیت ہے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی موجود ہے۔

برصغیر میں ہندو کی ذہنیت بھی ایسی ہی ہے۔ وہاں بھی ذات پات کی تفریق  
 موجود ہے۔ کوئی ادنیٰ ذات کا ہندو اعلیٰ ذات کے ہندو کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔  
 انہیں شور یعنی حقیر اور ذلیل کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی چھوٹی ذاتوں کے ہوٹل، بڑی  
 ذات والوں سے الگ ہیں، بلکہ ان کے برتن بھی الگ الگ ہیں، غیر اقوام مسلمانوں  
 کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتی ہیں اور ان میں بھی باہمی تفرقہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ جس  
 کی اثر کے نبی نے سخت مذمت بیان کی ہے اور اسے جاہلیت کی عصبیت قرار  
 دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے إِنَّكُمْ أَعْمَاقُ الْمُؤْمِنِينَ إِخْوَةٌ (انجرات۔ ۱۰) اور  
 تو آپس میں بھائی بھائی ہیں مگر آج بھائی کو بھائی سے لڑایا جا رہا ہے اور اس طرح مسلمانوں  
 کو اجتماعی لحاظ سے کمزور کیا جا رہا ہے۔

عزت کا  
 معیار

باقی رہ عزت کا حقیقی معیار تو اللہ نے بیان فرمایا ہے وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ  
وَلِلسُّوْلِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ اصل میں عزت تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور عام



مومنوں کے لیے ہے۔ اصل عزت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے، اور پھر اس کے رسول کی جو اس کا نائب ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو نافذ کرنے والا ہے۔ اُس کے بعد ایمانداروں کا نمبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے نبی کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کے پروگرام کو دل و جان سے اگے بڑھاتے ہیں۔ مال و دولت عزت کا معیار نہیں ہے کیونکہ یہ تو مومن اور کافر سب کے پاس ہو سکتی ہے۔ عزت کا معیار تو دین، ایمان، اخلاق اور کردار ہے۔ جس میں یہ چیزیں پائی جائیں وہی عزت کا مالک ہے۔ اور جو شخص برے اخلاق، برے اعمال انجام دیتا ہے اور بُرا عقیدہ رکھتا ہے، وہ کبھی باعزت نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ذلیل ہی ہو گا اگرچہ سونے میں کھیلتا ہو۔ بزرگانِ دین کا قول بھی ہے۔ مَنْ يَعْصِ اللَّهَ فَهُوَ السَّفْلَةُ جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ ذلیل اور کمینہ ہے۔ اس کے برخلاف اگر معمولی خاندان کا مادر آدمی بھی ایمان والا ہے تو وہ عزت کا مالک ہے کیونکہ عزت تو خدا، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

امام زحشری نے اپنی تفسیر میں ایک نیک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کی ظاہری حالت بالکل معمولی تھی۔ کسی نے اُس کو طعنہ دیا کہ تم حقیر ہو، تو اس نے جواب میں کہا اَلَسْتُ بِعَلَى الْإِسْلَامِ کیا میں اسلام پر نہیں ہوں؟ اور اگر میں مسلمان ہوں تو پھر سُنْ لَوْ هُوَ الْعِزَّةُ الَّذِي لَا ذِلَّ مَعَهُ کہ اسلام سے وابستگی وہ عزت ہے جس کے ساتھ کبھی ذلت نہیں ہوگی۔ یہ وہ غنہ ہے جس کے ساتھ فقر نہیں۔ کہنے لگی عزت مال و دولت اور اچھے لباس اور اچھی سواری سے نہیں بلکہ اسلام سے ہے۔

کسی شخص نے حضرت حسنؑ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ میں کچھ اکڑ پائی جاتی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ اکڑ نہیں بلکہ عزت ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ فرمایا ہم غرور و تکبر نہیں کرتے بلکہ عزت نفس کو برقرار رکھتے ہیں۔

فرمایا اور رکھو! عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ مگر منافق اس بات کی سمجھ ہی نہیں رکھتے۔

وہ تو مال و زر کو عزت کا باعث سمجھتے ہیں، قومیت، وطن اور جماعت پر مانزاں ہیں

حالانکہ عزت ان چیزوں سے نہیں ہے۔ کسی دولت مند یا صاحب اقتدار کی عزت

کرنے کا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ یہ چیزیں تو آئی جانی ہیں، لہذا عزت کا معیار نہیں بن سکتیں۔

عزت کا معیار وہی ہے جس کا ذکر خدا اس آیت میں کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ  
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْخٰسِرُونَ ⑨ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ  
يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ  
قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ⑩ وَلَنْ يُؤَخِّرَ  
اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑪

ترجمہ :- اے ایمان والو! نہ غفلت میں ڈالیں تم کو تمھارے  
مال اور نہ تمھاری اولادیں اللہ کی یاد سے ۔ اور جو شخص ایسا  
کرے گا ، پس یہی ہیں نقصان اٹھانے والے ⑨ اور خرچ کرو  
اُس میں سے جو ہم نے تمھیں روزی دی ہے اُس سے  
پہلے کہ آئے تم میں کسی کے پاس موت ، پس کہے گا  
وہ کہ اے میرے پروردگار ! کیوں نہیں تو نے مجھے  
مہلت دی محوڑی سی مدت تک تاکہ میں صدقہ کرتا  
اور ہو جاتا میں نیکیوں میں سے ⑩ اور اللہ تعالیٰ ہرگز مؤخر  
نہیں کرے گا کسی جان سے اس کی موت جب کہ  
اس کا وعدہ آگیا ۔ اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے اُن کاموں  
کی جو کچھ تم کرتے ہو ⑪

پہلے رکوع میں اللہ نے منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور اب

رابطہ آیت



ایمان والوں کو غفلت سے بچنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ پہلے منافقوں کی سازش،  
ریشہ دوانی، سبھل اور بھائی اور بد اخلاقی کے دیگر امور کا ذکر ہوا۔ اللہ نے ان کے  
فاسد خیالات اور اعتقادات کی نفی فرمائی۔ اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقوں کی باتوں  
میں نہ آئیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مکی زندگی میں تو نفاق پیدا نہیں ہوا، وہاں تو مومن  
تھے یا کافر، البتہ مدنی دور میں اگر اعتقادی منافق پیدا ہو گئے تو زبان سے تو کلمہ توحید  
پڑھتے تھے اور بعض دیگر نیکی کے کام بھی کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں کفر ہی بھرا  
ہوا تھا۔ منافقوں کی یہ قسم کافروں کی بدترین قسم ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا  
ہے کہ یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

منافقین کی  
بعض دیگر  
اقسام

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اعتقادی اور عملی منافقوں کے علاوہ ان کی  
بعض دیگر اقسام کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً منافقوں کی ایک قسم ان لوگوں کی ہے، جو  
اسلام میں داخل ہوتے وقت کمزوری دکھاتے ہیں اور پوری دلجمعی کے ساتھ اسلام  
قبول نہیں کرتے۔ یہ لوگ اپنے قومی اور خاندانی طور طریقے کو ہی جاری رکھتے ہیں، اور  
نظام اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جن کے دلوں میں  
دنیاوی لذات کا غلبہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نجات  
سے محروم ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جو مال  
کی حرص، حسد اور کینہ وغیرہ جیسی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں  
وہ خدا تعالیٰ کے سامنے مناجات کرنے میں لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔

کچھ لوگ امورِ معاش میں اس قدر انہماک رکھتے ہیں کہ امورِ معاد کی فکر ہی نہیں ہوتی  
یہ بھی نفاق ہی کی ایک قسم ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے نبی کی نبوت و  
رسالت کے متعلق شکوک و شبہات ہوتے ہیں کیونکہ وہ حقیقتِ نبی پر نازل ہونے  
والے شرعی احکام کے ساتھ موافقت پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ بھی منافقوں ہی کی ایک  
قسم ہے۔ منافقوں کی ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے، جو اپنی قوم قبیلے اور خاندان  
کی مدد کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ بد اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگ

اسلام کے معاملے میں سستی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں اور آج بھی دنیا ایسے منافقوں سے بھرا ہے۔ ان سب اقسام کے منافقوں کی نشاندہی حدیث میں کردی گئی ہے۔

مالِ اولاد  
زیرِ عسر  
غفلت

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ منافق ناوارِ مہاجرین پر خرچ کرنے سے اعراض کرتے تھے کیونکہ وہ مال کی محبت میں مبتلا تھے۔ اللہ نے آج کی آیات میں ایسے منافقوں کی مذمت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کے ذکر سے غفلت میں نہ ڈال دیں۔ جب لوگ ان دو چیزوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر ان میں زیادہ منہمک ہو جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں تمام فرائض اور واجبات آتے ہیں۔ جن کی ادائیگی ہر اہل ایمان پر لازمی ہے۔ مگر لوگ مال و اولاد کی خاطر ان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَعَلَّكَ اللَّهُ جُورًا کوئی ایسا کرے گا یعنی فرائض و واجبات کو ترک کر دے گا۔ فرمایا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ پس یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ دنیا کے تمام لوازمات غافی ہیں جب کہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کا نتیجہ دائمی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص دائمی چیز کو چھوڑ کر غافی چیز کے پیچھے لگے گا، وہ نقصان ہی اٹھائے گا۔ سورہ طہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص میری یاد سے غفلت اختیار کرے گا ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیں گے۔ یعنی مال و دولت کی فراوانی کے باوجود اس کو اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہو گا۔ ظاہر ہے کہ جب سکون ہی حاصل نہ ہو تو زندگی کا گذران تنگ ہو جاتا ہے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وہ عرض کئے گا، پروردگار! مجھے اندھا کہہ کے کیوں اٹھایا گیا ہے، حالانکہ دنیا میں تو میں بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمے گا کہ ایسا ہی ہے أَتَلْبَسَ آيَاتِنَا فَتَنِيَهُمَا وَكَذَّبَ الْيَوْمَ تَنَسَّى (طہ ۱۲۶) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں مگر تو نے ان کو بھلا دیا یعنی

آیا کہ بیشمار مال و دولت، حکومت اور اقتدار اللہ نے دیا حتیٰ کہ ایک وقت ایسا

کی طرف دیکھا بھی نہیں، لہذا آج تیرے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوگا، تم بھلا بیٹے جاؤ گے اور تمہاری کوئی فریادری نہیں ہوگی۔ اس طرح گویا دنیا کے کاروبار میں نہمک ہو کر یاد الہی کو فراموش کر دینے والے دائمی خسارے میں رہیں گے۔

مال اور اولاد  
فتنہ ہیں

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان کا مال اور اولاد اس کے لیے فتنے کا باعث ہے۔ اولاد انسان کو کھل پر آمادہ کرتی ہے اور وہ اولاد کی خاطر جمع کرنے میں لگا رہتا ہے اور فرائض و واجبات میں بھی خرچ نہیں کرتا۔ اولاد بیک خدا کی نعمت ہے مگر یہ فتنے کا باعث بھی ہے۔ اس کی وجہ سے انسان حلال و حرام کا امتیاز کھو بیٹھتا ہے اور خدا کی یاد سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے، حضور علی السّلم نے فرمایا کہ میری امت کا فتنہ مال ہے، اکثر لوگ مال و دولت کی طلب میں ہی سرگرداں رہتے ہیں اور حدود شرع کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ پھر ان میں حلال حرام، جائز ناجائز کی تمیز باقی نہیں رہتی، اسی لیے فرمایا کہ مال اور اولاد انسان کے لیے فتنہ کا باعث ہیں۔ اس مقام پر بھی اس بات کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو شخص خدا کی یاد، اس کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو کر مال و دولت کے پیچھے ہی دوڑتا ہے گا۔ اور اولاد کی جائز ناجائز خواہشات کی تکمیل میں لگا رہے گا۔ وہ ہمیشہ کا نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

بروقت  
انفاق

منافق لوگ تو معیجوں پر خرچ کرنے سے منع کرتے تھے مگر اللہ نے فرمایا وَانْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرو۔ حقیقت میں دینے والی ذات تو خدا تعالیٰ کی ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لِلّٰهِ مَآفِی السَّمٰوٰتِ وَمَآفِی الْاَرْضِ (سورۃ البقرہ - ۲۸۴) آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر یہ کس قدر قیمتی کی بات ہے کہ اس کے عطا کردہ مال میں سے اس کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے، جو لوگ انفاق فی سبیل اللہ سے اعراض کرتے ہیں، وہ دنیا کے مال کو اپنی ذاتی کھائی خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ دولت اپنے علم اور مہر کے ذریعے کھائی ہے۔ اسی چیز کی اللہ نے یہاں نفی کی ہے اور فرمایا



کہ اُس میں سے خرچ کر دو جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔ وَمَنْ قَبِلَ اَنْ يَّاتِيْ اَحَدَكُمْ  
اَلْمَوْتُ پیشتر اس کے کہ تم میں سے کسی پر موت وارد ہو جائے فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَا  
اٰخَرَتْنِيْ رَٰلِیْ اَجَلٌ قَرِیْبٌ پھر وہ یوں کہے کہ پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مزید  
مہلت کے لیے مہلت کیوں نہیں دی فَاَصْدَقَ وَاَكُنْ مِنَ الصَّٰلِحِیْنَ تاکہ میں  
صدقہ خیرات اور ذکر و عبادت کر کے تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں مگر اس وقت  
مہلت نہیں ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاخِرُوْنَ  
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (اسراف - ۳۴) جب کسی کا وقت پورا ہو جاتا ہے  
 تو پھر گھڑی جبر بھی وہ وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا اور ان کو اس جہاں سے جانا ہی پڑتا  
 ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ وہ وقت آنے سے پہلے پہلے خرچ کرو تاکہ تمہارے لیے وہ  
 ذخیرہ آخرت بن جائے اور بعد میں حسرت نہ اٹھانی پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہے مگر اس نے  
 سچ نہیں کیا، زکوٰۃ واجب مقرر کی، وہ ادائیں کی، وہ شخص ہر نئے وقت دنیا میں واپس  
 لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ بات تو کافروں کے حق میں معلوم  
 ہوتی ہے تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنا لی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّنْ  
بَٰرِئٍ یہ اہل ایمان! تم سے خطاب ہے کہ دنیا میں دوبارہ جانے کی تمنا کریں گے تاکہ واپس  
جاکر نیکی کے کام کر سکیں، مگر مہلت نہیں ملے گی کسی نے کہا ہے۔

اجل لگائے گھات ہر کسی پہ ہے

بہ ہوش باش کہ عالم روا روی میں ہے

غائب نے بھی کہا ہے۔

عالم روا روی میں ہے

ہر چیز کیوں ہے نہیں ہے

مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کی قدر نہیں کرتا۔ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔

خوش است عمر درینا کہ جاودانی نیست بس اعتماد بریں پنج روز غانی نیست

یہ عمر تو بڑی اچھی ہے مگر افسوس کہ یہ دائمی نہیں ہے، لہذا اس پانچ روزہ زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے، معلوم یہ کس وقت ختم ہو جائے۔

۔ جہاں بر آب نہاد ست و زندگی برباد

غلامِ محبت آنم کہ دل برو نہ نہاد

اس جہان کو خدا تعالیٰ نے پانی پر رکھا ہے۔ جب کہ زندگی کا دار و مدار ہوا ہے۔ میرا اُس کا غلام ہوں جس نے اس زندگی میں دل نہ لگایا کیونکہ یہ فانی چیز ہے۔

۔ بے بدیدہ حسرت ز پس نگاہ کند

کے کہ برگِ قیامت از پیشِ ز فرستاد

وہ آدمی کئی دفعہ حسرت سے نگاہ اٹھائے گا جس نے قیامت کا سامان پہلے نہیں بچھا

فرمایا خرچ کرو اُس روزی میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے۔ خرچ کا اولین

محل زکوٰۃ ہے جو سال بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جب مال نصاب کو

پہنچ جائے خواہ وہ مال تجارت ہو، زکوٰۃ ہو یا نقدی ہو اُس پر زکوٰۃ لازمی ہے۔ یہ فرض

بھی ہے اور عبادت بھی اس کے بعد پھر عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر ضروری ہے اور

جب حج کا موسم آئے تو جائزہ کی قربانی بھی لازمی ہے بشرطیکہ مال موجود ہو محتاجوں کے لیے

صدقہ خیرات کی مدد بھی ہے۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اس کا علاج کرایا جائے، یتیم، مسکین، مفروض

اور معذور رہے تو اُس کی مالی اعانت کی جائے۔ اگر کسی مسافر کے پاس زاد راہ ختم ہو چکا ہے

تو اس کی مدد کی جائے۔ یہ ساری خرچ کی مدت ہیں جن میں حسب توفیق حصہ لینا چاہیے۔

اگر انٹرنیٹ وافر مال دیا ہے تو وہ نذران یا رفاہ عامہ کے لیے دقت بھی کر سکتا ہے۔

اور اپنے مال کے ایک تہائی کے برابر ایسے کام کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں کو ان چیزوں کا خیال نہیں آتا، انہیں

تو سینما گھر بنانے اور آرٹ گیلری، ویڈیو کمپنیز تیار کرنے سے غرض ہے تاکہ لوگ زیادہ سے

زیادہ بھلائی کی طرف مائل ہوں۔ بعض لوگ عیاشی کے لیے گلاب بنالیتے ہیں، کھیلوں

کے لیے حکومتی سطح پر بڑے بڑے ٹیڈیم بنائے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ابن حوقل

خرچ کی  
مدت

نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ سکپانگ سے لے کر مکر مرہ تک جگہ جگہ مسافر خانے بنے ہوئے تھے، جہاں مسافروں کو فری رہائش میسر تھی۔ اس کے ساتھ مصفت کھانا اور ساتھ جانور ہے تو اس کا چارہ بھی فری ہوتا تھا، یہ اُس وقت کے مسلمانوں کا کارِ خیر تھا۔ حج پر جانے والے قافلوں کو تمام ضروریات بلا قیمت مہیا کی جاتی تھیں۔ آج نام نہاد ترقی یافتہ ممالک نے ہوٹلوں کا شیطانی نظام قائم کر دیا۔ جہاں ایک عام آدمی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ غرضیکہ آج کے زمانے میں اتفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ ہی ختم کر دیا گیا ہے اور ہر کوئی ہوس زر میں مبتلا نظر آتا ہے۔

حج کا خرچہ بذاتِ خود ایک معقول خرچہ ہے جس کے ساتھ جسمانی مشقت اور وقت کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ اتفاق کے لیے جہاد کی کئی قسمیں ہیں، جو جہاد دشمن کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے۔ اس میں ذاتی محنت کے علاوہ خرچے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تبلیغ بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے۔ اور تعلیم و تصنیف بھی اسی میں آتے ہیں۔ عام اتفاق فی سبیل اللہ کا بدلہ تو اللہ کے ہاں دس گنا ملتا ہے۔ تاہم حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اجر سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

اپنی بیوی اور چھوٹی اولاد کا خرچہ بھی صاحب خانہ پر ضروری ہے۔ اس کے علاوہ قریبی بعزہ جو محتاج ہوں، اُن کا خرچہ بھی صاحب حیثیت آدمی پر لازم آتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ جس مالدار آدمی کے اقرباء غریب ہوں۔ اُس پر پُر اُن غریبوں کا خرچہ بھی واجب ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (آیت ۲۶) اقرباء، یتیم اور مسافر کو اُس کا حق ادا کرو۔ غرضیکہ اتفاق میں فرائض سے لے کر مستحبات تک تمام امور شامل ہیں اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

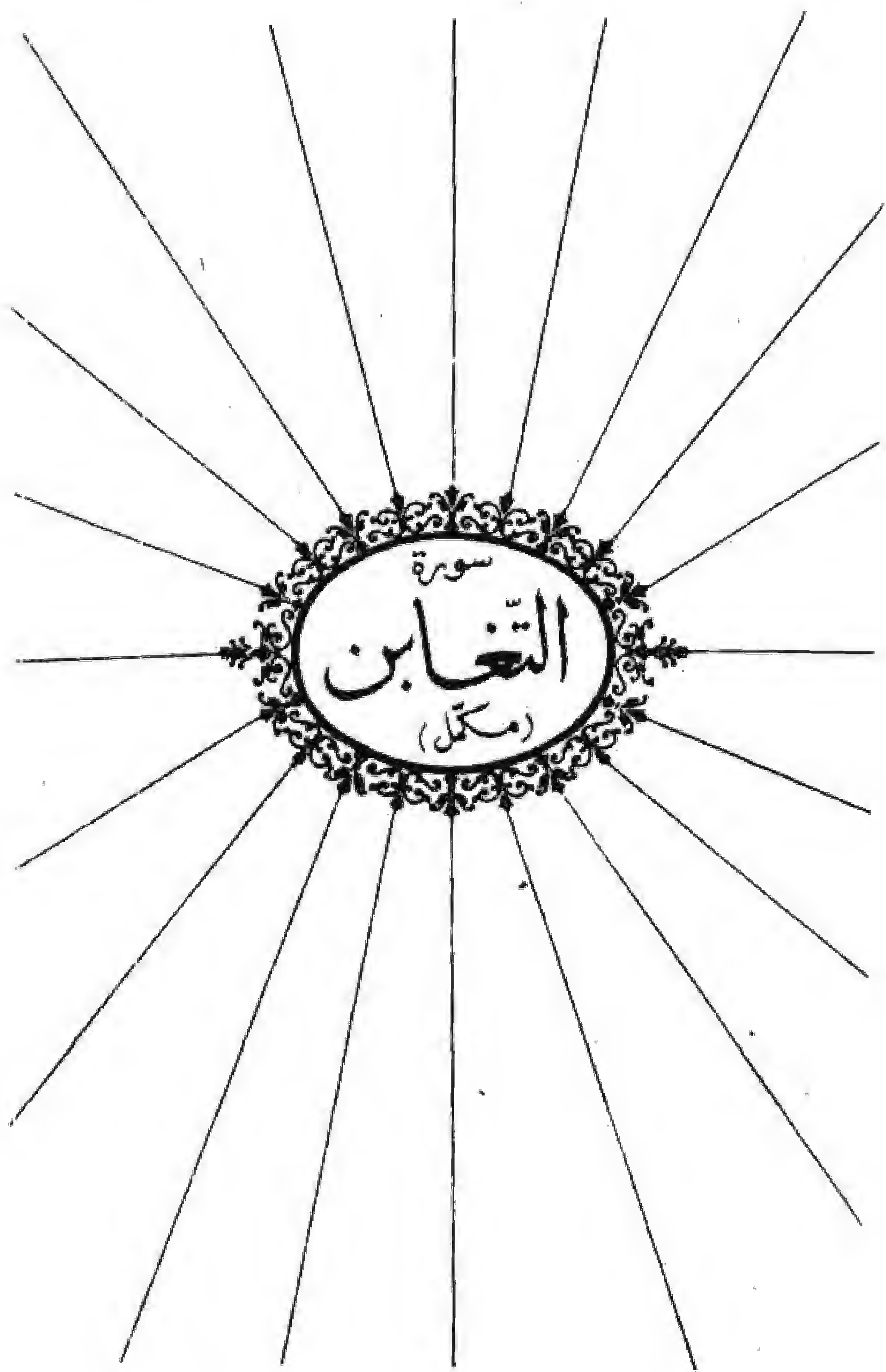
صحیحین کی روایت میں آتا ہے، کہ حضور علیہ السلام دریافت کیا گیا کہ اجر کے لحاظ سے کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں کیا جانے والا



صدقہ بہترین ہے جب کہ تم تندرست بھی ہو، فقر کا ڈر بھی ہو اور مالدار بننے کی خواہش دل و  
 دماغ کے کسی کونے میں موجود ہو، فرمایا اُس کو مؤخر نہ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ سب جان گلے میں  
 آکر اٹک جائے تو پھر خرچ کرنا شروع کر دو۔ ایسے وقت کا خرچ کیا ہوا کیا مفید ہو  
 گا۔ جب کہ زندگی بھر تو اس طرف دھیان ہی نہیں آیا۔ فرمایا اگر تندرستی کی حالت میں  
 دیتا تو اچھا تھا۔ اب جو بچ گیا، وہ توبہ وار لوں کا مال ہے۔ اب اس کے خرچ کیسے  
 کا کرنی فائدہ نہ ہوگا۔

یہاں پہلے عرض کیا ان ن خواہش کرے گا کہ اُسے تھوڑی سی مہلت مل جائے تو وہ  
 صدقہ خیرات کر کے نیکو کاروں میں شامل ہو جائے گا۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَٰكِنْ يَّوْخِرُ ٱللَّهُ  
 نَفْسًا إِذْ أَجَاءَ أَجَلُهَا ٱللَّهُ هُزْءٌ لِّمَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ ٱلْمَالُ وَٱلْأَنفُسُ ٱلْمُتَّبِعُونَ ۚ  
 وعدے کا وقت ان پہنچے وَاللَّهُ خَبِيرٌۭ بِمَا تَعْمَلُونَ اور اللہ تعالیٰ ان  
 کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے جو تم انجام دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اندرونی استعداد  
 سے لے کر بیرونی اعمال تک ہر چیز سے واقف ہے اور اسی کے مطابق جزا اور سزا  
 کا فیصلہ فرمائے گا۔

۲۵۲





سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَكْنِيَّةٌ قَدْ هِيَ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً فِيهَا اَرْكُوزُ عِلْمِ  
سورة التغابن مکی ہے۔ یہ اٹھارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکعتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝ كَلِمَ  
الْمَلِكِ ۝ وَكَلِمَ الْحَمْدِ ۝ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ  
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَعِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۝ وَاللّٰهُ  
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ  
وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوْرَكُمْ ۝ وَالْيَمِّ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ  
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا  
تُعْلِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

تسبیح۔ تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز بھی ہے آسمانوں میں اور

جو بھی ہے زمین میں۔ اسی کے لیے بادشاہی اور اسی کے

لیے ہے تعریف، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ①

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی

کافر ہے اور کوئی مومن، اور جو کچھ تم کام کر لے ہو اللہ تعالیٰ

اُس کو دیکھنے والا ہے ⑤ پیدا کیا ہے اُس نے آسمانوں اور  
زمین کو حق کے ساتھ۔ اور قصص صورت بخشی، پس بہت  
اچھی صورت عطا کی تم کو، اور اسی کی طرف لوٹ کر  
جانا ہے ⑥ جانا ہے وہ جو کچھ ہے آسمانوں میں اور  
جو کچھ ہے زمین میں۔ اور جانا ہے اُن باتوں کو جن کو  
تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ  
سینوں کے رازوں کو بھی جانتے والا ہے ⑦

نام اور  
کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ التغابن ہے جو کہ اس کی آیت ۱۰ میں آمد لفظ  
سے ماخوذ ہے۔ تغابن غیب کے مادہ سے ہے۔ جس میں نقصان کا معنی پایا جاتا ہے  
اور یوم التغابن قیامت کے دن کو کہا گیا ہے جس کا ذکر اس سورۃ میں آ رہا ہے زیادہ  
تر مفسرین کا یہ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مبنی زندگی کے ابتدائی دور میں سورۃ تحریم کے بعد  
نازل ہوئی، تاہم بعض فرماتے ہیں کہ اس کی کچھ آیات مکی ہیں اور کچھ مدنی ہیں۔  
اس سورۃ مبارکہ کی اشارہ آیات اور دو درجہ ہیں۔ اور یہ سورۃ ۲۴۱ الفاظ  
اور ۱۰۷۰ حروف پر مشتمل ہے۔

سابقہ سورۃ  
کے ساتھ ربط

پچھلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اعتقادی منافقوں کی مذمت بیان فرمائی، جو  
حضور علیہ السلام کے زمانے میں پائے جاتے تھے۔ اعتقادی منافق تو کافروں کی  
ہی ایک بدترین قسم ہے۔ تاہم عملی منافق کے قول اور عمل میں تضاد پایا جاتا ہے۔  
یہ لوگ بھی انسانی سوسائٹی میں نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔ نفاق ہر حالت میں  
بُری خصلت ہے۔ خواہ اعتقادی ہو یا عملی۔ بہر حال اللہ نے منافقوں کی سازشوں  
اور ان کی غلط کاروائیوں کا ذکر پچھلی سورۃ میں کیا۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ دنیاوی زندگی میں  
منہاک ہو کر ذکر و عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں وہ بھی ایک قسم کے نفاق ہی  
کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ ایک سچے مومن میں بری خصلت نہیں پائی جاتی۔  
پھر اسباب غفلت کے طور پر اللہ نے مال اور اولاد کا ذکر فرمایا کہ اکثر لوگ اپنی

دو پیروں کی محبت میں مبتلا ہو کر آخرت کی فحش سے غافل ہو جاتے ہیں، اللہ نے اس سلسلے میں تنبیہ فرمائی کہ اگر ایسا کرو گے تو ہمیشہ کے نقصان میں پڑ جاؤ گے، منافقوں کی ایک یہ صفت بھی اللہ نے بیان فرمائی کہ وہ نادار و مہاجرین کی مالی اعانت سے منع کرتے تھے، تاکہ ان کی جماعت کو تقویت حاصل نہ ہو، وہ اپنے آپ کو باعزت اور مہاجرین کو ذلیل کہتے تھے، اللہ نے اس کی بھی مذمت بیان فرمائی۔

سورہ مائے آخر میں اللہ نے اہل ایمان سے اتفاق فی سبیل اللہ سے متعلق خاص طور پر خطاب فرمایا اور تنبیہ کی کہ مال و اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے باز نہ روک لینا۔ یہ ہمارا دیا ہوا مال ہے جس میں خرچ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ کوئی تمھاری ذاتی ملکیت نہیں۔ ہر چیز کا مالک اللہ ہے، اس نے تمھیں مجازی طور پر بعض چیزوں کا تھوڑا حصہ کے لیے مالک بنالیا ہے تو تم اس کے حقیقی مالک نہ بن جانا۔ قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں اتفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً سورہ زمر میں فرمایا: **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّا مَلَكَ إِلَهُ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ رِزْقًا** (آیت ۳۳) اس مال میں سے سختی کر دو جو اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے۔ پہلی سورہ المائدہ میں بھی گزر چکا ہے **وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ** (آیت ۱۰) ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرو۔ مگر نہ جب موت کا وقت آجائے گا تو انسان اس وقت تمنا کرے گا کہ کسے کچھ بہت مل جائے تو صدقہ خیرات کر کے نیچو کاروں میں شامل ہو جائے مگر اُس وقت بہت نہیں ملے گی۔

گزشتہ سورہ میں بیان کی گئی بہت سی باتیں اس سورہ میں بھی اللہ نے بیان فرما دی ہیں۔ اس سورہ میں قیامت کو یوم التغابن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو ترجمہ شاہ عبد القدوس ہارونیت کا دین کرتے ہیں۔ جن کے پاس نیکی نہیں ہوگی وہ اس دن ہار جائیں گے اور جن کے پاس ایمان اور نیکی ہوگی وہ جیت جائیں گے اس سورہ میں مال و اولاد کے فتنے کا ذکر بھی ہے۔ یہاں پر نیکی کے بلند ترین اصول بیان کیے گئے ہیں اور کفر کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ رسالت کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام

مضامین  
سورہ



کی بشریت کا ذکر ہے اور مشرکین کی جہالت اور بیوقوفی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ الغرض! اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے سب سے پہلے دین کا اصل الاصول اور بنیادی مسئلہ مثلاً توحید بیان فرمایا ہے اور پھر رسالت کا بیان ہے۔ اس میں مشرکین اور نبوت و رسالت میں شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والوں کا رد ہے۔ انسان کے مال اور اولاد کو اس کے حق میں فتنہ قرار دیا گیا ہے اور تاکید کی ہے کہ حسب استطاعت دین کا کام زیادہ سے زیادہ انجام دیا جائے۔

توحید باری تعالیٰ

دین میں جسے پہلے انسان کی فکر کا پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی شخص کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً توحید پر اسی لیے زور دیا جاتا ہے تاکہ انسان کی فکر پاک ہو اور اس کے دل و دماغ اور روح میں نورانیان راسخ ہو جائے، اور اس کو ظاہر و باطن کی طہارت حاصل ہو جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر مکمل یقین نہ رکھتا ہو، اس کو کمال مطلوب کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ توحید کی وجہ سے انسان کی فکر پاک ہوتی ہے، ورنہ انسان نجاست میں ہی مبتلا رہتا ہے اسی لیے تو مشرکین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (التوبہ - ۲۸) بیشک مشرک لوگ ناپاک ہیں۔ جب تک انسان کا اندر پاک نہ ہو، اس کا دل و دماغ اور روح پاک نہ ہو ظاہری طہارت کا کچھ فائدہ نہیں۔ اللہ نے منافقوں کے متعلق بھی فرمایا ہے۔ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا وَابَهُمْ جَهَنَّمُ وَاَنْهُمْ لَا يَشْعُرُونَ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ نے اسی روحانی نجاست کے متعلق فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج - ۳۰) بت پرستی کی نجاست سے بچو۔ سورۃ المدثر میں اللہ کا فرمان ہے وَالَّذِیْ جَبَضَ فَاهُجْدُ (آیت - ۵) نجاست کو ترک کر دو۔ اس سے ہر قسم کی گندگی مٹا رہے۔ سب سے پہلی نجاست اعتقاد کی ہوتی ہے، مشرک بظاہر تہذیب و تمدن ستر معلوم ہوتا ہے، جو عمل کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے اور اچھے کپڑے پہنتا ہے

مگر اُس کی روحانی نجاست کی بنا پر اللہ نے اس کو نجس کہا ہے۔ روحانی نجاست انسان کے باطن کو تار یک کر دیتی ہے۔ اس کی موجودگی میں انسان کے دل میں بصیرت پیدا نہیں ہو سکتی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اعتقاد کی طہارت کے بغیر انسان کا قدم حظیرۃ القدس کی طرف نہیں اٹھ سکتا، بلکہ وہ جھکتا ہی رہتا ہے۔ قرآن میں اشارتاً موجود ہے کہ ایسا شخص نیچے گرے گا۔ مرنے کے بعد بدعتیہ آدمی کی روح اُپر کی طرف کشش کرے گی۔ جب کہ اُس کا فاسد عقیدہ اور بُرے اعمال نیچے کو کھینچیں گے اور اس کشش میں اُسے تکلیف پہنچے گی۔

غرضیکہ سب سے پہلے اللہ نے ایمان اور توحید کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ تاکہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو جائے اور وہ ترقی کی منازل طے کر سکے۔ اس طرح وہ اپنے لیے خدا کی طرف سے لکھا ہوا کمال حاصل کر سکے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کو صحیح طریقے پر نہیں مانتا وہ محد ہے۔ جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی تقدیر پر یقین کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک دروازہ وا ہو جاتا ہے اور بندے کو ترقی نصیب ہو جاتی ہے۔

طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیتیں ہر شخص کی پیشانی پر لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں بچہ فطرت سلیم پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا كُلُّ مَوْلُودٍ، يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ بچہ خواہ کسی یہودی، نصرانی، ہندو، سکھ، بدھ یا دھرم کے گھر پیدا ہو اس کی فطرت باسکل صحیح ہوتی ہے۔ پھر بعد میں اُس کے والدین اور اُس کا ماحول اُسے یہودی، عیسائی یا ہندو وغیرہ بناتے ہیں۔ پانچ آیتوں کا ذکر کر کے حضور علیہ السلام نے کنایات سمجھائی ہیں کہ نو مولود ہمیشہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس پر ماحول کا اثر نہ ہو تو وہ ان پانچ آیات میں بیان کردہ اللہ کی وحدانیت اور اُس کی مذکورہ صفات پر مکمل یقین رکھنے والا ہو۔

ارشاد ہوتا ہے يَسْبَحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ پاکی بیان کرتی ہے



اللہ تعالیٰ کی جو چیز بھی ہے آسمانوں میں اور جو زمین میں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح و  
 تہلیلہ بیان کرتا ہے۔ تہلیلہ کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص، کمزوری  
 اور ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ اللہ نے سورۃ نحل میں فرمایا ہے کہ ہر چیز اپنی فطرت  
 کے مطابق خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے، البتہ انسانوں میں آکر دو گروہ بن جاتے ہیں۔ بعض  
 اللہ تعالیٰ کی توحید پر مستقیم ہوتے ہیں اور بعض مشرک کہہنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان کے  
 سامنے بھی خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ صرف انسان ہی ناشکر گزار ہے  
 جو اپنے خالق اور مالک کا حق نہیں پہچانتا اور اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتا ہے  
 حالانکہ اللہ کا واضح فرمان ہے فَقُلْ لِلّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (الاعراف - ۱۹۰) اللہ تعالیٰ  
 ہر اُس چیز سے بلند و برتر ہے جس کو لوگ اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ خدا  
 کی ذات ازلی ابدی اور عیب اور نقص سے پاک ہے۔ آسمان کے سارے اور ستارے  
 فرشتے اور ساری مخلوق حتیٰ کہ پتیا، ٹہنی ٹہنی، شجر و حجر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ  
 کی بادشاہی

فرمایا لَهُ الْمُلْكُ بادشاہی بھی اُسی کی ہے جو عبودیت پر حق ہے اور جس کی بھی تہلیلہ  
 بیان کرتے ہیں۔ سورۃ الملک کے آغاز میں فرمایا تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ  
 (آیت ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں حقیقی بادشاہی ہے، دنیا  
 کی بادشاہی اور اقتدار تو عارضی ہے اور ختم ہو جانے والا ہے، لوگ خواہ مخواہ اس پر مغرور ہو  
 جاتے ہیں۔ حقیقی بادشاہ وہی ہے جس کی بادشاہی کو کبھی زوال نہیں ہے۔ یہ بادشاہی  
 صرف زمین پر انسانوں کی عدت تک محدود نہیں بلکہ لَهُ الْمُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 (النہر - ۴۴) آسمانوں اور زمین کی ساری سلطنت اُسی کی ہے، بادشاہی اُس کی ہے  
وَلَهُ الْحَمْدُ اور تعریف بھی اُسی کی ہے، صفات کمال کا مالک وہی ہے وَهُوَ  
عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اللہ کی ذات  
فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيْدُ (البروج - ۱۶) جو چاہے کرے اُس کے راستے میں کوئی  
 چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، اُس کی صفت یہ ہے کہ وہ مِلْكُ الْمُلْكِ تَوْتِي  
الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ مِمَّنْ تَشَاءُ (آل عمران - ۲۶)



بادشاہوں کا بادشاہ ہے، جس کو چاہے اقتدار عطا کرے، اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے۔ ہر چیز پر قدرت اُسی کو حاصل ہے، دنیا میں کتنی بھی بڑی سلطنت کا مالک ہو، مگر وہ ہر کام نہیں کر سکتا۔ یہ صرف خدا کی ذات ہے جو ہر شے پر قادر ہے اصل اور حقیقی بادشاہی اُسی کی ہے، لہذا ان لوگوں کا فرض ہے کہ اُس کو احکم الحاکمین تصور کریں، اُس کی توحید کو تسلیم کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔

خدا تعالیٰ  
کی صفت  
خلق

فرمایا، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ وہی ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ وہ خود ازل سے ابدی ہے اور باقی سب مخلوق ہے۔ سورۃ الزمر میں ہے اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (آیت ۶۲) جو ہر چیز کا خالق ہے، رب بھی وہی ہے اور تجوید بھی وہی ہے، پھر دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے؟ اُن کے سامنے انتہائی درجے کی تعظیم کیوں بجالانی جائے؟ اللہ کے علاوہ ہر جاندار اور بے جان چیز مخلوق ہے۔ اور مخلوق عاجز اور سواہی ہے۔ ہر جن دانس، ملائکہ، کیڑے مکوڑے، چمڑے پرند، آبی مخلوق سب اللہ کے سواہی ہیں۔ دینے والا صرف وہی وحدہ لا شریک ہے۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی دو صفات کو تو سمجھتے ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی خود بخود ہے۔ اُس کے علاوہ کسی چیز کا وجود ذاتی نہیں بلکہ خدا کا عطا کردہ ہے۔ اللہ کی دوسری صفت خلق ہے۔ جس پر تمام مذاہب والے متفق ہیں کہ پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ البتہ تیسری صفت میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ دوسری اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہر چیز کی وہی تدبیر کرتا ہے۔ مگر مشرک لوگ دوسروں کو بھی تدبیر مانتے ہیں۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو تدبیر تسلیم کرتے ہیں جب کہ بخوی ستاروں میں کرشمہ مانتے ہیں۔ قبر پرست، قبر والوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا۔ يُذَكِّرُ الْأَمْوَانَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدة ۵) آسمان کی بنیادوں سے لیکر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہی کرتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ چوتھی صفت تدلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تخلیق کا عکس ہر انسان کی رُوح میں پڑتا ہے۔ آج انسان پر غلبہ کے پرے پڑے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس عکس کو محسوس نہیں کرتا۔ جب انسان پر موت واقع ہو کر اس کا مادی خول اتر جاتا ہے اور اصل انسان ظاہر ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو اللہ کی تخلیق کا اثر محسوس ہوتا ہے جو اس کو اُوپر عالم بالا کی طرف کھینچتی ہے۔ اگر وہ شخص صاحب ایمان ہے تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ توحید پر قائم نہ رہا تو مدلی کی کشش تر اُوپر کی طرف ہوگی جب کہ انسان اپنے فاسد عقیدے کی وجہ سے نیچے کی طرف جائے گا، لہذا اس کشاکش میں اسے تکلیف ہوگی۔

مومن اور  
کافر

فرمایا وہی ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ پھر تم میں سے کوئی کافر بن جاتا ہے اور کوئی مومن بن جاتا ہے۔ کافر کا معنی انکار کرنے والا یعنی جس شخص نے اللہ کی توحید، رسالت، کتب سماویہ، ملائکہ مقررین اور قیامت کا انکار کیا وہ کافر شمار ہوگا۔ کافر کا دوسرا معنی ناشکر گزار بھی ہے اور یہاں دونوں معنی صادق آتے ہیں۔ یعنی تم میں سے بعض ناشکر گزار اور بعض شکر گزار ہوتے ہیں۔ اللہ نے ناشکر گزاروں یا کافروں کا ذکر پہلے فرمایا ہے کیونکہ دنیا میں اکثریت انہی کی ہوتی ہے۔ سورۃ سب میں بھی اللہ کا ارشاد ہے وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (آیت ۱۳۰) میرے شکر گزار بندے مختور سے ہی ہیں۔ چنانچہ ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں سے مسلمان صرف ایک ارب کے قریب ہیں۔ باقی چار ارب کی آبادی کافر ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور اللہ تعالیٰ تمہارے انجام دیے جانے والے تمام امور کو دیکھنے والا ہے۔ تمہارے پھولے سے چھڑنا عمل جتنا کہ نیت اور ارادہ بھی اللہ کی نگاہ میں ہے۔ جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے جس میں ہر شخص کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی فیصلہ ہوگا۔

تخلیق کا

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کی کوئی تخلیق

بے سود نہیں ہے بلکہ اُس نے ہر چیز کو اپنی خاص مصلحت اور حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے  
 فرمایا کافروں کا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ نے ارض و سما کو فضول پیدا کیا ہے، نہیں بلکہ  
 ان کا کوئی مقصد ہے، اور اس کا نتیجہ نکلنے والا ہے، پھر فرمایا ارض و سما کی تخلیق  
 کے علاوہ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوْرَكُمْ اے انسانو! تمہیں صورت بخشی اور  
 بہت اچھی شکل و صورت عطا فرمائی، اللہ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ  
 فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۴۰) ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ اللہ  
 نے انسان جیسی خوبصورت شکل کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کی۔ ذرا غور کریں کہ انسان  
 کا چہرہ صرف چھ سات انچ مربع جگہ میں ہے مگر اربوں چہروں میں ہر چہرہ مختلف ہے۔  
 جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صناعتی کا بہت بڑا شاہکار  
 ہے۔ انسان کے پیچیدہ اعضاء کو کمال قدرت کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیا ہے  
 کہ وہ ساتھ، ستر، سو سو سال تک کام کرتے رہتے ہیں۔ یہ خدا کی قدرت کا اعجاز  
 ہے۔ کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ دماغ جیسی پیچیدہ چیز اور حواس ظاہر و  
 باطنہ کو پیدا کر سکے، فرمایا یہ بہترین شکل و صورت انسان کو عطا کی ہے۔ وَالْيَسْرِ  
 الْمَصِيْرُ اور بالآخر اُسے خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ اُسے بارگاہ رب العزت  
 میں پیش ہو کر اپنی کارکردگی کا حساب دینا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کل کا ذکر ہے۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ  
 وَالْاَرْضِ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ہے۔ ارض و سما  
 کی کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں ہے، وہ علم محیط کا مالک ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُوْنَ  
 وَمَا تَعْلَنُوْنَ اور وہ اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور اُن کو بھی  
 جن کو تم ظاہر کرتے ہو۔ وہ تمہارے تمام ظاہر و باطن سے واقف ہے حتیٰ کہ واللہ  
 عَلِيْمٌ بِذٰاتِ الصُّدُوْرِ وہ تمہارے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے انسان  
 مخلوق سے تو کسی چیز میں مخفی رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ چیزیں عمر بھر راز  
 ہی رہتی ہیں مگر اللہ کی ذات وہ ہے کہ جس سے کوئی راز بھی نہیں چھپایا جاسکتا۔ وہ

خدا تعالیٰ  
 علیم کل ہے



انسان کی نیت اور ارادے تک کو جانتا ہے۔ اللہ نے سورۃ الملک میں واضح کیا ہے  
 اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ کیا وہی تمہارے حالات کو نہیں  
 جانے گا جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ یقیناً وہ کائنات کے فطرے فطرے سے واقف  
 ہے اور انسان کے رگ و پے کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ یہی بات ہے جو انسان  
 کو غلط کارروائی سے روکتی ہے۔ جو مالک الملک ہر چیز کو جانتا ہے، حساب کتاب  
 کے وقت اس سے کون سی چیز چھپائی جاسکے گی۔

---

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ  
 أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤ ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ  
 تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشِّرُوهَنَا  
 فَاكْفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌ حَمِيدٌ ⑥ زَعَمَ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ  
 ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑦  
 فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ  
 بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ  
 ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا  
 يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيَدْخُلْهُ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ  
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑨  
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ  
 خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑩

ترجمہ :- کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر ان لوگوں کی جنہوں نے  
 کفر کیا اس سے پہلے ۔ پھر چکھا انہوں نے وبال اپنے سارے  
 کا ۔ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ⑤ یہ اس وجہ

سے کہ اُن کے پاس آئے تھے اُن کے رسول کھلی نشانیاں  
 لے کر کہ پس وہ کہتے تھے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں  
 گے؟ پس کفر کیا انہوں نے اور منہ موڑ لیا۔ اور اللہ نے بھی  
 بے پرواہی اختیار کی۔ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور تعریفوں والا  
 ہے ⑥ کہ ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ ہرگز نہیں  
 وہ اٹھائے جائیں گے۔ (لے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کیوں  
 نہیں؟ اور میرے رب کی قسم تم البتہ ضرور اٹھائے جاؤ  
 گے، پھر تم کو بتلا دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے۔ اور  
 یہ اللہ پر آسان ہے ⑦ پس (لے لوگو!) ایمان لاؤ اللہ  
 پر، اور اُس کے رسول پر، اور اُس ٹور پر جس کو ہم نے آلا  
 ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اُن کی خبر  
 رکھنے والا ہے ⑧ جس دن کہ جمع کرے گا تم کو ایک  
 جمع ہونے کے دن۔ یہ دینی مارجیت کا دن ہے۔ اور  
 جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور نیک عمل کیا، اللہ معاف  
 کر دے گا اُس کو اُس کی گناہیاں، اور داخل کرے گا اُس  
 کو بہشتوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے سامنے نہریں، ہمیشہ بہنے  
 والے ہوں گے اُن میں، یہ ہے کامیابی بڑی ⑨ اور وہ  
 لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مٹلایا ہماری آیتوں کو، یہی  
 لوگ ہیں دوزخ والے، ہمیشہ رہیں گے اُس میں، اور  
 بہت بُری ہے جگہ لوٹ کر جانے کی۔ ⑩

رابطہ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا جو دین کی اصل  
 اور بنیاد ہے۔ پھر اللہ کی صفت بادشاہی، صفت خلق اور صفت علم کا ذکر کیا۔ اب  
 آج کی آیات میں اللہ نے دو بنیادی باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے رسالت کا ذکر ہے



اور پھر قیامت کا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی منزلت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح تمام انبیاء کی نبوت اور رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور پھر سب سے آخر میں حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ نبوت اور قیامت کے بارے میں کافر اور مشرک شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے جن کا اللہ نے رد فرمایا ہے۔ اور اس انکار پر سخت سزا پیش کی ہے۔

انکار رسالت  
پر سزا

پہلے رسالت کے بارے میں فرمایا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ کیا تمہارے پاس اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ یہ نزول قرآن کے زمانہ کے کافروں اور مشرکوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ کیا تمہیں سابقہ کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جس طرح آج تم رسالت کا انکار کر رہے ہو اسی طرح پہلے لوگوں نے بھی اپنے نبیوں کا انکار کیا۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ کہ انہوں نے اپنے کام کی سزا کا مزہ چکھ لیا۔ اس قسم کی سزا کا ذکر اللہ نے قرآن کی مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ قوم عاد، ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط، اور قوم صالح اور قوم فرعون نے توحید رسالت کا انکار کیا تو ان کا کیا حشر ہوا؟ اللہ نے انہیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اللہ نے ان نافرمان قوموں کو دردناک عذاب میں مبتلا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سابقہ اقوام انکار کی وجہ سے ہلاک ہو سکتی ہیں تو تم اس جرم کی سزا سے کیسے بچ سکتے ہو؟

بشریت رسول  
پر اعتراض

فرمایا اِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا كَانَتْ تَنَائِيهِمْ دُسْلَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ۔ یہ سزا اُن کو اس وجہ سے ملی کہ اُن کے رسول اُن کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔ بیانات میں نشانیاں، معجزات، دلائل اور احکام بھی چسپریں شامل ہیں۔ اللہ کے نبی یہ ساری چیزیں لے کر اُن کی ہدایت کے لیے آتے ہیں۔ فَقَالُوا ابْشِرُوهُمْ تَعْدُوْنَا خود کہنے لگے کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ انہوں نے گویا رسول کی بشریت پر اعتراض کیا کہ جو شخص رسالت و نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے وہ تو ہماری طرح کا انسان ہے؟

بجلا ہوا ہے جیسا انسان ہمیں کیا ہدایت دیگا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے کہا مَا نَزَّلَكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا (ہود - ۲۷) ہم تو تجھے اپنے جیسا بشر خیال کرتے ہیں۔ ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا کہ یہ شخص تمہارے جیسا انسان ہی ہے۔ جو تم کھاتے ہو، وہی وہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پہنتے ہو، وہ بھی وہی کچھ پہنتا ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی پیروی کی اِنَّكُمْ اِذَا الْخُسُوفُ اِنَّمَا تُنْصِتُونَ (المؤمنون - ۲۴) تو نقصان میں پڑ جاؤ گے خود حضور علیہ السلام کے متعلق کفار کہنے لگے اِنَّ هَذَا الرَّسُولَ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان - ۷) یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ مطلب یہ کہ سابقہ اقوام نے بھی نبی کے انسان ہونے کا انکار کیا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر خدا نے کوئی نبی بھی بھیجا تھا تو کسی فرشتے کو بھیج دیتا، جو نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ اُس کے بیوی بچے ہوتے۔ وہ مالدار ہوتا، اُس کے سولے چاندی کے عملات ہوتے، فرج اور پھر بیکر ہوتے۔ اس کا تو ہمارے جیسا ٹوا پھوٹا مکان ہے، ہم اس کو کیسے نبی مان لیں؟ اللہ نے اس بات کو قرآن میں مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان ہی بطور نبی مناسب ہو سکتا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا۔ فرمایا اگر ہم فرشتے کو نازل کر دیتے تو ان کا معاملہ ختم ہو جاتا اور پھر ان کو ہلاکت بھی نہ ملتی۔ اور فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجتے لَبِسْنَا عَلَيْهِمْ مَّاءً يَلْعَبُونَ (آیت - ۱۰) تو پھر بھی اُسی ضرر پر قائم رہتے اور کہتے کہ یہ فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے اور اُن کی پھر بھی نلی نہ ہوتی اور نہ وہ رسالت کو تسلیم کرتے۔ بہر حال فرمایا کہ تو یہ انسانی کی طرف انسان ہی نبی بن کر آ سکتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ نبی کا انسان ہونا کوئی عجیب بات نہیں، دیکھو! وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ اِلَّا اَنْهَاهُمْ لِيَكُوْنُوا الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان - ۲۰) آپ کے پہلے ہم نے بھیجے تھے بھی رسول بھیجے ہیں، وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ کہ وہ بھی انسان تھے۔ اور تمام ان فی لوانات ان میں

پائے جاتے تھے لہذا انسان ہونا نبوت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی کہلوادیا۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىَّ (الکہف، ۱۱۰) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں البتہ نبی پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔

شانِ نبوت

جس انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ منصبِ نبوت پر فائز ہوتا ہے۔ جو کہ انسانیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے۔ اور اُسے گناہوں سے پاک ہونے کی گارنٹی حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کی باقاعدہ حفاظت کا انتظام ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق، کردار، اور عمل نہایت ہی شاندار اور امت کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ تاہم ہوتا وہ انسان ہی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نبی کو بشر یا انسان کہہ دیا تو لغو ذرا اللہ نبی کی توہین ہو گئی۔ یہ تو حماقت کی بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان ہونا تو فخر کی بات ہے اللہ نے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ (ص ۷۱) اور ساتھ فرشتوں کو حکم دیا کہ جب میں آدم کو تیار کر لوں تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا، چنانچہ فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَكَفَدَ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (آیت ۷۰) ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی اور اُسے شرف عطا کیا۔ غرضیکہ نبی کا بشر ہونا نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ کا نبی تو افضل البشر ہوتا ہے۔

بزرگانِ دین بات اس طرح سمجھاتے ہیں کہ دیکھو سائے پتھر یکساں نہیں ہوتے، اگرچہ وہ پتھر ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی پتھر ہیں جو بستر کوں پر کوڑے جاتے ہیں اور جس کو کمرش کمر کے اور بجری بنا کر عمارت میں استعمال کیا جاتا ہے اور وہ بھی پتھر ہی ہیں جو ہیسروں کی شکل میں زیورات میں لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح سائے انسان بھی ایک جیسے نہیں۔ کہاں نبی کی معصوم اور بلند و برتر ذات اور کہاں ہم گنہگار انسان۔ کوئی احمق آدمی بھی اس لحاظ سے نبی کے برابر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اولاد اپنے والدین کی اور شاگرد اپنے استاد کی



ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اللہ کے نبی کو عام انسانوں کے برابر سمجھا جائے۔ البتہ انسان ہونے میں نبی اور اُمتی برابر ہیں۔ کیونکہ دونوں آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ عام آدمی کی طرح نبی بھی عورتوں کے بطن سے پیدا ہوئے اور طبعی لوازمات مثلاً کھانا، پینا، سونا جانا، چلنا پھرنا، بیماری تندرستی وغیرہ میں وہ بھی شریک ہوتے تھے، مگر درجے کے اعتبار سے اللہ کا نبی بلند ترین ہستی اور عام مخلوق کے لیے معیار ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بشر ہیں لیکن سید البشر، سید الاولین والآخرین۔ انسان کہنے سے آپ کی تہذیب کا پہلو نہیں نکلتا۔ جو ایسا سمجھتے ہیں وہ کافروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ کافروں نے بھی انسانیت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھا فکفروا پس انہوں نے نبی کی نبوت کا انکار کر دیا وَتَوَلَّوْا اور اس سے منہ موڑ لیا۔ اور اس طرح جہالت میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا، اگر انہوں نے یہ روش اختیار کی ہے وَاسْتَغْنَى اللہ تو اللہ نے بھی اُن سے بے پرواہی برتی ہے۔ اُس نے کفار کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ جَمِيْدٌ اور اللہ تعالیٰ بے پروا اور تعریفوں والا ہے کسی کے منہ موڑ لینے سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بہر حال یہ سابقہ اقوام کی برہنہ کی علامت ہے کہ انہوں نے نبی کی نبوت اور اس کی شریعت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ نبی کی تعلیم کے بغیر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کو معلوم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اُسے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں ہی سزا ملے اور وہ ہلاک ہو گئے۔

بعث العبد  
سکا انکار

دین کے بنیادی مسائل میں سے رسالت کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد اللہ نے قیامت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا کہ ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہم نے زَعَمَ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ لفظ یقین اور گمان دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ ”دعویٰ کیا ہے یعنی یقین کے ساتھ کوئی بات کرنا۔ تاہم یہ لفظ مطلق قول — کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً زَعَمَ فُلَانٌ یعنی قَالَ فُلَانٌ حدیث میں حضور علیہ السلام نے شک والی بات کی

تردید فرمائی ہے بَشَرَاتِ الْمَعْطِيَّةِ دَعَا غُلَطٍ پراپگنڈہ کرنے والے لوگ بلا تحقیق یہی لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلطیوں نے یوں کہا ہے یا لوگ یوں کہتے ہیں۔  
 حضرت علیہ السلام نے فرمایا یہ بُری سوار ہے

جس پر لوگ سوار ہوتے ہیں اور غلط پراپگنڈہ کرتے ہیں۔ چونکہ کافر لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے اس لیے زعم کا معنی دعویٰ بھی کیا گیا ہے۔

بہر حال کافروں نے دعویٰ کیا یا یوں کہا اَنْ كُنْ يَتَّبِعُوكُمْ اَكْرَمَ مَنَ كُنْ كُوْهِرُكُمْ نَحْنُ اَعْلَى جِلْدِكُمْ۔ بڑی تاکید اور دعویٰ کے ساتھ بحث بعد الموت کا انکار کیا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَّيْسَ بِغَيْرِ اَمْرِ اِيَّاهِمْ اَنْ يَّكُوْنُوْا كَافِرًا۔ کیوں نہیں؟ وَرَبِّيْ لَتُبْعَنَّ مِنْ وَّرَآءِ بَنِي اٰدَمَ كُلِّ فَتْرَةٍ لَّيْبَعَثُ فِيْ كُلِّ قَبْلَةٍ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَصْطَلِبُ فِيْهِمُ الْغٰثُ وَالرَّاسِخُ لَعَلَّهُمْ يُحْذَرُوْنَ۔ اور ن دونوں تاکید ہیں۔ اللہ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا کہ تم ضرور بضرور اٹھائے جاؤ گے۔ ثُمَّ كُنْتُمْ بَنُوْا اِيْهَاكُمْ مَّجْدِلًا وَّ تَعْمَلُوْنَ فِيْهَا عَمَلًا مَّجْدِلًا۔ بتلا دیا جائے گا جو کچھ تم کام کیا کرتے تھے۔ تمہارے تمام اعمال بھی اللہ کے ہاں محفوظ ہیں۔ جو قیامت والے دن تمہارے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ فرمایا وَذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ يَسْبِقُ اِيَّاكُمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کے لیے بالکل آسان ہے۔ جس اللہ نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اس کے لیے دوبارہ اٹھانے کی مشکل ہوگا؟ تاہم یہ کام وقت مقررہ پر ہوگا، جس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَعَدَّا عَلَيْكُمَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلٰیْنَ (الاحقاف ۱۰۳) ہمارا یہ پکا وعدہ ہے جو پورا ہو کر ہے گا۔ یہ اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر قیامت برحق ہے تو پھر وہ آتی کیوں نہیں؟

فرمایا جب قیامت کا وقوع اور جزائے عمل کی منزل لازمی آنے والی ہے، تو پھر اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ لہذا اے لوگو! فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اگر خدا کا قرب، بلند مرتبہ اور نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کہ اس کے بغیر

اللہ اور رسول  
 پر ایمان

اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، قیامت اور تعذیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ رسالت کے سلسلے میں صرف ایک نبی پر ایمان لانا کافی نہیں بلکہ اللہ کے تمام انبیاء اور رسول پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ کے ساتھ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کیا جائے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ نیز نبی پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سنت پر عمل کیا جائے جس کام کے کرنے کا حکم دے اچانک دیا جائے اور جس کام سے روکے اس سے باز آجائے۔ بہر حال فرمایا کہ اگر آخرت میں کامیابی چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ آگے فرمایا وَالْثَّوْرَ الَّذِي أَهْزَلْنَا اور اس نور پر بھی ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس سے مراد قرآن حکیم ہے جو اللہ نے اپنے آخری نبی پر بذریعہ وحی نازل فرمایا۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں قیامت تک کے لیے لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے اب اس نبی کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ اس کتاب کے بعد کوئی کتاب آئے گی سورۃ النامہ میں بھی اللہ نے قرآن پاک کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (آیت ۱۷۵) ہم نے تمہاری طرف ایک واضح نور نازل فرمایا ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ میں بھی فرمایا ہے كَذَٰلِكَ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (آیت ۱۵) اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور کتاب مبین یعنی قرآن پاک آگیا ہے۔

قرآن پر  
ایمان

اس قرآن کی وجہ سے انسانوں کے دلوں میں روشنی پیدا ہوتی ہے، گمراہیاں پر نور سے ظاہری روشنی سرزد نہیں بلکہ نور بصیرت مراد ہے، انسان کے اندر ایسا فہم پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ حق و باطل، جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں امتیاز کر سکتا ہے اللہ نے کفر کو تاریکی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب کہ ایمان اور اطاعت نور ہے فرمایا اس نور پر ایمان لاؤ اور پھر اس کے پروردگار کو اختیار کرو جو کہ ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے۔ قرآن پاک کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لو کہ اسی میں تمہاری کامیابی کا راز ہے وَاللَّهُ يَهْدِي لِمَا تَعْبَهُونَ خَبِيرٌ اور تمہارے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ نگاہ میں



رکھنے والا ہے۔ وہ تمہارے چھوٹے سے چھوٹے اور ہر اچھے اور بُرے عمل کو دیکھ رہا ہے اور قیامت والے دن انہی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

یوم النعاب

آگے قیامت والے دن کا ذکر فرمایا ہے یَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ جس دن کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا ہونے والے دن اکٹھا کرے گا۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جب تمام اولین اور آخرین میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور حساب کتاب کی منزل اُٹے گی۔ اس دن کے متعلق فرمایا ذَلِكْ يَوْمُ النَّعَابِ یہ مار جیت کا دن ہوگا اس دن بعض لوگ ہار جائیں گے اور بعض جیت جائیں گے۔ امام بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین اس کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص کے دو دو ٹھکانے ہیں ایک جنت میں اور دوسرے جہنم میں۔ ایک کافر آدمی کا ٹھکانا دوزخ کے علاوہ جنت میں بھی ہے اگر وہ ایمان لے آتا تو اس کو جنت والا ٹھکانا مل جاتا لیکن ایمان نہ لانے کی وجہ سے اُس کا جنت والا ٹھکانا مومن کو مل جائے گا۔ مومن کا اپنا ٹھکانا بھی جنت میں ہوگا اور اس طرح اس کو دو ٹھکانے مل جائیں گے تو گویا کافر ہار گیا، اور مومن جیت گیا۔ اس لیے اس کو ہار جیت کا دن کہا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ فَمَنْ زُجِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آیت ۱۸۵) جو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا۔ اصل کامیابی یہی ہے جو لوگ دنیا کی کامیابی کو کامیابی سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں کیونکہ یہ تو عارضی چیز ہے، ہمیشہ رہنے والا تو آخرت کا گھر ہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل انجام دیا۔ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ اللہ تعالیٰ اس کی گتہا گتہا سے درگزر فرمائے گا۔ ایمان اور نیکی کی وجہ سے انسان کی چھوٹی موٹی خطائیں خود بخود معاف ہوتی رہتی ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ وضو ایک نیک عمل ہے جس کی وجہ سے انسان کی بہت سی گتہا گتہا معاف ہوتی رہتی ہیں مثلاً جب کوئی آدمی وضو کی نیت سے ہاتھ دھو رہا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جب منہ دھو رہا ہے تو منہ کی

ایمان اور اعمال

خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور جب پاؤں دھوئے ہے تو پاؤں کے صفائے معاف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ جب دھو کے پانی کا آخری قطرہ زمین پر گرے تو اسے تو انسان تمام صغیرے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ السَّيِّئَاتِ (ہود ۱۱۴) بے شک اچلی نیکیاں اُس کی برائیوں کو مٹاتی رہتی ہیں۔ پھر جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اُس کے بہت زیادہ دُھل جاتے ہیں۔ یہ صغیر گناہوں کے متعلق ہے، البتہ کبائر بغیر توبہ اور حق ادا کیے معاف نہیں ہوتے۔

فرمایا، اللہ تعالیٰ اُس کی تعصیروں کو معاف فرمائے گا۔ وَيُذْهِبُ خِلْمَهُ جَذْبًا تَجِدُهُمْ مِنْ تَحْتِهِمْ اَلَا تَنْهَضُوْا اور اُسے بہشتوں میں داخل کرے گا جس کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ خُلْدِ بْنِ فِهْرًا اَبَدًا ایسے لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ رہتے رہے ہوں گے اور وہاں سے کبھی نکلے نہیں جائیں گے اور نہ ہی وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی۔ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ جب انسان اللہ کی رحمت کے مقامِ جنت میں پہنچ جائے گا تو اُسے وہاں ہر قسم کی مراد حاصل ہوگی، لہذا اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی ہو سکتی ہے!

پھر فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا جن لوگوں نے کفر کیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ترجید، اُس کی ذات، اُس کی صفات، رسالت، کتب، سادہ، ملائکہ اور بعثت بعد الموت کا انکار کیا اور خدا تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی فرمایا اُولَٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا دُوْرًا یَّوْمًا جَلَنے والے لوگ ہیں۔ خُلْدِ بْنِ فِهْرًا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کافر اور مشرک کو روزِ آخر سے کسی رہائی نصیب نہیں ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَيُطِئُ الْمَصِيْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے۔ اس سے بڑا کوئی مقام نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ  
يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑪ وَأَطِيعُوا اللَّهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا  
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑫ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ  
الْمُؤْمِنُونَ ⑬ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن مِنْ أَزْوَاجِكُمْ  
وَأَوْلَادِكُمْ وَعَدُوِّكُمْ لَكُمْ فَلَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَ  
تَصَفَّوْا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑭ إِنَّمَا  
أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ⑮

ترجمہ :- میں نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے ، اور جو  
شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی راہنمائی کرتا  
ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ⑪ اور اطاعت  
کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی ۔ پھر اگر تم نے روگردانی  
کی ، پس بے شک ہمارے رسول کے ذمہ تو پہنچا دینا ہے  
کھول کر ⑫ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ اور اللہ  
ہی پر چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے ⑬ اے ایمان والو  
بے شک تمہاری بعض عورتوں اور اولاد میں سے تمہارے  
لئے دشمن ہیں ۔ پس ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف  
کرو گے ، اور درگزر کرو گے اور بخش دو گے ، پس بیشک



اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا ہے اور مہربان ہے ⑬  
 بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولادیں آزمائش ہے۔ اور  
 اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے ⑭

مصیبت  
 یا ذن اللہ

گزشتہ آیات میں دین کے تین بنیادی اصول یعنی توحید، رسالت اور معاد کا ذکر ہوا  
 آج کی آیات میں بھی یہی باتیں بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ کی وحدانیت کی بات سمجھائی گئی ہے  
 اور انسان کو ضرر اور خطرناک چیزوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے مَا أَصَابَ  
 مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ کوئی مصیبت یا تکلیف نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے ہی  
 پہنچتی ہے۔ لوگ آلے والی مصیبت کو دور کرنے کے لیے بہت سی غلط کاروائیاں کرتے  
 ہیں۔ جن سے اللہ نے خبردار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکلیف آتی بھی اللہ کی طرف  
 سے ہے اور اُسے دور کرنے پر بھی وہی قادر ہے۔ اُس کی مشیت اور ارادے کے بغیر  
 نہ تکلیف آتی ہے اور نہ دور ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مکمل یقین نہیں  
 رکھتے وہ مصیبت کے وقت طرح طرح کے شرکیہ کام کرنے لگتے ہیں۔ اسی لیے اللہ  
 نے ایمان کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا ہے۔ ایک ایسا نذر آدمی کی شان یہی ہے کہ  
 وہ تکلیف کی آمد اور روانگی کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع سمجھتا ہے، لہذا نہ وہ اس  
 پر جزع فزع کرتا ہے اور نہ غیر اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔ نہ جادو  
 کرتا ہے نہ کسی رمل فال طالع کے پاس جاتا ہے اور نہ ہی کوئی شرکیہ عمل کرتا ہے۔

فَرَمَا وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ ۚ فَوَاللَّهِ لَاشْرَکَ بِإِیْمَانِ  
 رکھنے والا آدمی ہے اللہ اس کے دل کی رہنمائی فرماتا ہے۔ خدا کی وحدانیت پر پورا پورا  
 یقین انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ کی تسلیم رضا کی طرف لے جاتا ہے، اور وہ ہر چیز کو اللہ  
 کے ارادے اور مشیت کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔ وہ ہمیشہ اُمحی کی طرف رجوع  
 رکھتا ہے اور جب کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ  
 (البقرہ - ۱۵۶) ایسا شخص عسکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اور اگر کوئی نعمت مل جائے  
 یا راحت نصیب ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، نیز ایسا شخص ہمیشہ سنت کا اتباع

کر تا ہے اور بدعات سے بچتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے اُس کے دل کی راہنمائی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ کے حکم اور نبی کی سنت کے مطابق کام کرتا ہے۔

اس لفظ کو یقین کی بجائے يَهْدِ قَلْبَهُ بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایمان لاتا ہے اُس کا دل سکون اور اطمینان پکڑتا ہے۔ اور جو کوئی خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور دیگر اجزائے ایمان پر یقین نہیں رکھتا اُس کا دل ہمیشہ خلفشار میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے دل میں طرح طرح کے غلط و سوسے آتے ہیں اور وہ بے یقینی کی حالت میں مبتلا رہتا ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتے والا ہے۔ تکلیف یا مصیبت بھیج کر وہ جاننا چاہتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے، تسلیم و رضا کی راہ پر چلتا ہے اور کون صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے۔ دلوں کے احوال اللہ کے سامنے ہیں۔ لہذا انسانوں کا فرض ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کریں اور تکلیف و راحت میں اللہ کی رضا کے متلاشی رہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مصیبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ یعنی دینی اور دنیاوی۔ دنیاوی مصیبت آسان ہوتی ہے اور زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے البتہ دینی مصیبت بہت مشکل چیز ہے، جو شخص دینی مصیبت میں پڑ گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ گیا کیونکہ دینی مصیبت مرنے کے بعد بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا سکھائی ہے اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَهُمَّا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا اے اللہ صرف دنیا کو ہی ہمارا منتہائے مقصود نہ بنا اور نہ ہی ہمارا مبلغ علم صرف دنیا ہی ہو۔ اور ہماری مصیبت دین کے معاملہ میں نہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دنیا سے جاتے وقت ایمان اور توحید کی بجائے کفر اور شرک لے کر جائے، پاکیزگی کی بجائے نجاست اُس کے حصے میں آئے، یہی دین کا فتنہ ہے جو انسان کو ہمیشہ کے لیے نقصان میں ڈال دیتا ہے۔

دینی اور  
دنیاوی مصیبت

اللہ اور رسول  
کی اطاعت

اس کے بعد فرمایا وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ پھر اگر تم اطاعت سے روگردانی کر دے گے

فَانْمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ پس ہمارے رسول کے ذمے تو کھول کر بیان کر دینا ہے۔ اُس کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ وہ خدا کا پیغام پہنچا دیتا ہے، اُس پر عمل کر کے دکھا دیتا ہے۔ پھر اگر کوئی نہیں مانتا تو یہ رسول کی ذمہ داری نہیں ہے۔ انسان خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

فرمایا اللہ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ معبود برحق صرف اللہ کی ذات ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وَعَلٰی اللہِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور ایمان والے صرف اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز عارضی اور فانی ہے لہذا ان میں سے کسی چیز پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ قابلِ اعتماد صرف اللہ کی ذات ہے جو دائم قائم، ازلی اور ابدی ہے۔ وہی خالق اور مالک ہے، وہ قادر مطلق اور علیم کل ہے، لہذا بھروسہ بھی صرف اُسی پر کیا جاسکتا ہے۔

یہودی بچوں  
کی دشمنی

بیان کردہ مصیبت کے ضمن میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ اَوْ اِيْمَانٌ وَّالْوَابِثُ لَكُمْ فَعِيْضٌ مِّنْ اَمْوَالِكُمْ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ فَارْجُوْهُنَّ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یہودی بچوں کی دشمنی اور تمہاری بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔ یہاں پر من تبعیضہ ہے یعنی ساری عورتیں اور ساری اولادیں دشمن نہیں، بلکہ ان میں سے بعض ایسی ہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ بعض بیویاں بھی نہایت نیک اور صالحہ ہوتی ہیں اور دین کے معاملے میں تختہ کار بھی۔ وہ نیکی کے کاموں میں خاوندوں کی معاونت کرتی ہیں۔ یہ چیز میاں بوی دونوں کے لیے سعادت مندی کی علامت ہے۔ اسی طرح بعض اولاد بھی نیک ہوتی ہے جو والدین کے لیے دعائیں کرتی ہے اور ان کے لیے بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی آدمی خود تو نیک ہے مگر اس کی بیوی اچھی نہیں ہے تو بقول شیخ سہیل وہ شخص دنیا میں بہتے ہوئے بھی دوزخ میں ہی پڑا ہوا ہے۔

فرمایا ابا اوقات انسان بیوی بچوں کی محبت میں مبتلا ہو کر آخرت کو فراموش کر دیتا ہے جو کہ اُس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ یہ تو آخرت سے محرومی اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل نہ کرنے کے مترادف ہے، اور یہی انسان کی بد بختی کی علامت ہے۔ اسی لیے فرمایا



کہ خبردار رہو کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر خدا کی عبادت اور اس کے ذکر کو نہ چھوڑ بیٹھنا، بلکہ فرائض کو ادا کرتے رہنا، غلط رسومات سے بچتے رہنا۔ اگر تم نے ان چیزوں کی پرواہ نہ کی تو پھر تمہاری بیویاں اور اولادیں واقعی تمہاری دشمن ثابت ہوں گی۔ فَاتَّخَذُوا دُشْمَانًا لِّدَانِهِمْ سے بچتے رہو۔ کہیں الیا نہ ہو کہ بالکل ہی غافل ہو جاؤ۔ بزرگان دین کا قول ہے: ”الْعِيَالُ سَوَاسُ الطَّلَاحَاتِ“ انسان کے بال بچے اس کے حق میں گھمن ہوتے ہیں۔ جس طرح گھس لکڑی یا مانج کو کھا جاتا ہے، اسی طرح یہی بچے بھی انسان کی نیکیوں کے ضیاع کا باعث بنتے ہیں۔ فرمایا ان سے بچتے رہنا اور نیکی کا دامن لاہو سے نہ چھوڑنا اور نہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

طبرانی شریف میں حضرت ابومالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہی کچھ کی بات اس طرح سمجائی ہے کہ لَيْسَ عَدُوُّكَ الَّذِي اَنْ قَتَلْتَهُ كَانَ قَوْلًا لَّكَ وَاِنْ قَتَلْتِكَ دَخَلْتَ الْجَنَّةَ وَلَكِنَّ الَّذِي لَعَلَّكَ عَدُوُّكَ وَلَدُكَ الَّذِي خَرَجَ مِنْ صُلْبِكَ کہ تمہارا دشمن وہ شخص نہیں کہ اگر تو اسے میدان جنگ میں قتل کر دے تو تجھے کامیابی نصیب ہو جائے، یا اگر وہ تجھے قتل کر دے تو تو شہادت کا درجہ پا کر جنت میں چلا جائے، بلکہ تمہارا دشمن تو تمہارا بیٹا ہے جو تمہاری پشت سے برآمد ہوا ہے۔ نیز فرمایا شاید کہ تمہارا بڑا دشمن وہ مال ہو جو تمہارے قبضے میں ہے۔ مال کی وجہ سے بھی لوگ غرور میں مبتلا ہو کر سرکش ہو جاتے ہیں اور محرمات اور غلط رسوم کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ بہر حال مطلب یہی ہے کہ خبردار رہو۔ بیوی، اولاد اور مال کی محبت میں مبتلا ہو کر دین، ایمان اور آخرت کو بالکل فراموش ہی نہ کر دینا۔

ایک صحابیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ جہاد پر جانے کے لیے تیار ہوتے تو اس کے بیوی بچے فرط محبت میں اُن سے لپٹ جاتے اور کہتے کہ ہمیں کس کے بھروسے پر چھوڑ کر جا رہا ہے، ہو۔ اس طرح صحابیؓ کے دل میں بعض اوقات کمزوری پیدا ہو جاتی لہذا وہ بیوی بچوں پر سختی کرتے تاکہ وہ اس کے رشتے میں رکاوٹ نہ بنیں۔

اللہ نے اس سختی سے بھی منع فرمایا ہے۔ فرمایا میری بچوں کی دشمنی سے بچنے کا حکم ہے، ان پر سختی کرنا روا نہیں۔ اگر وہ محبت میں آکر کوئی ایسی حرکت کر دیں تو اُسے برداشت کریں۔ وَإِنْ تَغْفُوا اور اگر تم ان کی غلطی کو معاف کر دو گے وَتَصْفَحُوا اور درگزر کر گے وَتَغْفِرُوا اور بخش دو گے۔ فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ تو اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے۔ بچوں کے حق میں نرمی کا سلوک کرو اور ان سے نفرت نہ کرو۔ البتہ ان کے شر سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔

مال اور اولاد  
فتنہ ہے

فرمایا إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولادیں آزمائشیں کا ذریعہ ہیں۔ ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے، اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ اس مال کی وجہ سے ہی لوگ بے ایمان ہو جاتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور دیگر ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ عیش و عشرت کر سکیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کرو۔ نہ ناجائز طریقے سے مال کماؤ اور نہ غلط مقام پر خرچ کرو، بلکہ اللہ نے مال دیا تو اس کا حق ادا کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ حج و عمرہ پر خرچ کرو جہاد کے لیے مال صرف کرو، محتاجوں، ناداروں، مسافروں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کرو، اور پھر جو کچھ بچ جائے وہی تمہارے لیے بہتر ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا کہ ماپ ٹول میں کمی نہ کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ بلکہ ان کا حق پورا پورا ادا کرو۔ پھر كَفَيَتْ اللَّهُ خَبِيرًا لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (ہود-۸۶) جو کچھ بچے وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ جس مال میں لوگوں کا حق شامل ہو وہ ہرگز تمہارے لیے بہتر نہیں ہے، اس سے بچو کہ یہ تمہارے حق میں فتنہ کا باعث ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے، لہذا ہر فتنے سے تو پناہ نہیں مانگی جاسکتی۔ اس لیے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ذُكِّرْ بِكُم مِّنْ مِّثْلَ مَا كُنْتُمْ يَفْعَلُونَ (اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ڈھکے ڈھکیا کرتا ہے کہ تمہاری طرف سے کیا کیا کرتے ہو) میں گمراہی میں ڈال دینے والے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس میں تمام فتنے آجائیں گے

خواہ وہ بیوی بچے ہوں یا مال و دولت ہو۔ جن کی وجہ سے انسان گمراہی میں پڑ جائے۔  
 ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ چھوٹے بچے حسن و  
 اور حسینؑ شریعہ لباس پہنے گرتے پڑتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے تھے۔ آپ منبر  
 سے نیچے اترے اور حسینؑ کو اٹھا کر پیار کیا۔ اور ساتھ کہا کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ اِنَّهَا  
 اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فَتَنَةٌ اَنْ يَّحْمِلُوْا كُرْهُهٖمْ فَتَسْتَوْدِعُوْهُمُ لِمَنْ يَّهْتَدِى الْغٰیۃُ اَنْ يَّوَدَّعُوْهُمْ  
 سِکَا وَاَوْرَیۡمِ لَیۡ اَنْۢ یَّهْتَدِی الْغٰیۃُ اِلَیۡہِمْ اِنْۢ یَّوَدُّوْا اَمْۤ اِلَیۡہِمْ اِنْۢ یَّوَدُّوْا اَمْۤ اِلَیۡہِمْ اِنْۢ یَّوَدُّوْا اَمْۤ اِلَیۡہِمْ  
 کی محبت میں منہمک ہو کر دین کو ہی چھوڑ بیٹھے۔ بعض اوقات انسان بیوی بچوں کی خاطر غلط  
 رسوم ادا کرنے اور مال خرچ کرنے میں مجبور ہو جاتا ہے۔ شادی سیاہ کے موقع پر بیٹہ لے  
 ڈھولک، چراغاں، جھنڈیاں اور دیگر شے اور بدعتیہ رسوم کی وجہ سے انسان دین سے  
 محروم ہو جاتا ہے، اسی لیے مال اور اولاد کو فتنہ کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ البتہ  
 حضور علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مال و اولاد کے فتنہ کی وجہ سے جو کچھ ایمان مند  
 ہو جاتی ہیں، وہ نماز پڑھنے، صدقہ خیرات کرنے اور قرآن کریم سے معاف ہو جاتی  
 ہیں۔ بعض فتنے ہم گمراہ ہوتے ہیں۔ جن کی لپیٹ میں پوری برادری، پوری قوم اور پورا  
 ملک آجاتا ہے۔ یہ بڑے فتنے ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان سے بچنے کی تلقین کی ہے۔  
 فرمایا، یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ فِتْنَةٌ اِیۡنَ یَّجۡئُکُمُ الْکُفۡرُ مِنْۢ بَیۡنِ  
 عَظِیۡمَہٗمُ اَوَّلُ الْکُفۡرِ اَنَّہٗ یَاۡتِیَکُمۡ مِنْۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمْ وَبَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمْ اَوَّلُ الْکُفۡرِ اَنَّہٗ  
 غانی چیزوں کو اپنا مقصود حیات نہ بناؤ۔ اور ان کے ساتھ چلتے ہوئے محتاط رہو۔ مال  
 کی محبت انسانی فطرت میں داخل ہے جیسے اللہ کا فرمان ہے وَاِنَّہٗ لَیۡحِبُّ الْخَیۡرَ  
 لَشَدِیۡدٍ (العنکبوت - ۸) بیشک مال کی محبت میں انسان بہت پختہ ہے۔ اس  
 کی محبت کی وجہ سے آخرت کو فراموش نہ کرو اور اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت  
 کرتے رہو۔



قد سمح الله ۲۸

التغابن ۶۳

درس چہارم ۴

آیت ۱۸ تا ۱۶

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّ تَقْرُضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفَهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

ترجمہ ۱۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس قدر تم طاقت رکھتے ہو، اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، یہ بستر ہے تمہاری جانوں کے لیے۔ اور جو شخص بچا لیا گیا اپنے نفس کے بھل سے، پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿۱۶﴾ اگر تم قرض دو گے اللہ کو قرض حسن تو وہ دوگنا کرے گا قصار سے لیے اور بخش دے گا تم کو اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور بڑا بار ہے ﴿۱۷﴾ وہ مہربان والا ہے پوشیدہ اور ملاحظہ چیزوں کا۔ زبردست اور ممکنوں والا ہے ﴿۱۸﴾

سورۃ کی ابتداء میں اللہ نے توحید اور ایمان کی بات بیان فرمائی۔ پھر نبوت و رسالت کے معترضین کو جواب دیا اور جزائے عمل کا ذکر کیا۔ فرمایا قیامت یوم التغابن یعنی ہارجیت کے دن واقع ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس پر پرنازل کردہ نور پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے تکلیف آنے کا فلسفہ بیان فرمایا کہ یہ بجانب اللہ آتی ہے لہذا اس میں جزع فزع نہیں کرنا چاہیئے آگے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کے حق میں ان کے بھائی کے دشمن بن جاتے ہیں لہذا ان سے محتاط

سچے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے مال اور اولاد کے متعلق فرمایا کہ یہ آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اس میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہیں ہو جانا چاہیے۔

اب سورۃ کے آخر میں اللہ نے مذکورہ غفلت کو دور کرنے اور امور خیر میں دل کھول کر خرچ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** پس اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جس قدر تم میں طاقت ہے۔ تقویٰ کا معنی بچاؤ ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈر کر محصیت سے بچ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق اتقی کا معنی یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے کفر، شرک اور نفاق سے اور پھر معاصی سے بچ جائے اول الذکر بے محنتی کی چیزیں اور کبیرہ گناہ ہیں۔ اگر ان سے بچ گیا اور پھر چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی محفوظ رہا تو اس کو کامل درجے کا تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔ تقویٰ کا ایک معنی عاجزی بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق تقویٰ کا مفہوم یہ ہے **أَلَّا تَأْتِيَ نَفْسَكَ خَيْرًا مِّنْ أَحَدٍ** کہ تو اپنے آپ کو کسی دوسرے سے بہتر نہ سمجھے بلکہ عاجزی اختیار کرے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرے۔ اللہ نے سورۃ نور میں اپنے نیک بندوں کی ایک یہ صفت بھی بیان کی ہے۔ **وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ** (آیت ۱۱۲) کہ وہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک تقویٰ: "ممانعت بر حدود شرع است" یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ حدود شرع میں جو حکم اعتقاد اور عمل سب کچھ شامل ہے لہذا ان سب کی درستگی ضروری ہے۔

بعض مفسرین نے اس مقام پر ایک اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس آیت میں تو حسب استطاعت تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** (آیت ۱۰۲) اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ بظاہر تو ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سورۃ آل عمران

میں جہاں مضبوطی سے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اُس تقویٰ سے مراد عقیدے کا تقویٰ ہے یعنی ایمان اور توحید کے معاملہ میں کسی قسم کا منہعت نہیں آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ وہ کفر اور شرک کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف کرے چونکہ کفر اور شرک کا تعلق عقیدے سے ہے، اس لیے فرمایا کہ عقیدے میں اس طرح تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔ انسان کا عقیدہ ہر قسم کی آکاش سے پاک ہونا چاہیے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈر جاؤ مَا اسْتَطَعْتُمْ جس قدر تمھاری طاقت ہے تو اس سے مراد اعمال کا تقویٰ ہے کیونکہ اعمال میں کوتاہی قابلِ معافی اور قابلِ رعایت ہے۔ مثلاً اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹے لیٹے پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بیمار ہے یا مسافر ہے اور روزہ نہیں رکھ سکتا تو قضا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون بھی یہی ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ غرضیکہ سورۃ آل عمران میں آمدہ تقویٰ سے مراد عقیدے کا تقویٰ ہے جب کہ اس آیت میں تقویٰ سے مراد اعمال کا تقویٰ ہے لہذا دونوں آیات میں فی الحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے۔

سماعت الکلیہ  
اور اتفاق

فرمایا حسب استطاعت اللہ سے ڈرو۔ وَأَسْمِعُوا اور سنو یعنی اللہ اور اس کے رسول کی بات کو سنو، قانون پر عملدآمد کے لیے سماعت پہلی منزل ہے۔ جو شخص سنے گا، پھر سمجھے گا تو اس پر عمل بھی کرے گا۔ اور جو شخص کسی بات کو سننے کے لیے ہی تیار نہ ہو اس سے عمل کی امید کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے فرمایا سِنُوا وَأَطِيعُوا اور اطاعت کرو۔ جو کچھ حکم دیا جا رہا ہے اس کو سرِ چشم قبول کرو اور پھر اس کے مطابق عمل پیرا ہو جاؤ اگے فرمایا وَأَنْفِقُوا اور خرچ کرو۔ سورۃ منافقوں میں گزر چکا ہے وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ (آیت ۱۰) جو کچھ ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرو۔ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرو۔ جہاں تک خرچ کی مدت کا تعلق ہے تو ان کا تذکرہ بھی مذکورہ سورۃ میں ہو چکا ہے کہ سب سے



پہلے فرض کو پورا کرو۔ مال نصاب کو پہنچ گیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرو، صدقہ فطر دو، قربانی کرو  
پھر غریبوں محتاجوں، مسکینوں، مسافروں، ہمسایوں اور اقرباء پر خرچ کرو۔ لوگوں کے حقوق ادا  
کرو۔ اور سحبات پر خرچ کرو حج و عمرہ اور دیگر عبادات پر خرچ کرو  
خَيْرٌ لَّآ نَفْسٍ كُمْ اِيَّاكُمْ تَهْتِكُ مِنْ يَدِهِ يَتْرِكُ يَدِهِ كَيْفَ يَكُنْ لَكُمْ خَيْرٌ لَّآ نَفْسٍ كُمْ اِيَّاكُمْ تَهْتِكُ مِنْ يَدِهِ يَتْرِكُ يَدِهِ كَيْفَ يَكُنْ لَكُمْ  
کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَتَجَدَّلْ فَإِنَّهَا بِيَدِهِ عَنْ نَفْسِهِ (محمد - ۳۸) جو شخص  
بخل کرتا ہے اس کا وبال اس کے اپنے نفس پر ہی پڑتا ہے۔ یہی مضمون اللہ نے یہاں  
بھی بیان فرمایا ہے وَمَنْ يُؤْتِ شَيْءًا مِنْ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ  
جس کو اس کے نفس کے بخل سے بچایا گیا، پس یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں  
بخل، حرص اور لالچی بہ اخلاقی کی باتیں ہیں، اور بخل خاص طور پر بدترین بیماری ہے کتنے  
افسوس کا مقام ہے کہ لوگ ناجائز اور فضول رسومات پر تو بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔  
مگر نیکی کے کام پر خرچ کرنے سے انحراف کرتے ہیں یہی بخل ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ بے اوقات انسان اولاد کی خاطر بخل کرتا ہے  
تاکہ ان کے لیے مال جمع ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی  
فرضیت میں دو مصلح ہیں۔ ایک مصلحت تو خود زکوٰۃ دہندہ کے لیے ہے کہ اس  
کے نفس سے بخل کا مادہ خارج ہوتا ہے اور اس کی بچانے فیاضی کا مادہ پیدا ہوتا ہے  
اور دوسری مصلحت محتاجوں کی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان کی ضروریات پوری ہوتی  
رہتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ خرچ کرو تاکہ تمہاری طبیعتوں میں سے بخل کا مادہ نکل جائے  
آگے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو قرض حسن سے اجیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قرض حسن

إِنْ تَقَرَّضُوا لِلَّهِ قَرْضًا حَسَنًا اَلَمْ تَقْرَأُوا لِلَّهِ قَرْضًا حَسَنًا اَلَمْ تَقْرَأُوا لِلَّهِ قَرْضًا حَسَنًا  
لَكُمْ قَرْضًا حَسَنًا اَلَمْ تَقْرَأُوا لِلَّهِ قَرْضًا حَسَنًا اَلَمْ تَقْرَأُوا لِلَّهِ قَرْضًا حَسَنًا  
جو کسی ضرورت مند کو بغیر سود، احسان یا تکلیف کے دیا جائے۔ یہ قرضہ قابلِ واپسی ہوتا ہے  
تاکہ مقرض اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد واپس کر دے۔ بعض روایات میں آتا ہے  
کہ جو آدمی صدقہ کرتا ہے اُسے اس کا کم از کم دس گنا بدلہ ملتا ہے اور جو قرض حسن دیتا ہے

اسے دگنا دینا ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ قرض حسن رو، اللہ تمہیں دگن عطا کرے گا۔ البتہ یہاں پر قرض حسن سے مراد قابل واپسی قرضہ نہیں بلکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے یا مخصوص جہاد کے لیے خرچ کرنے کو قرض حسن کہا گیا ہے۔

موجودہ زمانے میں بھل کی بیماری عام ہے جس کی وجہ سے لوگ قرض حسن سے اعراض کرتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں بنکاری کا نظام رائج ہے اور لوگوں کو سود کا چپکا پڑچکا ہے، لہذا اکثر لوگ اپنی قوم و ملک میں جمع کر کے نفع حاصل کرتے ہیں یا مختلف سکیموں میں سرمایہ کاری کر کے دگن پونگن کھاتے ہیں۔ کہیں انٹرنس ہے، کہیں انعامی بانڈز ہیں، کہیں پانچالہ یا دس سالہ سکیمیں ہیں۔ گویا اس نظام کی بہت سی شکلیں ہیں جو یہودیوں کی ایجاد کردہ ہیں اور جنہوں نے ساری دنیا کو اپنی پیٹ میں لے رکھا ہے، لہذا کوئی شخص آسانی سے قرض حسن لینے پر تیار نہیں ہوتا۔ اور قرض لینے والے بھی لے تو لیتے ہیں مگر آسانی سے واپس نہیں کرتے بلکہ بعض تو بالکل ہی پی جاتے ہیں۔ یہ بھی بہت بُری بات ہے اور قرض حسن کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے، تاہم مال ہوتے ہوئے کسی ضرورت مند کو نہ دینا اس سے بھی بُری بات ہے۔ اس ضمن میں جانبین کا رویہ قابل اصلاح ہے۔

انفاق  
فوالجہاد

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اس آیت میں انفاق سے مراد بالخصوص جہاد کے لیے خرچ کرنا ہے۔ عام انفاق کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِّثْلِهَا (الانعام، ۱۶۱) جو ایک نیکی کرتا ہے، اُس کا بدلہ دس گنا ہے، یعنی ایک سو پیر خرچ کر کے پیر دس روپے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ البتہ جہاد کے لیے خرچ کرنے کا اجر سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور جس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے جہاد کے موقع پر اللہ کے راستے میں ایک اونٹنی جمع سازو سامان دی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بے میں تمہیں سات سو اونٹیاں جمع سازو سامان عطا فرمائے گا۔

فرمایا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دگن اجر عطا کرے گا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اور تمہاری غلطیاں بھی معاف فرمائے گا۔ کہو کہ واللہ شکورٌ حمیدٌ اللہ تعالیٰ بہت قدر دان اور بڑا بڑا ہے۔ شکر کا معنی شکر ادا کرنا بھی ہوتا ہے۔ اور شکر قبول کرنا

بھی۔ یہاں پر قدر زانی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والے کا شکر یہ قبول کرتا ہے، اور اس کی قدر زانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے حد قدر دان ہے اور ایک درہم خرچ کرنے پر سات سو درہم عطا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ عظیم معنی بردبار اور تحمل والا بھی ہے۔ وہ کسی نافرمان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ شاید کہ وہ سدھر جائے۔ اللہ کافر مان ہے۔ **وَأَمْلَى لَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ** (العنکبوت - ۲۵) میں طویل دیکھتا ہوں وگرنہ میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، جب چاہوں کسی مجرم کو پکڑ لیتا ہوں۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

تو مشر مفرور بر علم خدا

دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

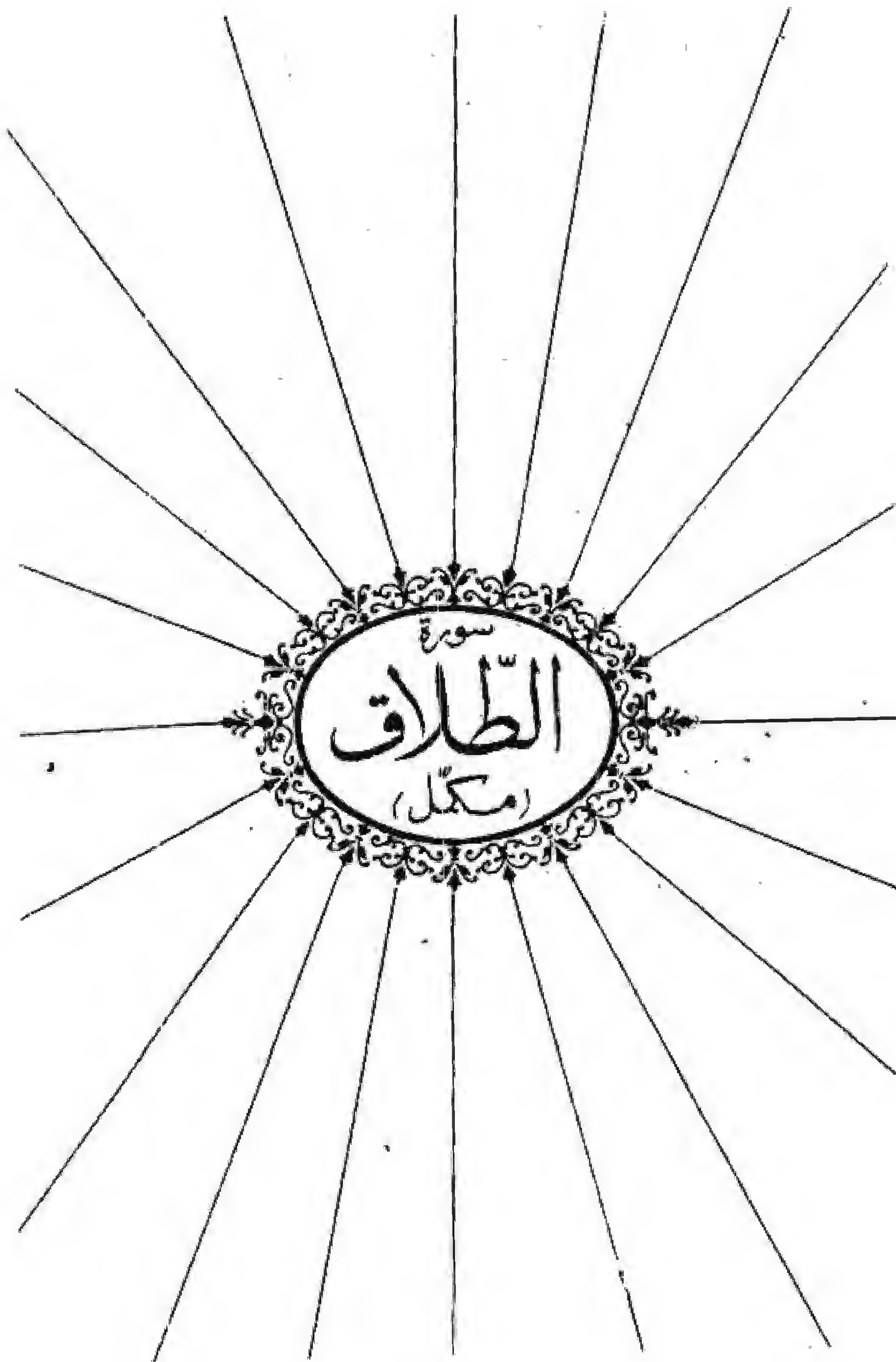
تجھے خدا تعالیٰ کی بردباری پر مفرور نہیں ہونا چاہیے، وہ دیر سے پکڑتا ہے، مگر اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

آگے اللہ نے اپنی صفت علم محیط کا ذکر فرمایا ہے **عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** وہ مخفی اور ظاہر سب چیزوں کو جاننے والا ہے۔ یہ ظاہر اور پوشیدہ مخلوق کے اعتبار سے ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ انسان کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ اس کافر مان ہے **وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي شَيْءٍ مِمَّا عَسَا** (یونس - ۶۱) تیرے پروردگار سے تو ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

علم الغیب  
والشہادت

بہر حال مخفی اور ظاہر کا ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنی فکر کرنی چاہیے۔ اس کا ہر چھوٹا بڑا عمل بلکہ عقیدہ نیت اور ارادہ بھی اللہ کی نگاہ میں ہے۔ جو بھی نیکی کا کام غلوں نیت سے کر دے، اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرے گا۔ وہ **الْعَزِيزُ** یعنی زبردست اور کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے، جب وہ کسی کی گرفت کرتا ہے تو اس کے سامنے کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ کمال قوت کا مالک ہے۔ نیز وہ **الْحَكِيمُ** بھی ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے وہ ہر کام حکیمانہ انداز میں کرتا ہے۔





سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً فِيهَا ذِكْرُ عَيْنِ  
سورة طلاق مدنی ہے اور یہ بارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

• شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بجد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ  
وَاحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ  
بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ  
وَلِلَّهِ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ  
نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ①

ترجمہ :- اے نبی! جب تم طلاق دو عورتوں کو، پس طلاق دو  
اُن کو عدت پر، اور شمار کرو عدت کو، اور ڈرو اللہ سے  
جو تمہارا پروردگار ہے۔ اور نہ نکالو اُن عورتوں کو اُن کے  
گھروں سے، اور نہ نکلیں وہ خود بھی سوائے اس کے کہ وہ  
کوئی صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اور یہ اللہ کی حدیں  
ہیں، اور جو شخص تعدی کرے گا، اللہ کی حدوں سے، پس  
بے شک اس نے ظلم کیا اپنی جان پر۔ وہ نہیں جانتا زور  
طلاق دینے والا شاید کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرے اس کے بعد کوئی

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الطلاق ہے کیونکہ اس میں طلاق کے بعض احکام مذکور ہیں۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی، اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں، اور یہ سورۃ ۱۲۷ الفاظ اور ۱۱۰ احروف پر مشتمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق اس سورۃ کو سورۃ الطلاق القصصی یعنی چھوٹی سورۃ طلاق کہا گیا ہے کیونکہ عالمی قوانین زیادہ تر سورۃ بقرہ میں نازل ہوئے ہیں اور یہ سورۃ اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔

گذشتہ سورۃ میں زیادہ تر مسلمانوں کے اجتماعی معاملات بیان ہوئے۔ بنیادی عقائد میں مسئلہ توحید، رسالت، قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا اور پھر انفاق فی سبیل اللہ اور خدا خوفی کا مسئلہ بیان ہوا۔ اللہ نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا اور یہ بھی کہ تمھاری بعض عورتیں اور بعض اولادیں تمھارے حق میں دشمن ہیں، لہذا ان سے بچتے رہیں۔ فرمایا نہ تو ان کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا اور نہ ہی ان کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ کے ذکر سے غافل ہونا۔ اب اسی ضمن میں فرمایا ہے کہ اگر تمھاری عورتوں کی دشمنی حد سے بڑھ جائے تو پھر طلاق کی تربت آجاتی ہے، چنانچہ اس سورۃ میں اللہ نے طلاق کے بعض مسائل، مطلقہ عورتوں کی مختلف قسمیں اور عدت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

اس سورۃ کا آغاز نبی سے خطاب کے ساتھ ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** لے نبی! **إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ** جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کی ذات سے کر کے آگے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے خطاب کر کے ساری امت کو سمجھانا مقصود ہے، اس لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ نبی کو خطاب اس لیے کیا گیا ہے کہ نبی پوری امت کا سرور ہوتا ہے، اور سرور کے حکم میں باقی لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، لہذا سب کے لیے جمع کا صیغہ آیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** کے بعد لفظ **قُلْ** مخدوم ہے اور معنی یہ کہ اے نبی! آپ امت کے لوگوں کو کہہ دیں کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو۔



فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ قَوْلَانِ کو عدت پر طلاق دو۔

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک بیوی حضرت حفصہ بنت حضرت عمرؓ کو ایک طلاق دے دی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور اللہ نے حضور علیہ السلام کو رجوع کا حکم دیا کیونکہ حضرت حفصہ صَوَامِعہ قَوَامِعہ بکثرت روزے رکھنے والی اور بہت عبادت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ کے لیے بشارت تھی کہ حضرت حفصہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی، لہذا حضور علیہ السلام نے رجوع کر لیا۔

البتہ شانِ نزول کے ضمن میں زیادہ مشہور واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی۔ حضرت عمرؓ نے یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ عبد اللہؓ نے غلط کام کیا ہے، اس کو کہو کہ رجوع کرے۔ چونکہ انہوں نے صرف ایک طلاق دی تھی لہذا رجوع کر لیا۔ اس سورۃ میں اللہ نے اس مسئلہ کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں دینی چاہیے بلکہ اگر اس کے بغیر بالکل چارہ نہ ہو۔ تو پھر ایسے طہریں طلاق دی جائے جس میں میاں بیوی کا ملاپ نہ ہوا ہو۔

نکاح اور طلاق

طلاق کا لغوی معنی بندش کو کھول دینا، چھوڑ دینا یا آزاد کر دینا ہے۔ اللہ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے جیسے فرمایا بَيِّدْهُ عُنُقُودَةُ النِّكَاحِ (البقرة - ۲۳۷) یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے وہی اس کو بصورت طلاق کھولنے کا مجاز ہے مطلب یہ کہ نکاح کا اعتبار مرد سے ہے اور طلاق کی صورت میں عدت کا اعتبار عورت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ عدت اُسے پورا کرنا ہوتی ہے۔ طلاق ایک ناپسندیدہ امر ہے جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں نکاح کرتے ہیں تو وہ اس تعلق کو تازہ لیت قائم رکھنے کا عہد کرتے ہیں۔ پھر اگر ان کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے اور نباہ نہ ہوتا ہو تو قرآن پاک کا حکم یہ ہے کہ سب سے پہلے خود میاں بیوی ایسے تنازعہ کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت اور مرد کے عزیز و اقارب یا سرپرست

مئلہ کو مل کرنے کی کوشش کریں تاکہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ کیونکہ شریعت کی رو سے نکاح کی ادا امت مقصود ہے۔ اور اگر کوشش کے باوجود نیاہ کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر شریعت نے میاں بیوی میں جدائی کی اجازت دے دی ہے، اور اسی کا نام طلاق ہے۔  
 طلاق کے مسئلہ میں دیگر مذاہب افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یہودیوں میں طلاق کو ایک معمولی چیز سمجھا جاتا ہے، اس کے لیے طلاق کا قصود طلاق سے دی۔ اور پھر عورت کے لیے بھی کوئی پابندی نہیں، وہ طلاق کے فوراً بعد نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہے۔ اس کے برخلاف نصاریٰ میں از روئے انجیل طلاق کی گنجائش بہت کم ہے۔ عورت کے زانیہ ثابت ہونے کے علاوہ طلاق کے لیے کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ اگر اس واحد عذر کے بغیر کوئی شخص طلاق دے دے تو وہ طلاق ہی شمار نہیں ہوتی اور اگر ایسی عورت نکاح ثانی کر لے تو وہ زنا شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں نکاح تازیت ہوتا ہے۔ اور طلاق کی کوئی گنجائش نہیں خواہ حالات کتنے بھی خراب ہو جائیں۔ غرضیکہ دیگر مذاہب میں اس مسئلہ میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ اگرچہ اسلام میں نکاح تازیت ہوتا ہے جس نے نیاہ کی صورت میں فی الجملہ آزادی کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔

طلاق کے  
راز بہت

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَلْبَعْضُ الْمِيكَاتِ اِلَى اللّٰهِ  
 الطَّلَاقُ اللّٰہ کے نزدیک جائز امور میں بعض تریں چیز طلاق ہے۔ اگرچہ طلاق  
 کو پتہ نہیں کیا گیا مگر اشد ضرورت کے وقت یہ حق استعمال بھی کیا جاسکتا ہے، بظاہر ہے  
 کہ جب میاں بیوی کا نیاہ نہ ہو سکے اور دینی یا معاشرتی لحاظ سے خرابیاں پیدا ہو رہی  
 ہوں تو پھر آزادی کا راستہ بھی موجود ہے۔ تاہم طلاق کے معاملہ میں بعض پابندیاں  
 بھی عائد کی گئی ہیں۔ طلاق دیتے وقت مناسب اور موزوں وقت کا لحاظ ضروری ہے  
 اور طلاق کی تعداد کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔ پھر اگر طلاق سے دی جائے تو نکاح ثانی سے پہلے  
 عورت کے لیے مقررہ عدت گزارنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مرد و زن کے نکاح



کا تعلق ایک عظیم تعلق ہے جس کا حق عدت کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے نسب وغیرہ میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر عورت حاملہ ہو تو نکاح ثانی سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کی نسل کا تعین ہونا ضروری ہے اسی مقصد کے لیے عورت کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خلع اور  
طلاق  
بالمال

پہلے میں نے عرض کیا ہے کہ التلّیٰ نے طلاق کا تعلق مرد کے ساتھ رکھا ہے۔ اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں موجود ہے۔ ایک خلع ہے اور ایک طلاق بالمال۔ اگر زوجین کے درمیان تنازعہ شدت اختیار کر جائے اور مرد طلاق دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ جب کہ عورت اُس سے گلو خلاصی چاہتی ہو تو ایسی صورت میں عورت عدالت مجاز کی طرف رجوع کر کے اپنا معاملہ پیش کر سکتی ہے۔ عدالت فریقین کے دلائل سننے کے بعد اگر مناسب سمجھے تو میاں بیوی میں تفریق یا علیحدگی کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں مرد کی طرف سے طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر فریقین رضامند ہوں تو عورت کچھ مال دے کر بھی مرد کو خلع پر راضی کر سکتی ہے اس مقصد کے لیے عورت حق ہر داپس کر سکتی ہے۔ اگرچہ اس سے زیادہ مال طلب کرنے پر خاوند گنہگار ہوتا ہے۔ تاہم عورت اور مرد کی رضامندی سے کچھ مزید مال بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ خلع کے بعد عورت عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

دوسری صورت طلاق بالمال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی طلاق لینا چاہے تو مرد کسی مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ جس کے عوض وہ طلاق دینے پر راضی ہو جائے گا۔ اگر بیوی مطلوبہ مال دے کر گلو خلاصی کرانے پر تیار ہو تو اُس مال کے بدلے میں خاوند اپنی بیوی کو باقاعدہ طلاق دے دیگا، یہ طلاق بالمال ہے۔ اس کے بعد عورت عدت پوری کر کے نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہوگی۔

طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس سے طلاق کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یعنی تین حیض گزارنے پر عدت پوری ہو جائیگی اور عورت نکاح ثانی کے لیے آزاد ہوگی۔

طلاق کا  
صحیح طریقہ



اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلاق ٹیٹے کے بعد میاں بیوی کو سوچنے سمجھنے کے لیے کم و بیش تین ماہ کا وقت مل جائے گا۔ اگر اس دوران میں فریقین کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو مرد رجوع بھی کر سکتا ہے اور اس کے لیے دوبارہ نکاح کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ اور اگر تین حیض گزر جائیں تو پھر بھی مرد وزن باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یا عورت دوسری جگہ بھی نکاح کر سکتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایک طلاق رجعی دی گئی ہو یعنی طلاق ٹیٹے وقت ڈرانے دھمکانے کی نیت ہو۔ اور اگر طلاق ٹیٹے وقت بالکل جدائی کی نیت تھی۔ تو پھر یہ طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر میاں بیوی عدت کے اندر بھی دوبارہ ملنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔

طلاق کا دوسرا صحیح طریقہ سنت کہلاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ عورت کو کسی صورت میں بھی نہیں رکھنا چاہتا۔ اور ایک سے زیادہ طلاقیں ٹیٹے پر ہی بقدر سب تو پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق ٹیٹے۔

پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق ٹیٹے۔ اور اگر اب تک وہ اپنے فیصلے پر قائم ہے تو پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق ٹیٹے، اب یہ طلاق مغلظہ ہو گئی، اور رجوع نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر عورت کسی دوسری جگہ نکاح کر لے اور پھر وہاں سے طلاق ہو جائے یا عورت بیوہ ہو جائے تو اس صورت میں اگر وہ پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے، عدت گزارنے کے بعد۔

تیسری قسم کی طلاق طلاق بدعت کہلاتی ہے، یہ ایسی طلاق ہوتی ہے جو حیض کی حالت میں دی جائے۔ یا طہر کی حالت میں تین طلاقیں بیک وقت دیدی جائیں۔ ایسی طلاق نافذ تو ہو جائے گی۔ مگر طلاق ٹیٹے والا گناہ کامرکب ہوگا اور عورت مغلظہ ہو کر جدا ہو جائیگی۔ اب نہ تو رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اس کی تشریح حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایات میں موجود ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر حیض کے دوران تین طلاقیں ٹیٹے دی جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا طلاق نافذ ہو جائیگی اور ایسا غلط طریقہ اختیار کرنے پر حکم جاری ہوگا اور عورت

طلاق بدعت

بھی اُس سے جدا ہو جائے گی وَتَحْصِيَّتُكَ رَجُلٌ اور رب تعالیٰ کا فرمان بھی ہوگا۔  
 اس مسئلہ میں شیعہ، ظاہریہ اور غیر مقلد حضرات اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اس مسئلہ  
 میں بھی رجوع کے قائل ہیں کیونکہ اُن کے مطابق بیک وقت تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی  
 ہے۔ البتہ چاروں امام (امام عظیم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) اور  
 جمہور صحابہ، تابعین اور محدثین کہتے ہیں کہ یہ طلاق مغلط ہو کر نافذ ہو جاتی ہے۔

فرمایا ہے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت پر طلاق دو وَاَحْصُوا  
 الْعِدَّةَ اور عدت کو شمار کرو تاکہ کوئی گمراہ نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے، عورت  
 کو طہر کے دوران طلاق دی جائے اور پھر تین حیض کی گنتی پوری کی جائے۔ سورۃ بقرہ میں  
 ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (آیت - ۲۲۸) کے الفاظ آتے ہیں۔ قرآن کا معنی حیض بھی آتا ہے۔  
 اور طہر بھی۔ تاہم امام ابو حنیفہ اس سے حیض مراد لیتے ہیں۔ یعنی کسی طہر میں طلاق دینے کے  
 بعد تین حیض کی عدت ہوگی۔ اگر حیض کی حالت میں طلاق دی جائے تو پھر عدت کا عمر  
 ٹھیک طریقے سے شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ جس حیض میں طلاق دی جائے گی اُس کو پورا شمار  
 نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے کچھ ایام پہلے گزر چکے ہوں گے۔ اور اگر اس حیض کو بالکل  
 نظر انداز کر کے اس کے علاوہ تین حیض شمار کیے جائیں۔ تو اس حیض کا کچھ  
 حصہ تین سے بڑھ جائے گا۔ لہذا سنت طریقہ یہی ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے۔

تین  
شمار

چونکہ عدت کے شمار کرنے میں حلال و حرام کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس پہلے  
 فرمایا کہ عدت کو شمار کر لیا کرو۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے  
 ڈرتے رہو کہ کہیں اُس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے مستوجب سزا نہ بن جاؤ۔ اور دوران  
 عدت عورت کی رہائش کے متعلق فرمایا لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ  
 اُن کو دوران عدت اُن کے گھروں سے زبردستی نہ نکالو۔ مطلب یہ ہے کہ عورت  
 اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت کے ایام پورے کرے۔ طلاق دینے کے فوراً بعد اُسے گھر  
 سے نہ نکال دو۔ وَلَا تَخْرُجْنَ اور عورتیں خود بھی اُس گھر سے نہ نکلیں، بلکہ صبر کر کے

عدت کے  
دوران  
سکونت

بیٹھی رہیں۔ یہاں تک کہ عدت کے دن پر سے ہو جائیں۔ ہاں ایک صورت میں انہیں گھر سے نکالا جاسکتا ہے۔ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عورت کا گھر سے خود بخود چلا جانا بھی بے حیائی کی تعریف میں آتا ہے۔ چوری کرنا یا زنا کا مرتکب ہونا بھی بے حیائی کا کام۔ البتہ اگر وہ کسی ایسے جرم میں ملوث ہو جائے تو پھر اس پر حد جاری کرنے کے لیے گھر سے نکالا جاسکتا ہے۔ بعض دیگر عذر بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً گھر میں بالکل اکیلی ہے اور حفاظت کا حصول انتظام نہیں ہے۔ تو دوسری جگہ جاسکتی ہے۔ یا گھر کا ماحول ایسا ہے کہ زانیہ جھگڑا ادا بزدبانی ہوتی رہتی ہے تو پھر بھی مطلقہ دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے۔ فاحشہ بنت قیس کا یہی مسئلہ تھا۔ وہ اپنے دیور اور تند وغیرہ سے تلخ کلامی کرتی تھی تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ اپنے چچا زاد یا خال زاد کے گھر میں جا کر عدت گزارے۔

فرمایا وَقُلْتُ حَدُّهُ دُونَ اللَّهِ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں کہ صحیح وقت پر طلاق دو اور عہد عدت کی گنتی کر پوری کر دو۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ اور جس نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا۔ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ وہ عند اللہ منہر کا مستحق ہو گا۔ فرمایا عورت کا اُسی گھر میں رہنا اس لیے ضروری ہے لَا تَذَرْنِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا کیونکہ اس کو علم نہیں شاید کہ اس کے بعد اللہ اس کے لیے کوئی صورت پیدا کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک یا دو طلاقیں ہوئی ہیں تو رجوع کا امکان ہو سکتا ہے ہاں اگر سالارت ایسے ہوں کہ عورت وہاں نہیں رہ سکتی، تو پھر باہر مجبوری دوسری جگہ جاسکتی ہے۔



فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ  
 بِمَعْرُوفٍ ۖ وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا  
 الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ  
 بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ  
 مَخْرَجًا ۖ ② وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن  
 يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ  
 قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۖ ③

ترجمہ: پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی مدت تک پہنچ جائیں  
 پس روک رکھو ان کو دستور کے مطابق یا ہذا کردہ دستور کے  
 مطابق۔ اور گواہ بنا لو دو عادل گواہ اپنے میں سے۔ اور قائم کرو  
 شہادت کو اللہ کے لیے۔ اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے  
 اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن  
 پر۔ اور جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، جانتا ہے اللہ اس  
 کے لیے (مشکل سے) نکلنے کا سامان ② اور روزی دیتا  
 ہے اُس کو جہاں سے اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو  
 شخص بھروسہ کریگا اللہ کی ذات پر تو وہ اس کے لیے  
 کفایت کرنے والا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے  
 اپنی بات کو۔ تحقیق ٹھہرایا ہے اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ ③

ردہ آیت

پہلی آیت میں اللہ نے طلاق کا قانون بیان فرمایا کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہی پڑے تو پھر ایسے صحیح وقت پر طلاق دو کہ عدت کی مدت تک ٹھیک شمار ہو سکے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہیے، تاکہ تین حیض کا وقفہ واضح طور پر معلوم کیا جاسکے۔ پھر فرمایا کہ دورانِ عدت عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ البتہ اگر عورت کسی بیماری کے کام کی مترتب ہو یا کوئی دوسرا معقول عذر ہو، تو پھر اُسے گھر سے نکالا جاسکتا ہے، فرمایا یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، ان کی پاسداری کرو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کر دے۔

رجوع یا جہائی  
بمطابق دستور

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک یا دو طلاقیں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے البتہ اگر تینوں طلاقیں دیدی جائیں تو پھر مرد و زن میں مکمل جہائی ہو جاتی ہے تاہم نکاح ثانی سے پہلے عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہے۔ آج کی پہلی آیت میں اسی مسئلے میں نصیحت کی بات کی گئی ہے، رجعی طلاق کے بعد عدت کی مدت قریب الاعتام ہو تو اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ ارشاد ہوتا ہے فَاِنَا بَلَّغْنَ اَجَلَهُنَّ پھر جب وہ عورتیں، جن کو ایک یا دو طلاقیں دی جا چکی ہیں، اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت قریب الاعتام ہو۔ فَاَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ پس ان کو روک لو دستور کے مطابق۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر طلاق رجعی دی ہے۔ تو رجوع کر لویا اگر طلاق بائن ہے تو دوبارہ نکاح کر کے عورت کو جہا ہونے سے روک لو۔ اور اگر بے عذر و خرمض کے بعد بھی عدت کو جہا کرنے کا ہی فیصلہ کیا ہے تو فرمایا اَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ یا پھر جدا کر دو دستور کے مطابق مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کو روک لیا ہے تو آئندہ زندگی خوش اسلوبی سے بسر کر دو رجوع کے بعد پہلی رخصتوں کو فراموش کر دو اور آئندہ ایک دوسرے کو شکایت کا موقع نہ دو۔ اور اگر طلاق کو نافذ کرنا ہی مقصود ہے تو پھر عدت پوری ہونے پر عورت کو شریفانہ طریقے پر رخصت کرو، اگر ہو سکے تو ایک جوڑا کپڑے یا کوئی اور تحفہ لے کر رخصت کرو

اور جدا ہوتے وقت کوئی ذنگافاد یا گالی گلوچ نہ کرو۔

جاہلیت کے زمانے میں عام طور پر مطلقہ عورت کو — بڑا تنگ کیا جاتا تھا۔ با  
اوقات لوگ عورت کو طلاق دے دیتے، پھر جب عدت قریب الاغتاس ہوتی تو رجوع کر  
لیتے۔ کچھ عرصہ بعد پھر طلاق دیتے اور پھر رجوع کر لیتے۔ اس طرح گویا نہ تو عورت کو  
باقاعدہ آباد کرتے اور نہ اُسے آزاد کرتے کہ وہ دوسری جگہ نکاح کر سکے۔ اس طرح وہ عورتوں  
کو تنگ کرتے، مگر اسلام نے واضح حکم دیا کہ یا تو دستور کے مطابق رجوع کر کے عورت  
کو روک لو یا پھر مکمل طور پر آزاد کر دو، محض تنگ کرنے کے لیے طلاق اور رجوع نہ کرو۔  
گذشتہ درس میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ اگر عورت کو ڈرانا دھمکانا مقصود ہو اور  
جدا کرنا مقصود نہ ہو تو ایسی ایک یا دو طلاقیں رجعی کہلاتی ہیں، اور عدت کے ختم ہونے  
سے پہلے پہلے آدمی بغیر دوبارہ نکاح کیے رجوع کر سکتا ہے۔ اور اگر طلاق دیتے وقت  
مکمل جدائی کی نیت تھی تو ایسی طلاق بائن کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر صریح لفظ طلاق  
کی بجائے کنایہ کی صورت میں کہلے کہ ”جا اپنے گھر چلی جا، میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں“  
یا ”تو مجھ پر حرام ہے“ اور نیت مکمل جدائی کی ہے، تو پھر بھی طلاق بائن ہوگی۔ اور اس  
صورت میں عدت کے اندر یا عدت کے باہر دوبارہ نکاح کر کے عورت کو دوبارہ آباد  
کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر تیسری طلاق بھی دیدی جائے تو پھر وہ طلاق مغلطہ ہو جاتی ہے۔  
اب نہ تو بغیر نکاح کے رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح کر کے عورت کو روکا جاسکتا ہے،  
بہر حال فرمایا کہ دو طلاقیں تنگ کی صورت میں تم عورتوں کو دستور کے مطابق روک  
لو یا دستور کے مطابق جدا کر دو۔

فرمایا ایذا کرتے وقت وَأَشْهَدُ وَأَذْوَى عَدْلٍ مِّنْكُمْ اپنے میں سے  
دو عادل گواہ بناؤ۔ گواہ ایما نذر بھی ہوں اور انصاف پسند بھی، امام ابو حنیفہ فرماتے  
ہیں کہ یہ دو گواہ بنا نامستحب ہے۔ یہ حکم بھی ایسا ہی ہے، جیسے سورۃ بقرہ میں تجارت  
یاد گیر لہین دین کے معاملہ میں گواہ بنانے کی تاکید کی گئی ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے  
کہ بعد میں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو گواہوں کی گواہی دشمنی میں اپٹایا جاسکے۔ یا اگر

دو عادل  
گواہوں کی  
ضرورت



تحریر کر لی جائے تو بھی درست ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔

اللہ نے یہ حکم بھی دیا ہے۔ وَاقِیْمُوا الشَّہَادَةَ لِلّٰہِ اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے لیے گواہی دیں یعنی ضرورت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے صحیح صحیح گواہی دیں اور کسی فریق کے کہنے سننے یا لالچ دینے کی وجہ سے گواہی میں دوبہ نہ کریں بلکہ جو کچھ انہیں علم ہے صحیح صحیح بتادیں۔ انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہونی چاہیے کہ کبھی گواہی دینے سے کسی کا فائدہ ہوتا ہے یا نقصان، حتیٰ کہ اگر اپنے عزیز و اقارب کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو اس سے اعراض نہ کریں۔ سورۃ بقرہ میں وعید بھی آئی ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَہَادَةً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ (آیت ۱۴۰) اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو اس گواہی کو چھپاتا ہے، جو اللہ کے حکم سے اس پر لازم آتی ہے۔

نصیحت  
کی بات

فرمایا ذَلِکُمْ یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ان باتوں کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کی جا رہی ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کا ایمان پختہ ہو گا۔ وہ گواہی دیتے وقت کوئی ہیرا پھیری نہیں کرے گا۔ بلکہ ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا جاتا تھا۔ انہیں ذلیل سمجھا جاتا اور قیدیوں کی طرح رکھا جاتا۔ اللہ نے اور اس کے رسول نے ایسے مظالم سے منع کیا ہے اور دستور کے مطابق نکاح کرنے اور دستور کے مطابق طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ عورتوں کو مارنا پیٹنا، دھکے دینا، گالی گلوچ کرنا ہرگز روا نہیں، بلکہ ان کو ان کے حقوق ادا کرنے چاہیے۔ اللہ نے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں حتیٰ کہ ہر نبی کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگوں سے ظلم و زیادتی کو دور کریں۔ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہو۔ بلکہ تمام معاملات حق و انصاف کے ساتھ طے کئے جائیں۔ اللہ نے دین اور شریعت کو دنیا میں نافذ کیا ہے۔ مگر اس سے وہی شخص فائدہ اٹھاتا ہے، جو اللہ کی وحدانیت اور وقار و قیامت پر

یقین رکھتا ہے۔ اگر ان چیزوں پر ایمان نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جزائے عمل کا مستحق ہے اور اسی وجہ سے وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے ظلم و جور کا مرتکب ہوتا ہے۔  
 اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اور اُس کو ایسی جگہ سے روزی عطا کرتا ہے جو اس کے اہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ اگر وہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہے، بیماری آگئی ہے، کسی مقدمہ میں ملوث ہے یا کوئی نقصان ہو گیا ہے یا تنگ دستی آگئی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے خوف کی وجہ سے اُس کی مشکل حل کر دیتا ہے اور اس کی تنگ دستی کو خوشحالی میں بدل دیتا ہے۔ وہ خزانوں کا مالک ہے، جس کو جتنا چاہے عطا کرے۔ اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔

خوف خدا  
ذریعہ نجات  
ہے

حضرت عوف بن مالکؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لڑکے کو کافر چکرے گئے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں وہ بھی لے گئے ہیں اور ہم میاں بیوی اُس کی طرف سے سخت پریشان ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صبر کرو۔ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرو، خدا تعالیٰ اس مشکل سے نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ بنا دے گا۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا کثرت سے ورد کرتے رہو۔ صحابیؓ نے آپ کے حکم کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ عموماً ہی عرصہ گزر رہا تھا کہ اُن کے دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو لڑکا وہاں اچکا تھا۔ وہ نہ صرف کافروں کی قید سے آزاد ہو چکا تھا بلکہ اپنے مال سے زیادہ مال بھی ہمراہ لے آیا تھا۔ یہ خوف خدا، اُس پر بھروسے اور مذکورہ ورد کی برکت کا نتیجہ تھا۔

قاضی ثناء اللہ بانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ امام مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ تمام دینی اور دنیاوی مشکلات کے حل کے لیے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا ورد بہت مفید ہے۔ بشرطیکہ اس کو کثرت سے پڑھا جائے، کثرت سے مراد یہ ہے کہ روزانہ کم از کم پانچ سو مرتبہ پڑھے اور اس کے اول آخر سو سو مرتبہ درود شریف

پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دینی اور دنیاوی مضمرات دور فرمائے گا۔  
حضرت عوف بن مالکؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس کا لڑکا کافروں  
سے آزاد ہوتے وقت جو زائد مال لے آیا ہے وہ ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اس کے  
جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی **وَيَزُقُّهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** کہ  
جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہوگا، خدا کا ذکر کرے گا، اور مصیبت میں صبر کرے گا۔  
تو اللہ تعالیٰ اُس کو ایسے ذریعے سے روزی پہنچائے گا کہ اُس کے گمان میں بھی نہ ہوگا۔  
اس میں یہ اشارہ تھا کہ لڑکا جو زائد مال لے آیا ہے وہ تمہارے لیے مباح ہے۔  
اس ضمن میں فقہائے کرام مزید تشریح بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان آدمی کسی  
کافر کا قیدی بن جائے، اور پھر وہ کسی طریقے سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو جائے، تو  
اُس کے ساتھ لایا ہوا مال حلال ہوگا۔ اسی طرح اگر عربی کافروں کے ملک میں جا کر کوئی  
مسلمان کسی طریقے سے کافروں کا مال حاصل کر لیں تو وہ ان کے لیے جائز ہوگا۔ اور اگر  
کوئی معاہدہ کافر ہیں تو ان کے ملک میں اجازت لے کر جانے والا مسلمان آدمی ان کے  
مال کو ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کافر نے مسلمان کے  
پاس امانت رکھی ہے، تو وہ بھی اُس میں خیانت نہیں کر سکتا۔ اس قسم کا مال ایک مسلمان  
کے لیے قطعاً حلال نہیں ہوگا۔

توکل علی اللہ

فرمایا **وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ** اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر  
بھروسہ رکھتا ہے، وہ اُس کے لیے کفایت کرنے والا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت  
میں آتا ہے کہ اے لوگو! **تَوَكَّلُوا عَلَى اللَّهِ** حق تو کچھ (اللہ) اللہ پر اس  
طرح بھروسہ رکھو جس طرح کہ بھروسہ رکھنے کا حق ہے۔ فرمایا اگر تم اللہ پر توکل کرو گے  
تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح روزی پہنچائے گا۔ جس طرح پرندوں کو پہنچاتا ہے، جو  
صبح خالی پیٹ گھونٹوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں انہوں  
نے خوراک کا ذخیرہ تو نہیں کر کے رکھا ہے بلکہ اللہ کی ذات کے بھروسے پہنچتے  
ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں کسی نہ کسی ذریعے سے روزی بہم پہنچا دیتا ہے۔ ہمارے اندر چونکہ توکل



کا فقدان ہے اور اعتقادی، علمی اور اخلاقی نقائص بھی ہوتے ہیں اس لیے ہماری دُعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

فرمایا جو شخص اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنے والا ہے إِنَّ اللَّهَ بِأَلْعِ أَمْرِهِ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو پورا کرنے والا ہے۔ وہ قدرت نامہ اور حکمت بالغہ کا مالک ہے، اپنے بندے کی مراد ضرور بر لائے گا۔ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا اُس نے ہر چیز کے لیے ایک خاص اندازہ مقرر کر رکھا ہے، وہ ہر کام ایک خاص مقدار اور خاص وقت پر کرتا ہے۔ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ (الرعد - ۸) اُس کے ہاں ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ نیز اُس کا ارشاد ہے۔ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَ خَزَائِنِهِ وَمَا نُنْزِلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحج - ۲۱) ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور وہ ہر چیز کو اندازے کے مطابق نازل کرتا ہے، لہذا اس پر مکمل بھروسہ ہونا چاہیے۔

وَالَّذِي يَلْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نَسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ  
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتُ  
الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ  
يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ⑤ ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ  
إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ  
لَهُ أَجْرًا ⑥

تدبیح : اور جو مایوس ہو چکی ہیں حیض سے تمہاری عورتوں  
میں سے ، اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہوگی ۔  
اور جن عورتوں کو حیض نہیں آتا (ان کی عدت بھی تین ماہ  
ہوگی ) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع محل ہے ۔ اور جو  
شخص ڈرتا ہے اللہ سے اللہ بتاتا ہے اس کے لیے اس  
کے کام میں آسانی ⑤ یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کا جو اتلا ہے  
اُس نے تمہاری طرف ۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا ،  
بیشک معاف کر دے گا اُس کو اُس کی کوتاہیاں ، اور بڑا  
کر دے گا اس کے لیے اجر ⑥

سورۃ کی ابتدائی آیت میں اللہ نے فرمایا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان طلاق کی نوبت  
آجائے تو ایسے وقت پر طلاق دو کہ عدت کا سرمد ٹھیک ٹھیک شمار کیا جاسکے ۔ اس کا  
مطلب یہ ہے کہ عدت کے مطالبہ کی ذراقت کے طہر کی حالت میں صرف ایک طلاق  
دی جائے ۔ اگر طلاق دہی ہے تو تکمیل عدت سے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے ۔ نیز فرمایا

کہ طلاق ٹیٹے وقت اور رجوع کرتے وقت دو عادل گواہ بنائے جائیں تاکہ کسی ممکنہ جھگڑے کی صورت میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ نکاح اور طلاق سے متعلق مسائل سورۃ البقرہ اور سورۃ الاحزاب میں بیان ہو چکے ہیں اور ان کا کچھ حصہ یہاں بھی بیان ہو رہا ہے۔ جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت بیان ہو چکی ہے کہ وہ تین حیض ہوں گی۔ اب آج کے درس میں بعض دیگر عورتوں کی عدت کا ذکر آ رہا ہے۔

نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ کے قوانین عالمی قوانین کہلاتے ہیں۔ اور شریعت طہر میں ان کی پوری تفصیل موجود ہے۔ پاکستان میں بعض ملکی عالمی قوانین نافذ ہیں جن میں سے بعض شقیں قرآن و سنت سے متصادم ہیں، مثلاً عقارت سے پہلے کسی عورت کو طلاق ٹیٹے وقت کی صورت میں سورۃ الاحزاب میں یہ مسئلہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ان کو طلاق دینا چاہو تو ان سے پہلے کہہ دو: اِنْ تَحْسَبُوْنَہُنَّ قَسَمًا لِّکُمْ عَلَیْہُنَّ مِنْ عِدَّةٍ نَّعْتَدُوْنَہَا (آیت ۴۹) قبل اس کے کہ تم نے انہیں چھو یا ہو تو ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرتے ہو مگر پاکستان کے عالمی قوانین میں ایسی عورت کے لیے بھی نوے دن کی عدت مقرر ہے اسی طرح سورۃ البقرہ میں حیض والی عورتوں کی عدت ثَلَاثَةَ قُرُوْبٍ (آیت ۲۲۸) مقرر ہے۔ قرآن کا معنی حیض بھی ہوتا ہے اور طہر بھی ہوتا ہے طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں طلاق دی جائے اور تین حیض گزر جائیں تو عدت ختم ہو جاتی ہے۔ مختلف عورتوں کیلئے حیض کی مدت مختلف ہوتی ہے اور ہر ماہ تین سے لے کر دس دن تک آتا رہتا ہے اس لحاظ سے تین حیض کی مدت بھی مختلف ہوتی ہے۔ گویا ہر عورت کے لیے عدت کی مدت اس کے تین حیض کی مطابقت سے ہوتی ہے۔ مگر ہمارے عالمی قوانین میں سب کے لیے نوے دن عدت مقرر کی گئی ہے، جو درست نہیں ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا کہ اللہ نے عورتوں کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ ان کی صحت کے دوام کے لیے ہر ماہ حیض آنا ضروری ہے۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور یہی غران بچے کی نشوونما کے لیے استعمال

پاکستان کے  
عالمی قوانین



ہوتا ہے۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہی خون ماں کے دودھ کی پیدائش میں استعمال  
ہوتا ہے جو بچہ پینا رہتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر جب تک بچہ دودھ پیتا رہتا ہے اس مدت  
میں بھی حیض نہیں آتا۔ پھر جب عورت پینتالیس اور پچیس سال کی عمر کے درمیان پہنچتی ہے  
تو حیض آنا بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اس زمانے کو سن یا سن کہا جاتا ہے۔ بعض عورتوں کو  
ستر یا اسی سال تک کی عمر تک حیض آتا رہتا ہے مگر یہ بہت شاذ ہوتا ہے۔ پھر سال مدت  
کی مدت کا تعلق تین حیض کی طوالت کے ساتھ ہے۔ مگر یہاں سب عورتوں کے لیے  
نوسے دن کی مدت مقرر کر کے قرآن پاک کے قانون کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

اب عورتوں کے خون بھی تین قسم کے ہوتے ہیں یعنی حیض، نفاس اور استحاضہ  
حیض کا ذکر ہو چکا۔ نفاس وہ خون ہوتا ہے جو عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد کم و بیش  
چالیس دن تک آتا رہتا ہے۔ اور تیسرا خون استحاضہ کہلاتا ہے۔ اگر کسی بیماری کی وجہ سے  
عورت کے رحم میں کوئی رگ پھٹ جائے تو پھر خون ہر وقت جاری رہتا ہے ایسی  
عورت کے لیے نماز روزہ کی ادائیگی میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ حیض اور نفاس کی  
حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے، اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے البتہ پاک ہونے کے  
بعد روزہ قضا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ نماز معاف ہوتی ہے۔ البتہ استحاضہ والی عورت  
کے لیے حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے اور نماز ادا کرے۔ اس کے لیے  
رخصت نہیں ہے۔

سورۃ بقرہ میں یہ وہ کی مدت کا ذکر بھی واضح طور پر موجود ہے کہ جن عورتوں کے  
خاوند فوت ہو جائیں یا تر بطن یا نفسہن اربعۃ اشہر و عشرۃ  
(آیت ۲۳۳) ان کی مدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ اور حاملہ عورتوں کی مدت وضع  
حل ہے۔ اس کی مدت کا وقفہ ایک دن سے لے کر نو ماہ تک ہو سکتا ہے۔ بہر حال  
شریعت نے مدت کی مختلف مدتیں مقرر کی ہیں مگر پاکستان کے عائلی قوانین میں اس  
بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

آج کے درس میں بھی بعض قسم کی مدت کا تعین کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

علم سیدہ  
عورت کی  
مدت

وَالْحَائِضُ يَسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مَنْ نَسَاوُكُمُ تَحَارِي جَو عَوْرَتِي كِبَرِي كِي وَجہ سے  
 حیض سے مایوس ہو چکی ہیں یعنی اُن کو حیض آنا بند ہو چکا ہے۔ اِنْ اَرْتَبْتُمْ اَكْمَدُ تَم  
 كُتَاكُ بَرْفَعَدَ تَهْنُ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ تَوَالِي عَوْرَتُوں كِي عِدَّتِ تِنِ مَآہِ سِ  
 ايسے معاملہ ميں پاكستاني عائلي قوانين بہت حد تاك قرآن سے مطابقت نہيں كھتے  
 تاہم ہياں بھی پورے نوے دن گزارنا ضروري نہيں بنتا كيونكہ كوئی مہينہ تيس دن كا اور  
 كوئی ايتیس دن كا بھی ہوتا ہے۔

بعض نوجوان عورتوں كے حیض كسی بیماری كی وجہ سے بند ہو جاتے ہيں حالانكہ  
 وہ ابھی سن یاس كو نہيں پہنچيں تو فقہائے كرام فرماتے ہيں كہ ایسی عورتوں كی عِدَّتِ تِنِ  
 حیض كی مدت كے برابر ہی شمار كی جائیگی۔ حیض بند ہونے سے قبل عورت كو عِدَّتِ تِنِ  
 ميں حیض آتا تھا اُس كے مطابق اس كی عِدَّتِ كا تعین كیا جائے گا۔ كيونكہ بعض عورتوں  
 كو چھ ماہ بعد حیض آتا ہے لہذا ان كی عِدَّتِ ایتیس<sup>۱۹</sup> ماہ ميں پوری ہوگی۔ ہاں جب  
 یہ عورت سن یاس كو پہنچ جائیگی تو پھر اس كی عِدَّتِ مہینوں كے حساب سے تِنِ مَآہ  
 ہوگی، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر منظری ميں لکھتے ہيں كہ اگر كسی مطلقہ عورت كو  
 دو حیض آنے كے بعد حیض بالكل بند ہو جائے تو پھر اُس كی عِدَّتِ سے سرے سے تِنِ  
 ماہ كے حساب سے شمار كی جائے گی اور جو دو حیض پہلے آچكے ہيں اُن كا كچھ لحاظ نہيں  
 ركھا جائے۔ اسی طرح اگر كسی ایک حمل ميں ایک سے زيادہ بچے پید اہوں جن ميں چند  
 روز كا وقفہ بھی ہو سكتا ہے تو مطلقہ كی عِدَّتِ آخری بچے كی پیدائش پر مكمل ہو جائے گی۔

آگے كم سن مطلقہ عورت كی عِدَّتِ كا بیان ہے۔ وَالْحَائِضُ لَعَمْرِي حُضْنُ  
 اور جن عورتوں كو كم سنی كی وجہ سے ابھی حیض آنا شروع ہی نہيں ہوا، اگر ان كو طلاق ہو  
 جائے تو ان كی عِدَّتِ بھی تِنِ مَآہ ہوگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے كہ اسلام ميں نابالغ  
 لڑكی كا نكاح بھی جائز ہے۔ اس كے برخلاف ہمارے عائلي قوانين ميں سولہ سال سے  
 كم لڑكی اور اٹھارہ سال سے كم عمر كے لڑكے كے نكاح پر پابندی ہے اور یہ قابلِ سزا جرم  
 ہے۔ صحیحين كی روایت ميں آتا ہے كہ حضرت ابو بكر صدیقؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ

كم سن عورت  
 كی عِدَّتِ

کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ چھ سال کی عمر میں کر دیا تھا۔ وہ نو سال کی عمر میں بالغ ہو گئیں تو رخصتی ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ نو سال تک حضور علیہ السلام کی زوجیت میں رہیں۔ قرآن نے کم سن لڑکی کی عدت کو بھی واضح کر دیا جب کہ ہمارے ملکی قوانین میں موجود پابندی انگریز پرستی، پرنسپلٹ اور حکمرانیت سے زیادہ نہیں ہے۔

حاملہ عورت  
کی عدت

آگے فرمایا وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن لیں۔ یعنی حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ ایک دن میں ہو جائے یا نو ماہ لگ جائیں۔ اللہ نے عدت کے یہ مسائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا جو شخص اللہ سے ڈر کر ان قوانین کی پابندی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا کرے گا اس کے تمام معاملات آسانی سے طے ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص سوچ سمجھ کر سنت کے مطابق طلاق دیگا۔ اُسے رجوع کا حق حاصل ہوگا اور وہ مزید کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر بیک وقت تین طلاق دے دیگا۔ تو پھر ہوش آنے پر حلالہ کرانا پھرے گا، جو مزید پریشانی کا باعث ہے۔

فرمایا ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ اور جو کوئی اللہ سے ڈر جائے گا اللہ اس کی کوتاہیاں معاف کر دے گا وَيُعْظِمَ لَهُ أَجْرًا اور اللہ اس کو بڑے سے بڑا اجر عطا فرمائے گا، تقویٰ یعنی خوفِ خدا بہت بڑی چیز ہے



أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا  
تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلَ  
فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يُمِيعَنَّ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ  
لَكُمْ فَأَنْوِهْنَ أجورهنَّ واتِمِّرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ  
وَإِنْ تَعَاَسَرْتُمْ فِى تَرْعِيهِ لَهَا أَخْرَی ⑥ لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ  
مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا  
آتَاهُ اللَّهُ لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا آتَاهَا سَيِّعًا  
اللَّهُ يَعْلَمُ عَسْرَتَكُم ⑦

ترجمہ :- ان (مطلبتہ عورتوں) کو رہائش دو جہاں تم خود رہتے ہو  
اپنی طاقت کے مطابق اور نہ ایسا دو ان کو تاکہ تم ان پر تنگی ڈال  
دو۔ اور اگر ہوں وہ حاملہ ہیں خرچ کرو ان پر یہاں تک کہ وہ  
پہنے حل کو وضع نہ کر دیں۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں (بچے کو)  
تھوڑی خاطر پس دو ان کو ان کا بدلہ۔ اور سکھلاؤ آپس میں  
نیکی کی بات۔ اور اگر تم مند کرو گے پس پلائے اس کو کوئی  
دوسری عورت ⑥ چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی  
وسعت کے مطابق۔ اور جس پر روزی تنگ کی گئی ہے، پس  
خرچ کرے جو کچھ اس کو اللہ نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ کسی  
نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کو دیے گئے کے مطابق۔

لمنقریب بنا مے گا اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی ④

رابطہ

پہلے مطلقہ عورتوں کی قسمیں اور ان کی مختلف عدت کا بیان ہوا کیونکہ مطلقہ عورتوں کے لیے نکاح ثانی سے پہلے مقررہ عدت گزارنا ضروری ہے۔ اس میں اللہ نے بہت سی مصلحتیں رکھی ہیں۔ اس میں نکاح کا حق بھی ہے اور نسب کا بھی، نیز اس میں اولاد کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ چنانچہ بعض عورتوں کی عدت تین چھین ہے اور بعض کی تین ماہ البتہ حاملہ عورتوں کی عدت وضع محل ہے۔ یہ وہ ہونے والی عورت اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع محل ہوگی ورنہ چار ماہ اور دس دن پورے کرنا ہوں گے۔ اگر نکاح کے بعد عورت سے مقدار بہت نہیں ہوئی اور طلاق واقع ہو گئی ہے تو ایسی عورت کے لیے کوئی عدت نہیں، وہ جب چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

دوران عدت  
رہائش اور  
خرچہ کا مسئلہ

اب آج کے درس میں دوران عدت مطلقہ عورت کی رہائش اور خرچہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، نیز شیر خوار بچے کی پرورش کا قانون بھی آگیا ہے، جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے اس کے خرچہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ وراثت میں حصہ دار ہے اور اپنا خرچہ اس حصہ سے برداشت کرے گی۔ البتہ مطلقہ عورت کا خرچہ اور رہائش مرد کی ذمہ داری ہے خواہ یہ طلاق بھی ہو یا بائن ہو یا یتیموں طلاق واقع ہو کر عورت مغلطہ ہو چکی ہو۔ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورت کو دوران عدت صرف رہائش دی جائیگی، خرچہ کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ رہائش اور خرچہ دونوں سہولتیں دی جائیگی۔ البتہ امام احمدؒ فرماتے ہیں رہائش اور خرچہ میں سے کوئی سہولت بھی نہیں دی جائیگی۔ آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضور علیہ السلام نے نہ رہائش دلائی اور نہ خرچہ۔ مگر حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم تو کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کریں گے جن کی مدد سے مطلقہ عورت رہائش اور خرچہ حاصل کرنے کی حقدار ہے۔

فاطمہ بنت قیسؓ کے معاملہ میں محدثین کے کئی اقوال ہیں۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں موجود ہے کہ طلاق کے بعد ان کے خاوند نے ان کو خرچہ بھیجا تھا۔ مگر کم ہونے کی وجہ سے انہوں نے قبول نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ خرچہ پانچ صاع جواریا بھجوری تھیں۔ پھر وہ عورت حضور علیہ السلام کے پاس خرچہ کی شکایت لے کر گئی مگر آپ نے فرمایا، جاؤ تمہارے لیے کوئی خرچہ نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ خرچہ بھیجا گیا تھا مگر وہ مقبوض تھا۔ اور خاوند کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کی نہیں تھی۔ باقی رہا خاوند کے گھر میں عدت گزارنے کا معاملہ تو حضور علیہ السلام نے فاطمہؓ کو پابند نہیں کیا۔ کیونکہ وہ تین زبان مقلی اور خاوند کے بھائیوں کے ساتھ الجھتی رہتی تھی۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اُسے اپنے خال زاد یا چچا زاد بھائی عبداللہ بن ام مکتومؓ کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ بہر حال خرچہ اور رہائش طلاق لینے والے مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عدت کے دوران اسے پورا کرے۔ پہلے درس میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (آیت ۱) نہ تم ان کو گھر سے نکالو اور نہ وہ خود نکلنے کی کوشش کریں، اور یہاں پر اللہ نے خاص طور پر حکم دیا ہے اَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنَ لَكُمْ وَفِيكُمْ جہاں تم رہتے ہو مطلقہ عورتوں کو بھی اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو۔ اس کے علاوہ اگر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں تو عورت کے لیے پردہ کا انتظام بھی ہونا چاہیے کیونکہ اب رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہی اور مرد و زن میں مکمل جدالی ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا وَلَا تَضْرِبُوهُنَّ لَتَضْرِبَنَّكُمْ بَلْ يَأْتِيَنَّكُمْ رِجَالٌ مِنْ دُونِ الَّذِي طَلَقْتُمْ فَلَا فَلَاحَ لَهُمْ شَيْءٌ وَلَا ضَرَارَ لَكُمْ مِنْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ اَعْلَمُوْنَ اَنْ كُنْتُمْ اَعْلَمُوْنَ اَنْ كُنْتُمْ اَعْلَمُوْنَ (آیت ۲۰) انہیں دھکیلو، ان کو ایسا ایذا بھی نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی ڈال دو تاکہ وہ خود ہی گھر چھوڑ کر چلی جائیں۔ فرمایا یہ بات قانوناً اور اخلاقاً کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ جیسا کہ درس میں بیان ہو چکا ہے فَامْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْ فَاَرَقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (آیت ۲۰) انہیں دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق رخصت کر دو، ایذا رسانی کسی صورت میں بھی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَاِنْ كُنَّ اُولَاتٍ حَمْلٍ اَوْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اُولَادٌ فَمَوْلَاكُمْ (آیت ۲۱) اگر مطلقہ عورتیں بوقت طلاق حاملہ



ہوں۔ فَأَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ تَوَّانٍ پر بھی خرچ کرو۔ یہاں تک کہ ان کا بچہ پیدا ہو جائے۔ حاملہ عورت کے خرچہ کا بطور خاص علیحدہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بیاہوتات ایسی عورت کی عدت لمبی ہوتی ہے جو نو ماہ تک طویل ہو سکتی ہے۔ چونکہ عدت کی طوالت کی وجہ سے مرد کے تنگ آجانے کا خطرہ تھا اور شاید کہ وہ خرچہ روک لے لہذا اللہ نے تاکیداً حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کا خرچہ بھی ادا کرے۔

ضمانت کا مسئلہ

اب یہاں دوسرا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ مطلقہ کے حاملہ ہونے کی صورت میں جب بچہ پیدا ہوگا تو اس کی پرورش کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ فرمایا فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ اِنْ مطلقہ عورتیں تمہاری خواہش پر نو زائیدہ بچے کو تمہاری خاطر دودھ پلانے پر رضامند ہوں فَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ تَوَّانٍ کو ان کی اجرت ادا کرو۔ ظاہر ہے کہ جب بچہ پیدا ہو جائے گا تو عدت ختم ہو کر عورت بالکل آزاد ہو جائے گی۔ مگر پیدا ہونے والا بچہ تو باپ کا ہے۔ لہذا اگر متعلقہ عورت بچے کی پرورش کرے گی تو باپ کو اس کا خرچہ بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ اور نہ صرف بچے کا خرچہ اس کے ذمہ ہوگا۔ بلکہ دودھ پلانے والی عورت کا خرچہ بھی دینا پڑے گا۔ اس معاملہ میں فرمایا وَاتَّبِعُوا بَيْنَكُمْ مَعْرُوفٍ ایک دوسرے کو نیکی کی بات سکھلاؤ، اس معاملہ میں ضد یا جھگڑا وغیرہ نہ کرو۔ اشتہار کا لغوی معنی مشورہ کرنا، سوچنا سمجھنا اور بتلانا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ جب بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ درپیش رہے تو آپس میں نیکی کی بات کا مشورہ کرو۔ اسرار القیس شامک کہتا ہے۔

أَحَارِبُنْ عَمْرٍو كَأَنِّي خَصِمُ  
وَيَعِدُّوْا عَلَيَّ الْمُرَّةَ مَا يَأْتِيهِمْ

اے حارث ابن عمرو! میں تو مد ہوش ہوں۔ اور کبھی آدمی پر وہ بات تعدی کر جاتی یعنی المی پڑ جاتی ہے۔ جو وہ سوچتا ہے۔ بہر حال وَأَتَّبِعُوا كَأَنِّي سَوْجُوں سمجھو ایک دوسرے کو نیکی کی بات بتلاؤ۔

فرمایا ایک دوسرے کو نیکی کی بات بتلاؤ، ضد، کجروی اور غدار اختیار نہ کرو۔

وَأَنْ تَعَاوَنَهُ فَبِئْسَ بَعْضُ لِهَذَا أُخْرَىٰ اے اگر تم آپس میں ضد اور سختی کرو، یعنی کسی سمجھوتے پر پہنچ سکو تو پھر بچے کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے۔ اگرچہ رضاعت کے لیے اولین حق ماں ہی کہہ سکتے ہیں کسی ہجیرت کی وجہ سے کسی دوسری عورت سے بھی دودھ پلایا جاسکتا ہے مگر بچہ ماں کے پاس ہی رہے گا، البتہ دودھ پلانے والی کا خرچہ باپ کو برداشت کرنا ہوگا۔

خرچہ مطابق  
استطاعت

بہر حال دورانِ عدت یا رضاعت عورت کے خرچہ کے متعلق فرمایا  
لَيَنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ اے اگر آدمی صاحبِ حیثیت ہے تو وہ اپنی  
حیثیت کے مطابق معقول خرچہ کرے اور اس سلسلہ میں بخل نہ کرے۔ وَمَنْ جُرَّ  
قَدْرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ اَوْ رَجَسَ اَوْ رُوِيَ تَلْكَ كَرْمٍ كُنِيَ اے یعنی اگر وہ آدمی  
غریب ہے فَلَيَنْفِقْ مِمَّا آتَتْهُ اللّٰهُ اُس میں سے خرچہ کرے جو  
اللّٰہ نے اُسے دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تنگ دست ہے تو اُس سے اس کی  
حیثیت کے مطابق ہی خرچہ طلب کیا جائے گا، اس کو زیر بار کرنے کی کوشش  
نہیں کی جانی چاہیے۔

فقہائے کرام اور مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ بچے کو دودھ پلانے کی صورت  
میں عورت کا خرچہ تو مرد کے ذمے ہوگا ہی۔ اور اگر عورت کو خادم کی ضرورت ہو  
تو اُس کا خرچہ بھی مرد کو برداشت کرنا پڑے گا۔ ضرورت کے مطابق عورت ایک  
یا زیادہ سے زیادہ دو خادم رکھ سکتی ہے۔ بہر حال خرچہ آدمی کی مالی حیثیت کے  
مطابق ہوگا نہ کہ عورت کی خاندانی حیثیت کے مطابق۔ اگر عورت خوشحال خاندان  
کی ہے اور مرد تنگ دست ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق ہی خرچہ دینے کا پابند ہے  
فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اَلًا مَّا اَتٰهَا اللّٰهُ تَعَالٰی اے آدمی کو اُس کو عطا کردہ  
(مال) سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ ایک عام اصول ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا  
اَلًا وَسَعَهَا (البقرہ ۲۸۶) اللّٰہ تعالیٰ کسی شخص کو اُس کی استطاعت سے زیادہ  
تکلیف میں نہیں ڈالتا، بلکہ انسان مکلف کو اُس کی استطاعت کے مطابق ہی

پابند کیا گیا ہے۔ یہاں مطلقہ اور اُس کے بچے کے خرچ کے لیے بھی اسی اصول کو استعمال کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ نہ وہ بخل کرے اور نہ اس کی استطاعت سے زیادہ طلب کیا جائے۔ تنگی اور آسانی ایک اضافی چیز جو بدلتی رہتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ آج اگر تنگ دستی ہے سَيَجْعَلُ اللّٰهُ يَدَكَ عُسْرًا يُسْرًا تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس تنگی کے بعد آسانی بنائے گا۔ تنگی اور خوشحالی بیماری اور تندرستی، ترقی اور تنزل وغیرہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُس کی حکمت کے مطابق واقع ہوتے ہیں اور یہ چیزیں انسانی اختیار سے باہر ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تنگ دستی سے گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد آسانی دے آئے گا۔

---



وَكَايِنٌ مِّنْ قَرْيَةٍ عَدَّتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا  
 حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا تَكَرَّرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ  
 أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ  
 عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا  
 قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ⑩ رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِكُمْ  
 آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ  
 صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ⑪

ترجمہ :- اور بہت سی بتیاں ہیں جو آگے نکل گئیں  
 اپنے پروردگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں کے حکم  
 سے ۔ پس ہم نے محاسبہ کیا ان کا سخت محاسبہ،  
 اور ہم نے سزا دی ان کو سخت سزا ⑧ پس چکھا  
 انہوں نے وبال اپنے معاملے کا، اور تھا انجام ان کے  
 معاملے کا نقصان والا ⑨ اللہ نے تیار کیا ہے ان کے  
 لیے سخت عذاب ۔ پس ڈرو اللہ سے اے عقلمندو!  
 وہ جو ایمان لائے ہو، تحقیق نازل کیا ہے اللہ نے  
 تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ ⑩ (اور بھیجا ہے)

ایک رسول جو پڑھتا ہے تم پر اللہ کی آیتیں جو کھول کر بیان کرتی ہیں تاکہ نکلے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں، اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور اُس نے اچھا عمل کیا، داخل کرے گا اس کو باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں

تحقیق اچھی کی اللہ نے اُس کے لیے روزی ⑪

پچھلی آیات میں اللہ نے عورتوں کے نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ سے متعلق عالمی قوانین بنائے اور ان کی پابندی کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا: اِنَّ احْکَامَ کِی غُلَافٍ دَر زِی نہ کرو ورنہ تمہارے لیے مشکلات پیدا ہوں گی اب اللہ نے بطور عبرت یاد دلایا کہ جن لوگوں نے نافرمانی کی، دیکھو! اللہ نے انہیں کس طرح نیست و نابود کیا۔

ارشاد ہوا ہے وَکَکَیْنِ مِّنْ قَرِیْبَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِہِ بہت سی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے تجاوز کیا، اور اُس کے رسولوں کی اطاعت سے بھی۔ اس کا نتیجہ ہوا۔ فَاصْبَحْنَا کَآبَا شَدِیْدًا پس ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نَّکَرًا اور ان کو سخت سزا میں مبتلا کیا۔ فرمایا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِہَا پس انہوں نے اپنے کام کی سزا کا مزہ چکھا وَکَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِہَا خُسْرًا اور ان کے معاملے کا انجام نقصان میں رہا۔ جس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی جیسی قیمتی پونجی عطا کی تھی اور اس کے ساتھ عقل و شعور جیسی نعمت دی مگر انہوں نے اس پونجی کو برباد کر دیا اور اس کے نتیجے میں کفر، شرک برائیاں اور نافرمانیاں خرید لیں۔ اس کی پاداش میں بعض اقوام پر دنیا میں بھی سزا آئی اور ان کا انجام کار بڑے خسارے والا ثابت ہوا۔ اللہ نے ان کو دنیا میں سزا دے کر معاملہ ختم نہیں کیا۔

کر دیا، بلکہ آخرت میں اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ان کے لیے سخت عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

یہ خطاب نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں کے علاوہ ساری بنی نوع انسان سے ہے اس سے پہلے اللہ نے عالمی قوانین کے طور پر نکاح، طلاق، عدت اور خیرچے وغیرہ کے احکام بیان فرما کر خبردار کیا ہے کہ اگر دنیا اور آخرت میں بہتری چاہئے ہو تو ان قوانین کی پابندی اختیار کرو، ورنہ تمہارا انجام بھی سابقہ نافرمان قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

اس آیت میں اللہ نے بہت سی بستیوں کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر نافرمان قوموں کے طور پر قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ صالح، قومِ ابراہیم، قومِ شعیب، قومِ فرعون، قومِ لوط وغیرہ کا نام آتا ہے۔ اللہ نے ان کو دنیا میں بھی تباہ و برباد کیا اور آخرت کی دائمی سزا تو بہر حال ان کو بھگتنی پڑے گی۔ تو فرمایا کہ ان اقوام کے انجام سے عبرت حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں وَرَبِّ اِقْلَیْبِهِ غَلَبَتْ عَلَیْهِ طَاعَةُ الشَّیْطَانِ وَصَارَ اَهْلُہٗ کَمَثَلِ النَّفُوسِ الْبَہِیْمِیَّةِ بہت سے ملکوں پر شیطان کی اطاعت غالب آجاتی ہے، اور وہاں کے لوگ درندہ صفت بن جاتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ ان کو موقع پر ہی سزا دے دیتا ہے اور کبھی اس کو مؤخر کر دیتا ہے کہ جو چاہو کرو، میں جب چاہوں گا تمہیں پکڑ لوں گا۔ جانوروں کی مثال اس لیے دی ہے کہ جس طرح جانوروں کا کام صرف کھانا پینا اور جفتی کرنا ہے۔ اسی طرح انسان بھی انہی کاموں میں مہمک ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں، اور کھیل تماشے، سریانی، فحاشی اور دیگر شیطانی کاموں میں ہی مصروف رہتے رہتے یہ لوگ حق و باطل کے اقیانوس سے غاری ہو جاتے ہیں اور حلال و حرام سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ وہ اس معاملہ میں کوئی پابندی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ

شیطان کی  
اطاعت



ہمیشہ من مانی کرتے ہیں، اور یہی شیطان کی اطاعت ہے۔

پچھلی سورتوں میں گنہگار چکا ہے کہ مدینے کے اطراف میں کئی یہودی بستیاں تھیں جن کے باشندے اسلام کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہتے تھے ان پر بھی اللہ کی گرفت آئی، کچھ مارے گئے اور کچھ جلا وطن ہوئے۔ ان کے مکانات بناغات اور زمینوں پر مسلمان قابض ہو گئے، اور اس طرح انہیں اسی دنیا میں سزا ملی مگر اللہ نے فرمایا کہ ان کے لیے آخرت میں شدید عذاب تیار ہے۔

خوف خدا  
کی تلقین

اللہ تعالیٰ کی وعید کا یہ اسلوب ہے کہ نافرمان قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے لوگوں کو عبرت دلائی جاتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ اے عقل مندو! اللہ سے ڈر جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی سابقہ نافرمان قوموں کے نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی سزا کے مستوجب بن جاؤ۔ فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ (الطلاق - ۵) جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ کوتاہیاں معاف فرمادے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ اے عقل مندو! اللہ کی نافرمانی سے ڈر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام قوتوں کا سرچشمہ اور قدرتوں کا مالک ہے، اس کی مخالفت نہ کرو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ وقتی طور پر ڈھیل تو دیتا رہتا ہے۔ مگر کسی نافرمان کو تھوڑا نہیں بلکہ مقررہ وقت پر گرفت کر لیتا ہے اور لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا کہ گرفت کی کون سی صورت ہمیشہ آنے والی ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہی ہے کہ لوگ کفر، شرک، نفاق اور معاصی ترک کر دیں اور اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کریں۔ پہلے بھی گنہگار چکا ہے فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن - ۱۶) جہاں تک ہو سکے نافرمانی سے بچ جاؤ، اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اس کی تلافی کرو، توبہ کرو، حقدار کا حق ادا کرو کہ عقل مندی کا یہی تقاضا ہے۔ سورۃ آل عمران میں بھی فرمایا ہے وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (آیت - ۷) عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ

هُوَ أَصْلُ (الاعراف - ۱۷۹) وہ جانوروں کی مثل ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔ جانوروں کو تو اللہ نے عقل و شعور سے محروم رکھا ہے، اس لیے وہ اسے استعمال نہیں کر سکتے۔ مگر انسانوں کو تو اللہ نے اس قیمتی جوہر سے مزین کیا ہے۔ اگرچہ پھر بھی یہ اس جوہر سے مستفید نہیں ہوتے تو یہ جانوروں سے بھی بُرے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اے عقلمندو! خدا تعالیٰ سے ڈرجاؤ۔ پھر فرمایا کہ صحیح عقلمند وہ لوگ ہیں الَّذِينَ اٰمَنُوا جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، کُتب سماویہ، ملائکہ مقربین خدائے عمل، تقدیر پر ایمان لاتے ہیں۔ عقل کا فائدہ اسی صورت میں ہوگا کہ انسان اپنے خالق اور مالک کو پہچانے۔

قرآن بطور نصیحت

فرمایا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نازل کی ہے۔ مفسرین ذکرہ سے جبرئیل علیہ السلام، قرآن اور مطلق نصیحت بھی مراد لیتے ہیں۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ ذکرہ سے مراد نصیحت نامہ ہے جو اللہ نے قرآن کی صورت میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور بعض دیگر مفسرین یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس نصیحت نامے کے ساتھ دَسُوْا يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ایک رسول بھی بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ذِکْرًا اور دَسُوْا کے درمیان لفظ اَرْسَلَ محذوف ہے۔ چنانچہ معنی یہی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ نازل کیا ہے اور ایک رسول بھیجا ہے، یا اللہ نے تمہاری طرف ذکر کرنے والا رسول بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، یہ معنی بھی ہو سکتا ہے، تاہم پہلا معنی زیادہ راجح ہے

فرمایا اللہ کا رسول جو آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے صَبِيْثٌ وہ بالکل واضح ہیں اور اُن میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ اس نصیحت نامے کے دلائل اور احکام بڑے واضح ہیں۔ قرآن نے اکثر و بیشتر اعتقادی مسائل کھول کر بیان کر دیے



ہیں تاہم بعض چیزوں کو ایک جگہ اجمال کے ساتھ ذکر کیا ہے تو دوسری جگہ وضاحت کر دی ہے پھر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کی وضاحت اللہ نے اپنے نبی کے ذمے لگا دی ہے۔ چنانچہ بہت سے مسائل سنتِ رسول سے حل ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے بعض چیزوں کی وضاحت امت کے اہل علم پر چھوڑ دی ہے جیسے فرمایا الْعِلْمَةُ الَّذِينَ يَسْتَبْطُونَهُ مِنْهُمْ ذُنُوبُهُمْ (۸۳) لہذا جو باتیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں انہیں اہل علم کے سامنے پیش کرنا چاہیے جو غور و فکر کر کے ان کا حل پیش کر دیں گے۔ قرآن کی وضاحت کے سارے طریقے درست ہیں۔

فرمایا اللہ کی طرف سے نازل کردہ آیات کا مقصد یہ ہے لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاکہ ایمان لانے اور اچھے اعمال انجام دینے والوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے، کفر، شرک، بدعت، نفاق، اور محاصی سب اندھیرے ہیں، اور ایمان اور توحید روشنی ہے ایمان کے بغیر ان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو نہیں پہچان سکتا۔ وہ عالم بالا کے تعلق صحیح تصور قائم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اُسے جنت و دوزخ اور برزخ کا ادراک ہو سکتا ہے۔ ہاں جو شخص اللہ اور اس کے نبی کے فرمان کے مطابق صحیح طریقے سے ایمان لاتا ہے اُس کے دل میں روشنی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ گویا قرآن کی آیات ان کو کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لاتی ہیں، اُس کے دل میں شرک کی بجائے توحید آتی ہے اور بدعت کی بجائے سنت کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔

فرمایا وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُخْرِجْهُ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاکہ ایمان کا مطلب یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لا شریک ماننا ہے اور جانتا ہے کہ وہی علیم کل، قادر مطلق اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اچھے اعمال میں سب سے پہلے ارکانِ ارہم نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں، اس کے بعد جہاد، قربانی، تبلیغ، تعلیم و تعلم، صدقہ خیرات، غریبوں، یتیموں، بیواؤں کی خبر گیری ہے۔ محتاج اسعزہ اقارب کی اعانت ہے۔ ایسے

ظلمت  
نور کی  
طرف

جنت میں  
داخلہ



ہی لوگوں کے متعلق فرمایا يَدْخُلُهُ جَنَّتُ بَحْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ کہ اللہ تعالیٰ  
 انہیں بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ خِلْدِينَ فِيْهَا  
اَبَدًا اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی بھی وہاں سے نکلے نہیں جائیں گے اور نہ ہی  
 وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَكَ  
وَرِزْقًا کہ اللہ نے ان کے لیے بڑی بہتر روزی بناٹی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے  
 اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی اکٹھ نے  
 دیکھی ہیں اور نہ کسی کان سے سنی ہیں اور نہ وہ دل میں کھٹکی ہیں۔ اَعَدَدْتُ لِعِبَادِي  
الصَّالِحِيْنَ یہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے تیار کی ہیں اس کا مصدق سورۃ الحجۃ آیت میں ہے  
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُوَّةٍ اَعْيُنٌ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا  
يَعْمَلُوْنَ ۰

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ سَبْعًا  
يَنْزِلُ الْأَمْرُ إِلَيْهِنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲

۲  
ع  
۱۸

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے  
ہیں سات آسمان اور زمین میں سے بھی ان کی مثل، اتنا  
ہے حکم اُن کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ  
ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور بیشک اللہ نے احاطہ  
کر رکھا ہے ہر چیز کا علم کے ساتھ ۝۱۲

اس سورۃ مبارکہ میں مثلانوں کے عالمی قوانین من جملہ نکاح، طلاق، عدت،  
عدت کے اعتبار سے عورتوں کی قسمیں اور عدت کی مدت، دورانِ عدت  
رکناش اور خرچ کا مسئلہ اور اولاد کی پرورش وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ اللہ نے تاکید  
فرمائی ہے کہ ان احکام پر عمل کرتے رہو اور خلافتِ درازی نہ کرو۔ پھر اللہ نے  
سابقہ امتوں کی مثال بیان فرمائی، جنہوں نے اللہ کے احکام اور اس کے رسول  
کے فرامین سے انکار کیا، مغرور و تکبر کیا تو اللہ نے اُن کا دنیا میں ہی محاسبہ کر کے  
انہیں کو ہلاک کیا اور پھر آخرت کی دائمی سزا آگے آنے والی ہے، فرمایا اے عقل مند  
اللہ سے ڈر جاؤ، اللہ نے تمہاری طرف قرآن کی صورت میں نصیحت نامہ  
نازل کیا ہے اور ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنا رہا ہے جو  
کہ تمام مسائل کی پوری طرح وضاحت کرتی ہیں اور ان پر ایمان لاتے اور نیک اعمال  
انجام دینے والوں کو از حد صیروں سے نکال کر رکشہ کی طرف لاتی ہیں۔ پھر اللہ نے

رابط آیات

ایمان اور اعمال صالحہ کا انجام بھی بیان فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ابدی جنتوں میں داخل کیا جائے گا اور ان کو وہاں بہت اچھی روزی نصیب ہوگی۔

اب سورۃ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ میں سے صفتِ خلق، قدرتِ تامہ، اور علمِ محیط کا تذکرہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کی صفات کی پہچان بھی ضروری ہے، جن کے بغیر انسان ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ تو یہاں پہلی صفتِ خلق کا ذکر کیا ہے۔ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔ کسی چیز کی تخلیق کے ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چار صفات یکے بعد دیگرے کام کرتی ہیں۔ سب سے پہلی صفت ابداع یا فاطر ہے یعنی کسی چیز کو بغیر آلے، نمونے اور مادے کے پیدا کرنا۔ مثلاً فرمایا يَخْلُقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (الانعام - ۱۰۲) یا فرمایا فَاطَرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (یوسف - ۱۰۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جب کہ اس سے پہلے نہ کوئی مادہ موجود تھا۔ نہ نمونہ اور نہ ہی آلہ جس کے ذریعے ان کو تخلیق کیا گیا۔

فرماتے ہیں کہ دوسرے نمبر پر اللہ کی صفتِ خلق آتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک چیز سے دوسری چیز بنادینا۔ مثلاً زمین کو تو اللہ نے صفتِ ابداع کے ذریعے بغیر مادے کے پیدا کیا۔ اب اس زمین کی مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا جیسے فرمایا خَلَقَ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹) یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا کام ہے۔ اسی طرح وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن - ۱۵) جنات کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا کیا۔ آگ کا مادہ پہلے موجود تھا۔ جس سے جنات جیسی مخلوق پیدا کی۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ گھٹلی سے درخت اور بیج سے المچ پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کی صفتِ خلق کا کرشمہ ہے۔

اللہ کی  
صفتِ  
خلق



پھر جب کوئی چیز تیار ہو جاتی ہے تو اُس کا قیام، تمدنی تنزل، موت و حیات وغیرہ صفتِ تدبیر کا کام ہے۔ اللہ کا فرمان ہے يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاوَاتِ إِلَى الْأَرْضِ (آلہ السجدہ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اس کے بعد چوتھی صفتِ تدلی آتی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو شکمِ مادر میں پیدا کرتا ہے۔ تو اُس میں روح ڈالتا ہے۔ جس میں اُس کی تجلّیِ اعظم کا عکس بھی پڑتا ہے۔ اس کو تدلی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ انسان کی روح اور اس میں پڑنے والی تدلی عالم بالا سے آتی ہے، اس لیے اس کی کشش ہمیشہ اُوپر کی طرف ہوتی ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں انسان پر مادیت کا خول چڑھا ہوا ہے اور اس کی حالت ایسی بیہوشی کی سی ہے۔ جیسے کسی کو کلوروفارم سونگھا دیا گیا ہو۔ جس طرح کلوروفارم زدہ آدمی کو آپریشن کے دوران ہونے والی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اسی طرح انسان کو اس دنیا کی زندگی میں تدلی کی کشش کا احساس نہیں ہوتا۔ جس طرح کلوروفارم کا اثر زائل ہونے پر انسان کو تکلیف کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح جب انسان سے یہ مادی خول اُتر جاتا ہے یعنی اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو پھر اُسے تدلی کی کشش محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر اگر اس نے دنیا میں رہ کر اچھے کام نہیں کیے تو اس کی کشش نیچے کی طرف ہوتی ہے اور اس طرح اُوپر اور نیچے کی کشش میں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کا فرمان ہے اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۶۲) بلکہ ہر چیز کا حقیقی خالق وہی ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو کمالِ اعتدال کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اُس کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے ایک انسان کی تخلیق کو ہی دیکھ لیں۔ اللہ نے کیسی حسین و جمیل صورت عطا فرمائی ہے اور تمام اعضاء اپنے اپنے مقام پر اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ فٹ کیے ہیں۔ اللہ نے اس کو تمام ظاہری اور باطنی قوی عطا فرمائے ہیں اور عقل، دماغ

اور فہم جیسی بیش قیمت نعمتیں عطا فرمائی ہیں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ خَلَقْنَا  
الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین - ۴) ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں  
پیدا کیا ہے۔

سات آسمانوں  
کی تخلیق

بہر حال فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔  
سورۃ الملک میں ہے کہ یہ آسمان آگے پیچھے نہیں بلکہ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ  
سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (آیت - ۳) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمان  
تہ بہ تہ پیدا فرمائے اور پھر ان ساتوں کے اوپر بہشت ہے۔ ساتوں آسمانوں سے  
اوپر سدرة المنتہی ہے جو عالم خلق اور عالم امر کا سنگم ہے فرمایا عِنْدَ هَاجَتِهِ  
الْمَأْوٰی (النجم - ۱۵) اُس کے پاس ہی جنت ہے۔ معراج والی حدیث سے بھی  
ثابت ہے کہ آپ ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے سدرة المنتہی تک پہنچے۔ غرضیکہ  
اللہ نے ساتوں آسمان اوپر نیچے بنائے ہیں۔ بعض احادیث میں آسمانوں کی بلندی  
کے متعلق آتا ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت  
ہے اور خود ہر آسمان کی اپنی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔  
اس سال سے کون سے سال مراد ہیں، اس کی تشریح معلوم نہیں، البتہ ان کا طبقہ  
کی صورت میں ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔

سات زمینوں  
سے متعلق  
تحقیقی

سات آسمانوں کی تخلیق کے تذکرے کے بعد فرمایا وَهِنَّ الْأَرْضُ  
مِثْلَهُنَّ اور زمین سے بھی ان (آسمانوں) کی مثل تخلیق کی۔ مفسرین کرام نے اسی  
سلسلہ میں بہت بحث کی ہے کہ آیا زمین کی آسمانوں کے ساتھ مثال تعدد کی بنا پر  
دی گئی ہے یا مسلح ہونے کی وجہ سے۔ قرآن پاک میں آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر  
بے شمار مقامات پر اکٹھا آیا ہے۔ مگر ہر جگہ آسمانوں کو جمع اور زمین کو مفرد کے  
صیغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے پورے قرآن پاک میں یہ واحد آیت ہے جو  
زمین کی ایک سے زیادہ تعدد پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ بعض احادیث اور  
بعض آثار سے زمینوں کے سات ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔



حضرت صہیبؓ حضور علیہ السلام کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ وہی صہیبؓ ہیں جو حضرت عمرؓ کے بھائی بنے ہوئے تھے، آپ کا جنازہ بھی انہوں نے پڑھا اور پھر آپ کی شہادت کے بعد تین دن تک قائم مقام خلیفہ بھی ہے۔ حسن جصین اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں حضرت صہیبؓ کی ایک دعا منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا  
أَظْلَمَتْ  
یہ سایہ انگن ہیں۔

وَرَبَّ الْأَرْضَيْنِ السَّبْعِ وَمَا  
أَقْلَمَتْ  
اور اے ساتوں زمینوں کے پروردگار اور جن چیزوں کو یہ اٹھاتی ہیں۔

وَرَبَّ الشَّيْطَانِ وَمَا  
أَضْلَمَتْ  
اور اے شیطانوں کے پروردگار اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں۔

وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنِ  
فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ  
اور اے ہواؤں کے پروردگار اور جن چیزوں کو وہ اڑاتی ہیں، ہمارے لیے اس بستی میں بہتری بنا دے۔

(مسند ۲۶۵)

گویا اس دعا میں سات زمینوں کا ذکر موجود ہے۔

مسلم شریف میں حضرت سعید بن زیدؓ کا واقعہ آتا ہے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کے خلافت کسی عورت نے دعویٰ دائر کر دیا کہ انہوں نے اس عورت کی زمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اس وقت مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ اُس نے آپ کو عدالت میں طلب کیا۔ جب آپ نے دعویٰ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں اس عورت کی زمین پر ناجائز قبضہ کروں حالانکہ میں نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سُن رکھا ہے۔ کہ جو شخص کسی کی بابت بھڑھیں بھی ناجائز قبضے میں رکھے گا، قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا اتنا حصہ اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا جتنے وہ سخت تکلیف اٹھا کر کھینچے گا۔ یہ سُن کر مروان نے مقدمہ ہی خارج کر دیا اور کہا کہ اس مقدمہ میں مجھے کسی گواہ



کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر حضرت سعیدؓ نے اُس عورت کو بد عادی کہہ کر یہ جھوٹی ہے تو خدا تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ہی ہلاک کرے اور آنکھوں سے نابینا بنائے۔ آپؐ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور وہ عورت اندھی ہو گئی اور پھر اپنے ہی گھر کے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو گئی۔ اس حدیث میں بھی سات زمینوں کا ذکر موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اثر میں ایک مشکل حدیث ہے جس نے اہمیت میں بڑا اشکال پیدا کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ تمھاری زمین جیسی اور بھی سات زمینیں ہیں ہر زمین میں حضرت آدم علیہ السلام جیسے آدم، موسیٰ علیہ السلام جیسے موسیٰ، عیسیٰ علیہ السلام جیسے عیسیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محمد ہیں۔ اس حدیث کی تشریح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں کی ہے صاحب تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے اس کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف حضور خاتم النبیین ہیں، پھر آپ جیسے محمد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی تشریح میں علامہ آلوسیؒ بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اول تو یہی بات واضح نہیں کہ جن دوسری زمینوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ تعداد میں واقعی اتنی ہیں، اور ہیں تو پھر ان کی مخلوق کیسی ہے؟ کیا دوسری زمینوں کی مخلوق انسانوں جیسی ہے یا کوئی اور قسم کی مخلوق ہے۔ اگر وہ مخلوق انسانوں جیسی نہیں تو پھر ان کے حالات بھی انسانوں سے مختلف ہوں گے، اور جہاں تک انسانی مخلوق کا تعلق ہے تو یہ تو آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اسی زمین پر آباد رہیں گے علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمھاری یہ زمین ہے، اسی طرح دوسری زمینیں بھی ہیں۔ اور جس طرح اس زمین میں ممتاز شخصیات ہوئی ہیں ایسی ہی ممتاز شخصیات دوسری زمینوں پر بھی ہیں مطلب یہ کہ حضرت محمد، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ تو نہیں البتہ ان جیسی ممتاز شخصیات ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ مفہوم اخذ کرنے میں کیا حرج ہے؟

مفسر ابوسعودؒ لکھتے ہیں کہ حضرت نافعؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ آیا اس زمین کے نیچے بھی کوئی مخلوق آباد ہے، تو انہوں نے فرمایا، ہاں، مگر

وہ مخلوق انسانوں، جنوں یا ملائکہ جیسی نہیں ہے۔ کیونکہ آدمیت اور انسانیت کے لیے صرف یہی زمین مخصوص ہے

بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں آسمانوں اور زمین کی مثلیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان سطح یعنی چپٹے ہیں۔ اسی طرح زمین بھی چپٹی ہے۔ حقیقت میں زمین سطح نہیں بلکہ گول ہے مگر اپنے بہت بڑے حجم کی وجہ سے چپٹی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ نے بھی فرمایا ہے وَالْأَرْضُ رُخْ فَرَشْنَهَا فَنِعْمَ الْمِهْدُونَ (الذاریات ۲۸) اور ہم نے زمین کو بطور فرش بچھا دیا ہے، اور ہم کیا ہی اچھے ہیں بچھانے والے۔ ان حضرات کا خیال ہے آسمانوں اور زمین کی مثلیت سطحیت میں ہے نہ کہ تعداد میں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سات زمینوں سے سات طبقات مراد ہیں جو کہ یہ ہیں۔ (۱) آگ (۲) آگ اور دیگر مادوں کا مرکب (۳) پانی (۴) زمہریہ (۵) ہوا (۶) عام مٹی (۷) گیلی مٹی۔

صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں کہ ممکن ہے سات زمینوں سے اقلیم سبعہ یعنی سات ولایتیں مراد ہوں۔ ہر اقلیم کی آب و ہوا مختلف ہے۔ ہم دوسری یا تیسری اقلیم میں کہتے ہیں۔ اسی طرح شمال اور جنوب کی طرف مختلف اقلیم ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سات زمینوں سے اسی زمین کے بڑے بڑے حصے مراد ہیں جن کو براعظم کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد بھی سات ہے۔

(۱) براعظم ایشیا (۲) براعظم یورپ (۳) براعظم افریقہ (۴) براعظم آسٹریلیا۔ (۵) براعظم شمالی امریکہ (۶) براعظم جنوبی امریکہ (۷) براعظم انٹارکٹیکا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے سات زمینوں سے سات سیارے مراد ہوں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان میں (۱) زمین (۲) چاند (۳) زحل (۴) مریخ (۵) زہرہ (۶) مشتری (۷) عطارد شامل ہیں۔ ان میں سے چاند پر تو انسان پہنچ چکے

۷ موجودہ سائنس دانوں نے کل گیارہ کروں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں مذکورہ سات کے علاوہ باقی، یورینس، سورج، نیپچون اور پلوٹو کو بھی شامل کیا گیا ہے (سواتی)



ہیں اور سرسبز پنکھ کے متعلق معلومات اکٹھی کی جا رہی ہیں۔ وٹاں پر بھی زمین کی طرح پہاڑ، بارل اور موسمی حالات ہیں۔ چاند پر تو کسی مخلوق کا پتہ نہیں چل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ سرسبز پر کوئی مخلوق آباد ہو مگر وہ انسان نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انسان تو صرف اسی زمین پر آباد ہیں۔ ممکن ہے ملائکہ یا جنت کی مانند کوئی مخلوق ہو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سات زمینیں آسمانوں کی طرح اوپر نیچے ہوں مگر ہمارے علم میں نہ ہو کیونکہ کائنات کی ہر چیز تو انسان کے علم میں نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بات یہی ہے کہ جس چیز کی قرآن نے مکمل تفصیل بیان نہیں کی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے۔ اسی لیے بعض مفسرین فرماتے ہیں أَبْهَمُوا كَمَا أَبْهَمَهُ اللَّهُ جن چیزوں کو اللہ نے مبہم چھوڑ دیا ہے تم بھی ان کو مبہم ہی رہنے دو، زیادہ کمرہ نہ کمرہ۔ ایسی چیزوں کے متعلق تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ البتہ اگر ایسی کوئی چیز احکام کے قبیل سے ہے تو اس کی وضاحت کی جائے گی تاکہ حلال حرام اور جائز ناجائز میں امتیاز ہو سکے۔ مگر حقائق سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی حقیقت معلوم کرنا ہر انسان کے لیے نہ ضروری ہے اور نہ اس کے بس میں ہے۔

حکم کا نزول

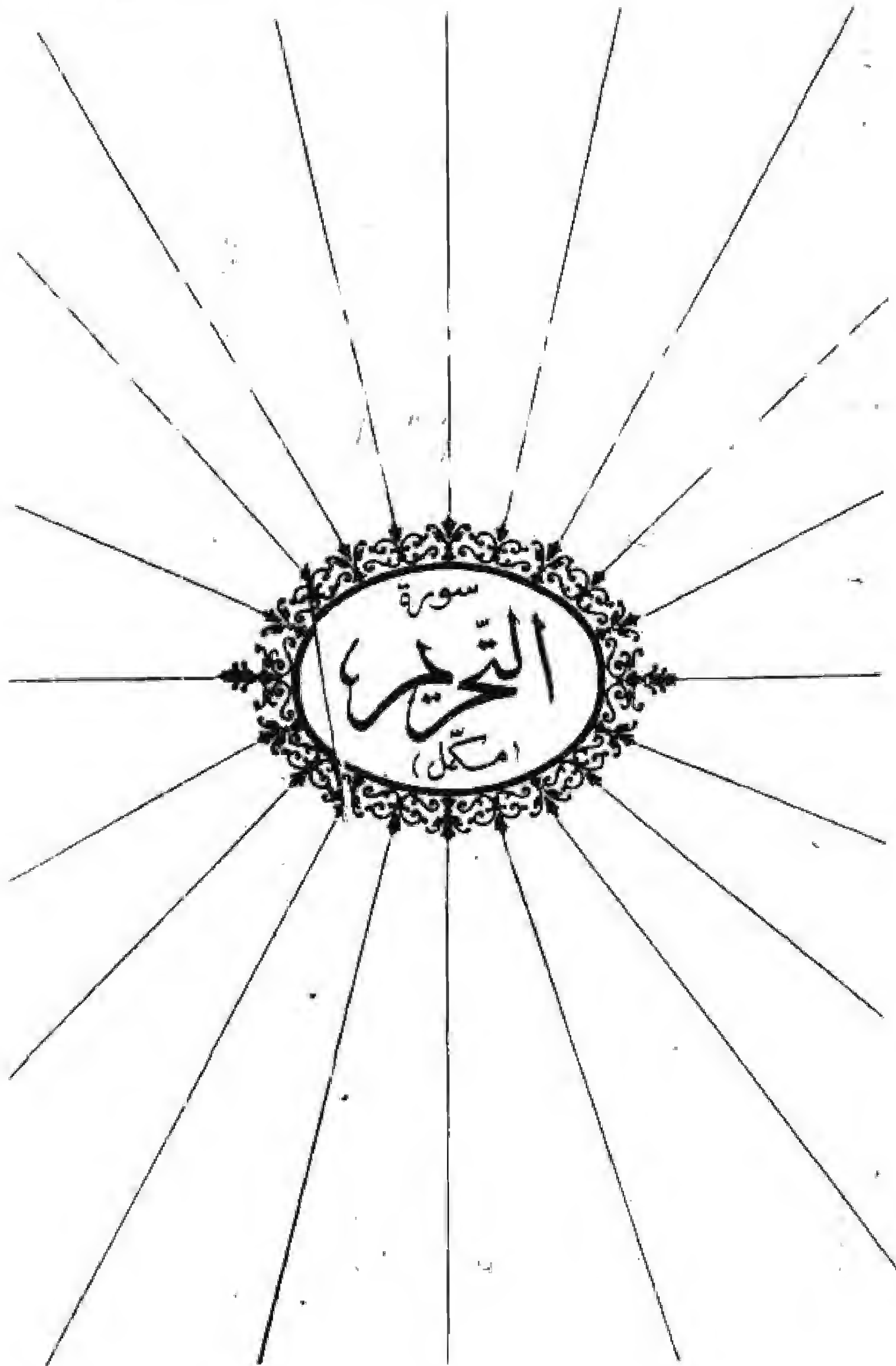
فرمایا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا، اور زمین سے ان کی مانند۔ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ وہ نازل کرتا ہے حکم ان کے درمیان، حکم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرعی اور دوسرا شرعی، کائنات میں پیدائش، اموات، تمام تغیرات اور تصرفات اللہ تعالیٰ کے مکرئی حکم کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ اور شرعی احکام میں عقائد، اعمال، اخلاق، معاشرت، حلال حرام اور جائز و ناجائز سے متعلق احکام ہوتے ہیں۔ اس سر زمین پر شرعی احکام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں نازل ہوتے رہے ہیں۔ تو یہاں پر نزول حکم سے دونوں قسم کے احکام مراد ہو سکتے ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو آسمانوں اور زمین کے درمیان اتارتا ہے اور اس نزول احکام سے مراد یہ ہے لَتَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ



قَدِيرٌ ہا کہ تم جانی لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفیتِ خلق کے بعد اس آیت میں یہ دوسری صفت قدرتِ تامہ کا ذکر ہوا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی اس صفت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات میں جو بھی تغیر و تبدل کرنا چاہے اُس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی وہ قادر مطلق ہے اور ہر چیز اس کی قدرت کے تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف ہر چیز پر قادر ہے بلکہ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا بے شک اُس نے ہر چیز کا علم کے ساتھ احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے عَلَّمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ چھپی ہوئی اور ظاہر سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ مخفی کا ذکر انسانوں کے اعتبار سے ہے مگر نہ اللہ تعالیٰ سے تو ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اس سائنسی دور میں سائنس دانوں نے بڑی بڑی معلومات حاصل کی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے کلی علم کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ سائنس دان جس قدر مطالعہ کرتے ہیں، مزید انکشافات ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ہر چیز کا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ انسانوں کا علم محدود رہے، لہذا اُن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفاتِ کاملہ پر ایمان لائیں، اس کے نازل کردہ شرعی احکام کو تسلیم کر کے اُن پر عمل کریں کہ اسی میں اُن کی نجات ہے اور اسی پر آخرت کی فلاح کا دروہ در ہے۔ وَاللَّهُ لَكُمْ بِالصُّلَاحِ

53.





سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً فِيهَا رُكُوعَانِ  
سورة التحريم مدنی ہے اور یہ بارہ آیات ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بخیر و نہایت رحم کرنا والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ  
أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ  
تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ②

ترجمہ :- اے نبی! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو  
جو اللہ نے آپ کے لیے حلال ٹھہرائی ہے۔ کیا آپ چاہتے  
ہیں خوشنودی اپنی بیویوں کی؟ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے  
والا اور نہایت مہربان ہے ① بیشک اللہ نے مقرر کیا  
ہے تمہارے لیے کھول دینا تمہاری قسموں کا، اور  
اللہ تعالیٰ ہی تمہارا آقا ہے۔ اور وہ سب کچھ جانتے

والا اور حکمتوں والا ہے۔ ②

نام اور کوائف اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ التحريم ہے، اس کو سورۃ النبی بھی کہا جاتا ہے  
یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں اور یہ سورۃ  
۲۲۹ الفاظ اور ۱۰۶۰ حروف پر مشتمل ہے۔

ماہنامہ سورۃ  
کے ساتھ رکھا

یہ سورۃ اس سے پہلی سورۃ الطلاق کے ساتھ مربوط ہے۔ دونوں سورتوں میں بعض عالمی قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ دونوں سورتوں میں ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں عدالت و نفرت کی بنا پر پیدا ہونے والے حالات سے متعلق قوانین تھے جب کہ اس سورۃ میں محبت و چاہت سے پیدا ہونے والے بعض معاملات سے متعلق قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موقع خوشی کا ہو یا غمی کا۔ الفت و محبت کی بات ہو یا غصہ اور ناراضگی کی ہر حالت میں اعتدال کو قائم رکھنا چاہیے۔ ایسے مواقع پر جب عدل کا دامن چھوٹ جاتا ہے تو پھر طرح طرح کی خرابیاں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا سکھلائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَدْلَ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاسْئَلُكَ الْقَصْدَ فِی الْغِنَا وَالْفَقْرِ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے خوشی اور ناراضگی میں عدل و انصاف کی توفیق عطا فرما اور تو نگرہ اور محتاجی میں میانہ روی عطا فرما۔ گذشتہ سورۃ میں طلاق اور اس سے متعلق مسائل بیان ہوئے تھے۔ جب میاں بیوی میں نفرت و عدالت کے جذبات جنم لیتے ہیں تو پھر نہایت طلاق تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ اللہ نے طلاق، عدت، ارٹاشس، خرچہ اور رضا عتہ وغیرہ کے معاملات میں قانون نازل کر کے میانہ روی اور عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے۔ اور اس سورۃ میں پیار و محبت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کسی فرد گزشتہ سے خبردار کیا گیا ہے کہ اس موقع پر بھی میانہ روی اور عدل کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ایسے ہی موقع پر حضور علیہ السلام سے ایک ایسی بات ہو گئی تھی جو اگرچہ نامائز یا گماہ والی بات نہیں تھی تاہم وہ خلافتِ اولیٰ یعنی بہتر نہیں تھی، لہذا اللہ نے یہ آیات نازل فرما کر نبی علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ آپ کی ذات سے ایسی معمولی لغزش بھی سرزد نہیں ہونی چاہیے۔

ازواجِ مطہرات  
کے لیے  
تنبیہ

اس سے پہلے حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو ایک تنبیہ کا ذکر سورۃ احزاب میں ہو چکا ہے۔ آپ کی بیویوں نے آپ سے زیادہ خرچہ طلب کیا تو آپ ان

سے ناراض ہو گئے اور ان سے ایلا کہہ لیا جس کی بنا پر ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے، اس پر اللہ نے ازواج کو سخت تنبیہ فرمائی کہ وہ نبی علیہ السلام کی ناراضگی کا باعث کیوں بنی ہیں؟ اور پھر اللہ نے سورۃ کے چوتھے رکوع میں آیاتِ تنخیر نازل فرمائیں کہ اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طلبکار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے (آیت ۲۸-۲۹)۔

آج کے درس میں بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل صحیحین اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ بعد از نماز عصر تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے سب ازواج کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا۔ جب حضور علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو شہد پیش کرتیں جسے آپ شوق سے نوش فرماتے، صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام حُبُّ الْحَلَوِّ وَالْعَسَلِ یعنی آپ میٹھی چیز اور خصوصاً شہد کو بہت پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ وقت دے دیتے۔ اس پر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے ایک ترکیب کے ذریعے حضور علیہ السلام سے شہد چھڑانے کی کوشش کی، تو اس واقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ازواج مطہرات کو تنبیہ فرمائی بلکہ خود حضور علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ آپ ازواج مطہرات کی خاطر ایک حلال چیز کو اپنے لیے کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں۔

شہد کی مکھی کی یہ فطرت ہے کہ وہ گندی چیز پر نہیں بیٹھتی۔ بلکہ ہمیشہ پاکیزہ چیزوں از قسم کھجور، انگور اور دیگر پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔ مغایر ایک پودے کا نام ہے جس سے گوند نکلتی ہے۔ اگرچہ یہ پودا بالکل پاکیزہ ہوتا ہے تاہم اس سے نکلنے والی گوند سے کسی قدر بُرا آتی ہے۔ شہد کی مکھی جس پھل یا پھول

واقعہ کی  
تفصیل



کارس چوستی ہے اُس کا اثر شہد میں بھی آجاتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا منصوبہ یہ تھا کہ جب حضور علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لائیں تو وہ آپ کو باور کرائیں کہ آپ سے مغایر کی بُرائی ہے گویا جو شہد آپ نوش فرماتے ہیں شاید مکھی نے وہ مغایر کے گوند سے تیار کیا ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کو بد بُور سے سخت نفرت تھی، اس لیے ازواج مطہرات کا خیال تھا کہ آپ فوراً اس شہد کا استعمال چھوڑ دیں گے اور اس طرح حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ قیام بھی نہیں کریں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا جب حضور علیہ السلام حضرت حفصہؓ کے گھر گئے تو انہوں نے نے کہا کہ حضور! آپ کے منہ سے کسی قدر مغایر کی بُرائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ حضرت حفصہؓ کہنے لگیں، تو پھر شاید شہد کی مکھی نے مغایر چوسا ہو جس کا اثر شہد میں آ گیا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام حضرت عائشہؓ کے گھر آئے تو انہوں نے بھی مغایر کی بُرائی کی شکایت کی۔ اس پر حضور علیہ السلام کو شہد میں مغایر کی بوکھلتیں ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ آئندہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا گویا خود اپنے اوپر شہد کو ممنوع کر دیا۔

ایک دوسرا واقعہ

بعض مفسرین ایک دوسرا واقعہ بھی اسی سلسلے میں بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کسی روز حضرت حفصہؓ کے گھر گئے مگر وہ اپنے والدین کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ آپ نے اپنی لونڈی ماریہ قبطیہؓ کو ویاں بلایا۔ جس نے رات بھر حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی قیام کیا۔ جب حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو انہوں نے ماریہ قبطیہؓ کی ان کے گھر میں شب باہمی کا بُرا منایا۔ یہ عورتوں کی فطرت ہے مگر نہ یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہؓ کی خوشنودی کے لیے قسم اٹھائی کہ میں آئندہ اس لونڈی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ گویا لونڈی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے دیا۔

حضور علیہ السلام کا یہ عمل کوئی غیر اخلاقی یا گناہ نہیں تھا اور نہ ہی اس کو حرام قرار دیا جاسکتا تھا۔ امام زکریاؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک معمولی سی لغزش تھی۔ جب کہ بعض

دوسرے مفسرین اس کو لغزش سمجھی تسلیم نہیں کرتے۔ یہ تو ایک خلافِ اولیٰ بات تھی۔ حضور علیہ السلام بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتے تھے اور خود بھی اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ ہی پیش آتے تھے۔ البتہ جہاں کہیں کوئی قانون متاثر ہوا ہو یا شریعت میں نقصان کا خطرہ ہو یا امت کے لیے کوئی اسوہ قائم ہو جاتا ہو۔ وہاں حضور اللہ کے قانون کی پابندی فرماتے تھے تاکہ امت کے لیے آسانی پیدا ہو۔ بہر حال ان آیات کا مصداق یہ دو واقعات ہیں۔ یا تو آپ نے شہد کو یا لونڈی کو اپنے ادب پر حرام قرار دے لیا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی تھیں۔ اسی بناء پر اللہ نے ان آیات میں سخت تنبیہ فرمائی ہے۔

ابتدائی آیات کے شانِ نزول میں میں نے عرض کر دیا کہ یہ اس معمولی سی لغزش پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت تنبیہ تھی۔ اس کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں توبہ کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے اگر کوئی ناہی ہو جائے تو تمام مومنین اور مومنات کے لیے لازم ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کر لیں۔ اللہ نے یہ مسئلہ بھی بیان فرمادیا کہ ہر مسلمان کو اپنے گھر کی اصلاح کرنی چاہیے اور خود اپنی بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہنم کا منہ دیکھنا پڑے اس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر بہت اللہ کے راستے میں جہاد کرنے اور منافقوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم بھی دیا گیا ہے پھر اللہ نے مثال کے طور پر دو کامل ایمان اور قانون کی پابندی کرنے والی عورتوں حضرت آسیہ بنت مزاحم اور حضرت مریم بنت عمران کا ذکر کیا ہے۔ نیز دو کافر عورتوں یعنی زریہ زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کی مثال بھی بیان فرمائی ہے۔

سورۃ کا آغاز مذکورہ واقعہ تحریم سے ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰۤاَيُّهَا  
النَّبِیُّ لِمَ تَحْرِمُ مَا حَلَّلَ اللّٰهُ لَکَ اے نبی! آپ کیوں حرام قرار دیتے  
ہیں اُس چیز کو جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔ شہد ہو یا لوندی دونوں  
چیزیں حضور علیہ السلام کے لیے حلال تھیں مگر آپ نے بخود انہیں اپنے لیے ممنوع  
کر لیا۔ فرمایا تَبْتَغِیْ مَرْضَاتِکَ اَزْوَاجِکَ کیا آپ اپنی عورتوں کی خوشنودی

سندھ میں

شہزادہ نور محمد  
کے حرم

چاہتے ہیں جس کی وجہ سے شہد یا لونڈی کو حرام قرار دیا ہے؟ حرام قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً یا حقیقتاً حرام کر لیا تھا بلکہ محض اس کا استعمال حرام قرار دے لیا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ کی بناء پر کسی جائزہ چیز کا استعمال ترک کر دے تو اس طرح وہ چیز شرعاً حرام نہیں ہو جاتی کیونکہ یہ اس کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی مباح چیز کو حقیقتاً حرام سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے اور آدمی مشرک ہو گا۔ البتہ حضور علیہ السلام کی شان چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے آپ سے معمولی سی لغزش بھی گوارا نہیں کی گئی اور تنبیہ کی گئی کہ آپ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر یہ کام کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ آپ کو ایسی خلاف اولیٰ بات بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ فرمایا **وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ** اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے اس نے آپ کی یہ لغزش معاف کر دی ہے مگر آپ آئندہ ایسا نہ کریں۔

قسم اور کفارہ

اس کے بعد اللہ نے قسم اور اس کے کفارہ کا قانون بیان فرمایا ہے۔ **قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ** تحقیق اللہ نے تمہاری قسموں کو کھول دینے کو فرض قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر قسم اٹھالی ہے تو اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس حکم کے مطابق قسم کو توڑ کر ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دی تھی۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام نے کوئی قسم تو نہیں اٹھائی تھی جس کو توڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے تو محض ایک مباح چیز کو اپنے آپ پر ممنوع قرار دے لیا تھا۔ اس ضمن میں مسلم شریف میں مذکور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت پیش کی جاتی ہے **اِذَا حَذَرَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ فَهُوَ يَمِيْنٌ يُّكْفَرُهَا** جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتا ہے تو یہ قسم شمار ہوتی ہے جس کا کفارہ ادا کر کے قسم توڑ دینی چاہیئے۔ البتہ یہ بات وضاحت طلب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ چونکہ صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے



لہذا اگر وہ شخص طلاق کی نیت سے ایسا کہتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر ظہار کی نیت ہے تو ظہار تصور ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص کہے کہ عورت کی ذات مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہوگی۔ اور اگر کہے کہ میں نے اس سے کچھ ارادہ نہیں کیا تو ایک روایت کے مطابق یہ بھی قسم ہوگی۔ جب کہ دوسری روایت کے مطابق قسم شمار نہیں ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے آپ پر حرام کر دیتا ہے تو اگر اس کی نیت طلاق کی ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی، اور اگر بئن طلاق کی نیت کرے گا تو تینوں واقع ہو کر عورت مغلطہ ہو جائے گی۔ اگر وہ شخص کہے کہ میں نے یہ جھوٹی بات کہی ہے ورنہ سیر ارادہ کچھ نہیں تھا تو یہ لغو بات شمار ہوگی مگر قسم پھر بھی واقع ہو جائے گی اور کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ مسئلہ صرف عورت کی حرمت تک ہی محدود نہیں بلکہ کسی بھی مہلح چیز مثلاً کھانا یا کپڑے وغیرہ کے متعلق کہتا ہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے تو وہ قسم ہوگی اور شخص متعلقہ کو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

عام قانون بھی یہی ہے کہ اگر کسی جائزہ معاملہ میں بھی قسم اٹھائی مگر دوسرا پہلو بہتر ہے تو قسم کو توڑ دینا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ایسے معاملہ میں میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ نیکی کے اعتبار سے کسی قسم پر اصرار کرنا اچھا نہیں ہے۔ اس کی بجائے قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ قسم کے مسائل سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اول تو قسم اٹھانی ہی نہیں چاہیئے۔ اور اگر کوئی جائزہ مجبوری ہے تو پھر یہ بات کے لیے ہوتی ہے کہ انسان قسم اٹھا کر کسی الزام سے ہری ہو جائے۔ اور اگر کوئی غیر اولیٰ بات ہو گئی ہے تو پھر قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہیئے۔ فَرَّيَا وَاللّٰهُ مُوَلِّاٰكُمْ الشَّرَّ هِيَ تَحَارُّ اَمَّا اور كَارِ سَا زَ هِيَ۔ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ اور وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے وہ تمہاری نیت، اور ارادے سے بھی واقف ہے اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کے متعلق کہتا ہے کہ

یہ مجھ پر سرام ہے تر یہ قسم ہوگی۔ اُسے چاہیے کہ قسم کا کفار ادا کر کے مال کو اپنے  
 کام میں لائے۔ یہ حکم بڑی، کھانا، کپڑا، پھل، گوشت سب چیزوں پر لاگو ہے۔

---

وَإِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا  
 نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ  
 عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا  
 قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ⑤ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ  
 صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ  
 وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ  
 ظَهِيرٌ ⑥ عَلَىٰ رَبِّهِ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ تُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا  
 خَيْرًا مِّنْكُمْ مِّمَّنْ مَّسَلَّتْ مُؤْمِنَتٌ قَدِئْتُ تَسَلِّتْ عِدَّتِ  
 سَلَّحَتْ تَسَلَّتْ وَأَبْكَارًا ⑦

توجہ اور جب کہ پوشیدہ طور پر ایک بات کہی ہی  
 علیہ السلام نے اپنی ایک بیوی سے پس جب اس نے بتلا  
 دی وہ بات ، اور اللہ نے ظاہر کر دیا اُس بات کو  
 پیغمبر علیہ السلام پر ، تو اس نے بعض بات بتلا دی اور  
 بعض سے اعراض کیا۔ پھر جب پیغمبر علیہ السلام نے وہ  
 بات بیوی کو بتلائی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ بات  
 کس نے بتلائی ہے۔ فرمایا بتلائی ہے مجھے علم رکھنے والی  
 اور ہر چیز سے باخبر ذات نے ⑤ اگر تم دونوں توبہ



کرو اللہ کے سامنے، پس بے شک تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں۔ اور اگر تم اس (پیغمبر) کے خلاف چڑھائی کرو، پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کا آقا ہے اور جبرائیل اور نیک بخت ایماندار اور فرشتے اس کے بعد اس کے مددگار ہیں ④ شاید کہ اس کا پیرو دگار، اگر وہ تم کو طلاق دے دے، تو تبدیل کر دے اس کے لیے۔ محمد تم سے فرمانبردار، ایماندار، اطاعت گزار، اثبات، عبادت، روزے دار، ریا مہاجر، جو خاوند دیدہ، اور روشنیو ہیں ⑤

رابطہ آیات

پہلی دو آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ اللہ کے نبی نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر بعض حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام قرار دیدیا۔ اللہ نے ایسا کرنے کی ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ آپ اپنی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیں کیونکہ یہ تو خواہ مخواہ مشقت میں پڑنے والی بات ہے۔ اب آج کی آیات میں نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو تنبیہ کی گئی ہے اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نبی کی مخالفت کرو گی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے تم سے بہتر ازواج دیا کر دیگا۔

آیت المومنین  
کے لیے  
بشارت

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہ کے سامنے شہد کو استعمال نہ کرنے یا لونڈی سے فائدہ نہ اٹھانے کی قسم کھالی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوئی۔ اس کے علاوہ حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہ کو یہ بشارت بھی سنائی تھی کہ میری وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ یہ منصب سنبھالیں گے۔ آپ نے اس راز کو فاش نہ کرنے کی بھی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ ایک دوسری کے ساتھ زیادہ مانوس تھیں، لہذا حضرت حفصہؓ نے راز کی یہ بات حضرت عائشہؓ کو بتلا دی جس پر اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی کہ اگر نبی کی خوشنودی مطلوب ہے تو پھر ان کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَرْوَاحِهِم حَدِيثًا اور جب کہ اللہ کے نبی نے اپنی بیویوں میں سے بعض کو ایک بات پوشیدہ طور پر بتلائی۔ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ پھر جب اُس بیوی نے اُس راز کو فاش کر دیا یعنی وہ بات دوسری بیوی کو بتا دی۔ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ اور اللہ نے اُس کی اطلاع اپنے نبی کو ہدیہ وحی کر دی کہ راز کی بات ایک بیوی نے دوسری کو بتا دی ہے۔ عَنْكَ بَعْضُكَ تو حضور علیہ السلام نے اس بات کا کچھ حصہ اپنی زوجہ محترمہ پر ظاہر کر کے تنبیہ فرمائی کہ تمہیں اس راز کو آگے نہیں چلانا چاہیئے تھا جس کی میں نے سخت تاکید کی تھی۔ وَأَنْعَضَ عَنْكَ بعض اور بات کے کچھ حصے کو آپ نے ظاہر کیا بلکہ پھر بھی صیغہ راز میں رکھا۔ أَهَمَّ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ جب نبی علیہ السلام نے بیوی کو افشائے راز کی خبر دی قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے بتایا کہ میں وہ راز محفوظ نہیں رکھ سکی۔ حضرت حفصہؓ کو یقین تھا کہ حضرت عائشہؓ یہ بات حضور علیہ السلام کو نہیں بتائے گی کیونکہ وہ ان کی نہایت ہی معتمد تھیں۔ قَالَ نَبَّأَنِي الْعَرِيسَةُ الْخَبِيرُ تو حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اس ذات خداوندی نے بتایا ہے جو سب کچھ جاننے والی ہر خبر سے باخبر ہے۔ آپ نے واضح کر دیا کہ میں خود عالم الغیب نہیں ہوں۔ جواز خود جان لیتا کہ تم نے راز کو فاش کر دیا ہے بلکہ یہ خبر مجھے اللہ نے وحی کے ذریعے دی ہے۔ بہر حال اس میں زوجہ محترمہ کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ اُس نے نبی کے حکم کے خلاف عمل کیا۔

فرمایا إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ اگر تم دونوں راز کو بتانے والی اور اس کو سننے والی اللہ کے سامنے توبہ کر دو۔ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا بے شک تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں ازواج مطہرات (حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ) کو غلطی کا احساس ہو کہ ان کے دل توبہ کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ صغت کا معنی ٹیڑھا ہونا بھی

توبہ کی  
تلقین

ہوتا ہے، اس لیے بعض مفسرین نے یہ معنی کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے راز کو قائم نہ رکھ کر تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ازواج کے دلوں میں نہ کوئی بدعتی تھی، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی سازش اور نہ ہی ان کے دل ٹیڑھے ہوئے تھے۔ وہ محض کھم جو صلی کی وجہ سے راز کو قائم نہ رکھ سکیں۔ ازواج مطہرات نے ایک غلطی نہ زیادہ خرچہ طلب کر کے بھی کی تھی، جس کا ذکر سورۃ احزاب میں آچکا ہے۔ اللہ نے اس کو تا ہی پر بھی سخت قبضہ کی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا یٰ نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ۔ آیت (۳۲) اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ اللہ نے تمہیں بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے، لہذا تمہاری مشروری سی غلطی بھی قابل گرفت ہے۔ تمہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

رافضیوں کی  
صحیح بات

اس واقعہ کی آڑ میں رافضیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت المؤمنین کے خلاف سخت نازیبا کلمات کہے ہیں۔ مثلاً صاحب "صافی" لکھتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہؓ کو افشائے راز سے سختی سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر خدا کی لعنت ہوگی، چنانچہ پہلے اس راز کا ذکر حضرت عائشہؓ کے ساتھ اور پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا اور پھر ان چاروں نے سازش کی کہ الٰہی ذوالشہر حضور علیہ السلام کو زہر پڑے کر ختم کر دیا جائے اور حکومت پر قبضہ کر لیا جائے یہ سب کذب بیانی اور بہتان ہے، وگرنہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بشارت تھی جو کہ خوشی کی بات تھی کہ حضور کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد دیگرے مسند خلافت پر متمکن ہوں گے البتہ مشدد طے معاملہ میں ان ازواج مطہرات نے ضرور ایک حکیم بنائی تھی، تاکہ حضور علیہ السلام حضرت زینبؓ کے طے زیادہ قیام نہ کریں اور ایک غاوند کی متحد بیویوں کے درمیان اس قسم کی رقابت ایک فطری امر ہے۔

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے ازواج مطہرات کی سرزنش ایک دوسرے کے



انہا میں کی ہے وَإِنْ تَطَهَّرَ عَلَيْهِ اور اے نبی کی بیویو! اگر تم نبی علیہ السلام کے خلاف مزید جھگڑے نہ کرو گی، آپ کے خلاف ایک دوسری کی مدد کرو گی اور اپنی بات پر اڑی ہو گی، تو یاد رکھو کہ اس میں نبی کا تو کچھ نقصان نہیں ہو گا بلکہ انہا میں ہی نقصان اٹھانا پڑے گا کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ بے شک نبی کا کارساز، آقا اور رفیق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ وَجِبْرِيلُ اور جبریل علیہ السلام بھی آپ کی اعانت پر ہر وقت مستعد ہیں وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ اور نیک بخت مومن بھی آپ کے ساتھی اور معاون ہیں۔ نیز فرمایا وَالْمَلَائِكَةُ بعد ذَلِكَ فَطَهَّرُوا اور اس کے بعد اللہ کے فرشتے اُس کے معاون ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی کے مددگار تو موجود ہیں، بے یار و مددگار تم ہی رہو گی، لہذا نبی علیہ السلام کی مخالفت کر کے خود ہی نقصان اٹھاؤ گی۔ اللہ نے آئندہ کے لیے ایسی حرکت سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا۔

بہتر ازدواج  
کی پیش کش

آگے اللہ نے ایک دوسرے انداز میں ازدواج مطہرات کو مستحب فرمایا۔ اہل ایمان المؤمنین پیغمبر کی ذات کو پریشان نہ کرو۔ اگر تمہارا یہی دھیرہ رہا، عسلی دیکھو إِنْ طَلَّقَكُنْ أَنْ تُبَدِّلَهُ ازواجِ خبیات أَمَّا كُنْ اگر اللہ کا نبی تمہیں طلاق دے دے تو شاید کہ اُس کا پروردگار اُس کے لیے بیویاں تبدیل کرے جو تم سے بہتر ہوں۔ خدا قادر مطلق ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ اگر ہم نہ ہوں گی تو اللہ کے نبی کو کوئی زحمت اٹھانا پڑے گی۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے بہتر بیویاں عطا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اگرچہ اہل ایمان المؤمنین میں خیر کا پہلو ہی غالب تھا۔ تاہم اللہ نے ایک دفعہ دو لوگ الفاظ میں تنبیہ فرمادی کہ اپنے ذہن میں کوئی گہم نہ لانا بلکہ عاجزی اختیار کرو۔ یہ تمہارے لیے بہت بڑا شرف ہے کہ تم نبی آخر الزمان علیہ السلام کی ازدواج ہو۔ یہ اللہ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ نبی کے لیے دوسری بیویوں کو لے آئے تو ان کی صفات یہ ہوں گی کہ وہ مُسْلِمَاتٌ نبی کی نہایت ہی فرمانبردار ہوں گی۔ اور آپ

کی ذات کے لیے کبھی پریشانی کا باعث نہیں بنیں گی، وہ عورتیں مؤمناتِ خدا کی ذات پر کمال درجے کا ایمان رکھنے والی ہوں گی، نیز وہ قنوت کرنے والی یعنی نماز میں کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرنے والی ہوں گی۔ قنوت مطلق اطاعت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ پھر فرمایا تَلْبَاتِ تلوہ کرنے والی ہوں گی، ذرا سی کوئی بھی ہوئی تو فوراً تلوہ کر لی اور معافی مانگ لی۔ تَلْبَاتِ وہ عورتیں بڑی ہی عبادت گزار ہوں گی، عبادت صرف نماز ہی کا نام نہیں بلکہ تمام قسم کی مالی، بدنی، لسانی اور فعلی عبادت کرنے والی ہوں گی۔ آگے فرمایا سَلِّحَاتِ روز رکھنے والی یا سجت کرنے والی یعنی ہجرت کرنے والی ہوں گی، ظاہر ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات نے مکہ سے مدینہ ہجرت بھی کی تھی۔ فرمایا ان صفات کی حاملین عورتیں تَلْبَاتِ خاوند دیدہ بھی ہو سکتی ہیں۔ وَابْكَارٌ اور دوشیزہ بھی ہو سکتی ہیں۔ ایک طرف تو ازواج مطہرات کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ نبی کی پریشانی کا سبب نہ بنیں اور دوسری طرف پیغمبر علیہ السلام کے لیے تسلی کا باعث بھی ہے کہ ان بیویوں کی عدم موجودگی میں اللہ تعالیٰ آپ کو محروم نہیں کرے گا۔ بلکہ ان سے بہتر بیاں عطا کرے گا۔

خاوند دیدہ  
عورت  
کی خصوصیات

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تَلْبَاتِ یعنی خاوند دیدہ عورتوں کا ذکر ان کی تعریف کے طور پر کیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عقل و شعور اور تجربے کی بنا پر کنواری عورت سے شوہر دیدہ عورت بہتر ثابت ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ عرض کیا ہاں۔ پوچھا، عورت کیسی ہے؟ عرض کیا عمر رسیدہ عیمبر ہے۔ فرمایا، اگر دوشیزہ عورت سے نکاح کر لے تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔ حضرت جابرؓ نے عرض کیا، حضور میری کل دس بہنیں ہیں جن میں سے تین شادی شدہ اور سات کنواری میرے گھر میں ہیں اگر میں ان میں سے کوئی جوان عورت لے آتا تو شاید میری بہنوں کی اچھی تربیت نہ ہو سکتی۔ روایت میں آتا ہے کہ اس عقل مند پر حضور علیہ السلام نے اُس رات حضرت جابرؓ کے لیے پچیس سال مرتبہ دعا کی اگرچہ

عام حالات میں کنواری ہی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے مگر بعض اوقات خاوند دیدہ زیادہ بہتر ثابت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ دوشیزہ تھیں اور حضرت حفصہؓ بیوہ۔ باقی تمام ازواج بھی پہلے سے نکاح شدہ تھیں، بلکہ حضرت خدیجہؓ کے تو پہلے دو خاوند فوت ہو چکے تھے جب وہ آپ کے نکاح میں آئیں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات بلاشبہ نیک بخت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار تھیں مگر ان کے منصب کے مطابق اللہ نے معمولی سی لغزش پر بھی توبہ فرمادی۔

---



قد سمع الله ۲۸  
درس سوم ۳

التحریر ۶۶  
آیت ۲۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا  
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَصْنَعُونَ  
اللَّهُ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ⑥ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ  
تَعْمَلُونَ ⑦

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے  
گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور  
پتھر ہوں گے۔ اس پر مقرر ہیں فرشتے تندہ اور زبردست  
نہیں نافرمانی کرتے اللہ تعالیٰ کی اُس چیز میں جو وہ انکی  
کو حکم دیتا ہے۔ اور وہ۔ وہی کچھ کرتے ہیں۔ جو انکی  
کو حکم دیا جاتا ہے ⑥ اے کفر کرنے والے لوگو!  
مت عذر کرو آج کے دن۔ بیشک تم کو بدلہ دیا جائے گا  
ان کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ⑦

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی بیویوں کو پیغمبر علیہ السلام کا ادب سکھایا  
کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اللہ کے نبی کا دل پریشان ہو جائے۔ حضور علیہ السلام  
نے اپنی ایک بیوی سے ایک لازم کی بات کی تھی مگر وہ اس راز کو قائم نہ رکھیں، پہنچا کہ  
اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آیات نازل فرما کر آپ کی بیویوں کو سخت تنبیہ  
فرمائی، اور متعلقہ بیوی کو معافی مانگنے اور توبہ کرنے کی تلقین کی۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت  
تمام کا نوکر کیا کہ ازواج مطہرات کو مغرور نہیں ہونا چاہیے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے

کہ وہ دنیا میں بہترین عورتیں ہیں۔ بلکہ فرمایا کہ اَللّٰہُ کَانِہِیْ اِنْ یُّوْلِیُّوْنَ کُوْطُلَاقِیْہِیْ  
تَوَاللّٰہُ اِنْ سَے بہتر عورتیں لے اُنے پر قادر ہے۔ جو اطاعت، یقین، نماز، روزہ،  
زکوٰۃ اور عیدیت کی صفات سے موصوف ہوں گی۔ وہ شوہر دیدہ بھی ہوں گی اور خوشنہ بھی۔

پیغمبر کی بیویوں کے لیے قانون بیان کر نے کے بعد اب اللہ نے عام اہل  
ایمان کے لیے قانون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہر اہل ایمان کو اپنے آپ اور اپنے  
گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے، اس درس میں تقویٰ  
اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ جب کہ اگلے درس میں تو بہ کرنے کا اصول بیان کیا گیا ہے

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے وہ لوگو جو اللہ کی ذات  
پر ایمان لائے ہو۔ قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا اپنے آپ کو اور اپنے  
گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ قُوا کا معنی بچنا ہوتا ہے اور تقویٰ بھی اسی  
لفظ سے مشتق ہے۔ کفر، شرک، الحاد اور کبار و صغائر سے بچ جانے کا نام تقویٰ  
ہے۔ ایک متقی آدمی حدود و شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا خوف اُس  
کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اے ایمان والو! دوزخ کی آگ سے خود  
بھی بچنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس سے بچاؤ۔

امام بغویؒ اپنی کتاب شرح السنہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت  
لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ والدین سے  
باز پرس کرے گا کہ تم نے اپنی بیوی بچوں کو اچھا راستہ کیوں نہ دکھایا اور ان کو صحیح  
تعلیم کیوں نہ دی؟ اور اُدھر اولاد سے بھی سوال ہوگا۔ کہ جب تمہارے والدین تمہیں اچھی  
بات کی نصیحت کرتے تھے تو تم نے کیوں نہ اُس کو قبول کیا۔ بہر حال انسان کو سب  
سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہیے۔ اگر اس کا عقیدہ خراب ہوگا۔ اعمال فاسد ہوں گے  
بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہوگا۔ تو وہ مجرم بن کر جہنم رسید ہوگا۔

اس عمومی حکم کے علاوہ حضور علیہ السلام سے اللہ نے خصوصی خطاب بھی فرمایا  
ہے۔ وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (الشعراء - ۲۱۴) اے نبی! اپنے

دوزخ سے  
بچاؤ

حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم  
کا اہل خاندان  
کو انداز

قریبی رشتہ داروں کو خدا کا ڈر سنائیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں حضور علیہ السلام نے اپنے خاندان کے لوگوں سے عمری اور خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا فاطمہ! اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ کیونکہ اگر تم ایمان اور نیکی سے محروم ہوگی تو میں تمہیں اللہ کے ہاں نہیں بچا سکوں گا۔ پھر آپ نے اپنی پھوپھی صفیہ کو فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ پھر آپ نے اپنے خاندان والوں کو خطاب کیا، یا نبیؐ، یا علیؑ، یا جعفرؑ، یا محمدؑ، یا موشیٰ قریش! میں تمہارے ساتھ اپنے رشتہ قرابت کا حق دنیا میں تو ادا کر سکتا ہوں، لیکن میں تمہیں دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکوں گا۔ آج ہی اس کی فکر کر لو اور ایمان مستحکم کر کے اپنے آپ کو بچاؤ۔

عام لوگوں کے لیے انداز

کتاب الامارۃ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص ابن زبئیہ کو مال غنیمت اور زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لیے ایک علاقے میں بھیجا۔ وہ شخص وہاں آیا تو کہنے لگا کہ یہ تو مال زکوٰۃ ہے جو بیت المال میں جملے گا اور یہ مال لوگوں نے مجھے عطیہ دیا ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر تم اپنے مال باپ کے گھر بیٹھے رہتے تو کون تمہیں مکھن بھیجتا۔ جس مال کو تم ہدیہ قرار دے رہو یہ تو رشوت ہے کیونکہ یہ عطیہ تمہیں اس عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ یہ تمہارے لیے قطعاً جائز نہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت والے دن کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جو اپنے سروں پر جانور، کپڑے، اناج اور دیگر مال اسباب اٹھائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہماری گرفت ہو گئی ہے۔ آپ ہمیں کسی طریقے سے بچائیں مگر میں یہی کہوں گا لَا اَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ لوگو! یاد رکھو! میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی میں آج تمہاری حمایت میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے دنیا میں تمہیں بتا دیا تھا کہ خیانت نہ کرنا، رشوت نہ لینا۔ کسی کا حق نہ مارنا۔ اس وقت تو تم نے میری بات نہ مانی، آج اپنا بھگتاں خود کرو۔ یہ اعمال اور عقیدے دونوں کے متعلق ہے کہ اگر توحید کا صحیح عقیدہ اختیار نہیں کرو گے تو میں تمہیں خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔



اللہ کا فرمان ہے وَأَمُرُ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طہ: ۱۳۲) آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر قائم رہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف میں اللہ نے یہ بات بھی بیان کی ہے وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ فَالَّذِينَ كَفَرُوا (مریم: ۵۵) وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ وہ اللہ کے برگزیدہ رسول تھے۔ اس لیے تمام اچھی باتوں کو اختیار کرنے اور بری باتوں سے رکھنے کا حکم کیا کرتے تھے۔

صمیمین میں حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے اَلَا كُفُّكُمْ رَاغٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِكُمْ یاد رکھو! تم سب حاکم ہو تو تم میں سے ہر شخص کی اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اللہ نے ہر مزدور آدمی کو حاکم بنایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا فَاَلْمَرْجُلُ رَاغٍ عَلَى اَهْلٍ بَيْتِهِ فَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ ہر آدمی اپنے گھر والوں کے لیے حاکم ہے اور ان کے بارے میں اس سے سوال ہوگا، مطلب یہ کہ کوئی شخص معاشرے میں کسی بھی حیثیت میں ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے زیر دستوں کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرے۔

ترمذی اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ کسی والد نے اپنی اولاد کو اس لیے بستر کوئی تحفہ نہیں دیا کہ اس کی تعلیم و تربیت اس طرح کرے کہ وہ نیکی کو اختیار کرے، عقیدے کو پاک کرے، خدا کی عبادت کرے، اخلاق کو درست کرے اور برائیوں سے بچتا ہے تاکہ وہ آتش دوزخ سے بچ جائے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے مَدُوا الصَّبِيَّانَ بِالصَّلَاةِ جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو کیونکہ انسان میں ابتدائی شعور سات سال کی عمر میں پیدا ہونا شروع ہوتا ہے، دس سال کی عمر میں شعور درمیان درجہ کو پہنچتا ہے اور چودہ پندرہ سال کی عمر میں شعور طویل تک پہنچ جاتا ہے اسی لیے فرمایا کہ سات سال کی عمر میں بچے کو نماز کی تلقین کر دو، اُسے نماز کا طریقہ سکھلاؤ۔ نماز پر کھڑا کرو، اور

بچوں کی  
تربیت

اس میں اُسے پختہ کرنے کی کوشش کرو۔ پھر اگر پچھ دس سال کی عمر تک پہنچ کر نماز نہیں پڑھتا تو اُسے مار کر پٹھاؤ۔ پھر بچوں کو ایک بستر پر نہ سونے دو بلکہ اُن کے بستر الگ کر دو۔ بہر حال جب تک بچہ بالغ نہیں ہوتا، اُس کی تربیت کے ذمہ دار والدین ہیں اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اپنے اعمال کا خود ذمہ دار بن جاتا ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لائے، اور اس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً لالچ دے کر اس راہ پر لایا جاسکتا ہے یا ڈرا دھمکا کر بلکہ ضرورت کے مطابق مارنا پیٹنا بھی درست ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ دین کے راستے پر نہ آئیں تو یہ اُن کی بے بختی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنی عاتوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

دوزخ کا  
ایندھن

فرمایا وہ دوزخ ایسی ہے وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو اس میں جلیں گے۔ بالکل یہی الفاظ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۴ میں بھی گزر چکے ہیں۔ ان پتھروں سے مرد عام پتھر بھی ہو سکتے ہیں اور وہ پتھر بھی جن کو بتوں کی شکل میں گھڑ کر اُن کی پوجا کی جاتی تھی۔ حضور کا فرمان ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے شرگناں شدہ ہوگی۔ پھر فرمایا عَلَيْهَا مَلِكٌ اُس پر فرشتے مقرر ہیں غِلَظٌ شَدِيدٌ جو تند خور سخت ہیں اور کسی کی رعایت نہیں کرتے، نہ اُن کو کسی پر ترس آئے گا۔ وجہ یہ ہے لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ کوئی روتا پیٹتا ہے یا چیختا چلاتا ہے اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ عذاب دے فرشتوں کی شکلیں بھی بڑی درشت ہوں گی، حدیث میں آتا ہے کہ مرنے کے وقت ایمان والوں کے سامنے فرشتے

اچھی شکل و صورت میں آتے ہیں اور ان کے پاس برزخ میں بھی ایسے فرشتے آتے ہیں، اس کے برخلاف مشرک، کافر اور معصیت مائل لوگوں کے پاس بڑی خوفناک شکل والے فرشتے آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

موجودہ معاشرے کی حالت

اللہ کا فرمان قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے، نبی کی تعین بھی موجود ہے کہ لوگو! آخرت کی فکر کرو اور اپنے حالات درست کرو، خدا کی عبادت کرو۔ اور اچھے اخلاق پیدا کرو، اس کے باوجود معاشرے کی حالت دیکھیں آؤسے کا آؤدی اگلا ہوا ہے اللہ ماشاء اللہ۔ باپ خود بیوی بچوں کو بے گناہ سمجھتا ہے، کہ کھٹ کا بیج دکھاتا ہے، گلیوں میں اکٹھے گھیل کود ہوتا ہے، یا گھروں میں گھیل کود کا ماحول پیدا کر لیا جاتا ہے، نوٹو گرافی ہوتی ہے، عریاں خلیں سارے اہل خانہ اکٹھے دیکھتے ہیں، ٹی وی پر ڈراموں کی بھرمار ہے، جس میں اخلاق سوز مناظر کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ والدین کی معصیت میں ہوتا ہے، اس کی اصلاح کون کرے گا۔ اگر بچے بے سمجھ ہیں تو والدین کو اصلاح کرنی چاہیے، مگر وہ تو خود برائی میں شریک ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی یہودیوں، عیسائیوں اور ملحدوں کا راستہ اختیار کر لیا ہے لوگ اس کو مادی ترقی کا نام دیتے ہیں مگر حقیقت میں انتہائی گندگی میں جا رہے ہیں۔ لوگوں کو بلاوجہ قتل کیا جا رہا ہے، لڑا جا رہا ہے، عصمت دری ہو رہی ہے، گھروں اور بچوں میں ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ ہم دہاکے ہو رہے ہیں، آخر یہ کہاں کی ترقی اور کہاں کی انسانیت ہے؟ آخر تفریح کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مگر یہاں تو منزلی مقصود ہی تفریح بن چکی ہے۔ دن رات فحش فلمیں کئی کئی روز تک کرکٹ میچ میں انہماک، گلیوں، بازاروں میں ملبہ بازی، یہ سب کچھ لوگوں کو مقصدِ حیات سے دور کرنے کی سازش ہے۔ پورا معاشرہ ہی بگڑ چکا ہے۔ جس کے سٹور نے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، یہ کوئی ترقی نہیں بلکہ تنزل کی علامت ہے۔ اصل ترقی وہ ہے جو اللہ کے راستے میں حاصل کی جائے یہی ترقی آخرت کی دائمی زندگی میں کام آئے گی۔ ورنہ یہ نام نہاد ترقی تو اسی دنیا



میں آج نہیں تو کل ختم ہو جائیگا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ لوگو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

کنہاری کیلئے  
وحید

اللہ نے ہر خیر و شر سے خبردار کر دیا ہے اس بعد کافروں سے خطاب کر کے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا اے کفر کا ارتکاب کرنے والو! یعنی اللہ کی نسبت رسول کی رسالت اور جنائے عمل کا انکار کرنے والو! یاد رکھو! لَا تَعْتَذِرُوا لِيَوْمٍ آج کے دن کوئی بہانہ نہیں سنا جائے گا۔ بہانہ سازی دنیا میں تو چل جاتی تھی مگر آج قیامت کے دن اس کی کوئی شہنائی نہیں ہوگی۔ عمل کا زمانہ ختم ہو کر جنائے عمل کا وقت آچکا ہے۔ إِنَّ مَا تَجْتَرُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ بے شک آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَلَىٰ  
 رَبِّكُمْ أَن تُكْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ  
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ  
 وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
 وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَغْفِرْ لَنَا  
 إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑧ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ  
 الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمُ  
 جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑨

ترجمہ: اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کے سامنے توبہ  
 صاف دل سے۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار درود کرے  
 تم سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے گا تم کو بہشتوں  
 میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ جس دن اللہ تعالیٰ  
 نہیں رسوا کرے گا اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اُس  
 کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ ان کی روشنی دوڑتی ہوگی ان  
 کے سامنے اور ان کی دائیں طرف، اور وہ کہیں گے، اے  
 ہمارے پروردگار! پوری کر دے ہمارے لیے ہماری روشنی  
 اور بخشش دے۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت  
 رکھنے والا ہے ⑧ اے نبی! آپ جہاد کریں کافروں اور

منافقوں کے ساتھ اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت بڑی جگہ ہے لٹ کر جانے کی ⑨

رابطہ آیات

ابتداء میں قسم کا مندر بیان ہوا اور پھر پیر علیہ السلام کی ازواج سے سرزد ہونے والی کتابی پر اللہ تعالیٰ نے توبہ فرمائی، اور ان کو توبہ کی تلقین کی۔ اس کے بعد تمام اہل ایمان کو نصیحت کی کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا انتظام کریں۔ اب آج کے درس میں ایک تو عام اہل ایمان کو خالص دل سے توبہ کی ہدایت کی ہے اور دوسری بات یہ کہ اللہ نے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ کفار کے ساتھ جہاد بالسیف کریں اور منافقوں کو زبانی سرزنش کریں۔ نیز اہل ایمان کے انجام کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

خالص توبہ

گذشتہ آیات میں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو اپنی کتابوں پر توبہ کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ اب عام مسلمانوں کے لیے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا اے ایمان والو! اللہ کے سامنے صاف اور خالص دل سے توبہ کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دُور کر دے گا۔ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور تم کو ان بہشتوں میں داخل کر دے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

توبۃ النصوح سے مراد عام توبہ نہیں بلکہ وہ توبہ ہے جو صدق دل سے کی جائے ایسی توبہ تمام مسلمانوں کے لیے فلاح کا پیلہ زینہ ہے۔ اللہ نے توبہ کا قانون قرآن کی مختلف سورتوں میں مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے۔ سورۃ توبہ میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے۔ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ فی الدین (آیت ۱۱) اگر کافر اور مشرک لوگ توبہ کر لیں، نماز قائم کر لیں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو پھر یہ اہل ایمان کے بھائی بن جائیں گے۔ اب ان سے کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔ سورۃ نور میں فرمایا ہے۔ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ



جَمِيعًا اٰیَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ (آیت - ۳۱) اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ فلاح پا جاؤ۔ سورۃ توبہ میں اللہ نے جن لوگوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے، ان میں توبہ کرنے والوں کا نام سرفہرست ہے اَلْثَّائِبُوْنَ اِلَیْهِ الْعَبْدُوْنَ وَالْحَامِدُوْنَ ..... (الآیت - ۱۱۲) سورۃ القصص میں بھی ہے۔ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَغَسَّیْ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ (آیت - ۶۷) جس نے توبہ کر لی، اور ایمان لے آیا اور پھر نیک اعمال انجام دیے تو امید ہے کہ وہ شخص کامیاب ہونے والوں میں شامل ہوگا بہر حال کھامیابی کا اولین اصول یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور معاصی سے تائب ہو جائے۔ اب رہا یہ سوال کہ توبہ ہے کیا چیز تو فرمایا اَلْتَدْمُرُوْا تَوْبَةَہٗ توبہ ندامت ہی کا نام ہے۔ جب کوئی شخص اپنی غلطی پر نادم ہو جاتا ہے کہ میں نے یہ غلط کام کیا ہے اور آئندہ کے لیے ایسا غلط کام نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لے تو اس نے گویا توبہ کر لی۔ چنانچہ فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔

حضرت علیؓ  
کی وضاحت

حضرت علیؓ کی توبہ سے متعلق روایت بہت مشہور ہے جس کو صاحب تفسیر منظمی، صاحب تفسیر ابو سعود اور صاحب تفسیر کشاف نے بھی نقل کیا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ خالص توبہ کس طرح ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر توبہ کرنے کے بعد بھی غلط کام جاری رہا یا دل میں اخلاص پیدا نہیں ہوا تو یہ سچی توبہ نہیں کہلائیگی۔ فرمایا خالص توبہ وہ ہوگی۔ جس میں یہ چھ چیزیں جمع ہو جائیں۔

(۱) سابقہ غلط عقیدہ یا عمل پر ندامت ہو کہ یہ توبہ کا اولین جزو ہے۔

(۲) جو نقص ترک ہوئے ہیں ان کو لوٹایا جائے۔

(۳) اگر کسی پر ظلم و زیادتی کی ہے یا حق تلف کیا ہے، تو اس کا حق لوٹایا جائے۔

(۴) اگر کسی کی بے بروئی کی ہے یا بُرا بھلا کہا ہے تو اس سے معافی طلب کرے یا انتقام

کا موقع فراہم کرے۔

(۵) دل میں پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسا غلط کام نہیں کرے گا۔

(۶) نفس کو اطاعت کے کاموں پر اسی طرح آمادہ کرے جس طرح گناہ کے کام پر کیا کرتا تھا۔  
 شرح مقاصد والے امام تفتازانی لکھتے ہیں کہ معصیت مختلف قسم کی ہوتی ہے۔  
 اگر خالص اللہ کی نافرمانی کی ہے تو اس سے توبہ کے لیے ندامت کافی ہوگی۔ مثلاً اس نے اسرار المعروف کا حق ادا نہیں کیا، یا جنگ سے بھاگ آیا ہے تو ایسا شخص اگر نادم ہو کر خلوص نیت سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ مگر بعض اوقات خالی ندامت کافی نہیں ہوتی بلکہ اپنے آپ کو تعزیر کے لیے پیش کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر شراب نوشی کی ہے تو اپنے آپ کو حد جاری کرنے کے لیے پیش کرنا ہوگا۔ اگر گزشتہ زمانہ میں نہ کوڑا ادا نہیں کی تو اب دینی پڑے گی، جو نمازیں چھوٹ گئی تھیں۔ ان کی قضا لازم ہوگی۔

اور بندوں کے حقوق میں ندامت اس طرح ہوگی۔ کہ ان کا حق واپس کیا جائے کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے، خیانت کی ہے، کسی کی ناجائز سرزنش کی ہے، گالی دی ہے، بڑا بھلا کہہا ہے، غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگے کہ میں نے تیری یہ بُرائی کی ہے، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اگر متعلقہ شخص معاف کر دے گا تو معافی ہو جائے گی اور بندے کی توبہ قبول سمجھی جائے گی۔

اللہ نے نیکیوں کے اندراج اور گناہوں کی معافی کا عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت والے دن انسان کے تین قسم کے دفتر اللہ کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ پہلا دفتر اعمال صالحہ کا ہوگا۔ جس میں تمام نیک اعمال درج ہوں گے، دوسرا دفتر گناہوں کا ہوگا، اور تیسرا رجسٹر میں انسانوں کو ملنے والی نعمتوں کا اندراج ہوگا۔ فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ جس آدمی کا محاسبہ کرنا چاہے گا اس کے تینوں دفاتر پیش کیے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نعمتوں میں سے ایک چھوٹی سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا تو اس شخص سے اپنا حساب لے لے، وہ نعمت انسان کی نیکیوں میں سے اپنا بدلہ طلب کرے گی چنانچہ ایک معمولی سی نعمت کے عوض میں انسان کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی مگر نعمت

امام تفتازانی  
کی وضاحت

انسان کے  
تین دفاتر



کا حق ادا نہیں ہو سکے گا، غرضیکہ ایک چھوٹی سی نعمت بھی انسان کے تمام اعمال صالحہ کو ہضم کر جائے گی، وہ شخص تہی دست رہ جائیگا اور گناہوں کا بار ابھی اس کے سر پہ ہوگا پھر فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ نرمی اختیار کرنا چاہے گا۔ اُس کو کہا جائے گا کہ اے بندے! آج میں نے تیری نیکیوں کو دگنا کر دیا ہے اور میں نے تیری کوتاہیوں سے درگزر فرمایا ہے بطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی شامل حال ہوگی تو انسان بچ سکے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ سچے دل سے توبہ کرو سورۃ البقرہ میں ہے اِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَاصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَاُولَٰئِكَ اَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (آیت ۱۶۰) جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں، اور ہدایت کی باتوں کو چھپانے کی بجائے ظاہر کر دیں، پس میں اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔ بہر حال فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا پورا دگاہ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں اُن بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

فرمایا جب محاسبہ کا دن آئے گا یَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اپنے نبی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا بلکہ وہ اپنے نبی کی عزت افزائی کرے گا۔ خداوند تعالیٰ نبی علیہ السلام کی سفارش ہر اُس شخص کے حق میں قبول کرے گا۔ جو اس کا مستحق ہوگا، اللہ تعالیٰ کسی مستحق شخص کے لیے سفارش کو نا منظور نہیں کرے گا۔ اور اس طرح اپنے نبی کو رسوائی سے بچا لیگا۔

جی اور اہل  
ایمان کی  
کامیابی

پھر جب پل صراط کے اندھیروں پر سے گزرنے کی منزل آئیگی تو فرمایا تَوْرٰهُمْ يَسْعٰی بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبَايَمٰنِهِمْ اہل ایمان کا نور اُن کے سامنے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ سامنے اُن کے ایمان کی روشنی ہوگی اور دائیں طرف اعمال صالحہ کی روشنی ہوگی جس کے ذریعے وہ اندھیروں کو عبور کر لیں گے یہ روشنی علی قدر الاعمال ہوگی، کسی کی زیادہ اور کسی کی کم۔ پھر جن کی روشنی کم ہوگی۔



يَقُولُونَ رَبَّنَا اِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُكَ اَوْھِ بَارِكَاھِ رَبُّ الْعِزَّتِ مِیْنِ عَرْضِ كَرِیْمِ گے  
 اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہماری روشنی کو مکمل فرما دے، یہ بھی سورۃ الحديد  
 میں گزر چکا ہے کہ منافق مرد اور منافقہ عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے اَنْظُرُوْنَا  
 نَقِیْسٌ مِّنْ نُّوْرِ كُمْ ذَرَاۤءُ مَعْمَرٍ جَاوِزٌ، ہم بھی تمہاری روشنی میں تھوڑا چل لیں، اگر  
 جواب اے کیا قلیل ارجعوا وِرَآءَ كُمْ فَالتَّوَسُّوْا نُوْرًا ایت (۱۲) یہ بھی جا  
 کر روشنی تلاش کرو، یہاں روشنی کہاں ہے؛ مقصد یہ کہ روشنی حاصل کرنے کا  
 مقام تو دنیا ہی دیا ہے وہاں تو تم نے نور ایمان حاصل نہ کیا۔ اب یہاں تمہیں روشنی میسر  
 نہیں آسکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان ملے یہ بھی عرض کریں گے وَاعْفُ لَنَا  
 پروردگار! ہمیں معاف فرما۔ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بیشک  
 تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ بہر حال ایمان والوں کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ  
 کم روشنی والوں کی روشنی کو بھی زیادہ کر دے گا۔ اور وہ تاریک منزل سے باسانی  
 گزر جائیں گے۔

کافروں اور  
 منافقوں  
 سے جہاد

اَللّٰھُمَّ حَضِرْنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کہ خطاب کیا ہے یَا اَیُّھَا  
 النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاعْلَظْ عَلَیْہُمْ لَعْنَةُ نَّبِیِّ !  
 آپ کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں، اور ان پر سختی کریں۔ مفسرین کرام  
 فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خلاف تلوار  
 کے ذریعے باقاعدہ جنگ کی جائے، فرمایا ان کے خلاف قوت جمع کرو، سامان  
 ضرب و حرب مہیا کرو، اور ان سے ٹکرا جاؤ، البتہ منافقوں کے ساتھ جہاد بالسیف  
 کی اجازت نہیں ہے۔ ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرو اور ان  
 کو زبانی طعن و تشنیع کرو۔ اللہ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے۔ اَنْہُمْ یُفْتَنُوْنَ  
 فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّکَّةً اَوْ مَدَیْنَتَیْنِ (آیت ۲۶) کہ سال میں ایک دو واقعات  
 ضرور پیش آتے ہیں جن سے ان کی منافقت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ذلیل و رسوا  
 ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تاہم منافقوں کو قتل کرنے کی اجازت آپ نے نہیں دی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کر قتل کرنے کے لیے حضرت عمرؓ اور عبداللہؓ کے اپنے بیٹے نے اجازت چاہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا۔ فرمایا لوگ کہیں گے اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے، اور یہ چیز اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ فرمایا حتی الامکان ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں، البتہ زباناً سرزنش کرتے رہیں۔

اس مقام پر امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے کافروں اور منافقوں کے ساتھ جو سختی کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی تعمیل ہونی چاہیے اور منافقوں کے ساتھ میل جول اور معاشرت نہیں رکھنی چاہیے۔ تاکہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے۔ آج دنیا میں موجود منافق لوگ جدت پسندی کی آڑ میں اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ قبیح رسومات اور عریانی کو جدت پسندی کا نام دے کر اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی رو رعایت نہیں ہونی چاہیے اور ان کے مشن کو سختی کے ساتھ رد کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ اگر تم فاجر کی برائی کو روک نہیں سکتے تو کم از کم اس کے ساتھ تہنٹن روی سے تڑپش آؤ۔ اگر فاسد العقیدہ قادیانیوں اور رافضیوں وغیرہ سے میل جول ہو گا تو اس سے اسلام کے راستے میں رختہ اندازی کا خطرہ ہے کیونکہ ان کے جذبات تم پر بھی مؤثر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مغربیت کے دلدادہ اور عریانی اور فحاشی کے شوقین لوگوں سے بھی میل جول اچھا نہیں۔ وہ جدت پسندی کی آڑ میں تمہارے خیالات کو بدلنے کی کوشش کریں گے، لہذا ایسے تمام لوگوں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آؤ۔

فرمایا، ایسے غیبر! آپ جاد کریں کافروں اور منافقوں کے ساتھ، اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں۔ وَمَا أَوْلَهُمْ جَهَنَّمَ ان بہنجتوں کا ٹھکانہ آخر کا جہنم ہی ہے۔ یہاں تو کسی نہ کسی طریقے سے بچ سکتے ہیں، لوگوں کو گمراہ بھی کر سکتے ہیں مگر آخرت کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے، ان کا مستقل ٹھکانہ دوزخ ہے۔

جدت پسندی  
کی منافقت

وَبَشِّرِ الْمَعْصِيُوْنَ جَوارِہٖ کَہ جَانِے کِی بَہت ہی بُڑی مُکَرَّم ہے۔ اِعتقادِی مُنافِق اور  
کافر تو اب ہی جہنمی ہیں، اَللّٰہ عَلِی مِن قُو یَحْیٰی اِگر تو پہنیں کریں گے، نار جہنم رَسِید ہوں گے۔  
 وہ جب تک سزا نہیں پالیں گے، وہاں سے نہیں نکالے جائیں گے۔

---



ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ  
لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ  
فَخَانَتَهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ  
ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاهِلِينَ ⑩

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے، ان  
لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا، لوح علیہ السلام کی بیوی  
اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی، جو تھیں دونوں ہمارے دو  
ایک بندوں کے نکاح میں، انی دونوں عورتوں نے  
خیانت کی۔ پس نہ کام آئے وہ دونوں ان عورتوں کے  
لیے اللہ کے سامنے کچھ بھی۔ اور کہا گیا کہ چلی جاؤ تم  
دونوں دوزخ میں، دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ ⑩

پہلے اللہ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا اور حکم دیا کہ وہ کوئی ایسا کام  
نہ کریں جس سے اللہ کے پیغمبر کو تکلیف ہو۔ پھر تمام اہل ایمان سے خطاب کر کے  
فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ پھر کفر کرنے  
والوں کو خطاب کیا کہ آج دنیا میں مرقع ہے کہ آخرت کی تیاری کر لو، ورنہ کل قیامت  
کو کوئی عذر اور بہانہ نہیں سنا جائے گا۔

پھر اللہ نے ایمان والوں کو کامیابی کا اصول بتلایا کہ وہ اللہ کے سامنے صرف  
دل سے توبہ کر لیں۔ تاکہ اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کر دے۔ پھر اہل ایمان کا کام یہ  
اکھام اور نبی علیہ السلام کے احترام کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ سختی سے

پیش آئیں۔ کافروں کے خلاف قوت استعمال کریں۔ جب کہ منافقوں کی زبانی طور پر سرزنش کریں۔ کیونکہ اللہ نے ان کو ہلاک کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اب سورۃ کے آخری حصہ میں کافروں اور ایمان والوں کے لیے دو عورتوں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں اور کھمبائی اور ناکامی کا اصول بتلایا گیا ہے۔ آج کی آیت میں دو کافر عورتوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔

نوح اور لوط  
علیہ السلام  
کی بیویاں

ارشاد ہوتا ہے **ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوْحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ** اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال بیان کی ہے۔ یہ دونوں حضرات اللہ کے صائب شریعت نبی اور رسول اور اُس کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ نے دونوں انبیاء کے واقعات قرآن میں بجزرت بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی قوموں کی ہلاکت کا ذکر بھی کیا ہے تاکہ آئندہ نسلوں کو عبرت حاصل ہو۔

نوح علیہ السلام کے حالات تو بڑے مشہور ہیں۔ آپ نے لمبی عمر پائی اور سارے نوسو سال تک قوم کو تبلیغ فرمائی۔ مگر اُس نے کچھ اللہ قبول نہ کیا، اپنی قوم کی نافرمانیوں کا ذکر بھی قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ آپ کے نام پر ایک مستقل سورۃ نوح بھی ہے، جس میں آپ کا اور آپ کی قوم کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ پر ایمان نہیں لائی بلکہ اپنی قوم کے مذہب پر ہی قائم رہی آپ کے چار بیٹوں میں سے تین تو ایمان لے آئے مگر چوتھا نافرمان ہی رہا اور قوم کے ساتھ ہی غرق ہو گیا۔

پس نوح باہواں بنشت

خاندانِ بنو نوح گم شد

نوح علیہ السلام کے بیٹے نے جہنم کی مجلس اختیار کی تو خاندانِ نوح بھی برباد ہو گیا اور ماں کے ساتھ ہی جہنم داخل ہوا۔

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ کے ساتھ ہی بابل سے ہجرت کر کے فلسطین کی طرف آئے تھے کہ راستے میں ہی اللہ نے آپ کو شرقی اردن جانے کا حکم دیا تاکہ وہاں جاکر اللہ کی توحید اور اس کے دین کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ اُس زمانے میں یہ بڑا مستند علاقہ تھا۔ تفسیری روایات کے مطابق بارہ تیرہ لاکھ کی آبادی تھی، امرکزی شہر سدوم تھا اور باقی قبضے اور دیہات تھے، بڑا زرخیز علاقہ تھا، نہریں چلتی تھیں، جن کی وجہ سے بکثرت باغات تھے۔

اُس زمانے میں مومن اور کافر مرد و زن کا نکاح جائز تھا حتیٰ کہ ہماری امت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ خود حضور علیہ السلام کی صاحبزادی مشرک کے نکاح میں تھی جو کہ بعد میں اسلام لے آیا۔ مدینہ پہنچ کر جب سورۃ بقرہ نازل ہوئی تو مومن اور کافر کا نکاح ممنوع قرار دے دیا گیا۔ بہر حال جب لوط علیہ السلام پر غرق اردن کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ نے وہیں کی کافر عورت سے نکاح کیا، جو آخر دم تک کافرہ ہی رہی اور باقی قوم کے ساتھ ہی عذاب کا شکار ہو گئی۔

فرمایا اللہ نے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال بیان کی ہے۔  
 کَانَتْ تَحْتَ عَبْدِيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صٰلِحِيْنِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْهُمَا يَتَّبِعُوْهُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمْ يُعَذِّبُوْهُمُ وَيَتَذَكَّرُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
 نیک بندوں کے نکاح میں تمہیں فحاشائیں مآپس ان دونوں عورتوں نے خیانت کی۔ عورت کی خیانت عام طور پر یا مال میں ہوتی ہے یا عصمت میں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان عورتوں کی خیانت سے مراد نہ مال کی خیانت ہے اور نہ عصمت کی بلکہ ان کی خیانت یہ ہے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کے نکاح میں آنے کے باوجود انہوں نے ولی سے دین توحید کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے خاوندوں کے ساتھ ان کا رویہ منافقوں کا سارا ہا۔

بیویوں کی  
خیانت

عصمت میں خیانت سے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے مَا زَنَّتْ امْرَاَتُنِيْ قَطُّ كُفْرًا كَمَا زَنَّا كَاثِرًا كَبْهِيْ نَحْنُ  
 کیا یہ ایسی بد اخلاقی ہے جس کو کافر بھی معیوب سمجھتے ہیں لہذا اللہ نے اپنے انبیاء



کو اس عیب سے بچا لیا ہے۔ یہ خصوصیت صرف حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو حاصل ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آپ تک پوری نسل کو اللہ نے اس بیماری سے محفوظ رکھا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ زنا تو ایک معصیت کا کام ہے مگر کفر اس سے بھی قبیح چیز ہے مگر عام کافر اس کو قبیح نہیں سمجھتے بلکہ بطور عقیدہ اُسے اچھا سمجھتے ہیں اور دوسروں کے عقیدہ کو غلط کہتے ہیں۔

پھر حال ان عورتوں نے اپنے اپنے خاوند کا دین قبول نہ کر کے خیانت کا ارتکاب کیا۔ مفسرین کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام واعلہ یا واعلہ تھا۔ وہ لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ میرا خاوند پاگل ہو گیا ہے، اور یہی اُس کی خیانت تھی۔ اُدھر لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام واصلہ یا وائلہ بتایا جاتا ہے۔ وہ خود تو منافقہ ہی رہی مگر اُس کی بچیاں مومنہ تھیں جو عذاب سے بچ گئیں۔ اس عورت کی خیانت یہ تھی کہ جب اُن کے گھر میں کوئی مہمان آتا تو وہ بستی والوں کو آگاہ کر دیتی، تاکہ وہ اُسے لوط علیہ السلام کی تبلیغ کے اثرات سے بچا سکیں۔ اس کے علاوہ قوم میں لواطت کی بیماری تھی۔ وہ ہر نو آمدہ مہمان کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے تھے۔ اُس قوم میں یہ قباحت بھی تھی کہ وہ مہمانوں کو لوٹ لیتے تھے، اُن کو مار تے پیٹتے اور اُن کی بے عزتی کرتے۔ تو لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی آمد سے متعلق لوگوں کو مطلع کر دیتی تھی۔ اگر رات کے وقت کوئی مہمان آتا تو وہ علامت کے طور پر آگ جلا دیتی جس سے لوگوں کو خبر ہو جاتی۔ یا دن کا وقت ہوتا تو کسی دوسرے طریقے سے مطلع کر دیتی۔ یہ اُس کی بہت بڑی خیانت تھی۔

یہاں پر راز کے افشا کو خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گزشتہ آیات میں بھی گزر چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک زوجہ مطہرہؓ سے راز کی بات کہی مگر وہ اس راز کو قاعلم نہ رکھ سکی تو اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ لوط علیہ السلام کی بیوی بھی خاوند کے راز کو افشا کر دیتی تھی۔

کی آمد سے لوگوں کو خبردار کر دیتی تھی۔ جہاں تک عصمت کا تعلق ہے نبی کی بیوی اس میں خیانت نہیں کر سکتی۔ حضور علیہ السلام کی زوجہ حضرت عائشہؓ پر تہمت

گئی تو انہوں نے دس آیات نازل فرما کر ان کی برأت کا اعلان کر دیا اور تہمت لگانے والوں کو سخت توبیہ بھی فرمائی۔ بہر حال ان دو برگزیدہ نبیوں کی بیویوں کی خیانت ہی تھی جو میں نے عرض کر دی۔

دونوں عورتوں  
کا انجام

فرمایا یہ دونوں عورتیں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں مگر خائن ہونے کی وجہ سے فَلَمْ يُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا پس نہ بچایا ان دونوں پیغمبروں نے ان دونوں عورتوں کو اللہ کے سامنے کچھ بھی۔ یعنی اللہ کے نبی اپنی بیویوں کو خدا کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ چنانچہ ان دونوں عورتوں سے کہا گیا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِیْنَ باقی دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں چلی جاؤ۔ آج نوح علیہ السلام، لوط علیہ السلام کے ساتھ رشتہ نکاح کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ چونکہ تم نے اپنے ہی خاوندوں کا دین قبول نہیں کیا، بلکہ کفر پر اڑی رہی۔ آج تمہیں جہنم میں جانا ہو گا۔ اللہ کے نبی نہ سفارش کر سکتے ہیں اور نہ تمہیں بچا سکے۔ ایسا شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اپنا ایمان درست کر دو، نہ خاوند بچا سکے جو رو کر اور نہ جو رو اپنے خاوند کو بچا سکے۔ مسقرین کلام فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے کسی بڑے آدمی یا بڑے خاندان کی طرف نسبت کچھ فائدہ نہیں ملے گی۔ لوگ اس معاملہ میں بڑا غلو کرتے ہیں اور اپنے خاندان، پیر یا استاد پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں بچالیں گے۔ جب اللہ کے برگزیدہ نبی اپنی بیویوں کے کام نہ آ سکے۔ تو باقی لوگوں کی نسبت اور رشتہ داری کیا کام آئے گی؟ یہ نسبت اسی صورت میں کام آ سکتی ہے جب کہ دل میں ایمان ہو اور انسان کا عقیدہ پاک ہو۔ عزت کا معیار اللہ نے سورۃ اکھرات میں بیان فرما دیا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰیكُمْ (آیت ۱۲۰) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ شخص ہے جس کے پاس ایمان اور تقویٰ ہے۔ جس کے پاس یہ چیزیں نہیں، اس کی کوئی عزت نہیں۔ لہذا ہر شخص کو خود اپنی اپنی فکر کرنی چاہیے کہ کیسے اللہ تعالیٰ گرفت میں لائے آجائے، خود حضور علیہ السلام نے تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا

خالی نسبت  
مفید نہیں

اَنْقِذُوا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ لَا اُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا لَوْ كُنْتُمْ  
 اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ یاد رکھو! میں اللہ کے سامنے تمہیں کچھ کام  
 نہیں دے سکوں گا۔ اگر ایمان ہو گا۔ ترمیزی سفارش بھی کام آسکے گی ورنہ نہیں۔

---



وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ  
قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ  
فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

ترجمہ:- اور بیان کی اللہ نے ایک مثال ان لوگوں کے  
لیے جو ایمان لائے ہیں، فرعون کی بیوی کی جب کہ کہا  
اُس نے اے میرے پروردگار! بنا دے میرے لیے اپنے  
پاس گھر جنت میں اور نجات دے مجھے فرعون سے اور  
اس کے کام سے۔ اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے ۝

رابطہ آیات

سورۃ کے آغاز میں تحریم و تحلیل کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد ازواج مطہرات  
کو تنبیہ کی گئی۔ پھر تمام اہل ایمان کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں  
کو فتنہ کی آگ سے بچائیں۔ سورۃ کے آخری حصہ میں اللہ نے دو کافر عورتوں کی  
مثال بیان فرمائی جو اللہ کے نہایت ہی برگزیدہ بندوں اور نبیوں حضرت نوح علیہ السلام  
اور حضرت لوط علیہ السلام کے بلکح میں تھیں۔ ان دونوں عورتوں نے نہ تو دین حق  
کو قبول کیا اور نہ اپنے پیغمبر خاندانوں کی رازداری کو قائم رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ  
اللہ نے ان کو عام جہنمیوں کے ساتھ ہی جہنم میں داخل کیا اور پیغمبروں کے ساتھ  
ان کا قریب رشتہ بھی کسی کام نہ آیا۔ انسان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کی  
عدم موجودگی میں اس کے لیے کوئی ذریعہ نجات نہیں ہے۔

اب دو مومن عورتوں میں سے ایک مثال حضرت آسیہ بنت مزاحم کی  
بیان کی ہے۔ جو ایمان دار اور پاکدامن تھیں مگر فرعون جیسے جابر اور مستبد آدمی

فرعون کی  
بیوی کی مثال

کے گھر میں تھیں۔ فرعون مصر جیسی تمدن سلطنت کا مالک تھا، لاؤ لشکر، فوج اور خزانہ کا مالک تھا۔ مگر نہایت ہی سرکش اور باغی انسان تھا۔ اللہ نے اس کی طرف حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ فرعون اور ان دونوں پیغمبروں کا ذکر قرآن میں چھیالیس مرتبہ سے زیادہ آیا ہے۔ اُس نے اللہ کے ان پیغمبروں کی پیش کردہ نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان کو تسلیم نہ کیا، بلکہ اللہ کے دین کی شدید مخالفت کی اور پیغمبروں کو سخت تکالیف پہنچائیں۔ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشان پال دیکھ کر ہی ایمان لائی اور پھر اس جابرانہ ماحول میں آخر دم تک مستقیم رہی حتیٰ کہ اُسے نہایت ہی ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا گیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ

اہل ایمان کے لیے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ فرعون بڑا ظالم اور خود ساختہ خدا تھا۔ مگر اُس کی بیوی آسیہؓ کی ایمان دار، ولیہ کاملہ اور صدیقہ تھیں۔ جب فرعون کہہ رہا تھا کہ اس کی اپنی بیوی بھی اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان رکھتی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرتی ہے۔ تو وہ سخت تکلیف لایا اور حضرت آسیہؓ پر سخت مظالم ڈھانے شروع کر دیے حتیٰ کہ اللہ کی اُس مومنہ بڑی کرجاہ شہادت نوش کرنا پڑا۔ مگر اس کے پائے استقلال میں ظلم نہ آیا۔ اللہ نے اس مومنہ عورت کو تمام اہل ایمان کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

حضرت آسیہؓ  
کے حالات

حضرت آسیہؓ وہی عورت ہے جو فرعون کی بیوی تھی اور جس نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ البتہ موجودہ بائبل کا بیان یہ ہے کہ آپ کی پرورش فرعون کی بیٹی نے کی تھی۔ معترضاتی فرماتے ہیں کہ فرعون کی بیوی کی طرف سے پرورش کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ جب اُس نے فرعون سے کہا، یہ بچہ میری لڑکھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا (قصص - ۹) اس کو قتل نہ کرو، امید ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے۔ حضرت آسیہؓ سابقہ فرعون کی بیٹی تھیں لہذا اس

ملاحظہ سے بائبل کا بیان درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ سابقہ فرعون کی بیٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی مگر عورت ایک ہی ہے یعنی حضرت آسیہ کہتے ہیں کہ حضرت آسیہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پیش کردہ معجزات کو دیکھ کر ایمان سے آئیں اور پھر آخر دم تک اُن پر قائم رہیں۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام — کے مقابلہ کے لیے ملک بھر کے جادوگر جمع کیے، مگر انہوں نے معجزات دیکھ کر اپنا شکست تسلیم کر لی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مردوں میں سے تربت سے صاحب کمال لوگ ہوئے لیکن عورتیں کم ہی کمال دے سکتی ہیں۔ تمام کے تمام انبیاء اور رسل مرد ہی تھے اور یہ منصب اللہ نے کسی عورت کو عطا نہیں کیا۔ اسی طرح بے شمار اولیاء اللہ بھی ہوئے ہیں۔ تاہم کامل درجے کی عورتوں میں جن کا ذکر آتا ہے وہ حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ زوجہ فرعون، ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ، حضورؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق فرمایا کہ ان کی فضیلت باقی عورتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے ثریا کھانے کو دیگر کھانوں پر برتری حاصل ہے؟

حضرت آسیہ کے علاوہ فرعون کی بیٹی کو کنکھی کرنے والی عورت اور اس کا سارا خاندان بھی ایسا نذر تھا، سراج وال حدیث میں آتا ہے کہ وہ عورت فرعون کی بیٹی کو کنکھی کر رہی تھی کہ کنکھی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی اُس نے بسم اللہ کہہ کر کنکھی اٹھائی تو فرعون کی بیٹی نے پوچھا کہ یہ تو نے کس اللہ کا نام لیا ہے؟ عورت کہنے لگی کہ میں نے اُس اللہ کا نام لیا ہے جو میرا تیرا اور تیرے باپ کا بھی پروردگار ہے۔ جب بیٹی نے یہ واقعہ فرعون کے سامنے بیان کیا تو وہ بگڑ گیا اور سارے خاندان کے لیے موت کا حکم دے دیا۔ کہتے ہیں تانبے کا ایک بہت بڑا گھوڑے کا مجسمہ تھا جس کے پیٹ میں سارے خاندان کو ڈال کر جلا دیا گیا۔ اسی واقعہ میں ایک کم سن بچے کا بچپن میں کلام کرنے کا ذکر بھی آتا ہے



فرعون کے  
منظالم

فرعون کے مظالم سے متعلق مفسرین کرام یہ واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس نے  
محض اس وجہ سے اپنے ایک خادم کے دو بیٹوں کو ان کی ماں کی آنکھوں کے  
سامنے ذبح کروا دیا تھا کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان  
لے آئے تھے۔ فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم سورۃ الاسراف، سورۃ ہود اور  
سورۃ یونس میں بھی مذکور ہے۔ امام ابوالسلیٰ اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ  
حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ فرعون بعض لوگوں کو منزلے  
موت پہنچنے کے لیے اُٹھ کر بڑی کے تختے پر لٹا کر ان کے دونوں ہاتھوں  
اور دونوں پاؤں میں کیل ٹھونک دیتا تھا۔ اس بات کا تذکرہ سورۃ الفجر میں  
بھی موجود ہے۔ اللہ نے جابر القوام کے تذکرہ میں فرمایا وَفِرْعَوْنُ ذِی  
الْاَوْتَارِ (آیت - ۱۰) اور فرعون جو سختوں والا تھا۔ مفسرین کرام ذی الوداد  
کے دو معنی کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ فرعون کے خیموں کے کیل سونے کے تھے  
اور دوسرا یہ کہ وہ منزل کے طور پر لوگوں کو ان کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ  
کر ان کو سولی پر لٹکا دیتا تھا۔ پھر جب رگ یہ قیمی نظارہ دیکھ کر چلے جاتے تو  
فرشتے اُس مظلوم کی لاش پر سایہ کھینچتے۔

حضرت اسیرہؓ  
کی دعا

فرعون حسب معمول ایمان لانے کی وجہ سے حضرت اسیرہؓ کو بھی سخت  
مظالم کا نشانہ بنا تھا مگر وہ کسی طرح ایمان کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئی۔ بالآخر  
اُس ظالم نے حضرت اسیرہؓ کو لٹکا کر ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں  
گاڑ دیں اور ان کو دھوپ میں ڈال کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا۔  
ان حالات میں حضرت اسیرہؓ نے بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی اِذْ خَالَتْ  
رَبِّ اُبْتُ لِیْ جَنَّۃً بَیْتُہَا فِی الْجَنَّةِ اے میرے پروردگار! میرے  
لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے ان کی  
یہ دعا قرار قبول فرمائی اور تمام پردوں کو کھول کر جنت میں ان کا گھر دکھا  
دیا۔ حاکم نے کہا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ہر اہل ایمان کی بھی یہی خواہش

ہوتی ہے کہ اُس کو جنت میں گھر نصیب ہو جائے۔

حضرت آسیہ کی دعا کا دوسرا حصہ تھا وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَسَلِهِ  
 پروردگار! مجھے فرعون اور اُس کے کام سے نجات دے۔ فرعون کے کاموں سے  
 مراد اُس کے وہی ظلم و ستم کے کام ہیں جو وہ بے گناہ لوگوں پر آزما رہا تھا۔ اسی لیے حضرت  
 آسیہ نے فرعون کے ظالمانہ کام سے بھی نجات طلب کی۔ اہل ایمان کو برائی کے  
 کاموں سے ہمیشہ نصرت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی قوم کے  
 فعلِ بد کے متعلق کہا تھا۔ قَالَ اِنِّي لَعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ (آیت - ۱۶۸  
 سورۃ الشعراء) میں تمہارے اس خلافِ فطرت کام سے نصرت کرتا ہوں۔ بہر حال  
 حضرت آسیہ نے فرعون کے مظالم سے تنگ آکر یہ دعا کی کہ پروردگار! میرا  
 گھر جنت میں بنائے، مجھے فرعون سے بچا اور اُس کے کام سے بچا اور پھر چوتھی  
 دعا یہ کی۔ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ پروردگار! مجھے اس ظالم قوم سے  
 بھی نجات دے جو فرعون کے مظالم میں شریک ہے، اس دعا کے ساتھ ہی حضرت  
 آسیہ کی روح ان کے جسم سے پرواز کر گئی مگر انہوں نے اپنے ایمان پر آج نہ آنے دی۔  
 حضرت آسیہ وفادار، حیا دار اور فرعون کی خاندانی بیوی تھی مگر فرعون کا  
 کوئی حواری اُس کو ظلم و ستم سے منع نہیں کرتا تھا، بلکہ ایسے کاموں میں وہ فرعون  
 کے معاون بن جاتے تھے، وہ ہمیشہ فرعون کی ہاں میں ہاں ملااتے تھے اور اُس کے  
 ظلم کی تصدیق کرتے تھے۔ اس لیے حضرت آسیہؑ نے اس ساری قوم کو ظالم قرار  
 دیا اور ان کے ظلم سے نجات کی درخواست کی۔ پھر جب فرعون اور اس کے  
 حواری ظلم سے باز نہ آئے تو اللہ نے ان تمام سرکشوں کو دنیا میں ہی سزا دی اور  
 سب کو پانی میں غرق کر دیا۔

یہ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام اہل ایمان کو اپنے ایمان کی اسی  
 طرح حفاظت کرنی چاہیے۔ جس طرح فرعون کی بیوی نے اپنے ایمان کی حفاظت  
 کی۔ دنیا میں بہت سی مسلمان عورتیں حوادثِ زندگی کے نتیجے میں کافروں کے قبضہ میں

ایمان کی  
حفاظت

چلی جاتی ہیں۔ اگر ایمان کی روشنی موج زد ہو تو وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر لیتی ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کے وقت ہندوؤں نے بڑے بڑے مظالم کیے حتیٰ کہ بے شمار مسلمان عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں چلی گئیں اور پھر ان میں سے لا تعداد ایسی تھیں جو اپنے ایمان اور عصمت کی حفاظت کے لیے اپنی جان پر کھیل گئیں۔ حضرت آسٹہ کی مثال کا یہی مطلب ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات میں اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ اس میں دوسری بات یہ ہے کہ یہ پاکباز عورت اپنے کافر خاوند کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ جیسا کہ حضرت نوح اور لوط علیہما السلام اپنی کافر بیویوں کو نہیں بچا سکیں گے، بہر حال اگر جسمانی تکالیف برداشت کر کے ابدی راحت نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

---



وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا  
وَكَاةٌ مِنَ الْخَيْرَاتِ ۝

ترجمہ :- اور (اللہ نے مثال بیان کی ہے ایمان والوں کے لیے) مریم بنت عمران کی جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی، پھر پھونکی ہم نے اُس میں اپنی طرف سے ایک روح اور (مریمؑ نے) سچا جانا اپنے رب کے کلمات کو اور اُس کی کتابوں کو۔ اور تھی وہ بہت عبادت کرنے والوں میں سے ۝

سورۃ کے آخر میں اللہ نے کافروں اور کومنوں کے لیے دو عورتوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔ گزشتہ سے بیوستہ درس میں کفار کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال تھی۔ یہ دونوں عورتیں اللہ کے دو علیل القدر پیغمبروں کے نکاح میں تھیں مگر ایمان سے خالی تھیں جس کی وجہ سے وہ کفار کے ساتھ ہی جہنم رسید ہوئیں اور اللہ کے پیغمبر اُن کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ پھر گزشتہ درس میں فرعون کی بیوی حضرت آسیہؑ کی مثال اللہ نے اہل ایمان کے لیے بیان فرمائی کہ دیکھو وہ ایسے جاہل بادشاہ کے گھر میں تھی جس نے لاکھوں بچے محض اس لیے قتل کر دیے کہ کہیں اللہ کا وہ نبی نہ پیدا ہو جائے جو توحید کا پرچم لے کر اُٹھے اور میری سلطنت کو نیست و نابود کر دے اتنے سنگین حالات میں حضرت آسیہؑ کا ایمان لانا اور پھر اُس کی آخر دم تک حفاظت کرنا، بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس سے تمام اہل ایمان کو سمجھانا مقصود ہے کہ ان کے ایمان میں کسی حالت میں لغزش نہیں آنی چاہیے، خواہ کتنی ہی مشکلات

ترجمہ

رہنمائی

عجہ کرنی پر بھی ایمان سے ہاتھ دھونا پڑیں۔

حضرت مریمؑ  
کے حالات

اسب اس آخری آیت میں ایک اور مومنہ عورت حضرت مریمؑ کی مثال بیان کی گئی ہے۔ آپ کے والد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کے ہمنام یعنی عمران تھے یہ دونوں عمران الشتر کے چغیر تو نہیں تھے، مگر نہایت نیک، عبادت گزار اور الشتر کے ولی تھے، حضرت مریمؑ کے والد عمران کو نماز کے لیے پیش امام تھے حضرت مریمؑ کی پیدائش کا حال الشتر نے مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ ان کی پرورش اور کرامات کا ذکر بھی آیا ہے اور پھر جب آپ جوان ہوئیں تو الشتر نے آپ کو بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم الشان فرزند عطا کیا جو الشتر کے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہوئے۔ الشتر نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے محض ٹکڑے سے پیدا کیا جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بغیر باپ کے واسطے کے ہوئی۔ حضرت مریمؑ کے نام پر قرآن میں ایک متعلق سورۃ مریم بھی ہے، اور آپ کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ المؤمنون میں بھی ہے اور یہاں اس سورۃ میں بھی آگیا ہے۔

بہر حال یہ دو قسم کی مثالیں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات اچھی سے اچھی صحبت بھی کسی شخص کے لیے کارآمد نہیں ہوتی اور بعض اوقات بدترین ماحول میں بہ کر بھی انسان کمال حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے بڑھ کر اچھی صحبت کرنے کی ہو سکتی ہے۔ مگر ان کی بیویوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ ایمان سے محروم رہ کر جہنم میں گئیں۔ اوصاف فرعون جیسے جابر عمران کی بیوی آسیہ بدترین ماحول میں رہ کر بھی ایمان پر قائم رہی۔

ناموس کی  
حفاظت

ارشاد ہوتا ہے وَمَرْكَوَابُنْتُ إِسْمَاعِيلَ الشَّارِعِ اٰیْمَانُ كَے لیے مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی ہے۔ وہی مریمؑ اَلْحَنَّى اَخَصَّتْ فَوَجَّهًا جِسْمِ نَے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ فَتَفَعَّلَ فِيْهِ مِنْ رَوْحِنَا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے ایک روح پھونک دی۔ یہاں پر توجہ طلب

بات یہ ہے کہ رفیقہ کا مرجع کیا ہے؟ اس مقام پر تو یہ مذکر کا صیغہ ہے جبکہ  
 کہ سورۃ الانبیاء میں مؤنث کا صیغہ آیا ہے۔ وَالَّذِي أَحْضَنْتَ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا  
فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (آیت - ۹۱) فِيْهِ اور فِيْهَا دونوں کے یکھے فَرْجَهَا  
 کا لفظ آیا ہے جو ان کا مرجع ہے۔ فَرْج کا معنی مقامِ شہوت بھی ہوتا ہے اور گریبان  
 بھی، اور یہ لفظ خوف و خطرے کے مقام پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے  
فِيْهِ اور فِيْهَا دونوں کا یہی معنی زیادہ موزوں ہے کہ ہم نے حضرت مریمؑ کے فَرْج یعنی  
 گریبان میں ایک روح پھونکی۔ شاعر کہتا ہے۔

فَقَدَتْ كَلَا الْفَرْجَيْنِ حُبَّ اَنَّهُ  
 مَوْلَى الْمَخَافَةِ خَلَقَهَا وَاَمَّا مَهَا

عربی محاورے میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت یا فلاں مرد بڑی پاکدامن یا بڑا پاکدامن  
 ہے۔ صاحب روح المعانی مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ فلاں عورت فَقِي الْجَبِيْبِ  
 یعنی پاک گریبان والی ہے، باعصمت ہے۔ اس کے لیے طاہر الذلیل یا عقیف  
 النفس کا استعمال بھی آتا ہے۔

رَفِيقَةٍ کا مرجع شخص بھی ہو سکتا ہے، جیسے سورۃ مریم میں ہے فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا  
رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (آیت - ۱۷) ہم نے حضرت مریمؑ کی  
 طرف اپنے روح یعنی جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جو کمال درجے کی حسین و جمیل شکل میں  
 متشکل ہو کر آیا۔ آپ پریشان ہو گئیں اور اللہ کی پناہ چاہی تو جبرائیل علیہ السلام نے  
لَسِيْ يَسْتَعِيْزُ بِكَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ رَّبِّكَ لَا هَبْ لَكَ عَلَمًا (آیت - ۱۸)  
 (مریم - ۱۹) میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے  
 تجھے کمال درجے کا ایک فرزند عطا فرمانے والا ہے اور پھر فرشتے نے حضرت  
 مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری جس کو فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا  
 سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال مراد یہی ہے کہ حضرت مریمؑ نے ہر طریقے سے اپنے  
 ناموس کی حفاظت کی، مانہ تو انہوں نے نکاح کیا، اور نہ بدکاری کے ذریعے اپنے



ناموس پر آنچ آنے دی۔ تو اللہ نے فرشتے کے ذریعے آپ کے گریبان میں ایک روح پھونک دی۔

عصمت اور ناموس کی حفاظت کمال درجے کی صفت ہے اور حضرت مریمؑ اس سے پوری طرح متصف تھیں۔ اگرچہ مرد کے ناموس کی حفاظت بھی ضروری ہے تاہم عورت کے لیے یہ بطریق اولیٰ ضروری ہے کیونکہ کسی ممکنہ خرابی کی صورت میں عورت کے لیے یہ زیادہ قبیح فعل ہوتا ہے۔ اللہ نے حضرت ثییب علیہ السلام کی بیٹیوں کے بارے میں فرمایا فَبَاءَتْهُ اِحْدَاهُمَا فَتُحْشَى عَلٰی اِسْتِحْيَاہِ (القصاص - ۲۵) ان میں سے ایک نہایت حیاداری کے ساتھ چلتی ہوئی، موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔

عورت کی خلاف فطرت آزادی بڑی خطرناک چیز ہے۔ آج پوری دنیا حفاظت ناموس کے عمل سے خالی نظر آتی ہے اور خود مسلمان بھی اسی عالمی تمدن سے متاثر ہو چکے ہیں، حفاظت ناموس کے لیے بڑے کٹسروں کی ضرورت ہے جس کے لیے ہر دواصناف کا اپنے اپنے دائرہ کار میں رہنا لازمی ہے۔ اگر مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط جاری رہا تو حیا اور عصمت جیسی چیز ختم ہو جائے گی۔ یورپ اس بیماری کا اولین مریض ہے جس کے بارے میں گزشتہ صدی کے بڑے بڑے فلاسفر شکوہ کرتے آئے ہیں کہ ہمارے تمدن نے ہمیں غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ بہر حال اللہ نے حضرت مریمؑ کے بارے میں فرمایا کہ اُس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی اور ہم نے اُس میں اپنی طرف سے ایک روح پھونک دی۔

حضرت  
ابی ہاشم کی  
روایت

سورۃ آل عمران میں اللہ نے میثاق البینین کا ذکر کیا ہے۔ اللہ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء کی رگوں کو اکٹھا فرمایا اور پھر ان سے عہد لیا کہ جب میری کتاب اور حکمت تمہارے پاس آجائے اور پھر تمہارے پاس وہ رسول بھی آجائے جو اُس چیز کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے لَتَوْمِنُنَّ بِہِ وَلَتَنْصُرُنَّہُ (آیت - ۸۱) تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا۔ حضرت ابی ہاشم بیان کرتے ہیں کہ جب

صنوبر علیہ السلام نے اس عہد کے لیے روحوں کے اجتماع کا ذکر کیا تو فرمایا کہ انبیاء کی روحوں کے نورانی چہروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی تھی اور پھر اسی روح کو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تھا۔ یہاں پر **فَنَقَّحْنَاهُ** میں پھونک مارنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ کیونکہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، اور فرشتے نے اللہ ہی کے حکم سے پھونک ماری تھی، یہ سب حال کہیں اللہ نے فرشتے کا ذکر کیا ہے اور کہیں پھونک کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، تاہم روح سے وہی روح عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے جس سے عالم ارواح میں ملاقات ہو چکی تھی۔

بلقاہ صوفیاء کے امام محمد ابن علی ترمذی لکھتے ہیں کہ اصلاح کے پانچ درجہ ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

اصلاح کے  
پانچ درجہ

(۱) بچوں کی اصلاح مکتب میں ہوتی ہے۔ چونکہ مکتب سے باہر اصلاح ممکن نہیں اس لیے ہمارے اکثر والدین بچوں کی تعلیم و تربیت سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں جس کی وجہ سے بچے آوارہ پھرتے ہیں، کھیل کود، پتنگ بازی اور پھر نشہ کا شکار ہو جاتے ہیں، بڑی عجیب بات ہے کہ خیر و نیک و غیرہ تیار کرنے کے لیے مشینری امریکہ نے حیا کی ہے، اور اب جب کہ یہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے اور انسانیت اس سے تباہ ہونے لگی ہے تو اب خود ہی اللہ دانش کا سرغنہ بن بیٹھا ہے۔ اب خود پر اپگنڈا کر رہا ہے کہ دنیا میں یہ لعنت ختم ہونی چاہیے۔ یہ منافقت ہے جو ہمیشہ بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ بہر حال امام صاحب فرماتے ہیں کہ بچوں کی ابتدائی زندگی سکول، کالج اور درس میں گزرتی چلیے تاکہ وہ کچھ پڑھ لکھ لیں اور ان کی اصلاح ہو سکے۔

(۲) ڈاکوؤں کی اصلاح جیل میں ہوتی ہے۔

(۳) عورتوں کی اصلاح گھر میں ہوتی ہے۔ جو نہیں یہ باہر جانے کی فساد پیدا ہوگا۔

(۴) نوجوانوں کی اصلاح علم سے ہوتی ہے۔ اور

(۵) بوڑھوں کی اصلاح مسجدوں میں ہوتی ہے تاکہ اللہ اللہ کریں اور فساد سے

بچے رہیں۔

کلمات اور  
کتب کی  
تصدیق

اللہ نے حضرت مریمؑ کی تعریف فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ اور ساتھ ساتھ قَتُّ بَکُلْمَاتِ رَبِّهَا وَکُتِبَہِمْ اور اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔ انجیل تو حضرت مریمؑ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جب کہ قرآن پاک آخری زمانہ میں حضور خاتم النبیین پر نازل ہوا، تاہم اس سے پہلے تو راسخ، زبور اور بہت سے صحیفے نازل ہو چکے تھے۔ حضرت مریمؑ نے انہی کتب و صحائف کی سچائی کی تصدیق کی اور ان میں مندرجہ باتوں کو بھی سچ جانا۔

حضرت مریمؑ  
کی اطاعت  
شعاری

وَكَانَتْ مِنَ الْقَنَاتِینِ اور وہ بہت ہی عبادت کرنے والوں میں سے تھیں، قنوت کا معنی اطاعت اور قانت کا معنی حمد تن اطاعت شعار ہوا ہے۔ بیاں پر قانت کی جمع قانتین لایا گیا ہے جو کہ مردوں کے لیے آتی ہے۔ جب کہ عورتوں کے لیے قانات کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چونکہ مردوں میں عورتوں کی نسبت زیادہ اطاعت گزار ہوتے ہیں، اس لیے بیاں مِنَ الْقَنَاتِینِ فرمایا کہ وہ مردوں میں سب سے زیادہ اطاعت گزاروں میں سے تھیں۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مردوں میں سے تو بہت سے کامل آدمی ہوئے ہیں، البتہ عورتوں میں بھی بعض بڑی فضیلت والی عورتیں ہوئی ہیں۔ ان میں سے مریم بنت عمران آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) خدیجہ بنت خویلد (حضور علیہ السلام کی زوجہ محترمہ) اور عاتکہ بنت محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ کی فضیلت تو دوسری عورتوں کے مقابلے میں ایسی ہے۔ جیسے خرید کھانے کو دوسرے کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں بھگو دیے جائیں تو وہ نہایت لذیذ کھانا بن جاتا ہے، جس کو خرید کہتے ہیں۔

حضرت مریمؑ کی فضیلت کے متعلق اللہ نے سورۃ المائدہ میں جہاں صبح علیہ السلام کی رسالت کا تذکرہ کیا ہے وہاں فرمایا ہے وَأُمُّہٗ صِدِّیقَہٗ



(آیت - ۷۵) کہ آپ کی والدہ حضرت مریم صدیقہ تھیں۔ صدیقیت کا درجہ نبوت کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے جو اللہ نے حضرت مریمؑ کو عطا فرمایا یہ ان کی تعریف بھی ہوگئی۔

یہ مثال اللہ نے عام ایماندار لوگوں کے لیے بیان فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کو پیش نظر رکھیں کہ حضرت مریمؑ کس قدر اللہ کی اطاعت شعار تھیں اور اپنے ناموس کی محافظہ تھیں۔ اللہ کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کرنے والی تھیں۔  
ان اوصاف کے حاملین کو انشاء اللہ ضرور فلاح نصیب ہوگی۔  
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

مسند احمد کی احادیث کی تشریح  
(اردو زبان میں پہلی مرتبہ)

تمام

دروس الحدیث

انکلات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

جلد اول صفحات ۳۲۲ قیمت ۷۵ روپے

جلد دوم صفحات ۴۰۸ قیمت ۹۰ روپے

جلد سوم صفحات ۳۴۳ قیمت ۹۰ روپے

جلد چہارم صفحات ۳۴۳ قیمت ۹۰ روپے

شائع ہو کر مہر عام پر آچکی ہیں جو کہ خطباء، علماء، طلباء اور عوام الناس کے لیے یکساں مفید ہیں۔

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق کالج کوثر انوالہ

# نمازِ مسنون <sup>کلاں</sup>

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سوائی

دامت برکاتہم

نماز مسنون غند کے بعد نماز مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوعات پر مباحث کتاب ہے  
جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تفسیر مجاہد کریم  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تاجیین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے  
مزین ہے۔ جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و  
مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث  
صحا میں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے بعد اہم مباحث اور اس کے  
ساتھ افکار و دولت اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔  
مام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک بہت  
غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔  
محمد کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، سعیدی جلد بندی، قیمت - ۱۶۰ روپے

ناشر

## مکتبہ دروس القرآن

محکمہ فاروق گنج، گوجرانوالہ

ملنے کے ہیں

۱۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۔ مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج۔ گوجرانوالہ

## خطبات شیخ الاسلام

۱۔ شیخ العرب والہم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ  
مرتب و مقدمہ: حضرت مولانا موصوفی عبدالمیمن خان سواتی بانی مدرسۃ العلوم گوجرانوالہ  
حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت  
رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماء حق کی فیصلہ کن  
جادو جہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ  
یکجا نہیں تھے جمعیتہ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مد نظر بعض محترم ہستیوں نے  
ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے  
جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرا کابر کے خطبات  
یکجا مل جاتے ہیں حضرت مدنیؒ کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے  
تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک نواحق نے شیخ الاسلام  
حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ  
اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کو صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اس طرف  
میں نہ ہو سکے۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض  
احباب نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ  
خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ سر دست یہ  
گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیواہ  
(۲) خطبہ زنگپور بنگال (۳) خطبہ دہلی (۴) کوکناڈا (۵) علی گڑھ (۶) جونپور (۷) لاہور  
(۸) سہارنپور (۹) بمبئی (۱۰) حیدر آباد دکن (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز: ۱۵x۲۲، صفحات: ۵۰۰، کاغذ: اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت: ۸۰ روپے  
ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسۃ العلوم نزد گنڈہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کا پتہ: ادارہ نشر و اشاعت مدرسۃ العلوم گوجرانوالہ



# ادارہ نشر و اشاعت مدارس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی مطبوعات

نام کتاب	قیمت	نام مصنف	قیمت
تشریح سوانح الی ایما غوثی	۱۸۰۰۰	مولانا سونے عبد الحمید خان سواتی	۱۸۰۰۰
مباحث کتب الامان مع مقدمہ مسلم شریف	۲۱۰۰۰	*****	۲۱۰۰۰
سعدیات (فارسی)	۱۲۰۰۰	*****	۱۲۰۰۰
نماز مستون خورد	۴۰۰۰۰	*****	۴۰۰۰۰
مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار	۵۱۰۰۰	*****	۵۱۰۰۰
مقالات سواتی (حصہ اول)	۹۰۰۰۰	*****	۹۰۰۰۰
مکرم ترین نور جامع افکار	۳۰۰۰۰	*****	۳۰۰۰۰
فیوض حسینی المعروف تحفہ ابراہیم	۵۱۰۰۰	مولانا حسین علی واپس پیراں	۵۱۰۰۰
دلیل المشرکین مع ترجمہ اصلاح المؤمنین	۶۰۰۰۰	مولانا احمد دین بلوچی	۶۰۰۰۰
فہرہ اکبر مع ترجمہ البیان الازہر	۵۰۰۰۰	حضرت امام ابو حنیفہ	۵۰۰۰۰
عقیدۃ الملکوتی و عقیدۃ الخلیفۃ	۹۰۰۰۰	امام ابو جعفر طبرسی	۹۰۰۰۰
سرف ولی اللہ	۳۰۰۰۰	حضرت امام شہ ولی اللہ	۳۰۰۰۰
الطائف القدوس مع ترجمہ اردو	۳۵۰۰۰	*****	۳۵۰۰۰
حجت الاسلام (عربی)	۹۰۰۰۰	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	۹۰۰۰۰
اجوبہ اربعین (رد بروافض)	۹۰۰۰۰	*****	۹۰۰۰۰
میلہ تالیف الفلاسفہ (عربی)	۳۰۰۰۰	مولانا ابوالکلام آزاد	۳۰۰۰۰
تخیل الذہن (عربی)	۳۵۰۰۰	حضرت شہ ریح الدین محدث دہلوی	۳۵۰۰۰
اسرار الحب (عربی)	۳۵۰۰۰	*****	۳۵۰۰۰
دعایہ المہمل	۲۵۰۰۰	*****	۲۵۰۰۰
تفسیر آیت نور مع اردو ترجمہ	۳۹۰۰۰	*****	۳۹۰۰۰
مجموعہ رسائل جلد اول	۲۵۰۰۰	*****	۲۵۰۰۰
مجموعہ رسائل جلد دوم	۵۱۰۰۰	*****	۵۱۰۰۰
سیرۃ السلف	۶۰۰۰۰	حضرت شہ عبد العزیز محدث دہلوی	۶۰۰۰۰
خطبات کبیر الاسلام حضرت مہدی	۱۰۰۰۰	حضرت مولانا حسین احمد علی	۱۰۰۰۰
احکام رمضان	۴۰۰۰۰	حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی	۴۰۰۰۰
حی علی الفلاح	۱۵۰۰۰	*****	۱۵۰۰۰
حک کے نیچے ہاتھ پائے کا ثبوت	۳۰۰۰۰	*****	۳۰۰۰۰
احکام حج مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ	۱۸۰۰۰	*****	۱۸۰۰۰
احکام عمرہ مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ	۱۵۰۰۰	*****	۱۵۰۰۰
احکام قرآنی	۳۰۰۰۰	*****	۳۰۰۰۰
نور و بشر	۲۱۰۰۰	*****	۲۱۰۰۰
نام نمونہ اہل حدیث کی گالوں کے جواب میں	۳۰۰۰۰	*****	۳۰۰۰۰

# مجالس القرآن

الادب

مترقرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریحان الفتی

بلال احمد ناگی صاحب

صوت

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زبد العظمیٰ

انجمن مجاہدان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

مشرک سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

فرائض

محمود نور بٹ ایڈووکیٹ

راظم مکتبہ اسلامیہ

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دارالقرآن گوجرانوالہ